اطلب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

قاصد

دونوں غیر ملکی طبیبوں نے آپس میں مشورہ کیا، اور پھر متفق ہو کر وزیر کو اطلاع دی۔ کہ یاوز سلطان سلیم کے سرطان زدہ جسم سے روح پرواز کر چکی ہے۔

وزیر نے ان کی مدد سے دہکتے ہوئے کوئلوں کی انگیٹھی کو مرحوم سلطان کی لاش کے پاس سے ہٹایا۔ سلطان کی لاش ایک اطلس کے گدے پر دراز تھی۔ اس کے بعد یہ دونوں طبیب سونے کے لئے قالینوں پر لمبے لمبے لیٹ گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ نو دن تک اب وہ اس بڑے خیمے کے کمرہ خواب سے وہ باہر نہیں نکل سکیں گے۔ اتنے عرصے کے لئے سلطان کی موت کا پوشیدہ رکھا جانا ضروری ہے۔ وزیر نے یہی طے کیا تھا۔

یہ وزیر پیر پاشا ضعیف العمر آدمی تھا۔ اور اسے خود اتنے عرصے تک زندہ رہنے کی توقع نہ تھی۔ سلیم کئی سال سے بیمار تھا۔ ایک غیر معمولی ناقابل شکست قوت ارادی تھی۔ جس کے زور سے وہ اپنے درد سے چور چور جسم کو اپنے ہشت سالہ دور حکومت میں ایک مہم کے بعد دوسری مہم پر مستعدی سے پہنچاتا رہا۔ اندر سے اسے ایک طرح کا غیض وغضب کھائے جارہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے عزیزوں اور اقرباء سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا۔ پیری پاشا کو سلطان کا قرب سب سے زیادہ حاصل تھا۔ یہ وہ وزیر تھا کہ جس کے شانوں پر ساری سلطنت کا بار تھا۔ اور سلیم اسے رکن رکین کہا کرتا تھا۔

جس احتیاط سے کیمیا گر اپنے مرکبات کے شیشوں اور تجربات کے لئے جلائی ہوئی آگ کے پاس سے ہٹنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ بھال کر لیتا ہے۔ اسی احتیاط سے پیری پاشا نے اپنے مالک کی خواب گاہ کا جائزہ لیا۔ کہ اگر خیمے کے درز سے کسی کی آنکھ جھانک رہی ہے تو انہیں کہیں دال میں کالا نظر نہ آئے۔ اس نے ایک کے سوا اور سب روغنی شمعیں بجھا دیں۔ اور قلم دان اور کاغذ کے کچھ دستے نکالے۔ یہ اس نے گدے کے قریب رکھ دیئے، گویا سلطان سلیم ابھی ابھی کچھ لکھ رہا تھا۔ سلطان کی عادت تھی کہ رات کو نیند نہ آتی تو کچھ نہ کچھ لکھنے لگتا۔ کاغذ کو اس نے احتیاط سے دیکھا کہ سلطان سلیم ہی کا خط ہے، یا نہیں اور اس نے دو مصرعے پڑھے۔

"شکاری جب شکار کھیلنے کے لیے نکلتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ حقیقت میں شکاری کون ہے اور شکار کون۔"

سلطان سلیم یاوز شاعر بھی تھا۔

دربار کے حجرے میں پیری پاشا نے کہا کہ سلطان آرام کر رہے ہیں، اور اب وہ خود سونے کے لئے جا رہا ہے۔ علم برداروں اور سرکاری محافظ دستے کو پرچم کے چوبی ستون کے قریب اس نے یہ حکم دیا کہ اس کے پیچھے کسی اور کو خیمے سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ لیکن خود اس نے آرام نہیں کیا۔

اس طرح گویا وہ پہاڑ کی ٹھنڈی ہوا کھانے کے لئے چہل قدمی کر رہا ہے۔ وہ سواروں کے دستے کی طرف مڑا جہاں دو آدمی اس کے منتظر تھے۔ کئی دنوں سے یہ

دونوں اس کا انتظار کر رہے تھے۔

پاشا اکیلے میں چلتے چلتے اس عظیم خیمہ وخرگاہ میں خاموش نقل وحرکت کی آہٹیں سنتا جاتا تھا۔ مشکیزوں سے لدی ہوئی گاڑیوں کی سرسراہٹ، بھیڑوں کے گلوں کی آہٹ جو قصابوں کی سمت ہنکائے جا رہے تھے۔ رات کی دھندیں بھیگی ہوئی تھیں۔ صندلی لکڑیوں کا دھواں پھیلتا جا رہا تھا۔ اس کے اطراف دور دور تک پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر قاعدے اور سجاوٹ سے خیمہ وخرگاہ کی روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس رات کسی تبدیلی کے آثار نہ پائے جاتے تھے۔ لیکن بوڑھے وزیر کو معلوم تھا کہ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وزیر آتا ہوگا۔ غداری کے ارادے سے نہ سہی، لیکن کھوج اور تجسس کے نیت ہی سے سہی۔

جہاں گھوڑوں کے پانی پینے کا انتظام تھا، اور جہاں محافظ سوار گشت کر رہے تھے۔ وہاں وزیر نے اپنے دو آدمیوں کو چوسر کھیلتے ہوئے پایا۔ بڑی دیر تک وہ ان کے پاس کھڑا رہا۔ گویا تماشا دیکھ رہا ہے۔ لیکن اصل میں وہ یہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ یہی اس کے اپنے قاصد ہیں۔۔ ان میں سے ایک تو نوجوان تیغ بردار تھا، اور دوسرا ایک دستے کا سالار تھا۔ مگر اس نے اپنی مرصع زرہ بکتر پر ایک معمولی کپتان کا لباس پہن رکھا تھا۔

اس وقت پری پاشا پر ان متعدد فیصلوں کی تلخی کا بڑا اثر تھا۔ اس تردد کی کھلن کا اثر تھا کہ اگر وہ ذرا غلط قدم اٹھائے تو معلوم نہیں کتنی جانیں ضائع ہوں۔ ایک گزرتے ہوئے لمحے کے لئے اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش اپنے کسی

قاصد کی جگہ وہ خود کسی سفر پر روانہ ہو جاتا۔ اور باس فورس کے پانی کے کنارے اپنے باغوں کے لالہ زار میں آرام لے سکتا۔ لیکن یہ اس کے لئے ناممکن تھا۔

جب لوگوں کو اس کا یقین ہو جائے گا کہ سلطان سلیم کا انتقال ہو گیا ہے تو کچھ اور تذبذب کا عالم رہے گا۔ جب تک حضرت ابو ایوب انصاری رحمۃ اللہ کے مزار پر سلطان کے جانشین کی کمر میں شاہی تلوار نہ باندھی جائے، اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں کہیں شورش ہو جائے۔ ایشیا کے بعض وحشی قبائل میں شورش کا امکان تھا۔ لیکن سلیم کے دشمنوں کی بغاوت یقینی تھی۔ ویسے سلیم کے بہت سے دشمن باقی بچے تھے۔ اس کا ایک ہی بیٹا زندہ تھا۔

یہ بیٹا سلیمان تھا، جو اس وقت بہت دور ایشیا کے ساحل پر تھا۔

سب سے زیادہ خدشہ پیری پاشا کو دار السلطنت کی طرف سے تھا۔ جہاں شاہی خزانہ تھا۔ اور جہاں بہت سے اجنبی بڑے بڑے محلوں میں رہتے تھے۔ ممکن ہے کہ کوئی افواہ پھیل جائے یا رشوت دے دے، اور شہر میں فساد پھوٹ پڑے۔ پیری پاشا جو عثمانی سلطنت کا وزیر اعظم تھا۔ اپنے زندگی کے اس دن کو بھولا نہیں تھا۔ جب اس شہر قسطنطنیہ میں ترک اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ کر داخل ہوئے تھے، اور آج تریسٹھ سال کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا تھا۔ اور اس نے اپنا مکان اس شہر کے حصار اور حد نظر سے باہر نیلگوں پانی کے کنارے تعمیر کیا تھا۔

جب اس نے یہ اندازہ کر لیا کہ دونوں اشخاص جو کھیل میں مصروف تھے۔ اس کی طرف خاموشی سے تک رہے ہیں۔ تو اس نے اپنی پریشانی کا اظہار کیے بغیر

کہا۔ یہ قمار بازی کی ساعت نہیں۔اس نے لفظ ''ساعت'' پر زور دیا، یہ وہ راز کا حرف تھا، جس کا مقصد تھا کہ اب انہیں اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہو جانا ہے۔ان تینوں میں پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ کیا کرنا چاہیے؟۔

وزیر سلطنت کی آواز میں سلطان کی آواز کا سا دبدبہ تھا۔تعمیلا دونوں اشخاص نے جو بازی میں مصروف تھے،لکڑی کے مہرے اپنے اپنے کیسوں میں رکھےاور اٹھ کھڑے ہوئے۔ان میں جوافسر زیادہ معمر تھا،اس نے مؤدب لہجے میں کہا''پیری پاشافی امان اللہ''۔

جب وہ چلنے لگےتو پیری پاشا نے اس افسر کوروک لیا۔جومقابلتاً کم عمر تھا۔اور اسے کاغذ کاایک پرزہ دیا، جس پر شکستہ خط میں ایک بے دستخط تحریر تھی،اور پھر اس نے اس طرح حکم دیا، جیسے کوئی تیغ چی کوہلکی سے جھڑکی کے ساتھ کوئی حکم دیتا ہے۔ذرا دیکھ لینا کہ کابر دانسل کے گھوڑوں کے متعلق یہ حساب ٹھیک رہے گا۔کہ نہیں۔'' اسے یقین تھا کہ اس کی زبان سے جولفظ نکلےگاوہ سارے لشکر میں پھیل جائے گا۔''

پیری شاہ اتنی دیر کھڑا رہا کہ اطمینان کر لے کہ جب تک اس کے قاصد اپنے گھوڑوں پر سوار نہ ہولیں،کوئی ان کا تعاقب تونہیں کر رہا۔پھر وہ اپنے خیمے میں چلا آیا۔خیمہ میں پہنچنے سے پہلے ہی اسے اطمینان ہو گیا تھا۔کہ اس کے دونوں قاصد جنوب میں پہاڑوں کے اس پار اپنی اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہو چکے ہیں۔ان میں سے ایک سفیر ایک فوجی دستہ کا سالار تھا۔جوعظیم دارلسلطنت قسطنطنیہ کی جانب جا رہا تھا۔تاکہ وہاں پہنچ کر ہرطرح کی بغاوت کی روک تھام کے لئے

تیار رہے۔ اور دوسرا جو تیغچی تھا، وہ اس کی تحریر لیے بادپا گھوڑے پر سوار تیزی سے باس فورس کی جانب جا رہا تھا۔ تاکہ باس فورس کے اس پار ایشیا میں سلطان سلیم کے فرزند سلیمان کو تلاش کرے۔

پیری شاہ کو امید تھی کہ سات دن تک وہ سلطان سلیم کے مرنے کی خبر کو پوشیدہ رکھ سکے گا۔ لیکن پانچ روز بعد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا راز شاہی خیمے کے باہر بھی لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے۔ لوگوں کو معلوم تو ہو گیا تھا، لیکن یقین نہیں آیا تھا۔ یہ جانچ کر کہ جتنا وقت اس راز کو چھپانے میں مل سکا۔ وہی غنیمت ہے، اور یہ سوچ کر کہ لاکھوں سپاہیوں کے جذبات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس نے طے کیا کہ وہ خود ہی سلطان سلیم کے انتقال کا اعلان سنائے۔ چنانچہ دفعتاً وہ اس علم کے پاس پہنچا، جس سے سات سفید گھوڑوں کی دمیں آویزاں تھیں، اور اس نے اعلان کیا کہ رات کو یاوز سلطان سلیم کا انتقال ہو گیا۔

ینی چیری سپاہی سلطان سے سب سے زیادہ قربت رکھتے تھے۔ انہوں نے فوراً ماتم میں تلواروں سے اپنے خیموں کی طنابیں کاٹ ڈالیں، اور اپنے سروں سے عمامے اور خود اتار پھینکے۔ خیمہ گاہ کی سڑکوں سے ماتم کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اگر چہ کہ پیری شاہ کو فوج کے متلون جذبات کا بڑا اندازہ تھا۔ لیکن اسے بھی ایک لمحہ کے لئے تعجب ہوا کہ یہ ینی چیری جنہوں نے سلطان کے ایسے ایسے ظلم سہنے تھے۔ اور سلطان نے خود بڑا دورد اور کرب برداشت کیا تھا۔ اب سلطان کے مرنے کے بعد بچوں کی طرح نالہ و شیون کر رہے تھے۔

پیری شاہ نے سوچا کہ فوج کی وفاداری میں کوئی شک نہیں،فوراً اس نے لشکر گاہ سے باہر سفر پر روانہ ہونے کا عزم کیا۔اس نے خزانے کے صندوقوں پر مہریں لگائیں،سلطان سلیم کے ذاتی خزانے پر مہریں لگائیں،اور لشکر کی کمان ایک اور سپہ سالار کے سپرد کی،مگر خزانے کی مہریں اسے نہ دیں۔اس سپہ سالار کو اس نے ہدایت کی کہ آہستہ آہستہ منزلیں طے کر کے جنازے کا جلوس جنوب کی طرف روانہ ہو۔ اس رات پیری شاہ رات کو بھیس بدل کر شہر کی جانب اسی راستے پر روانہ ہوا۔جس پر اس کے قاصد پہلے جا چکے تھے۔

اس کا اندازہ تھا کہ نویں روز سلیمان شہر پہنچ جائے گا۔اگر کوئی اتفاق ایسا پیش آیا کہ سلطان سلیم کا یہ فرزند وقت پر نہ پہنچ سکا،تو پھر وہ خود جو سلطنت کا رکن رکین تھا،کوئی اور صورت سوچے گا کہ ان حالات میں کیا کیا جائے۔

اس کا گھوڑا اندھیری سڑکوں پر تیزی سے مشعلوں کی روشنی کے بغیر چلا جا رہا تھا۔ دفعتاً اسے سلطان سلیم کی یاد آئی۔جس کا آہنی عزم و استقلال سخت سے خطرے یا مشکل میں بھی کبھی متزلزل نہ ہونے پایا تھا۔

پانچویں روز سلیمان شمال کی جانب ساحل کے کنارے والی سڑک پر یورپ کی سمت روانہ ہو گیا۔

وہ سہولت کے ساتھ سواری کرتا چلا آ رہا تھا۔کبھی کبھی وہ تنگ رکاب پر زور ڈال کر اپنا لمبا پتلا جسم آگے جھکا کر آرام لے لیتا۔اسے گھوڑے بہت پسند تھے۔اور شمال میں گھوڑوں کے کھیتوں میں جتنا کچھ وقت اس نے صرف کیا تھا۔بہت لطف

کے ساتھ صرف کیا تھا۔ اس کا ہاتھ جو زین پر تھا۔ وہ سانولا اور گوشت کی بل کھائی مچھلیوں سے بنا تھا۔ زین پر وہ ایک قسم کی زنانہ شان سے بیٹھا تھا۔ اس کی بے چین بھوری آنکھیں، اس کے پتلے پتلے ہونٹ، اس کی تنگ نوک دار ناک اور اس کے چہرے پر گرم ہوا کی تمتاہٹ کا اثر صاف معلوم ہوتا تھا۔

اس کی مونچھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ داڑھی گھنی ہوئی تھی۔ ایک ڈھیلا سا کپڑا اس کے پتلے سے سر کے اطراف بندھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس ایک نوجوان سے درویش کا دھوکہ ہوتا تھا۔ سلیم کے اس بیٹے کی عمر اس زمانے میں پچیس سال تھی، چلتے چلتے وہ جگہ جگہ گھاس کے کھلیان اور زرخیز سرخ مٹی کو دیکھتا جاتا تھا۔ جو ربیع کی فصل کے لئے تیار تھی۔ سڑک کبھی کبھی سمندر کی پتلی کھاڑیوں کے کنارے کنارے ہو کے گزرتی، اور یہاں وہ ماہی گیروں کے ڈونگوں کے بادبان شمار کرتا تھا۔ یہ ڈونگے سرخ چھتوں والے دیہاتوں کے قریب ساحل سے بندھے ہوئے تھے۔ یہ جنوبی ساحل کا علاقہ اس کے زیرِ انتظام تھا۔ اور یہاں بھی مقدور بھر اس نے اچھی حکومت کرنے کی کوشش اس طرح کی جیسے کریمیا کی گرم اور روشن سرزمین میں، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان چھوٹے چھوٹے علاقوں کا نظم و نسق ایک طرح سے اس کا امتحان تھا، اور یہ کہ اس کے باپ کے یہاں غلطیوں کا پورا پورا حساب کتاب رکھا جاتا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ اسے دارالسلطنت پسند تھا۔ جہاں اس نے چناروں کے تلے کے بارکوں میں فوجی تعلیم پائی تھی۔

سال ہا سال تک سلیمان نے تعلیم پائی تھی کہ انسانوں اور مویشیوں کی کس طرح

نگہداشت کی جاتی ہے۔ بڑے تجربہ کار افسر اس کے مشیر تھے۔ اور اپنے باپ کی طرح اس کا اپنا دربار بھی تھا۔ لیکن بڑا ہی مختصر، لیکن کبھی اسے اس کے سخت گیر باپ نے کوئی مشورہ نہیں دیا۔ زیادہ تر وہ لڑائیوں پر باہر ہی رہتا تھا۔

اس کے کمر بند میں وزیر کی مختصر چٹھی تھی، جس میں صرف اتنا لکھا تھا کہ اس کا انتظار ہے کہ شہر سے باہر حضرت ابوایوب انصاری کی درگاہ پر خاندان عثمانیہ کی تلوار اس کی کمر سے باندھی جائے۔ اس طلبی کے خط پر اس کے مشیروں کو اعتبار نہ آیا تھا۔ انہوں نے یہ جتایا تھا کہ ممکن ہے کہ کسی نے کوئی چال چلی ہو۔ اور چھوٹے سے محافظ دستے کے ساتھ اسے شہر میں کھینچ لایا ہو۔ انہوں نے جتایا کہ شنیدہ کے بعد مانند دیدہ۔

لیکن تھکا ماندہ قاصد جو یہ خط لے کر آیا تھا، اس نے سوگند کھا کر کہا کہ وہ یہ تحریر خود پیری شاہ کے ہاتھ سے لے کر آیا ہے۔ تب ابراہیم یونانی نے یہ استدلال پیش کیا کہ اگر یہ پیغام سلیمان کو سلیمان کی طرف کھینچ بلانے کے لئے محض ایک سازش ہوتا تو تحریر میں یہ صاف صاف لکھا ہوتا کہ سلیم کا انتقال ہو گیا ہے۔ یا یہ کہ پیری شاہ سلیمان کے آنے پر اصرار کرتا۔ اس کے بجائے صرف آل عثمان کی تلوار کا حوالہ تھا۔ سلیمان نے خود یہ دیکھا تھا کہ قاصد پیغام دیتے ہی زیتون کے درخت کے نیچے قالین پر تھکن سے گر کر فوراً غفلت کی نیند سو گیا تھا۔ سلیمان نے اشرفیوں کی جو تھیلی اسے بخشی تھی، وہ بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی معلوم ہوتی تھی۔ یہ شخص کئی راتوں سے سویا ہی نہیں، سلیمان نے اس طلبی کے پیغام کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے

رفیقوں نے عرض کی۔ اس صورت میں بلا تاخیر سفر کا قصد فرمائیے۔ ان کے نزدیک سلیمان کے یا اپنے حرم کی آسائش کا خیال کیے بغیر یک لخت سفر پر روانہ ہونا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ جب ایک درویش نے اس کی لگام تھامی تو اسے غصہ آ گیا۔ درویش نے صدا لگائی کہ تو اوروں کے مقابل بڑا خوش نصیب ہے کہ تو حضرت سلیمان کا ہم نام ہے۔ تو آل عثمان کا دسواں سلطان ہے۔ اور دسویں صدی ہجری کے شروع میں تیری سلطنت کا آغاز ہو رہا ہے۔ ہر زمانے کا ایک سکندر ذوالقرنین ہوا کرتا ہے۔ تو اس زمانے کا ذوالقرنین ہے۔

جلدی جلدی اس کے ملاحظے میں کچھ کاغذات پیش کیے گئے۔ اس کے رفیق غور سے اس کے دست خط کے حروف کی کشش کو دیکھتے رہے۔ گویا کل شام کے دستخط سے آج کے دستخط مختلف تھے۔

وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں وہ آل عثمان کا جیتا جاگتا تاج دار بن چکا ہے۔ لیکن وہ اکیلا تھا۔ اس کا کوئی بھائی نہ تھا۔ اور سلیم نے اس کے کسی چچا کو نہیں چھوڑا تھا۔ اگر شہر کی جانب کشتی پر جانے میں گم نام سازشیوں نے اسے قتل کر دیا، تو آل عثمان کا خاتمہ ہو جائے گا۔

خاندان کے سخت قانون کے باعث گزشتہ چند نسلوں سے یہ ہوتا آیا تھا کہ اس کے اجداد اپنی اپنی جگہ اکلوتے تھے۔ تعداد میں تھے ہی کم اور ترکوں کی آبادی بہت ہی کم تھی۔

ان سلطانوں کو غازی اور قیصر روم کے خطابات ملے تھے۔ انہیں القاب سے

اجنبی ملکوں کو لوگ انہیں یاد کرتے تھے۔ صحیح معنوں میں ان کی اپنی کوئی قوم نہ تھی، اور نہ بالکل اپنی سلطنت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو تسخیر کیا تھا لیکن اس ہمہ صفت موصوف سلطان نے یہ قانون نافذ کیا تھا کہ آج کی تاریخ سے مسلمان اور عیسائی رتبے میں برابر ہوں گے۔ یونانی نسل کے لوگوں اور اناطولیہ کے ترکوں کے درمیان کوئی فرق نہ کیا جائے گا۔

سلطان محمد فاتح کا یہ فرمان نافذ ہوتے ہی اٹل قانون بن گیا، جس کی رو سے عثمانی ترکوں پر لازم تھا کہ وہ یورپ کے ان ملکوں کے باشندوں سے زیادہ تعلیم حاصل کریں، جن کو انہوں نے تسخیر کر لیا تھا۔ یہ بایزید کی تحریک تھی۔ ان دونوں سلطانوں کے دور حکومت کے ساٹھ برسوں میں ان دونوں قانونوں پر پابندی سے عمل کیا گیا۔ لیکن کیا ان قانونوں سے ایک قوم مرتب ہو سکتی تھی۔ جس کا ان کی اپنی ذات سے باہر وجود نہ تھا۔ ادھر یہ دو فرد تھے اور ادھر ان کے دو قانون، ادھر ان کے لئے بے پردہ جانشین سلیم نے ان بزرگوں کے بنائے ہوئے ڈھانچے کو توڑ کر نئی سر زمین کی تسخیر کی طرف قدم بڑھایا تھا۔

دفعتاً سلیمان کو پتا چلا کہ اس کا راستا آگے سے رک گیا ہے۔ ایک کسان کا چھکڑا ایک تنگ سے پل پر پھنس گیا تھا، اور اس کا پہیا دھنس گیا تھا۔ چھکڑے پر جو گیہوں کے خوشے لدے تھے۔ وہ گر کے سڑک پر بکھر گئے تھے۔ اس کے ہراول کے دو سوار اتر کر ہوشیاری کے بغیر کوشش کر رہے تھے کہ پھنسا ہوا پہیا نکالنے میں کسان کی مدد کریں۔

سلیمان نے چھکڑے کے قریب پہنچ کر لگام کھینچ لی فوراً ہی اس نے اپنے عقب

میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ آج اس کے تمام ساتھی خواہ ان کا مرتبہ کچھ ہی ہو، ایک نیزے کی پھینک کے فاصلے کے برابر پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ اب پل پر یہ گڑبڑ دیکھ کر انہوں نے اپنے شہزادے کی حفاظت کے لئے تیزی سے پیش قدمی کی۔

اس رکاوٹ اور بلاوجہ کی چیخ و پکار سے منغض ہو کر سلیمان نے گھوڑے کی باگ موڑی، اور اس کا شان دار ابلق گھوڑا گھاٹی میں اترا، اور ندی کے پانی کو چھپ چھپ کر کے پار کرتا ہوا، دوسرے کنارے کی سڑک پر، چھکڑے سے رکے ہوئے دستے کے آگے جا نکلا۔ ہراول کے دونوں سوار جلدی سے تیز تیز پھر اپنی جگہ سنبھالنے کے لئے آگے پہنچے، سلیمان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس کا امکان تھا کہ یہ مقام کسی دشمن کی کمین گاہ ہو گی۔ لیکن اس وقت اسے یہی فکر تھی کہ اڑے ہوئے چھکڑے سے آگے نکل جائے، اب الگ الگ چلنا اسے مناسب معلوم نہ ہوا، اس نے گردن موڑ کے آواز دی ''ابراہیم ساتھ ساتھ رہو۔''

اکثر وہ تکلیف کی گھڑی میں ابراہیم کو یاد تھا، جو اس کا جرہ باز تھا، پیدائشی وہ یونانی نسل کا تھا۔ اور ساحلی سرزمین کا رہنے والا تھا۔ عمر میں اس سے بڑا تھا، اس کا رنگ سانولا تھا، دبلا پتلا سا تھا۔ اس کی ٹھوڑی آگے نکلی ہوئی تھی۔ آنکھیں اتنی تیز تھیں کہ گویا وہ ہر مشکل کو حل کرنے کا راستہ دیکھ لیتی تھیں۔ ابراہیم اکثر اس کے آگے رباب بجایا کرتا تھا۔ یا ایسی کتابیں پڑھ کر سنایا کرتا تھا، جن سے اور لوگ عام طور سے واقف نہیں تھے۔ سلیمان کو خود عملی مشکلات سلجھانے کا بڑا ملکہ تھا۔ مگر وہ بڑی دل چسپی سے سنا کرتا تھا، کہ کس طرح اپنی فراست سے ابراہیم کسی دقیق مسئلے کا تجزیہ کر

رہا ہے۔ اس نے پوچھا ابراہیم کیا فوج کا یہ گمان ہے کہ میرے والد نے اپنے والد بایزید کو زہر دے دیا تھا۔

اس سوال کا اس یونانی سے فوراً کوئی جواب نہ بن پڑا۔ کیونکہ فوج کو اس بات کا قطعاً یقین تھا۔ بایزید جو بڑا حلیم الطبع تھا۔ اپنے بیٹے سلیم یاوز کے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد بھی جب بوڑھا بایزید شہر چھوڑ کر اپنے پیدائش قصبے میں زندگی کے بقیہ دن آرام و قناعت سے گزارنے جا رہا تھا۔ تو راستے میں ایک نامعلوم مرض سے اس کا انتقال ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ زہر ہی سے اس کی موت واقع ہوئی ہو گی۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اس یونانی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح کا جواب سلیمان کو پسند آئے گا۔ اس سے جھوٹ بولنا تو ممکن ہی نہ تھا۔

اس نے بڑی احتیاط سے کہا۔ ''فوج کا تو یہی یقین ہے کیونکہ یاوز سلطان کا مستقبل عزم یہی تھا۔ کہ ساری طاقت صرف اسی کے ہاتھ میں رہے۔ جب تک بایزید زندہ تھے، خواہ وہ کہیں رہتے حقیقت یہ تھی کہ وقت واحد میں دو سلطان موجود تھے۔''

سلیمان نے ہاں نہیں کچھ نہ کہا، جب وہ اس طرح غائب دماغ ہو جایا کرتا تو اس کا یونانی خادم کچھ نہ سمجھ پاتا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ کبھی کبھی سلیمان بعض مسائل کو اپنے دل کی عدالت کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔ اس شہزادے کی طبیعت کے عملی پہلو کو تو ابراہیم اچھی طرح سمجھتا تھا۔ لیکن اس کے اس باطنی تجربے کو بالکل نہیں۔ بہت احتیاط سے اس نے اپنے نوجوان آقا کی طبیعت کے رخ کا اندازہ کرنا چاہا۔

''جو کچھ ہو چکا ہے اسے آپ بدل نہیں سکتے۔ یہ آج صبح سے پہلے کی بات ہے

آج صبح یہ سڑک آپ کے اقبال کی منزل کی طرف جا رہی ہے۔"(سلیمان کو آسانی سے مغالطہ) میں مبتلا کیا جا سکتا تھا۔لیکن یہ اس لیے خطرناک تھا۔کہ اس کا مزاج تیز تھا۔حالانکہ وہ اپنی تیز مزاج کو اپنی خاموشی اور لاابالی پن کے ذریعے چھپائے رکھتا تھا۔" جیسے کہ اس درویش نے کہا تھا۔ہر بات میں نصیب نے آپ کا ساتھ دیا ہے۔خود بایزید کی یہ پیشن گوئی تھی کہ ایک دن آپ سلطانی کریں گے۔شاید سلطان سلیم مرحوم کو یہ خوف تھا کہ ان کے بجائے آپ کو سلطان نامزد کیا جائے گا۔"(یہ کہہ کر تیزی سے ابراہیم نے اس کے حساس، ساکن چہرے کی طرف دیکھا) "پیچھے پلٹ کر نہ دیکھئے آگے کی طرف دیکھئے۔آپ کے کوئی بھائی نہیں جو دارالسلطنت پہنچ کر بادشاہ بننے کی فکر میں آپ کے مقابلے پر آئیں۔آپ کا کوئی دشمن نہیں جو آپ کا راستہ روک سکے۔شوکت اور عظمت اس کی منتظر ہے کہ بڑھ کر آپ کی رکاب چومے۔وزیراعظم اس انتظار میں ہے کہ ظل اللہ کے آگے جھک کر جبیں سائی کرے ،جس کا اقبال اتنا بلند ہو۔اس کے لیے کوئی مرحلہ مشکل نہیں۔"

سلیمانی نے مسکرا کر کہا۔"بجز اس کے کہ پھر اسی سڑک سے واپس لوٹ جاؤں۔"

شہر کی صدائیں

وہ واپس نہیں لوٹا، تین روز وہ تیزی سے سفر کرتا رہا۔ پھر خاموش نم حصہ زمین اور گھنے جنگلوں میں بخاریوں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو پیچھے چھوڑ کر اس کے گھوڑے کے سم ایک ایسی پتھریلی سڑک سے ٹکرانے لگے جو پرانے زمانے میں رومیوں نے تعمیر کی تھی۔ یہ سڑک ایک بلندی پر پہنچتی تھی جسے چم لجا کہتے ہیں۔ یہاں سرو کے درختوں کے جھنڈ کے نیچے مردے قبروں میں آرام کی نیند سوتے تھے، اور جو زندہ تھے، وہ سڑک پر سے ہو کے آگے نکل جاتے تھے۔ اس بلندی کے اس پار بحیرۂ ماموراکا نیلا پانی چمک رہا تھا۔

اب وہ کھلے ہوئے علاقے سے نکل کر اس شہر کے قریب آ پہنچا جو اس کا پایۂ تخت بننے والا تھا۔ ابھی سے ہر شے بدلی ہوئی نظر آتی تھی۔ یہاں جو کی ہری بھری شاخوں پر جھکے ہوئے کسان، یا مویشیوں کے ریوڑوں کو آہستہ آہستہ ہنکاتے ہوئے چرواہے نہیں جمع تھے۔ یہ قسطنطنیہ کے شہری تھے جو پتھر کی سڑک پر جمع ہو کر اسے گھور رہے تھے۔ اسے معلوم ہو گیا کہ جو خبر اس تک پہنچی ہے کسی نہ کسی طرح شہریوں تک بھی پہنچ گئی ہے۔ شہر میں افواہ کاروان سرائے سے شروع ہوئی اور شاہراہوں میں پھیلنے لگی۔ حمام خانوں میں بھاپ کے ساتھ افواہیں بھی اڑتیں، اور پھر یہ افواہیں ساحل کے کنارے کنارے کشتی پر اس پار سے اس پار پہنچ جاتیں۔ جب وہ عوام الناس کے جم غفیر میں چلا جا رہا تھا تو بہت سی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ''خدا سلیم

کے فرزند کا اقبال بلند کرے۔''

ساحل پر ایک کشتی اس کی منتظر تھی جس میں نشست پر قالین بچھا ہوا تھا پانی کے اس پار قسطنطنیہ کا عظیم الشان شہر اس کی حالت ایک حسین مغرور حسینہ کی سی تھی جو دو سمندروں کے درمیان ہر حامیانہ ادا سے بے نیاز، محض اس ایک مرد کی منتظر جو اس کا خاوند بننے والا ہو۔ سلیمان نے سلیم کی غیر موجودگی میں اس شہر کی سرداری کی تھی، اور وہ اس کے مزاج سے واقف ہو چکا تھا۔ وہ اس کے خدوخال سے بھی خوف و اقف تھا، جو جامع ایا صوفیا کے میناروں سے صاف نظر آتے ہیں۔ چناروں کے درمیان مسجد کے مینار، اور پھر وہاں سے اس کے اپنے قصر کے دروازے کے قریب رومیوں کے جلے ہوئے ستونوں کا منظر۔

جب اس کی کشتی اس کے باغ کے زینے کے پاس پار لگی اور وہ اترا تو باغبان اس کے استقبال کے لیے خود بخود جمع ہو گئے۔ نوجوان سپاہی پھولوں کی کیاریوں پر سے چھلانگیں مارتے ہوئے آگے بڑھے، ان کے بھورے رنگ کی فوجی ٹوپیوں کی پشت کا حصہ ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ یہ ینی چیری جو شہر کے محافظ دستے سے تعلق رکھتے تھے دوڑ کے اس کے اطراف جمع ہو گئے، ان کی کمر میں جو خنجر بندھے ہوئے تھے وہ سلیمان کے بازوؤں سے مس کر رہے تھے اسے دیکھتے ہی انہوں نے چلانا شروع کر دیا۔ ''انعام۔ انعام۔ انعام عطا کرو''

یہ ینی چیری سپاہی جب قابو سے باہر ہو جاتے تو بڑے خطرناک ہوتے تھے۔ اس وقت وہ حسب معمول وہ انعام مانگ رہے تھے جو نئے سلطان کی تاجپوشی کے

وقت انہیں ملا کرتا تھا۔ وہ ورزشی جسم والے ہٹے کٹے سپاہی لمبے چھریرے بدن والے شہزادے کے اطراف ایک بھیڑ کی صورت میں جمع ہو گئے تھے۔ ینی چیریوں کا آغا، جو دوڑنے کی وجہ سے ہانپ رہا تھا، ان سپاہیوں کے مجمع کو چیرتا ہوا، دانت نکالے آگے بڑھا اور اس کے داغدار ہاتھ میں ایک سرخ سیب تھا۔ سلیمان کو غور سے دیکھ کر آغا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ینی چیریوں کے نئے سردار کو مرحبا کہنے کا طریقہ یہی تھا۔ پھر اس نے پوچھا، ''ابن سلیم! کیا آپ اس سیب کو کھا سکیں گے۔''

ینی چیریوں کے نزدیک یہ سیب ان کے روایتی دشمن کے علامت تھا ان کا یہ روایتی دشمن سمندر کے اس پار اطالیہ میں رومتہ الکبریٰ کا شہر تھا۔

سیب لے کر سلیمان نے مختصر سا جواب دیا۔ ''جب اس کا وقت آجائے گا۔''

''انعام۔ انعام عطا کیجئے۔''

''وہ بھی اپنے وقت پر مل جائے گا'' یہ کہہ کر سلیمان ینی چیریوں کو دھکیلتا ہوا آگے بڑا۔ آغا ذرا بڑبڑانے لگا۔ اور دوسرے سپاہی پیچھے ہٹ گئے۔ درختوں کے نیچے چشمے پر شہر کے دستے کا سالار جس کے تفویض شہر کے امن کی ذمہ داری تھی۔ اس نے سلیمان کو دیکھ کر اطمینان سے سانس لی اور اسے ذرا مایوسی بھی ہوئی کیونکہ سلیمان نے زیادہ بات چیت نہیں کی تھی۔ ینی چیریوں کے محافظ دستے سے اس کو خوف نہیں معلوم ہوا تھا لیکن اس نے ان کی نظروں میں معزز بننے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کی نظروں میں وہ سلیم یاوز کا صحیح جانشین فرزند نہیں معلوم ہوتا تھا۔

دوپہر کو سلیمان نے تنہا کھانا کھایا اس کے سامنے دسترخوان پر چھوٹے چھوٹے

پیالوں میں گوشت کی بوٹیاں سبزیوں میں پکی ہوئی رکھی تھی، میٹھے چاول تھے، اور نمکین بالائی میں انجیر لگے ہوئے تھے۔ سلیمان یہ سب اس طرح کھاتا رہا گویا کھانا بڑے مزے کا ہے اس نے طلائی جامہ کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ خاموشی سے ایک لڑکے نے بڑھ کر اسے شربت سے بھر دیا۔

بظاہر تو وہ بڑے اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ لڑکے جو حرم سرا کے اندر ملازم ہیں کیسی تندہی سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ لیکن اندر ہی اندر سلیمان ایک طرح کی پریشانی کے بحران میں مبتلا تھا۔ کھانے کا کمرہ تنگ اور ناخوشگوار تھا اور اجنبی سا معلوم ہوتا تھا۔ گڑبڑ کرنے والے ینی چیریوں کو اس نے ٹھیک طرح نہیں سنبھالا تھا وہ کبھی اس جانثاری سے اس کی اطاعت نہ کرسکیں گے جیسی انہوں نے سلیم کی اطاعت کی تھی۔

دس سال پہلے کی یاد سلیم نے بایزید سے بغاوت کی تھی۔ اور بوڑھے سلطان کے ہاتھ شکست کھا کر کریمیا کے ساحلی قلعوں میں پناہ لی تھی۔ یہاں سلیمان بھی اپنی والدہ کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ سلیم اپنے باپ کے اس حکم پر ہنسا تھا کہ نوجوان، پڑھنے لکھنے کے شوقین سلیمان کو اس کے پاس بھیج دیا جائے تاکہ قسطنطنیہ کی کوتوالی اس کے سپرد کی جائے۔ سلیم نے وحشی تاتاریوں کے لشکر کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف پایہ تخت پر یلغار کی تھی۔ ینی چیری یہ حکم لے کر آئے تھے کہ سلیم کو مار کے پیچھے ہٹا دیں لیکن جیسے ہی انہوں نے سلیم کو اپنے مقابل دیکھا، دوڑ کر اس کا رکاب چوم لی۔ اور کہا کہ اس کے سوا کوئی اور ان کی سرداری نہیں کرسکتا۔ اس حرکت کے معنی یہ تھے کہ ینی چیریوں نے

اپنے اصلی سلطان کو چھوڑ کے نئے آقا کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ اس پر بایزید کو آل عثمان کی تلوار اور پھر اپنی جان سلیم کے حوالے کر دینی پڑی۔ اگر سلیم نے اسے زہر نہیں دلوایا تب بھی اسے زندہ رہنے کی خواہش نہیں رہی تھی۔ اس برس کی ناگواریاد سلیم اور اس کے بیٹے کے درمیان حائل تھی۔ جس کو اس کے بعد سے فوج سے دور رکھا گیا تھا، سلیم نے جو آخری الفاظ سلیمان کے سامنے کہے تھے، انہیں کہے ہوئے کئی برس ہو چکے تھے اس نے نصف حقارت اور نصف شفقت سے یہ کہا تھا۔ ''اگر کوئی ترک زین سے اتر کر قالین پر بیٹھ جائے تو وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔''

اکیلے میں کھانا کھاتے، اور اس کے بعد جب ایک اور خادم لڑکے نے نقرئی سطفچی میں اس کا ہاتھ دھلایا تو ہاتھ دھوتے ہوئے سلیمان کے دل میں خیال آیا کہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کی بھی اسی طرح خدمت کی جاتی۔ جب تک پیری پاشا پہنچ نہ جائے اور جب تک ملک کے بڑے بڑے سردار اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کر لیں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور پیری پاشا جسے چاہیے تھا کہ اس کی کشتی کے اترتے وقت حاضر رہے، ابھی تک نہیں آیا تھا۔

اس کے گھرانے کے خادموں کا خیال تھا کہ وہ کھانے کے بعد کچھ دیر قیلولہ کرے گا۔ انہوں نے خواب گاہ میں اس کا بستر بچھا دیا۔ لیکن سلیمان کا جی لیٹنے کو نہیں چاہا۔ وہ دیوار کے پاس ٹہلتا رہا، اور رکونوں میں اپنے پرانے سامان کو ٹٹولتا رہا۔ اس میں کچھ قرآن مجید کے مسودے تھے جو اس کے استاد اسم خطاط کے لکھے ہوئے تھے۔ کچھ رسالے تھے جو اس نے خود جفر اور رمیت، یا فقہ پر تحریر کیے تھے۔۔ ایک

چھوٹا سا، سونے کا، گھڑی رکھنے کا ڈبا تھا جو خود اس نے اس زمانے میں بنایا تھا جب وہ اس طرح کی کاریگری کی مشق کیا کرتا تھا۔ اسے یورپ کے گھوڑی سازوں کی چابکدستی بہت پسند تھی، اور اس نے یہ ڈبا بڑے شوق سے بنایا تھا۔

لیکن یہ رسائل اور یہ گھڑی اب سب بے معنی تھے۔ یہ اس لڑکے کی یادگار تھے جس کا اب وجود باقی نہ رہا تھا۔

اسے اپنے اکیلے ہونے کا دردناک احساس ہوا۔ اسے گل بہار یاد آئی اور پھر اپنے بیٹے کے دیکھنے کو جی چاہا، اسے وہ چاندنی راتیں جب وہ کشتی پر ساحل کے کنارے جھینگوں کے شکار لیے نکلتا تھا اور ابراہیم عود و رباب بجایا کرتا تھا اکیلے میں انسان ان سب چیزوں کا لطف نہیں اٹھا سکتا۔

''سلطان سلیمان خاں''

وہ اس آواز کو سن کر چونک پڑا تھا، لیکن وہ اس بے رخی سے صدر دروازے کے پردے کی طرف مڑا گویا اس کے خیالات کی رو کے درمیان کوئی اور آ پہنچا اور اس پر اسے صرف خفیف سی حیرت ہوئی ہے۔ پردے سے جو شخص اندر داخل ہوا وہ پیری پاشا تھا، جو ایک عجیب ہیئت کا لبادہ پہنے تھا، اور بہت بوڑھا اور تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سلیمان کا ہاتھ اپنے دل پر رکھا اور پھر اس ہاتھ کو بوسہ دیا۔ بڑھاپے سے اس کی آواز لرز رہی تھی اور وہ یہ کہہ رہا تھا اس ضعیفی میں جس قدر تیزی سے ممکن تھا اس نے سفر کیا ہے لیکن اب اپنے آقا کو دیکھ کے پھر سے اس کی روح میں طاقت عود کر آئی ہے۔ اس کی گفتار میں دربار کے آداب کا زیر و بم تھا لیکن اس کے خلوص میں

شک نہیں تھا۔ سلیمان فوراً انسان کے خلوص کو اس طرح جانچ لیتا جیسے اس کی انگلیوں کو خالص سونے کے پرکھنے میں کمال تھا۔

اس کے علاوہ کہن سال وزیر نے سلیمان کے نام پر اسی وقت حکم دیا کہ نئی گھڑی جو چل رہی ہو الٹی جائے۔ ماتم کے سیاہ کپڑے تیار کئے جائیں اور مسجدوں میں علانیہ مغرب کو سلطان سلیم کی نماز جنازہ ادا کی جائے اور ایصال ثواب کی دعائیں مانگی جائیں۔ اس کے ساتھ ہی محل سرا میں نقل و حرکت سے چہل پہل ہو گئی گویا یہ کاروان سرا تھی جس میں صرف مہمانوں کے آنے کا انتظار تھا۔ پیری پاشا نے جو خود ماتم میں سیاہ پوش خلوت کے پہلے موقع پر سلیمان عرض کی کہ آپ زریں خلعت زیب تن فرمائیں۔ ہمیشہ شان و شوکت کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ لوگ آپ کو آپ کی صفات کی وجہ سے چاہیں گے، لیکن جب بھی وہ آپ کی طرف دیکھیں تو انہیں ذرا یہ احساس ہو جانا چاہیے کہ آپ سلطانوں کے سلطان ہیں۔

سلیمان کے زردوزی کے تاج پر اس نے یاقوتوں میں جڑے ہوئے سرخاب کے دو پروں کی کلغی لگائی۔ پھر اس نے عرض کی ''خوف کا دور گزر گیا، اب امید کا زمانہ شروع ہوتا ہے...... انشاء اللہ۔''

''امید کا زمانہ؟''

پیری پاشا پس و پیش کے انداز میں اپنی سفید داڑھی میں اپنی جھری دار انگلیوں سے کنگھی کرنے لگا۔ پھر اس نے عرض کی ''جی ہاں! میں نے وہ اطلاعیں پڑھی ہیں جو میگنیشیا سے آئی ہیں جہاں آپ حاکم تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ

سیر وشکار اور کشتی رانی میں کافی وقت صرف کرتے تھے کیونکہ جوانی کا یہی تقاضا ہے ۔لیکن اس اطلاعوں میں یہ بھی درج تھا کہ جو آپ کے پاس انصاف طلب کرنے کے لیے حاضر ہوا اس کے ساتھ انصاف کیا گیا۔خواہ وہ اجنبی ہو، کسان ہو یا عیسائی رعایا ہو۔میں بوڑھا بے وقوف اسی امید پر خوش ہوں۔''پیری پاشا مسکرانے لگا اور اس کی داڑھی میں بل پڑ گیا۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے انصاف کی وجہ سے مشہور تھے۔انہوں نے خدا سے صرف سمجھ بوجھ والا جاہ مانگا تا لیکن خدا نے انہیں زمرد اور یاقوت بھی پہنائے۔''

سلیمان کی بھوری آنکھیں دلچسپی سے چمکنے لگیں۔''نہیں پیری پاشا تمھاری وجہ سے مجھے امید کرنے کا موقع ملا ہے۔''

بوڑھے نے پھر درباریوں کے انداز میں سرخم کیا لیکن ایک ذرا سی تشویش کے ساتھ وہ جائزہ لے رہا تھا کہ بیرونی بارہ دریوں میں آنے والے جانے والے لوگ کس طرح کنکھیوں سے سلیمان کے چھریرے سیاہ پوش بدن، اور اس کے تاج پر سرخاب کی کلغی کو دیکھ رہے ہیں۔اور اس نے سلیمان ثانی کے دور نیز اس کے عہد میں انصاف کے ذکر کو پھیلانے کی کوشش کی۔

محل سر کے دروازوں سے باہر جہاں ینی چیری پہرہ دار کھڑے تھے، وینس کے جاسوس، خادموں کی گپ شپ سے ہونے والے سلطان کی طبیعت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔انہوں نے یہی سنا: ''امید کا زمانہ آ رہا ہے''

دور کھڑے کھڑے ان جاسوسوں نے سلیم مرحوم کی تدفین کا منظر دیکھا۔

سلیمان اور پیری پاشا پیش قدمی کر کے جنازے کے جلوس میں شامل ہونے کے لیے اپنے گھوڑوں سے اترے اور کچھ دور تک تابوت کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ ایک گندمی پہاڑ پر کچھ لوگوں نے چڑھ کے آگ جلائی تاکہ آسیب و شیطان آگر کہیں اس پاس ہوں تو بھاگ جائیں۔ کفن پوش سلطان کی لاش تابوت سے نکال کر قبر میں اتاری گئی۔

رواج کے مطابق سلیمان نے فرمان جاری کیا۔ ''مرقد پر مقبرہ تعمیر کیا جائے اور اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر ہو۔ مسجد کے ساتھ بیماروں کے لیے ایک شفاخانہ اور مسافروں کے لیے ایک سرائے بھی تعمیر کی جائے۔'' پھر اس نے اپنی طرف سے ایک اور حکم کا اضافہ کیا۔ ''ایک مدرسہ بھی قائم کیا جائے۔''

اس کا معتمد جو ادب، خوف اور خاموشی سے اس کا حکم سن رہا تھا، پوچھ بیٹھا: ''کس جگہ؟''

سلیمان نے پہاڑی کے چاروں طرف دیکھا۔ اس کے قریب ہی ایک بازنطینی قصر کا کھنڈر تھا، جس میں کسی قبیلے کے کچھ خاندان رہتے تھے۔ اس قصر کے پتھر اور مرمری ستونوں سے سلطان سلیم کا مقبرہ اور مسجد بنانے میں بڑی مدد مل سکتی تھی! اور ان خاندانوں کو اور کسی گھر میں بسایا جا سکتا تھا۔ سلیمان نے کہا: ''اس جگہ پر''

پھر رواج کے مطابق پورا جلوس شہر کی فصیل کے باہر سرو کے پرانے درختوں کے جھنڈ کے قریب پہنچا، جن کے درمیان شہید صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مزار تھا۔ یہاں ایک سفید ریش مرد بزرگ، اپنے ہاتھ میں ایک پتلی سی خمدار تلوار لیے

ہوئے تھا جس کا نیام چاندی کا تھا اور جس پر ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ مرد بزرگ مولویہ سلسلہ کے درویشوں کا مرشد تھا۔ اس سلسلے میں بزرگوں نے شروع کے زمانے سے اب تک ہمیشہ آل عثمان کی مدد کی تھی۔ یہ تلوار آل عثمان کی موروثی شاہی تلوار تھی، جو ایک بار سلطان کی کمر سے لگتی اور پھر مرتے دم تک اسی کے ہاتھ میں رہتی۔

یہ بزرگ درویش ہاتھ پکڑ کے سلیمان کو ایک بلند چبوترے پر لے گیا، جہاں سے عوام کا ہجوم اس کو آسانی سے دیکھ سکتا تھا، پھر اس نے باآواز بلند خطبہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو سلطان بنایا جا رہا ہے اور وہ آل عثمان کا سرتاج ہے۔

مولوی درویش نے اس کی کمر سے تیغ شاہی باندھی، اور اسے ہدایت کی: ہمارا عتقاد پرانا ہے، اور اسی اعتقاد کی بناء پر ہم مستقبل کی کنجیاں تیرے سپرد کر دیتے ہیں۔ خدا تجھے نیک ہدایت کرے، کیونکہ اگر تو غلط راستے پر چلا تو خدا تیرا ساتھ نہ دے گا۔

درویش کی گفتگو بہت کم لوگوں کی سمجھ میں آئی۔ انہوں نے صرف یہ دیکھا کہ سلیمان نے شاہی تلوار قبول کر لیا ہے، اور اب قوم کی ذمہ داری اس کے سر آئی ہے بادشاہ اپنی ہدایت خود آپ کرتا ہے۔ یاوز سلطان کی ہدایت خود اس کے سوا کس نے کی تھی جو اس نے تلوار سے اتنی بڑی سلطنت تسخیر کر لی؟ اس لمحے سے سلیمان پر اپنی قوم کی خدمت کا فرض خود بخود عائد ہوتا تھا۔

نئے سلطان کے پیچھے پیچھے قسطنطنیہ میں دوبارہ داخل ہوتے۔

وزیر اعظم پیری پاشا کو اطمینان ہو گیا کہ یاوز سلطان کا جو حق نمک اس پر عائد

ہوتا تھا ادا ہو گیا۔ سلیم کے جانشین کو فوج نے قبول کر لیا اور رعایا نے سراہا ہے اب اسے باسفورس کے کنارے اپنے باغ میں جا کر آرام سے زندگی بسر کرنے کا موقع ملے یا نہ ملے اس کے قلب کو تسکین ہو گئی تھی۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ نیا سلطان خیر اندیشی کے مشورے کو توجہ سے سنے گا۔ اس لیے اس نے کنایتاً عرض کی کہ بادشاہ کا پہلا حکم موسیقی کے پہلے سر کی طرح بڑا اہم ہوتا ہے۔ سلیمان کا پہلا حکم عفو اور معافی ہونا چاہیے۔ بعض مصری تاجرین کا اور کوئی قصور نہیں صرف اس لئے قید ہیں کہ ان پر سلطان سلیم کو غصہ آ گیا تھا............

سلیمان نے جرمانہ کی ادائیگی کے بغیر ان کی رہائی کا حکم دے دیا۔ اس حکم کو سناتے ہوئے اس نے اپنے دل میں گرمجوشی اور نیکی کا جذبہ محسوس کیا۔ پھر اپنے دروازے پر پہرہ دار دستہ کو دیکھ کر اسے یاد آیا کہ اس نے ینی چیریوں کو انعام دینے کا وعدہ کیا تھا اور اس نے فوراً ہی انہیں انعام و اکرام عطا کرنے کا ارادہ کیا۔ جو لوگ غور سے اس کی عادات و اطوار دیکھ رہے تھے، انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ بہت دیر تک اکیلا سوچتا رہتا ہے لیکن جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو فوراً کر گزرتا ہے، تاکہ اس کے دل سے اس کا وزن ہٹ جائے۔ اپنے دستے کے ینی چیریوں کو اس نے اتنا ہی انعام دیا جتنا انہیں سلیم نے اپنی تاجپوشی پر دیا تھا۔ نہ اس سے کم نہ زیادہ۔ لیکن اس نے اور سپاہیوں کو بھی اتنا ہی انعام دیا۔ اس طرح مجموعی طور پر اس نے بہت بڑی رقم انعام میں عطا کی۔

اپنے سنتریوں کے چہروں سے سلطان کو پتا نہیں چلنے پایا کہ وہ اس انعام سے

خوش تھے۔یا نا خوش ۔وہ دیو ہیکل بتوں کی طرح نیلی وردیاں پہنے خاموش اپنی اپنی جگہ پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ان کا کلاہ نما خودوں کے نیچے صرف ان کی آنکھیں متحرک تھیں ۔یہ اس کا ذاتی محافظ دستہ تھا، جس کا فرض تھا کہ ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ جائے، اور اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرے۔لیکن وہ یہ نہیں بھولا تھا کہ انہی ینی شہریوں نے بایزید سے کیسی غداری کی تھی۔

مغرب کے وقت جب شمعیں جلائی جا رہی تھیں سلیمان نے مغرب کی اذان سنی ۔وہ ایک پرانی جانماز پر بیٹھا تھا۔مسجد میں ہزار ہا انسان سر بہ سجود تھے۔اس کے دادا کی تعمیر کی ہوئی مسجد اس قدر وسیع تھی کہ مشعلوں کی ہلکی سی روشنی سے وہ پوری طرح روشن نہ ہو پاتی تھی۔

سامنے منبر پر ایک امام کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا۔جب امام کی آواز بلند ہوتی تو صدائے بازگشت مسجد کے گنبد میں گونج جاتی۔امام کی آواز خطبے میں اس کا نام سنا رہی تھی ......''سلطان ابن سلطان خاقان ابن خاقان سلطان المشرقین والمغربین، ظل اللہ سلطان سلیمان خان، بن سلطان سلیم خان خلد اللہ ملکہ وسلطانتہ۔''

جب خطبے کی آواز گنبد میں گونج کے خاموش ہوگئی تو اس کے خاموش جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی وہ اس لحاظ سے تنہا تھا کہ وہ سب سے اعلیٰ و برتر تھا۔خطا باوہ ینی چیروں کا سردار تھا، مگر ان فوجیوں میں اس کا ایک بھی دوست نہ تھا، وہ ایک ایسی قوم کا سردار تھا جسے اس کے اجداد نے اپنے دماغوں، اپنے جذبات اور اپنی ہمت سے

پیدا کیا تھا۔لیکن ترک قوم کی اصلیت کیا تھی۔یہی نا کہ کچھ عرصہ کے لیے لاکھوں آدمی جو دنیا کے ایک بہت بڑے رقبے پر آباد تھے اس کے احکام کی تعمیل کریں۔

پھر یہ کہ وہ خلیفتہ المسلمین تھا،ظل اللہ تھا۔لیکن اللہ کی ذات وصفات کے متعلق اس کی معلومات اس امام سے بہت کم تھیں جو سامنے منبر پر خطبہ سنا رہا تھا۔خطبے کے آخری لفظ کی گونج گویا اس کے ذہن میں ٹھہر سی گئی۔وہ سلیمان خان ابن سلیم خان تھا اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

کچھ عرصے بعد شاخ زریں کے پانی کے اس پار بائلو کے محل میں وینس کے باشندوں نے اپنے جاسوسوں کی اطلاعوں کا غور سے مطالعہ کر کے نئے سلطان کے متعلق اپنی رائے تحریر کی کہ اہل یورپ کے نقطہ نظر سے اس کا دور حکومت کس قسم کا ہوگا۔

بارتو لومیو کی نتاری نی نے لکھا:"اس کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں،وہ دراز قد ہے لیکن اس کے رگ پٹھے مضبوط ہیں،اس کی گردن لمبی ہے،اس کا چہرہ پتلا اور زردی مائل ہے،اس کی مختصر سی مونچھیں ہیں،اس کی گردن لمبی ہے،اس کا چہرہ پتلا اور زردی مائل ہے،اس کی مختصر سی مونچھیں ہیں۔ان کا اندازہ گفتار و کردار خوش آئندہ ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ وہ بڑا دانش مند بادشاہ ہے،اور مطالعے کا بہت شوقین ہے،ہر طرح کے آدمیوں کو اس کے دور حکومت میں بھلائی کی امید ہے۔"

وینس کی سائنوری (ایوان حکومت) کو یہ تحریری شاخ زریں سے تیز جہازوں میں جلدی جلدی بھیجی گئیں۔وہاں ان اطلاعوں کا بڑا انتظار تھا۔

1520ء کے موسم خزاں میں یہ اطلاعیں قاصدوں کے خریطوں میں رومتہ

الکبریٰ پہنچیں۔ واں نوجوان پاپائے روم لیو دہم ......جس کا اصلی نام جووانی دے مے وی چی تھا شکر بجالایا کہ کچھ عرصہ کیلئے ترکوں کا خطر اگر ختم نہیں ہوا تو کم از کم ٹل تو گیا۔ کیونکہ عثمانی ترکوں کا سلطان جو ایشیا کے افق پر شہاب ثاقب کی طرح چمک رہا تھا جب یورپ میں داخل ہوا تو کچھ ہی عرصہ بعد فوت ہو گیا اور یورپ کو زیادہ نقصان نہ پہنچا سکا۔

لیو کا ایک بڑا پسندیدہ اخبار نویس پاؤلو موجود تھا، جو تھا تو طبیب لیکن اس کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ باہر کی دنیا سے آئی ہوئی خبروں کی تشخیص کرے۔ اس نے یہ تحریر کیا۔ ''جب پاپا لیو کو یقین ہو گیا کہ سلیم فوت ہو گیا ہے تو اس نے حکم دیا کہ سارے رومتہ الکبریٰ میں بھجن گائے جائیں اور لوگ ننگے پاؤں دعا مانگنے جائیں۔''

پیرس و یلوا خاندان کے نام لیوا فرانس اول نے یہ خبر اسی بے پرواہی سے سنی جیسے وہ ہر خبر سنا کرتا تھا۔ پیرس قسطنطنیہ سے بہت دور تھا، اور باہنر فرانس کو ابھی سے لوگ یورپ کا اولین فرد معزز کہتے تھے۔

اتفاق سے اس وقت یہ سب کے سب نوجوان تھے...... براعظم یورپ کے یہ سب تاجدار، اور یہی براعظم نشاۃ ثانیہ کے جوش سے ابلا پڑتا تھا۔ ہر جگہ نئے خیالات کا دور دورہ تھا، اور سمندروں کے اس پار نئی دنیاؤں کی تلاش کا سلسلہ جاری تھا۔ ایکس لاچپسل کے خاندانی گرجا میں چارلس ہاپس برگ ابھی چالیس پنجم کے نام سے مقدس سلطنت روما کا شہنشاہ بننے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ میٹرول کے شہر فیوگراڈ کے رہنے والے بوڑھے جاکوب فیوگر نے نئی دنیا میں گواڈل

کنال کی چاندی کی کانوں کی ضمانت پر چالیس کو اتنی اشرفیاں قرض دی تھیں کہ وہ رشوت دے کر شہنشاہ منتخب ہو گیا تھا۔ انگلستان کے تندخو بادشاہ ہنری ہشتم نے خوشی سے نہ سہی، لیکن بہر حال چارلیس کی تائید کی تھی۔ اس کی پہلی بیوی کیتھرین آف اراگون چارلیس کی پھوپھی تھی۔

انہیں مہینوں میں ایک بڑے ضدی راہب مارٹن لوتھر کی وجہ سے چارلس بہت پریشان تھا جس نے ایک بڑا اجارحانہ رسالہ ''عیسائی انسان کی آزادی'' کے نام سے تحریر کیا تھا اس زمانے میں نئے نئے مطابع کھلے تھے۔ اور ان میں چھپ چھپ کر یہ رسالہ جرمنی کے تمام شہروں میں گشت کر رہا تھا حالانکہ اس میں کھلم کھلا لیو کے قدیم کلیسا کے سردار ہونے سے انکار کیا گیا تھا، اور چارلس کو سلطانت روما کا سردار ماننے سے بھی انکار تھا۔ ان حالات میں چارلس نے نئے ترک سلطان کے افق پر نمودار ہونے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔

جب پاؤلو جو دو قسطنطنیہ سے آئے ہوئے تمام خطوں کا موازنہ کر چکا تو اس نے ان کا خلاصہ اس پیشین گوئی کی صورت میں قلمبند کیا۔ تمام لوگوں کو اس پر اتفاق ہے کہ ایک نوجوان میمنہ ایک خوفناک شیر کا جانشین بنا ہے...... کیونکہ سلیمان ابھی نوجوان اور نا تجربہ کار ہے......اور خاموشی اور آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔''

اس کی یہ پیشین گوئی بڑی غلط نکلی۔

☆............☆............☆

خلوت حرم سرا

بعض یورپی مخبروں نے یہ اطلاع بھی بھیجی کہ سلیمان اپنے گھرانے کا بڑا والہ وشیدا ہے۔ اس کے اہل وعیال کو انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن یہ خبر انہوں نے صحیح بھیجی تھی۔

قسطنطنیہ پہنچنے کے کچھ ہی دن بعد سلیمان کی حرم سرا کے خدام گل بہار اور اس کے دودھ پیتے بچے کو دنیا کی نظر بد سے بچا کے پردے میں شہر لے آئے۔ یہ آسانی سے اس لیے ممکن تھا کہ ترک سفر میں زیادہ مال اسباب ساتھ نہیں لے جایا کرتے تھے۔ گلبہار اور اس کے بیٹے کے ساتھ جو کچھ سامان تھا وہ گھوڑوں کی زینوں سے لٹکتی ہوئی تھیلیوں میں سما گیا۔ اور اس کے علاوہ کچھ زیور کے صندوقچے تھے۔ محل سرائے میں ان کے لیے جو کمرے تیار کیے گئے وہ کسی کاروان سرائے کی کوٹھڑیوں سے زیادہ بڑے نہ تھے۔

محل سرائے میں ایک دالان حرم کے حصے کو سلطان کے دیوان خانے سے جدا کرتا تھا۔ جب سلطان حرم میں داخل ہونے لگتا تو دستور کے مطابق پہلے سے کہلا بھیجتا اور دالان سے ٹہلتا ہوا گزرتا جہاں عورتیں پہرا دار تھیں اور یہاں سے وہ اپنی خوابگاہ کو جاتا۔

کسی اور مرد کی مجال نہ تھی کہ وہ زنان خانے میں داخل ہوسکتا۔ حرم کے دروازوں کے پیچھے صرف غلاموں کو رہنے کی اجازت تھی ار سلیمان ہمیشہ قدرت کے

اس طنز کو محسوس کرتا تھا کہ وہ مقام جو اس کا اپنا گھر تھا، غلاموں کی بھول بھلیاں تھا۔ غلام ہی اس کا گھر چلاتے تھے۔

بند آتش دان میں صندل جل رہا تھا۔ دیواروں کی مینا کاری پر روشنی کی لپک دیکھنے سے لطف آتا تھا۔ مینا کاری کے پھول پتوں سے کمرہ باغ کا ایک گوشہ معلوم ہوتا تھا۔ کمرے میں داخل ہو کے سیلما اپنا صافہ اتار پھینکتا اور دیوار کے قریب نرم بستر پر دراز ہو جاتا۔

اس کا سر گھٹا ہوا تھا صرف بالوں کی ایک لٹ باقی رہنے دی گئی تھی فوجیوں کی طرح وہ داڑھی مونڈھتا تھا۔ جب تک دوسرے پردے کے پیچھے سے گل بہار نہ آجاتی وہ آتشدان کو گھورتا رہتا۔ جب وہ دربار کے تلے سمجھے ہوئے فقروں میں اسے مرحبا کہنے لگتی تو وہ اسے ٹوک دیتا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ فقرے گل بار کو رٹائے گئے ہیں اور اس سے کہا۔ ”میں تمہارا خاوند ضرور ہوں لیکن اور یہ سب کچھ نہیں۔“

اسے گل بہار کا لقب اس وقت دیا گیا تھا جب وہ سرکیشیا کے پہاڑوں سے لائی گئی تھی گل بہار کی موجودگی میں وہ اپنے آپ کو اکیلا نہ محسوس کرتا۔ اس کا لچکدار جسم اس طرح حرکت کرتا گویا وہ ہوا میں اڑ رہی ہے۔ اس کے بچے کے بال بھی اس کی طرح سنہری تھے۔

اس کا معیار بڑا سخت اور پر غرور تھا لیکن گل بہار اتنی حسین تھی کہ اس معیار پر پوری اترتی تھی لیکن اسے گل بہار کو یہاں لانے سے خوشی نہیں ہوئی تھی کیونکہ یہاں

وہ اور بہت سی عورتوں کے ساتھ بند تھی جن کے اپنے اپنے جداگانہ فرائض تھے، اور جو سب کی سب کسی نہ کسی طور پر آلِ عثمان سے وابستہ تھیں۔

اپنے رٹائے ہوئے سبق کو دہرانے کی کوشش سے نجات پا کے یہ نازل سی لڑکی قالین پر اس کے پاس سمٹ کر بیٹھ گئی اور اسے اپنا بنایا ہوا ایک تحفہ دکھانے لگی۔ یہ اطلس کا ایک بٹوہ تھا جو ڈوری کے کھینچنے سے کھلتا اور بند ہوتا تھا۔

جب وہ اس کو دیکھ کر تعریف کر چکا تو گل بہار نے کہا: ''اسے کھولیے''

اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس بٹوے میں وہ کاغذ تھے جن پر اسکے اپنے لکھے ہوئے شعر تھے۔ وہ فارسی میں شعر کہنے کی کوشش کیا کرتا تھا حالانکہ فارسی زبان اسے پسند نہیں تھی۔ یہ گل بہار کی صفت تھی کہ اس نے ان پرانی نظموں کو سنبھال سنبھال کے رکھا تھا اور ان کے لیے یہ عجیب سا بٹوہ بنایا تھا۔ حالانکہ وہ ان نظموں کو خود پڑھ نہیں سکتی تھیں۔

اس نے دفعتاً پوچھا: تم جانتی ہو کہ ان شعروں میں کیا ہے۔ اصل میں یہ کیا چیز ہیں؟''

جب وہ بے چینی سے جنبش کرتی تو اس کے شفاف بدن اور بالوں سے سوکھی چنبیلی کی خوشبو آتی۔ اس نے خیال کیا کہ یہ خوشبو چنبیلی کی ہے، گلاب کی نہیں، وہ کہنے لگی: ''یہ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں ہیں، ایسی لاجواب جیسے......''

اصل میں اس نے مولانائے روم یا امام غزالی جیسے بزرگوں کا نام نہیں سنا تھا جو ان سے تشبیہ دیتی۔ اس نے امید اور جرات سے کہا: ''جیسے بوڑھے قاسم کے لکھے

ہوئے شعر۔''

سلیمان نے اس کی زلفیں چھوئیں اور دستخط کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہاں یہ لکھا ہے کہ یہ اس شخص کے شعر ہیں جو ایک دوست کا جویا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

کحل سے سیاہ ابروؤں کے اوپر، لڑکی کی پیشانی پر بل پڑ گئے، اور اس نے پوچھا: ''کیا میں آپ کی دوست نہیں ہوں؟)

''تم دوست سے بڑھ کر بھی ہو اور کم بھی ہو۔

سلیمان کو اس بات پر ہنسی آئی تھی کہ جب وہ اپنے شیر خوار بچے کے یا گل بہار کے پاس جاتا تو خود اسے حرم سرا کے خاموش قاعدوں کی پوری پوری پابندی کرنی پڑتی۔ گونگے حبشی خواجہ سرا خوابگاہ کے دروازوں پر پہرہ دینے لگتے اور دوسری عورتیں دور کے حصے میں بھیج دی جاتیں، جہاں باتوں کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ جب وہ اپنی چرکس بیوی کی خواب گاہ سے برآمد ہوتا تو اس سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ پو پھٹنے سے پہلے مردانہ حصہ میں اپنی خوابگاہ میں پہنچ جائے۔ وہاں خدام اگر جاگتے بھی ہوتے تو سلطان کی چاپ سنتے ہی سوتے بن جاتے۔

اس کے بعد حمام کے خدام اسے لنگی اور بڑا سا تولیہ لا دیتے۔ بڑی سعادتمندی سے سلیمان اپنے خانگی حمام کا رخ کرتا جہاں اس کی حجامت بنائی جاتی، اس کا جسم رگڑا جاتا، اسے بھاپ میں بٹھایا جاتا اور نہلایا جاتا۔ اور پھر اسے اطمینان سے اپنا بدن پونچھنے اور ٹھنڈک کا لطف اٹھانے کی مہلت ملتی۔

اس کے علاوہ وہ گل بہار کو اور کہیں دیکھ نہ پاتا۔ جب وہ نماز پڑھنے جاتی تب

وہ ایک بند گاڑی میں، بوڑھی عورتوں کے ساتھ نقاب پہن کر نکلتی اور مسجد میں زنانہ گوشے میں جا بیٹھی جس کے اطراف مرمر کی بند جالی تھی۔ وہ اس کے خیالات کی شریک نہ بن سکتی تھی۔

ایک تیز نظر اجنبی نے لکھا ہے کہ "اس ملک کی عورتیں گھوڑوں کی طرح محض خدمت کے لیے وقف ہیں، یہاں عورتیں بڑی خوبصورت، کشیدہ قامت اور خوش اندام ہوتی ہیں۔ ان کا رنگ گورا ہوتا ہے کیونکہ وہ بہت کم باہر نکلتی ہیں اور جب نکلتی ہیں تو نقاب پہنے ہوتی ہیں۔ خداداد حسن کے ساتھ ساتھ وہ بناؤ سنگار بھی خوب کرتی ہیں۔ وہ گہری سرخ حنا سے اپنے ناخون رنگتی ہیں۔ اور اپنی ابروؤں اور پلکوں میں سرمہ لگاتی ہیں۔ وہ بڑی صاف ستھری ہوتی ہیں، اور ہفتے میں دو مرتبہ حمام کو جاتی ہیں۔ ان کے جسم پر بال نہیں ہوتے .... وہ عموماً تیز مزاج ہوتی ہیں۔ یا تو مردوں کے سے کپڑوں پہنے ہوتی ہیں یا پھولدار ملبوس، سڑکوں پر وہ برقعہ کی آستینوں میں اپنے ہاتھ چھپا لیتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ اگر ان کا ہاتھ بھی کسی کو نظر آ جائے تو انہیں بے حیاء اور بیسوا سمجھا جائے گا۔"

سلیمان بہت کم درمیانی بارہ دری کے اس پار حرم سرا میں جایا کرتا تھا۔ بحیثیت سلطان کے اس کا گھر فوج کے خیموں میں تھا۔ سرائے جو خود پرانے استعمال شدہ پتھروں اور ملبے سے بنائی گئی تھی۔ محض ایک عارضی قیام گاہ تھی پرانا دستور یہی تھا۔ سرائے آل عثمان کی کنواری لڑکیوں اور بوڑھیوں کی پناہ گاہ تھی۔ سرائے کا اپنا الگ دربار تھا، اور زچہ خانے سے لے کر باورچی خانے تک اس کی ساری جزئیات پر اس

کی ماں سلطان والدہ کی حکومت تھی۔

یہ حکومت پرانے زمانے سے خاندان کی سب سے بوڑھی عورت کے ہاتھوں میں چلی آئی تھی۔ یہ اس زمانے کا رواج تھا جب ترک عورتیں نقاب پہنے بغیر قبیلے کے مردوں کے دوش بدوش سفر کرتی تھیں اور مویشیوں کے گلے چرایا کرتی تھیں۔ پرانے قبیلے کا جوہر ابھی تک باقی تھا۔ حالانکہ دور دراز سرحدوں سے آئی ہوئی اور بہت سی سلاف گرجتانی، چرکس اور تاتار لڑکیوں کی وجہ سے خون میں آمیزش ہو گئی تھی۔ سلطان والدہ پرانے ترک قبیلے کی خاتون کی سی طاقت کے ساتھ حرم پر حکومت کرتی تھی، اور وہ خود حرم کے داروغہ، خزانے کے داروغہ، مخازن کے داروغہ کا انتخاب کرتی تھی، ان کی تنخواہیں مقرر کرتی تھی، اور حرم کے ہر نوکر کے فرائض کا تعین کرتی تھیں۔ سلطان والدہ کو اس بات کا یقین تھا کہ کام کاج کے بغیر عورت بالکل کاہل اور اپاہج ہو جاتی ہے۔

سلیمان کو علم تھا کہ اس کی والدہ پہلے عیسائی تھی۔ گل بہار کی طرح عین شباب کے عالم میں وہ مشرقی پہاڑوں سے لائی گئی تھی، شاہی حرم میں اس کی تربیت رہی تھی کہ وہ اپنے آقا کو خوش کر سکے۔ گرجستھانیوں کی طرح اس کے بال کالے اور چمکدار تھے اور اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ وہ گل بہار کی طرح سفید فام نہیں تھی۔ سلیمان کو تعجب تھا کہ کیونکہ وہ سلطان سلیم کی زہرآگین متلون طبیعت کے ساتھ گزارہ کر پائی ہو گی۔ اپنے لڑکپن کے زمانے کے بعد اس نے بہت کم دونوں کو یکجا دیکھا تھا۔ اور نہ وہ سلیم کے متعلق اسے کچھ زیادہ بتا سکتی تھی۔ جب وہ کم سن تھی تو اس نے

غربت اور افلاس میں دن گزارے تھے۔ اب وہ بے صبر اور مہربان تھی۔ رنگین ریشم کے شلوکے بڑے شوق سے پہنتی اور اپنے بالوں میں شیشوں اور سیپ کے بنے ہوئے پھول لگاتی۔ جب سلیمان اس کے شان وشکوہ کی تعریف کرتا تو اس کی والدہ اپنا سر ہلاتی، جتنا کہتی اس سے زیادہ سوچتی، کہتی یہ کہ:

''میں اب بوڑھی اور بدشکل ہو چکی ہوں، مجھ میں اب شان وشکوہ کہاں باقی ہے۔''

لیکن وہ دیکھتا تھا کہ حرم میں آنے والی نئی شرمیلی کم سن لڑکیاں اس کی ماں کی مہربان طبیعت کا سہارا ڈھونڈتیں۔ عورتوں کے آپس کے جھگڑوں اور قصوں کا اسے بہت کم علم ہو پاتا۔ ان عورتوں کے جدا جدا فرائض تھے۔ آپس میں یہ خوب لڑتیں لیکن گھر کے مالک کو ہمیشہ ہشاش بشاش صورت دکھاتیں۔ گل بہار ہمیشہ بڑے ہی معمولی درجے کے تحفے مانگتی تھی۔ جیسے کچھوے کے چھڑے کے کنگھے یا وینس کا بنا ہوا کپڑا، یا بغدادی، ریشم۔ اس کی حیثیت بڑی محفوظ تھی۔ سلطان کی نظروں میں وہ منظور نظر سے زیادہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا بیٹا ایک دن سلیمان کا وارث ہوگا اور خود ایک دن سلطان والدہ بنے گی۔

نئے سلطان کا اقبال اس حرم سرا کی عورتوں تک پر حاوی تھا۔

پھر بھی یا تو سلیمان کو یہ پرانی سرا پسند نہیں تھی یا پرانا رواج یہی کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت سرائے برنو میں گزارتا اور کبھی کبھی رات کو وہیں سو رہتا۔ یہ سرائے برنو ہیڈ کے کنارے وقاع تھی، یہاں احاطوں میں چنار کے درخت تھے اور ان باغوں میں

سلاطین نظم ونسق کا کام انجام دیتے تھے۔ سلطان محمد فاتح یہاں آ کے شہر کی گلیوں سے پنا ہلیا کرتا، یہاں باغوں میں اس نے اپنے لیے ایک جھروکہ بھی تعمیر کیا تھا۔

سلیمان نے ایک رفیق کو ہمیشہ ساتھ رہنے کے لیے انتخاب کیا اس خدمت کے لیے اس نے ابراہیم یونانی کو چنا، جس کی روح میں موسیقی رچی تھی، اور جس کا دماغ اتنا حاضر تھا کہ سخت سے سخت مسئلے کا حل فوراً سوچ سکتا تھا۔ ابراہیم کو اس نے محل سرا کا محافظ مقرر کیا۔ چونکہ اس زمانے میں بھی سلاطین عثمانی اپنے تمام خدمت کاروں کو فوجی عہدے دیا کرتے تھے۔ اسے کپتان کا عہدہ دیا گیا۔ ابراہیم پر اس نے مزید عنایت یہ کی کہ دن بھر کے کام کے بعد اسے شام کا خاصا ساتھ رکھنے کا حکم دیا۔

کھانے کے دستر خوان پر اس یونانی کو جو کبھی نچلا نہ بیٹھ سکتا تھا بڑے ادب سے بیٹھنا پڑتا تھا اس نے پوچھا۔ ''اگر کسی خادم کو آب و دانہ میں رفیق بنایا جائے تو کیا اس نسبت سے وہ دوست نہیں بن جاتا؟''

سلیمان نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ ''ہاں وہ دوست بن جاتا ہے۔''

تنہائی سے اسے اتنی وحشت تھی کہ اس وقت سب سے زیادہ ایک دوست کی ضرورت تھی۔ سلیمان مطالعہ کرنے میں ابراہیم سے پوچھتا اور وہ اپنی سارنگی کے تار چھیڑتے چھیڑتے حاضر جوابی سے جواب دیتا۔ ابراہیم جسے بہت کم مطالعہ کی ضرورت پڑتی دو زبانیں فارسی اور اطالوی خوب جانتا تھا۔ یونانی تو اس کی مادری زبان تھی ہی۔ اس نے ترکی بھی سیکھ لی تھی حالانکہ اس کا مالک ترکی کو صرف سمجھ پاتا تھا۔ یہ ذہین طبع یونانی جب چاہتا بے ساختہ فارسی شاعری کے جواہر پارے سنانے

لگتا، یا دانتے کی نظمیں اسی روانی سے سناتا۔ جو خیال سلیمان کے دل میں آتا اس سے پہلے ہی وہ اس مضمون کا کوئی شعر سوچ لیتا۔ ایک دن اس نے ایک شعر سنایا جس کا مطلب تھا: ''شہروں اور محلوں کو بنانے سے کیا فائدہ، جب انجام کار ان کو ویرانے بننا ہے۔''

سلطان نے فوراً پوچھا ''پوچھا باقی کون ہی چیز رہ جائے گی'' سلطان نے ضرورت سے زیادہ رومی کھنڈر دیکھے تھے۔

''دانشمندی، اور یہ راگ جو میں بجا رہا ہوں۔''

''اور انگورہ کی بکریاں''

''ہاں بے شک''

کبھی کبھی ابراہیم کی گفتگو سے محظوظ ہوتے ہوئے سلیمان جھنجھلا جاتا۔ پتا ہی نہ چلتا کہ وہ سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہے یا مذاق کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ یونانی مصاحب ایک طرح کی رعونت سے سلیمان کی ذہن کو برانگیختہ کرتا۔ کبھی کبھی جب ابراہیم مذاق کرتا تو اس طرح کہ وہ اپنے رفیق پر حقیقت کا ایک نیا طبق روشن کر رہا ہے۔ کبھی وہ کہتا کہ ایسی موسیقی جو عیسائیوں کے بھجن میں ہوتی ہے وہ قسطنطنیہ سے زیادہ پائیدار ہے۔

سلیمان ایک کتاب کو بہت غور سے پڑھ رہا ہے کیونکہ اس کو سمجھنے میں اسے دقت پیش آ رہی تھی۔ یہ سکندر نامہ تھا جو ہر سفر میں اس کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ وہ یہ سمجھنے کی بڑی کوشش کرتا تھا کہ اسکندر اعظم نے مغرب اور مشرق کے باشندوں کو کس

طرح شیر و شکر کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ابراہیم اکثر ایک اور شخص ہنی بال کا ذکر کیا کرتا جس کو رومتہ الکبریٰ کی فوجوں کو شکست دینے کا گر آتا تھا۔ سلیمان کو لاطینی مصنف لیوی کے لکھے ہوئے جنگ ناموں کو پڑھنے کی کبھی رغبت نہیں ہوئی۔

"لیکن اس کا پڑھنا ضروری ہے" محلسرا کے محافظ نے اصرار سے عرض کی۔

"ضرور کیوں ہے؟"

یونانی نے عرض کی: "اس لیے کہ میرے خیال میں ہنی بال ایک فرد کے اٹل ارادے کا مظہر تھا اور یہ ارادہ ایک پوری سلطنت کا مدمقابل تھا۔ اس کی فوجی ترکی عسکر کی طرح منتشر عناصر سے بنی تھی، جس میں کچھ افریقی تھے، کچھ منجنیق انداز تھے، کچھ ہاتھی تھے، لیکن چونکہ ہنی بال ایک ایسا فرد واحد تھا جس کا ارادہ اور عزم اٹل تھا، اس نے رومیوں کو تھکا مارا اور ان کی طاقت توڑ دی۔ قوت ارادی کی جنگ میں ہنی بال کی فتح ہوئی۔"

"اس نے حاصل کیا کیا؟"

اسی طرح وہ مسائل پر بحث کرتے تھے۔ مالک کو عملی نتائج سے دلچسپی تھی۔ ذہین خادم کو ان ذرائع سے جن سے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ابراہیم نے اپنی تینتیس سال کی عمر کا بیشتر حصہ ترکوں سے تعلیم میں گزارا تھا۔ اس کا سابقہ اپنے ہی جیسے ذہین لوگوں سے پڑا کرتا تھا، وہ ہمیشہ دوسروں کی کمزوریوں کے کھوج میں رہتا تاکہ ان کے مقابل وہ چمک سکے۔ اب تک کبھی اسے حکومت یا مرتبہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی تھی اور وہ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حکومت یا مرتبہ بالکل سلیمان کی عنایتوں پر

منحصر ہے۔اس نے عاجزی سے کہا۔ ''میرے شہنشاہ لڑائی میں سردار یا تو دوسروں کو زیر کرتا ہے یا خود زیر ہو جاتا ہے۔سردار کی زندگی ہی یہ ہے کہ دوسروں کا مقابلہ کیا جائے۔اس سے بچنا ناممکن ہے۔''

یہ سن کر سلیمان پھر خاموش ہو گیا۔وہ اکثر اس طرح چپ ہو جایا کرتا تھا جب وہ خوش یا خفا ہوتا تو ایک ایک لفظ جو اس نے سنا ہوتا اسے یاد رہ جاتا۔

کبھی کبھی راتوں کو محل سرائے کا محافظ رات گئے باہر نکل جاتا۔جب وہ یوں باہر جاتا تو دور تک اس کا تعاقب کرنا ممکن نہ تھا۔کیونکہ وہ سر پر اپنے مرتبے کی کلاہ نہ پہنتا اور اس کے جسم پر ایک سیاہ لبادہ ہوتا۔لیکن وہ کسی کے گھر نہ جاتا۔وہ ان تنگ گلیوں میں کسی کو ڈھونڈتا پھرتا،جن کے دوسرے سرے پر باسفورس میں کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔وہ اپنے سابق ہم وطنوں کے پرانے شراب خانوں میں داخل ہوتا۔یہاں وہ بہت تلاش کے بعد ایک خاص شخص کو ڈھونڈ ھ نکالتا جو شراب کے نشے سے بد حال ہوتا۔پھر دونوں آدمی ساتھ باہر نکل کے کہیں چلے جاتے۔

جب سلیمان نے یہ افواہ سنی ..... ہر افواہ اس تک پہنچ ہی جاتی تھی۔تو اس نے سرائے کے ایک قاصد کو ابراہیم کے پیچھے پیچھے یہ دیکھنے کے لیے روانہ کیا کہ اس کی اس شب گردی اور تلاش کا بھید کیا ہے۔

اس قاصد نے تحقیق کر کے اپنی رپورٹ پیش کی۔ '' کپتان اس آدمی کو کبھی موریوں میں پڑا پاتا ہے کبھی شراب خانوں میں شراب پیتا پاتا ہے۔وہ کوشش کر کے اس شخص کو اپنے قدموں پر کھڑا کرتا ہے،اور اسے کسی سرائے یا مسجد کے صحن میں لا کر

سلا دیتا ہے۔ایک مرتبہ کپتان اس شخص کے لیے ستھرے کپڑے لیتا گیا اور اس سے کہا کہ تمھیں اس طرح گندگی اور غلاظت میں بسر نہ کرنی چاہیے۔ جب کبھی وہ چاندی یا سونے کے سکے اسے دیتا ہے تو یہ دوسرا شخص اس سے اور زیادہ شراب خرید کے پی جاتا ہے۔یہ شخص اس کا باپ ہے جو ایک زمانے میں ایک یونانی ملاح تھا۔

سلیمان نے حکم دیا کہ اس کے بعد پھر کبھی ابراہیم کا تعاقب نہ کیا جائے۔

ہر صبح توشہ خانہ کا خادم سلطان کے کمر بند میں داد و دہش کے لیے تیس اشرفیاں باندھ دیتا کیونکہ جب کبھی وہ سرائے کے دروازے سے باہر نکلتا، یا جب پریڈ پر سپاہی اس کے آگے انگلے ہوتے، اور اس کا تیغچی اور دوسرے مصاحبین پیچھے پیچھے تب بھی رعایا میں سے کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ کے اس کا رکاب کو بوسہ دیتا، خیرات یا ملازمت مانگتا یا کٹے ہوئے عضاء میں کوئی عریضہ پیش کرتا، کبھی کبھی عضاء میں کوئی تحفہ آویزاں ہوتا۔ پرانا آئین یہ تھا کہ جو صاحب غرض بادشاہ کے سامنے آجائے اسے انعام ملنا ضروری ہے۔

کبھی کبھی زین پر بیٹھے بیٹھے اسے دفعتاً کسی قضیے کا فیصلہ کرنا ہوتا اور اسے کبھی کبھی افسوس ہوتا کہ اس کے ہم نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام انصاف کے لیے اس قدر مشہور کیوں ہے جو اسے بار بار ان سے نسبت دی جاتی ہے۔ایک امین سیواس کے ایک حمام کے نوکر کو پکڑ کے اس کے سامنے لایا کہ یہ ایک نئی کالی سی چیز پیا کرتا ہے جسے کافی کہتے ہیں۔حمام کے ملازم نے عرض کی کہ کافی حرام نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے نیند نہیں آتی یا قوت مردی کمزور

ہوتی ہے لیکن شریعت میں حرام نہیں کیا شریعت میں کافی پینا حرام ہے؟

چونکہ یہ مقدمہ عام مجمع میں پیش ہوا تھا۔اس لیے اس کا فیصلہ سننے کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ کیونکہ سلیمان کے حکم میں آزادی یا قید، زندگی یا موت بخشنے کی طاقت تھی۔

سلیمان کو خیال آیا کہ ایک ہزار سال پہلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی کافی سے واقف ہی نہیں تھا، لیکن حمام کے ملازم کی درخواست کا جواب بھی دینا تھا۔اس نے کہا، اے سیواس کے رہنے والے کیا تمہارے خیال میں رسالت کے زمانے میں لوگ تمہاری طرح سڑکوں پر بیٹھ کر کافی پیا کرتے تھے۔''

اس شخص نے سوچ کر جواب دیا: ''نہیں''۔

سلیمان نے امین کو حکم دیا: ''اس شخص کو رہا کردو'' اور آگے بڑھ گیا۔

نہ صرف یہ کہ اس طرح مسلسل مقدموں کا فیصلہ کرنا ہوتا تھا، وہ ہر اس اچھے یا برے فعل کا جائزہ لیا کرتا تھا جو اس کی نگاہوں کے سامنے پیش آئے۔آئین کا تقاضا یہی تھا۔قاسم اکثر یہ قصہ سنایا کرتا تھا کہ بہادر سپاہی منش سلطان ماد نے جس نے ینی چیریوں کی آہنی فوج کی بنیاد ڈالی تھی ایک مرتبہ ایک راہ گیر پر زمین کسوادی تھی۔مراد نے ایک کسان کو دیکھا کہ وہ خود تو روٹی اور گندنا چبا رہا ہے، اور اس کا گھوڑا سامان سے لدا ہوا، اس انتظار میں کھڑا ہے کہ سامان اتارا جائے۔مراد فوراً رک گیا اور اس نیک سان کو حکم کر دیا: کہ گھوڑے کے سامنے جو کا برتن رکھ دو، اور گھوڑے کی پشت سے باربرداری کی زین اٹھا کر اپنے کندھے پر اس وقت تک رکھے رہو جب تک گھوڑا جو

ختم نہ کر لے۔اس طرح مراد نے اس کسان، اور تمام ناظرین پر نکتہ واضح کر دیا کہ انسان کو اس وقت تک خود آرام نہ لینا چاہیے۔ جب تک وہ اپنے جانور کے آرام کا بندوبست نہ کر لے (اور چونکہ مراد نے اس نکتہ کو اس خوبی سے واضح کر دیا تھا) اس لیے سلیمان ہمیشہ غور سے دیکھ لیا کرتا کہ کوئی سوار اپنے گھوڑے سے بدسلوکی تو نہیں کر رہا ہے)۔

ملک میں ایک مثل عام تھی جو حکم ایک مرتبہ دیا جائے۔ اس کی تعمیل ہمیشہ واجب ہے۔ پرانی بات رواج بن جاتی ہے۔اور رواج بدلا نہیں جا سکتا۔

☆..........☆..........☆

خزانے کی کھالیں

سلیمان جدھر رخ کرتا اسے ہر جگہ پرانے ترک آئین کی پابندی کرنا پڑتی مثلاً یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی رعایا کو ہمیشہ سوار نظر آئے۔ اس لیے اگرہ پرانی سرائے کے دروازے سے باغیچہ کے بڑے پھاٹک تک جاتا تب بھی گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا، پیدل یا، پالکی میں یا گاڑی میں لد کے نہ جاتا۔

اگر کبھی کوئی حمال زیادہ وزن اٹھائے نظر آجاتا، یا کوئی بیمار شفاخانے کی طرف جاتا ہوتا، تو اس کا فرض تھا کہ ہٹ کر راستہ چھوڑ دے۔ ایا صوفیہ کے اونچے میناروں کے قریب سے ہوکے، چناروں کے سائے میں، بڑے پھاٹک تک کا راستہ اسے بہت پسند تھا۔ یہاں اس کی رعایا کی بھیڑ، بھیڑوں کے گلے کی طرح جمع ہوتی۔ اور جیسے گلہ اپنے احاطے میں تنگ دروازے پر سمٹ کر داخل ہو جاتا ہے۔ یا باہر نکلتا ہے اسی طرح خلق خدا اس بڑے پھاٹک سے باہر جاتی یا اندر آتی۔ اسی بڑے پھاٹک کو اجنبی باب عالی کہا کرتے تھے۔

اس سفید دروازے کے اندر کی طرف سیدھے ہاتھ پر شفاخانہ کا احاطہ تھا لیکن قدرتی طور پر سلیمان کی نظر ہمیشہ بائیں جانب پڑتی جہاں ینی چیریوں کی بارکیں تھیں۔ اس کی اس ذاتی فوج کے کچھ سپاہی باب عالی کے پاس پیتل کے بڑے طبل کے پاس ڈیوٹی پر کھڑے ہوتے۔ لیکن نوجوان سلطان اس طرف اس لیے دیکھتا کہ کہیں شوربے کی کڑاہیاں تو اوندھی نہیں پڑی ہوئی ہیں۔ جس طرح ماتم کے وقت

ینی چیری اپنے خیموں کی طنابیں کاٹ ڈالتے تھے، کسی طرح اگر انہیں سلطان کی توجہ کسی شکایت کی طرف مبذول کرانا ہوتی تو ان کا قاعدہ تھا کہ شوربے کی کڑاہیاں اوندھی کر دے۔ ابھی تک انہوں نے اپنی کڑاہیاں اوندھی نہیں کی تھیں ......

دوسرے دروازے کی اس پار باغ کے ستھرے سبزہ زار پر صرف سلطان کی سواری جا سکتی تھی۔ جہاں ایوان خاص تھا، اور اس کا مینار باورچی خانوں کے عین مقابل تھا۔

تیسرے دروازے کے اس پار صرف ان افسروں اور محلسرائوں کے محافظ سپاہیوں کو جانے کی اجازت تھی جو خاص خزانہ شاہی اور تبرکات کے محافظ تھے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ملبوس مبارک تھا جو سلطان سلیم مکہ مکرمہ سے لایا تھا۔ یہیں پر فنون کا وہ کتب خانہ تھا جس کو سلطان محمد فاتح نے جمع کرنا شروع کیا تھا۔ اس پار نوجوان طالب علموں کے مدارس تھے۔ یہاں سے گزرتے ہوئے سلطان اکثر ان لڑکوں کو بانسری یا سارنگی بجاتے سنتا جن کو ایک دن سلطنت کا نظم و نسق سنبھالنے کی تعلیم دی جا رہی تھی۔ اس علم کے بغیر کہ سلطان ان کے گانے بجانے کی آواز سن کر رہا ہے وہ کچھ دیر کے لیے اپنا جی خوش کر لیتے۔

سلطان جہاں چاہتا جا سکتا تھا۔ دریائے ڈینیوب سے لے کر دریائے نیل کے دہانے تک کوئی دروازہ ایسا نہ تھا جو اس پر بند ہو۔ وہ طویل قامت اور باوقار تھا۔ اس کی طبیعت سے متانت اور اپنے آپ پر اعتماد کا اظہار ہوتا، جو اسے دیکھتا اس کی تعریف کرتا اور کورنش بجا لاتا اور دعائیں دیتا، خدا سلطان عظیم کے باقبال فرزند کو

زندہ اور سلامت رکھے۔

وہ فطرتاً شرمیلا تھا، اور اس کے دل میں ایک طرح کا خوف بھی تھا، لیکن وہ بڑی سجاوٹ اور سفید اور بھورا یا کالا اور سبز لبادہ پہنتا اور اپنے اپ کو لیے دیئے رہتا۔ اور اسے غیر معمولی فرض سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ لاکھوں انسان کے لیے آزوقہ فراہم کرنا اور ان کے لیے قانون بنانا۔ کیونکہ یہ انسان کے بس میں تھے۔

شروع کے چند مہینوں تک تو وہ روزمرہ کے معمولی کام کاج میں لگا رہا، اور وہ خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ اس زمانے میں مصروفیت میں بہت کم لوگوں کو اس کی کمزوریوں کے مشاہدے کا موقع ملتا تھا۔ ابراہیم کے الفاظ برابر اس کے اپنے خیالات میں دراندازہوتے، ''ایک فرد واحد، ایک مقصد'' سبب وہ اپنے گھر والوں کا ساتھ ہوتا، یا جب اپنے معتمدوں کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ شکار کے لیے نکلتا تو وہ کوئی بے چینی محسوس نہ کرتا۔ وہ اکثر اپنے آپ سے یہ الفاظ دوہراتا ''میرا گھرانا، اور میری رعایا'' اور اس کے ذہن میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ اس کی رعایا بھی اس کے لیے اس کے گھر ہی کی طرح ہو جائے۔ لیکن اسے ابھی اس کی امید نہ تھی۔

جب خزانچی اسے خزانے میں لے جاتا تب بھی اسے اپنے فرض کا خیال کر کے لرزہ آتا۔ ایک مرتبہ اسے ایک مقفل صندوق میں سلطان محمد فاتح کی بھاری، سیدھی تلوار دکھائی گئی۔ اس کی طبیعت نہیں چاہی کہ وہ اس تلوار کو اٹھائے، اسے سلطان مراد کے تاج کی طاؤس کے پروں کی کلغی دکھائی گئی۔ اسے وہ اطلس کے لبادے دکھائے گئے جو اس کا باپ سلطان سلیم جشن کے موقعوں پر پہنا کرتا تھا۔

سلیمان نے سیپ کی بنی ہوئی گھڑیاں چن لیں جنہیں یورپ کے بعض باشندوں نے تحفتاً بھیجا تھا۔ اس نے چین کے بنے ہوئے سبز اور گہرے نیلے رنگ کے برتنوں کو ایک جگہ جما ہوا دیکھا اور حکم دیا: ”میں نہیں چاہتا کہ یہ یہاں اس طرح جمے ہوئے رکھتے رہیں۔ میں ان برتنوں کو استعمال کرنا چاہتا ہوں“ خزانچی کے نوکر فوراً ان برتنوں کو اس کے استعمال کے لیے باہر نکال لے گئے۔

یہ خزانہ کیا تھا ایک طرح کا گودام تھا۔ اس میں گھوڑوں کی زینیں رکھی تھیں جن پر موتیوں کا کام بنا ہوا تھا۔ گھوڑوں کی رکابیں تھیں جن پر سونے یا چاندی کے ورق جڑے ہوئے تھے، ایک مکھی اڑانے کی چھڑی تھی جس پر جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر چیزیں سلطانوں کو تحفتاً وصول ہوئی تھیں اور سلاطین اسی خزانے کے سامان سے جشن کے موقعوں پر جیسے نوروز کے، یا عید میلاد النبی کے موقع پر امراء کو تحفے دیا کرتے تھے۔ دولت جمع کرنا برا سمجھا جاتا تھا۔ ایک بڑا صندوق سونے کے سوں سے بھرا ہوا رکھا تھا، یہ اس اخراج کی رقم تھی جو وینس نے ادا کیا تھا۔ اس کے متعلق حکم تھا کہ یہ ساری رقم جہاز سازی کی رقم تھی جو وینس نے ادا کیا تھا۔ اس کے متعلق حکم تھا کہ یہ ساری رقم جہاز سازی کے لیے خزانہ جنگ کے لیے منتقل کر دیا جائے...... ایک تاریک گلیارے میں سلیمان نے سفید چمڑے، اور میمنے کی گلابی کھال کے بنے ہوئے کچھ ملبوسات دیکھے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ اس کے خاندان کے بانیوں سلطان عثمان خان اور ارطغرل کے ملبوسات ہیں۔

خزانچی نے اسے پھر سے ارطغرل کی داستان سنائی۔ عثمانیوں کا قبیلہ کل چار سو

چوالیس خاندانوں پر مشتمل تھا۔ جو دو صدی پہلے پھرتا پھراتا ہوا اناطولیہ کے میدانوں میں داخل ہوا تھا۔ اس زمانے میں بڑے بڑے طاقتور قبیلے مغلوں کی طاقتور فوج کے سیلاب کے آگے بھاگے بھاگے مغرب کی طرف آتے جا رہے تھے۔ فاقے اور قحط سالی کا دور دورہ تھا، لیکن ارطغرل نے کسی نہ کسی طرح اپنے گلوں کو یکجا رکھا اور اس کا قبیلہ بچ گیا۔ پھر ایک دن ایسا آیا کہ انہوں نے نیچے ایک میدان میں لڑائی ہوتی دیکھی۔ اس وقت تک لڑائی کے متعلق وہ کچھ نہ جانتے تھے۔

ارطغرل نے اپنے قبیلے کو لڑائی میں ان سواروں کی مدد میں جھونک دیا جو ہارنے کے قریب تھے۔ ترک قبیلے کے اس خلاف توقع یلغار سے سلطان کیخسرو کو بڑی مدد ملی۔ وہ سلجوقی ترکوں کا سلطان تھا، اور ان کے سلجوق سوار اس وقت ایک مغل فوج سے لڑ رہے تھے۔ عثمانیوں کی مدد سے انہوں نے مغلوں کو شکست دے دی۔ انعام میں کیخسرو نے ارطغرل کے قبیلے کو زمینیں عطا کیں۔

سلیمان کو معلوم تھا کہ اس چھوٹی سی زمینداری سے جو انقرہ کی ندی کے پاس تھی عثمانوں کی تقدیر کا آغاز ہوا۔ اس قبیلے کی جنگ جو کبھی سلجوقیوں کا ساتھ دیتے جن کی طاقت کمزور ہوتی جا رہی تھی، کبھی وہ بازنطینی فوجوں کے ساتھ ہو جاتے جو رومتہ الکبریٰ کی پرانی سرحدوں سے چمٹے ہوئے تھے۔ یہ عثمانی بڑ جنگ جو تھے، یہ اور جنگ جوؤں کو اپنے گروہ میں شامل کرتے، سرحدوں پر لوٹ مار کرتے، بلند ہمتی سے بڑے بڑے شہروں کا محاصرہ کرتے، استقلال سے برسوں محاصرہ کر کے شہروں کو فتح کرتے۔ جب تمام راستے کاٹ دیتے تو شہر کو ہتھیار ڈال ہی دینے پڑتے۔

تب وہ شہروں کی توپوں اور توپچیوں کو استعمال کرتے۔ توپچیوں سے اور بڑی بڑی توپیں بنواتے، بڑی بڑی ریاستوں کی حفاظت کر کے ان سے خراج وصول کرتے۔ یہ ابتدائی عثمانیوں کا احوال تھا جو سیلاب صفت تیغچی تھے اور انسانوں کے سیلاب میں بہتے ہوئے آئے تھے پھر سلجوقی کیقباد اور کیخر وسمیت غائب ہو گئے۔ بازنطینی، قسطنطنیہ کی تہری فصیلوں کے پیچھے مریض اور کمزور ہوتے گئے۔ صرف عثمانیوں کی جماعت اس علاقے میں ایسی باقی رہ گئی جو طاقتور اور منظم تھی اور اس کے سردار اس قدر جری تھے کہ کسی مرحلے سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ جب درہ دانیال کے پار کے ساحل پر ایک زلزلے سے کچھ قلعے منہدم ہو گئے تو انہوں نے درہ دانیال کو عبور کیا۔ ایک تنگ خاکنائے پر سے اپنی کشتیاں اس پار شاخ زریں میں لے گئے اور قسطنطنیہ کی تہری فصیلیں پارہ پارہ کر دیں۔ عثمانیوں کے عروج کی داستان ایسی حیرت انگیز تھی۔

وہ وسط ایشیا کے پہلے قبائلی لوگ تھے جنہوں نے یورپ پر یورش کی، وہاں اپنے قدم جمائے اور وہاں حکومت کی۔

سلیمان کو یقین تھا کہ یہ مرتبہ عثمانیوں کو کسی خرق عبادت معجزے سے نہیں حاصل ہوا تھا، بلکہ یہ عثمانیوں کی اپنی اہلیت اور قابلیت کا نتیجہ تھا، اور نو غیر معمولی انسانوں کی کوششوں کا ثمر تھا۔ عثمان خان جانوروں کے سمور کا موٹا جھوٹا لبادہ پہنتا تھا۔ سلیم جشن میں زردوزی کا لبادہ پہنتا تھا۔ اگر اس ڈیڑھ صدی میں ان نو سلاطین میں سے ایک ابھی کمزور نکلتا تو فتوحات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا۔ اور عثمانی ترکوں کی بھی

تاریخ میں وہی حیثیت رہ جاتی جو آق گوسفند تر کمانوں کی تھی جو جری اور بہادر بے شک تھے، مگر بس ایک جنگ خو آوارہ گرد قبیلہ سے بڑھ کر کوئی مقام تاریخ میں پیدا نہ کر پائے۔ ان نو میں سے بعض بعض میں کوئی کوئی کمزوری تھی۔ مراد پس و پیش نہیں سوچتا تھا، اور سلیم جابر اور ظالم تھا۔ لیکن شاید لوگوں کو ان کی عظمت یاد رہ گئی اور ان کی غلطیاں یاد سے محو ہو گئیں۔ کیونکہ لاپرواہی مرادی نے ینی چیریوں کا جرار لشکر تیار کیا تھا، یہ وہ ترکی عسکر تھا جس نے کبھی شکست نہ کھائی تھی۔ اور سلیمان فتوحات کے خواب دیکھا کرتا تھا، وہ اس عسکر کی مدد سے راستانوں کے اسکندر اعظم کی طرح ایشیا کے اس پار سے اس پار دریائے نیل سے لے کر کردستان کے برف پوش پہاڑوں تک سارا علاقہ فتح کرتا چلا گیا۔ نہیں، اگر اس زنجیر کی ایک بھی کڑی حقیقت میں کمزور ہوتی تو زنجیر ٹوٹ جاتی۔

اب سلیمان جو اپنے سلسلہ خاندان کا دسواں تاجدار تھا، اس عجیب توشہ خانہ میں کھڑا تھا۔ اہل یورپ اور ابراہیم اسے شہنشاہ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اب وہ اپنے لوگوں کو کس راستے پر لے جائے، ان کے لیے کون سا ملک تسخیر کرے؟ ہر نئے سلطان کی تخت نشینی پر کام اور زیادہ مشکل ہو جاتا تھا۔ یا یہ کہ عثمانی سلاطین جو ممکن عبور مشکلات پر قابو پا لیتے تھے اپنی قوم کو ایک ایسی تقدیر کی طرف لیے جا رہے تھے جو ابھی تک کسی کے خواب و خیال میں نہ آئی تھی۔

پیری پاشا بھی اس کے لیے یہ گتھی حل نہ کر سکتا تھا۔ شاید ابراہیم ایک مدت کے بعد حل کر سکتے۔ سلیمان جو بہت متوازن اور ذہین طبیعت رکھتا تھا۔ اپنی

کمزوریوں سے خوب واقف تھا۔ وہ حساس تھا، اسی لیے نرم دل میں پناہ لیتا۔ وہ نفاست پسند تھا، اس لیے وہ اپنے قریب حسین چیزیں ضرور رکھتا جیسے نازک اور چینی ظروف، ابھی اس کی اپنی نظروں میں اس کا مقصد واضح نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ دوسروں پر بھروسہ کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے وہ مشیر جو اس سے زیادہ دانش مند ہیں اسے مشورہ دیں۔ اسے فوج کشی کی کوئی خاص تمنا نہ تھی، کیونکہ اس کے باپ نے اسے ایسے مقامات پر رکھا تھا جو فوجی مرکزوں سے دور تھے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ یا تو عثمانی فوج کی خوشی پوری کرنی ہوگی یا عثمانی طرز حکومت کو اس طرح بدلنا ہوگا کہ ایسی طاقتور فوج کی ضرورت نہ رہے۔ اس وقت یہ دونوں صورتیں بالکل ناممکن معلوم ہو رہی تھیں۔

آئین اسے بتاتا تھا کہ فوج میں زیادہ دخل اندازی نہ کرنا چاہیے۔ جب وہ شیر خوار بچہ تھا تب ہی سے وہ لوریوں کے ساتھ اس گیت کو سنتا آیا تھا جس میں چار ضرور باتوں کا ذکر تھا۔

زمین پر قبضہ رکھنے کے لیے تمھیں سپاہیوں کی ضرورت ہوگی۔
سپاہیوں کو اجرت دینے کے لیے تمھیں جائیداد تقسیم کرنی پڑے گی۔
جائیدادوں کو سنبھالنے کے لیے تمھیں امرا کی ضرورت ہوگی۔
صرف قانونوں سے لوگ امیر بن سکتے ہیں۔
ان میں سے ایک بات پوری نہ ہو تو باقی تین باتیں پوری نہ ہوں گی۔
اور اگر چاروں باتیں پوری نہ ہو تو زمین قبضے سے نکل جائے گی۔

اس زمانے میں کسی سے کچھ کہے بغیر سلیمان نے پرانے آئین کو پس پشت ڈالنے کا تصفیہ کیا۔ اس نے طے کیا کہ وہ فوج میں تبدیلی کرے گا۔ وہ قانون سازی کو ان چار چیزوں میں سب سے اہم قرار دے گا۔ وہ نئے قانون بنا کے سرزمین پر حکومت کرے گا۔ اور زمین اس کے قبضے سے نکلنے نہ پائے گی۔

توشہ خانہ کے ایک گوشہ میں عثمانیوں کا پہلا پرچم تھا۔ ایک بانس پر پیتل کا ہلال نصب تھا اور اس کے نیچے دو سفید گھوڑوں کی دموں کے بال لٹک رہے تھے۔ بانس پر روغن لگا ہوا تھا۔ اور گھوڑے کی دم کے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی۔ سلیمان کے ملازمین نے ہنس کر عرض کی کہ عثمان خان کے عہد سے بہت پہلے ایک ترک سردار کا پرچم لڑائی میں چھن گیا تھا۔ اس نے ایک گھوڑے کی دم کے بال وہیں تلوار سے کاٹ لیے اور یہ نیا پرچم چشم زدن میں تیار ہو گیا۔

یہ لوگ جو اس وقت سلیمان کے اطراف حلقہ باندھے کھڑے تھے، اسے محض ایک ایسا نوجوان سمجھتے تھے جسے کسی نہ کسی طرح بادشاہت کے فرائض انجام دینے تھے۔ وہ اس کے سامنے اس بانس اور اس گھوڑے کی دم کی فضیلت کا قصہ دوہرا رہے تھے۔

اس وقت اس کے جو مصائب تھے ان کی یادداشت میں یہ گر محفوظ نہیں رہا کہ لوگ اب بھی ایک سردار ہی کے بھروسے پر جیتے تھے سابق کا دستور یہ تھا کہ ان کا جی چاہتا تو اس سردار کا ساتھ دیتے۔ جی چاہتا تو اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ان کی رفاقت اپنی مرضی کی بات تھی۔ یہ پرانے سردار خانہ بدوش قبیلے میں نظم و ضبط قائم رکھتے اور

قبیلہ ایک وحدت کی طرح ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کا سفر کرتا۔قبیلہ کا ہر فرد محنت کرتا۔وہ پرانے کپڑے اور صندوق جمع کرتے کیونکہ ایک میدان سے دوسرے میدان تک سفر میں ایسی کام کی چیزیں مشکل سے دریافت ہوئی تھیں۔اور ان کو بنانا بھی مشکل تھا۔سردار کا کام تھا کہ ان کی گردش کا راستہ متعین کرے۔یہ ان کے اختیار کی بات تھی کہ وہ اس کے بتائے ہوئے راستے پر اپنے ریوڑ لے کر چلیں نا نہ چلیں۔

(عثمانی ترکوں کی خصوصیت یہ تھی کہ خانہ بدوشی میں وہ بہت سی تبدیلیوں سے ہو کے گزرے،لیکن خود ان میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ان ترکوں کو گھوڑوں کی پرانی دموں،اور اپنے آتش دان کی آگ میں اپنے ماضی،اور اپنے نہ بدلنے والے طرز زندگی کی جھلک دکھائی دیتی تھی)

سلیمان کو فوراً اپنی رعایا کی اولیں ضرورت کا احساس ہو گیا۔سب سے زیادہ تو زرخیز زمین کی ضرورت تھی جس پر بہت کافی غلہ اگایا جا سکے اور اچھی چراگاہیں جن پر گھوڑوں اور انگورہ کی بکریوں کے گلے چر سکیں۔جب سے عثمان خان نے سرزمین پر قبضہ کیا تھا ترکوں کی زندگی کا انحصار کسانوں کی کھیتی باڑی پر تھا۔ساری معیشت کی بنیاد کسان تھا۔اس کے بیل تھے اور اس کا چوبی ہل تھا۔اس بنیاد میں تبدیلی ناممکن تھی۔مثلاً فوج لاکھ دور دراز کے جنگ کے میدانوں سے لوٹ کا سامان لایا کرے، جیسے پہلے زمانے میں قبیلے کے سوار لوٹ مار کا سامان لے آیا کرتے تھے،اور اس سامان سے توشہ خانہ میں اضافہ ہوتا رہے۔لیکن فوج کا اصلی کام تو نہ تھا کہ زرخیز اور

شاداب وادیوں، یا دریاؤں کے دامن میں نئی نئی زمینیں فتح کرے۔ جن کی کاشت سے بڑھتی ہوئی آبادی کے خورد و نوش کا سامان مہیا کیا جائے۔

نتیجہ یہ نکلا تھا کہ نئے بادشاہ کا پہلا کام یہ تھا کہ اپنی رعایا کے لاکھوں باشندوں کے لیے آزوقہ کا بندوبست کرے۔ جب کبھی سلیمان توشہ خانہ سے باہر نکلتا اسے احساس ہوتا کہ یہ خزانہ خدا کی بنائی ہوئی وسیع زمینوں کے مقابل کس قدر مختصر ہے۔ جن میں فصلیں بوئی اور جائی جاتی ہیں وہ اپنے آپ کو اس زمین کا خادم سمجھتا تھا۔

☆..........☆..........☆

گلشن اعراف

پہلے قوانین جو اس نے نافذ کیے وہ غیر ضروری اراضی کے بندوبست ربیع اور خریف کی فصلوں، شہد کے چھتوں کے محاصل وغیرہ کے متعلق تھے ان معاملات میں ان کا ''عرف'' یا زبانی حکم قانون کے طور پر نافذ ہو جاتا اور اس کی تعمیل ہو جاتی۔

محض رسماً اور اخلاقاً پیری پاشا کو عماد السلطنت کا خطاب تھا۔ سلطنت کا اصلی بار سلطان کے کندھوں پر تھا اور اب اپنی عمر چھبیسویں سال کے شروع میں اس نے پوری طرح اپنی رعایا کو رسد بہم پہنچانے اور اس کی راہنمائی کرنے کی ذمہ داری خود سنبھالی۔ اس نے فوراً طے کیا کہ قوم کو یورپ کی سمت لے جانا چاہیے۔

غالباً یہ فیصلہ اس نے سرائے برٹو کے چوتھے صحن میں کیا۔ یہ احاطہ جو ان تین صحنوں کے عقب میں تھا جن میں زیادہ چہل پہل تھی۔ پرانے صنوبروں اور خم درخم سرو کے درختوں کا چھوٹا موٹا جنگل تھا، اور یہ سرائے میں اس مقام پر واقع تھا، جہاں تین میل لمبی فصیل سمندر کے پانی کے بہت قریب پہنچ جاتی تھی بعد سلطانوں نے اس کا اپنا خاص خانہ باغ بنایا تھا، یہاں باغبانوں نے ایک چھوٹی سی جھیل بنائی تھی۔ یہاں گلابوں کی ایک کیاری تھی اور ایک قطعہ سبزہ زار تھا جہاں فواروں کے کنارے نماز ادا کی جاتی تھی۔ یہ حصہ توشہ خانہ کی پشت پر تھا، جہاں ملبوس مبارک حفاظت سے رکھا ہوا تھا۔

لیکن اس باغ سے شہر کی رونق اور چہل پہل کا منظر نظر آتا تھا۔ ایک طرف

نشیب میں ان نوجوان طالب علموں کی تربیت کا میدان تھا، جو یہاں سواری کی مشق کرتے یا چوگان کھیلتے یا نیزہ بازی کرتے۔ ان کے گھوڑے ویران او رمنہدم بازنطینی خانقاہوں میں باندھے جاتے۔

بلندی پر ایک پگڈنڈی جاتی تھی جس کا نام ''اشتر پکار'' تھا۔ یہ نام طالبعلموں نے رکھا تھا جو یہاں باغبانی بھی کرتے تھے، اور جو اس لیے تعلیم پا رہے تھے کہ بڑے ہو کر سلطنت میں مختلف نظر نسق کے عہدے سنبھالیں۔ اس پگڈنڈی پر ہوا بڑے فراٹے بھرتی تھی۔ یہاں تیز ہوا میں سلیمان مشرق اور مغرب کی دنیا کے درمیان کھڑا ہوتا۔ اس پار ایشیا میں چام لی جا کے سرو کے درخت آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے۔ سیدھی طرف بحیرۂ روم کے وسیع سمندر کو راستہ جاتا تھا۔ بائیں جانب ہوا باسفورس کی آبی شاہراہ پر شکن در شکن لہریں پیدا کرتی، اس کے آگے بحیرۂ اسود تھا اور ادھر سے کاروانوں کا مشرق کی طرف جانے کا راستہ تھا۔

دنیا میں اور کوئی مقام نہ تھا جہاں ایک تاجدار نے اپنے باغ کی روش پر ٹہلتے ٹہلتے اپنی سلطنت کا یہ منظر دیکھتا کہ وہ دو براعظموں کے ساحلوں اور دو سمندروں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے پیچھے ڈوبتے آفتاب کی روشنی اس خمدار بندرگاہ پر پڑتی جس میں بیشمار جہازوں اور ماہی گیروں کی کشتیوں کے ستون اور بادبان نظر آتے۔ پانی کی ایک چھوٹی سی خلیج بھی اسی طرح کشتیوں سے بھری ہوئی تھی، اس کی شکل بکرے کے سینگ جیسی تھی اور اسی لیے اسے شاخ زریں کہتے تھے۔ کشتیوں کے ستونوں اور بادبانوں کے جنگل کے اس پار بارود خانے کی عمارتیں تھیں، سیاہ

گودام تھے، اور اہل وینس، اہل جنیوا اور گوسیلوں کے محل تھے، جو اس کی دی ہوئی مراعات کے طفیل میں تجارت کیا کرتے تھے۔

جب وہ اس طرح چہل قدمی کرتا تو حلیم النفس پیری پاشا اس کے ہمرکاب ہوتا جب تک عشاء کی نماز کے بعد اسے نیند نہ آجاتی سلیمان کو اپنی افکار سے فرصت نہ ملتی پیری پاشا اسے بار بار یہی مشورہ دیتا کہ آپ کو ایک عادل مصنف کی طرح فیصلہ کرنا چاہیے۔ اور عمل میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ ''جلدی شیطان کا کام ہے۔ صبر خدا کا مرغوب ہے۔''

صبر و استقلال سے پیری پاشا نے اپنے نوجوان آقا کا ذہن ایشیا کی طرف منعطف کیا۔ ایشیا میں چیزیں پرانی اور آزمائی ہوئی تھیں۔ ان پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ دریائے نیل میں کشتیاں لکھ آہستہ چلیں، ہر سال وہاں نیل کا سیلاب زرخیز مٹی بہالاتا ہے، اور ساحلوں کو زرخیز بنا جاتا ہے۔ حلب کے پاس سمرقند جانے والے یہودی سوداگروں کے کاروانوں کے گدھے لاکھ آہستہ آہستہ چلیں۔ جب وہ اپنے سفر سے واپس لوٹیں گے تو اپنے ساتھ انبار در انبار سفید کاغذ اور نیلم، اور مسالے اور چینی ظروف ضرور لیتے آئیں گے۔ وہ زائر جو بیت المقدس میں مسجد سلیمان کی زیارت کرنے آتے ہیں یا ریگستان سے گزرتے ہوئے حج کے لیے خانہ کعبہ کی سمت جاتے ہیں۔ انہیں دوڑ کر سفر کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ ان کا راستہ راہ نجات ہے۔ اس کی برعکس اگر بربر لوک افریقہ کی پوشہ کانوں سے سونا اپنے اونٹوں پر لاد لاد کے پرانی رومی سڑکوں پر ساحل کے کنارے کنارے اسکندریہ کے ویرانوں سے مغرب میں الجزائر

کی بارونق بندرگاہ کو لے جاتے ہیں تو لے جائیں۔نہیں،اگر تجارت کا رخ مغرب کی طرف ہے تو رہے۔فرنگی چاندی تو لتے رہے اور دیناروں کے انبار لگاتے رہیں۔ جب موت آتی ہے تو دولت ویسی کی ویسی ہی دھری رہ جاتی ہے۔لیکن حاجی یا زائر جو خدا کی مرضی کا جویا ہوتا ہے اس کا مقام ان سے افضل ہے۔

پیری پاشا نے کہا: ”اگر میرا کیسہ خالی ہو گیا تو گیارہ مسلح ڈاکو مجھے کیا خاک لوٹ سکیں گے۔“

رہ گئی دولت،تو سلیمان ابن سلیم اگر ایشیا کے لا انتہا خزانوں کو شمار کر سکتا ہے تو شمار کرے۔شمالی ندیوں میں کوہ ارغ داغ کے برف زاروں سے پگھلی ہوئی چاندی جیسا پانی آتا ہے۔اسی پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ٹھہری تھی۔وسیع جھیل وان کا پانی نیلم سے زیادہ گہرا ہے۔شام کی چراگاہوں میں جنہیں دریائے فرات کا پانی سیرات کرتا ہے۔جو رنگ لہلہاتا ہے۔وہ اس قدر سبز ہے کہ لاجورد اس کے آگے خجل ہیں۔جب دریائے دجلہ سے سیراب ہو کے گیہوں کے پکے ہوئے خوشے لہلہاتے ہیں تو ان کا رنگ سونے بھی زیادہ سنہرا ہوتا ہے۔پہاڑوں کے معدنوں سے بے حد نمک برآمد ہوتا رہتا ہے۔اناطولیہ کے خشک سینہ پر اعلیٰ ترین نسل کے گھوڑے پلتے اور بڑھتے ہیں۔یہ دولت ایسی نہیں جو رات بھر میں ضائع ہو سکے۔یہ خدا کا دیا ہوا عطیہ ہے۔

پیری پاشا پانی کے اس پار ساحل کی بلندیوں کی طرف اشارہ کرتا ”واللہ زمانہ قدیم میں یورپ والوں نے وہاں اپنا سونے کا شہر بنانا چاہا۔شاید وہ لوگ یونانی

تھے۔ اب ان کاش ہر کہاں ہے۔ صرف چام لی جا کے قبرستان کا جھنڈ باقی رہ گیا ہے۔''

سلیمان نے اس پیر مرد کو یاد دلایا ''وہاں صرف مردے رہتے ہیں جو زندہ ہیں اور یہاں آ جاتے ہیں۔''

کوئی چیز نہیں مرتی۔ اس پرانے زمانے میں یونانی حکیم فیثا غورس نے یہ تعلیم دی تھی کہ ہر شے کا جوہر ابدالآباد تک باقی رہتا ہے۔ ہر شے ہر اور شے کیساتھ اضافی درجہ رکھتی ہے۔ اور ہماری مرئی دنیا میں کوئی بالکل نئی شے داخل نہیں ہونے پاتی۔ اگر چہ کہ فیثا غورس یونانی نژاد تھا، جو بات اس نے کہی ہے وہ برحق ہے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیری پاشا کو فرنگیوں کا طور طریق پسند نہیں، خاص طور پر وہ مجلسرا کے محافظ دستے کے کپتان ابراہیم کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فرنگی کھلی ہوئی ہوا میں خیموں کی طرح مکان نہیں بناتے بلکہ بند گلیوں میں اونچے اونچے مکان تعمیر کرتے ہیں جن سے سورج کی روشنی رک جاتی ہے وہ گھوڑوں کی پرورش کرنا نہیں جانتے۔ جاڑوں میں آتشدان سے لگ کر بیٹھے رہتے ہیں اور اپنے خیمے کے اندر سے شراب میں نہلاتے ہیں، اپنے شہروں میں روزی کمانے کے لیے وہ شرابیوں کی طرح چیخ و پکار کرتے ہیں۔ وہ اپنے فنون اور معاملات کے متعلق کتابیں لکھتے ہیں۔ لیکن اپنے لفظ اور وعدہ کی پابندی نہیں کرتے۔ کلیساؤں میں رشوت دے کے اپنے لیے آخرت میں نجات خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قاتلوں کی طرح وہ چھوٹی چھوٹی منفعتوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں لیکن ابدی نجات کی انہیں

کوئی فکر نہیں۔

لیکن سلیمان میں بھی جوانی کا ولولہ تھا اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ بحیرۂ اسود کی طرف سے پیٹھ پھیر کے بحیرۂ روم کا رخ کیا جائے۔ ترکوں کی فوج سے فرنگیوں کے علاقے پر یورش کی جائے اور اس کے رہنے سہنے کا طریقہ دیکھا سمجھا جائے۔ وہ بھی تو اس کی طرح سفید فام تھا، اس کی آنکھوں کا رنگ بھی ویسا ہی ہلکا تھا اور اس کی جلد کا رنگ اتنا ہی صاف تھا۔ اگر وہ فرنگی کپڑے پہن لیتا تو خود بھی فرنگی ہی معلوم ہوتا۔

جب 1521ء کے موسم بہار میں برف پگھلنے لگی تو فوج حملے کے لیے تیار ہو گئی۔ جب بہار کے چشمے خشک ہونے لگے، اور تازہ گھاس اتنی بڑی ہو گئی کہ گھوڑوں کے گلے اسے چر سکیں تو فوج کے منتشر دستے شمال کی طرف آہستہ آہستہ اس کام کی تکمیل کے لیے بڑھنے لگے جو ان کے لیے سلطان سلیم نے متعین کیا تھا اور جو اس کی موت کی وجہ سے ملتوی ہو گیا تھا۔ یہ مشرقی یورپ پر یورش کی مہم تھی۔

سلیمان کا بذات خود اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ پیری پاشا اور دوسرے کہن سال جرنلوں نے یہ انتظام کر لیا تھا کہ براہ راست سلیمان کے شانوں پر کوئی بوجھ نہ پڑنے پائے۔ وہ جانتے تھے کہ ابھی اسے جنگ کا تجربہ نہیں۔ انہوں نے ترکوں کی پیش قدمی اور جنگ کے لیے ایک اچھی خاصی وجہ جواز بھی تراش لی تھی۔ ان کا بیان تھا کہ ہنگری کے دربار میں ایک قاصد گزشتہ موسم خزاں میں بھیجا گیا تھا تا کہ سلطان سلیمان کی تخت نشینی کی خبر وہاں پہنچا آئے۔ لیکن اس کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی گئی تھی اس کے کان کاٹ ڈالے گئے تھے اس لیے ترکی فوج ہنگری والوں سے انتقال لینے

کے لیے پیش قدمی کر رہی تھی۔

یہ واقعہ اگر صحیح بھی تھا تو محض ایک بہانہ تھا۔فوج دراصل سلطان سلیم یاوُز کے اس ارادے کی تکمیل کر رہی تھی کہ یورپ پر حملہ کیا جائے۔پیری پاشا نے نقشہ سامنے رکھ کر سلطان سلیمان کو سمجھایا کہ اس سال فوج کا کیا کارنامہ انجام دے گی۔ یہ دراصل سلطان سلیم اور سلطان محمد فاتح کے کارناموں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔اس سال دریائے ڈینیوب پر اہل یورپ کے دفاع کا محاذ توڑ دیا جائے گا۔شہر سفید بلگراڈ پر قبضہ کرلیا جائے گا۔ یہ سفید شہر جوان کی سرحد کی طرف ایک بلندی پر دریائے عظیم ڈینیوب کے جنوب میں واقع تھا،یورپ کی فوجوں کے لیے ایک پل کی طرح تھا۔یہ شہر بڑی سرکشی سے ایک ایسے درے میں سر اٹھائے کھڑا تھا،جس کے ایک سرے پر پہاڑوں کا ایک سلسلہ ختم ہوتا تھا اور دوسرے سرے سے پہاڑوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا تھا۔اس شہر کو فتح کر کے سلیمان کی فوج بوڈا اور پراگ اور وی آنا کے پہاڑوں کے درمیان اپنے لیے ایک راستہ کھول لے گی۔

سلیمان اس نقشہ کی اہمیت کو سمجھ گیا۔اس کے لیے کوئی اور مضر نہ تھا۔یہ تو ناممکن تھا کہ وہ اس فوج کی بہ نفس نفیس سپہ سالاری سے انکار کرے۔کیونکہ اس کے بغیر ینی چیریوں کی فوج آگے بڑھنے سے انکار کرے گی۔

اس نے کہا:''اچھا تو ہم شہر سفید کو چلیں گے۔''

اس سے کہا گیا کہ پیتل کے بڑے نقارے پر چوٹ لگانے کا حکم دے دے یہ فتح و ظفر کا نقارہ تھا۔اس نے فوراً حکم دیا،اور فوراً ہی باب عالی میں اس بڑے نقارے

پر چوٹ پڑی۔ نقارے کی بلند آواز شہر کی پیچ در پیچ گلیوں میں گونج گئی، گویا نقارے کی پیتل کی آواز جم غفیر کو جا ب جا یہ حکم سنا رہی تھی: ''چلو اس سڑک پر کوچ کرو، جس پر تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔ دور دراز ملکوں کی سمت کوچ کرو۔''

پیری پاشا نے کہا یہ نوجوان ینی چیریوں کا نعرہ ہے۔

بہت عرصہ پہلے ایشیا کے میدانوں اور چراگاہوں میں پیری پاشا اور دوسرے آزمودہ کار بوڑھوں نے جن کی اپنی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہ تھی، گرفتار شدہ لڑکوں کی یہ فوج تیار کی تھی جو ان کے دوش بدوش لڑ سکے۔ عثمانی اجنبی لوگوں کو اسی طرح استعمال کرتے تھے۔ جیسے قدیم زمانے میں چرواہے جانوروں کے گلوں کو استعمال کیا کرتے تھے۔ ان لڑکوں کی فوج کو بھرتی کر کے ان سے انہوں نے نئے نئے ملک فتح کیے تھے، نئی زمینیں حاصل کی تھیں۔ اور نئی قوموں پر اپنی حکومت قائم کی تھی۔

یہاں یورپ میں وہ ترک لڑکوں کے ساتھ امیر شدہ عیسائی لڑکوں کو بھی بھرتی کرتے تھے۔ ہر تیسرے چوتھے سال وہ اپنی عیسائی رعایا کی قوموں سے اور لڑکے لے کر بھرتی کرتے جاتے تھے۔ ہر خاندان سے وہ سات یا آٹھ سال کا ایک لڑکا لے کر بھرتی کرتے جو اتنا کمسن ہوتا کہ اپنے خاندان سے وفاداری کی صلاحیت اس میں نہ پیدا ہوئی ہوتی۔ اور نہ میں جو ترکوں کا پرانا پائیہ تخت تھا ان لڑکوں کا پہلا امتحان لیا جاتا۔ پھر انہیں بروصہ بھیج دیا جاتا تھا۔ جہاں پرانے سلطان کے مقبرے تھے۔ پھر ان بھرتی کیے ہوئے لڑکوں کو نئے نام دیئے جاتے۔ میدانوں میں ان کی

فوجی تربیت ہوتی اور انہیں ترکی بولنا سکھایا جاتا۔

ان منتخب شدہ لڑکوں نے خورد ونوش اور ان کے لباس کا خاص خیال رکھا جاتا ان کی خوب نگرانی کی جاتی اور ان میں سے جو زیادہ ذہین ہوتے انہیں مدرسوں میں بھیجا جاتا۔ان لڑکوں کی زیادہ تر تعداد عجم اوغلان بن جاتی جن کا کام باغبانی، گیلی پولی میں جہازوں پر کام کاج کرنا یا فارغ التحصیل ینی چیریوں کی ملازمت کرنا۔ان میں سے جو ینی چیری منتخب ہوتے انہیں اسلحہ جنگ کا استعمال سکھایا جاتا خاص طور پر ہلکی تلوار کے کرتب، پتلے فولادی نیزوں کا استعمال، اور مضبوط لیکن چھوٹی سی ترکی کمان پرتیر اندازی کی مشق۔نئی بھرمار بندوقوں کے استعمال سے۔یہ لوگ عموماً چڑتے تھے۔بعضوں کو سواری کی مشق کرائی جاتی تھی۔اور یہ سپاہی اور سوار بن کے فوجوں میں بھرتی ہوتی ہے۔

بیس سال کی عمر میں عجم اوغلان کے جوان اچھے خاصے پہلوان بن جاتے، اسلحہ کے استعمال کی انہیں بڑی مشق ہو جاتی۔وہ بہت منظم ہوتے اور اپنے پیشہ ور بھائیوں کے ایک فوجی برادری کے رشتے میں منسلک ہوتے۔ان کے بارک ان کے گھر تھے۔اس کے بعد وہ ینی چیریوں کی صفوں میں فارغ التحصیل بنتے اس کے بعد انہیں کلاہ درویشی پہننے کی اجازت ملتی۔جوں جوں جگہیں خالی ہوتی جاتیں ینی چیریوں کی جماعت میں سپاہیوں کی حیثیت سے ان کا تقرر کیا جاتا ہے۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ان کا خاندان اصل میں امیر تھا یا غریب، بہت سے اجنبی ماں باپ اس کوشش میں لگے رہتے کہ ان کے لڑکوں کو بھرتی کرلیا

جائے ۔تا کہ وہ بڑے بڑے عہدوں تک پہنچ سکیں ۔ بہت سے لڑکے آخر وقت تک عیسائی رہتے ، ان ینی چیریوں کو فوجی تربیت بڑی سخت اور انہیں اس کا قریب قریب کوئی معاوضہ نہ ملتا۔صرف خداداد جوہر سے ان ینی چیریوں کو مدد ملتی تھی۔وہ ذاتی طور پر سلطان کے وفادار سپاہی بنتے تھے۔

ان کی نوجوان طبیعتیں انہیں نچلا نہ بیٹھنے دیتیں۔شہر میں زیادہ عرصہ رہنے سے ان کا جی گھبرانے لگتا تھا۔انہیں یلغار کرنے کی اور جنگ کی عادت تھی۔ان کا مشغلہ تھا کہ تسخیر شدہ ملکوں کی نگرانی کریں۔ان کی تمنا یہ تھی کہ سڑکوں پر تیزی سے دوڑتے پھریں اور انہیں نت نئے ملکوں کو تسخیر کرنے کا موقع ملے۔

پیری پاشا نے کہا: ''شہر میں انہیں رکھنا ان کے لیے اچھا نہیں یہاں انہیں قواعد پریڈ کی سوکھی کڑوی روٹی گھروں کے باورچی خانوں میں بیٹھ کے کھانی پڑتی ہے۔آپ اپنی سپہ سالاری میں انہیں لے کے باہر نکلیے۔''

جب بارکوں کے باہر ینی چیریوں کے نقارے پر چوٹ پڑی تو سلطان خلاف معمول ان کے درمیان پیدل نکل آیا۔اس وقت کوچ سے پہلے ، وہ اپنی تنخواہیں وصول کرنے کے لیے صف بستہ کھڑے تھے۔کئی نسل سے قاعدہ چلا آرہا تھا کہ سلاطین انکے اعزازی سپہ سالار ہوتے تھے۔اور اس اعزاز پر ان کو بہت فخر تھا۔اب یہ نوجوان اور خوبصورت سلیمان ان کے ساتھ اپنی تنخواہ وصول کرنے کے لیے ان کے افسر کے حیثیت سے ان کی صفوں میں آکھڑا ہوا تھا۔

ان کی منظم شکلیں جو ڈھیلے پاجاموں اور نرم چرمی جوتوں میں ملبوس تھیں۔

سلیمان کو راستے دینے کے لیے خاموشی سے ادھر ادھر ہٹ گئیں۔ ینی چیریوں کے تنومند آغا نے یہ دیکھ کر اپنی مونچھوں پر تاؤ دیا کہ سلیمان نے بھی خزانچی سے مٹھی بھری چاندی کے سکے بطور تنخواہ وصول کیے۔ آغا نے اپنے آپ سے کہا جب میں یہ حصہ سوار فوج سے بیان کروں گا تو لطف آ جائے گا۔ کسی اور بات کا ان سپاہیوں پر جن کی عمر سپاہ گری میں گزری تھی، اتنا اثر نہ ہو سکتا تھا جتنا اس کا معمولی سپاہیوں کی طرح سلطان بھی اپنی تنخواہ اپنے کیسے میں رکھ رہا ہے۔ اس کے بعد اپنے بارکوں میں پہنچ کے انہوں نے کہا کہ یہ نوجوان ایسا نہیں جسے ذرا سی محنت سے پسینہ آ جائے۔ نہیں یہ اوروں کی طرح پیدل دوڑ دھوپ کر سکتا ہے۔ اپنے دل میں وہ خود بھی ینی شہری ہے اب سوار فوج پیچھے پیچھے چلا کرے گی۔ سلیمان کے فرزند نے بحیثیت سوار اپنی تنخواہ طلب نہیں کی۔

سلیمان کی یہ خاص عنایت بڑی موقع شناسی پر مبنی تھی۔ اب وہ اس وحشی برادری کا ایک جزو بن گیا تھا جس سے شروع شروع میں اسے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ جب شمال کی جانب کوچ شروع ہوا تب بھی اس نے اسی طرح اپنے آپکو سپاہیوں سے الگ نہ رکھا۔ وہ اپنے ینی چیریوں کے ساتھ ساتھ کوچ کرتا اور بوڑھے سپاہیوں سے باتیں کرتا جاتا، اور تجربہ کار جنگ آزمودہ سپہ سالاروں کے مشورے کے مطابق عمل کرتا۔

بظاہر تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جنگ کے محاذ کی قیادت کر رہا ہے۔ لیکن اصل میں وہ اس فوجی محاذ کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اسے جس بات کا خوف تھا وہ تو

ایک طرف یہ کوچ اس کے لیے ایک دلچسپ سفر بن گیا۔ یہاں تک کہ وہ ان شمالی وادیوں میں آ پہنچا، جہاں فرنگیوں کے قلعے پہلی یلغاروں کے آثار کے طور پر نظر آنے لگے۔ روز سلیمان پرانی فتوحات کے قصے سنتا۔ نکوپولس میں صلیبوں کو آخری جنگ میں شکست ہوئی تھی۔ کوسوو میں جسے کووں کا میدان کہتے تھے متکبر سربیا کے باشندوں کو اس طاقت کے سامنے سر جھکانا پڑا تھا، جسے سلطان محمد فاتح کے زمانے سے آج تک کسی جنگ میں شکست نہیں ہوئی تھی۔

☆..........☆..........☆

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. اقبال اکادمی پاکستان ©2002-2006

سفید شہر

بجز اس کے کہ روز وہ آگے کی طرف کوچ کرتا، اور رات کو ایک پرشوکت شامیانے میں سو رہتا جس پر منتخب تیر اندازوں کا پہرہ تھا اس کی زندگی کا وہی معمول تھا جو محل سرا میں ہوا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی حکومت کا نظم و نسق بھی ہم سفر تھا، اس میں وزیر اعظم پیری پاشا سے لے کر معمولی درجے کے خزانے کے افسر شامل تھے۔ ینی چیریوں اور سپاہیوں کی مستقل فوج اس کے ہمرکاب رہتی۔ انہیں مطرب شام کو اس کے سامنے ساز بجاتے۔ محنتی اور ہوشیار انجینئر سڑکوں کو ٹھیک کرتے کہ ان پر سے ہو کے محاصرے کی بھاری توپیں اور توپخانے کے توپچی آگے بڑھ سکیں۔

وہ جہاں جاتا اس کے اطراف سپاہیوں کی ایک دیوار ہوتی۔ یہ ڈیڑھ سو تجربہ کار ینی چیریوں کا ایک دستہ تھا جو سولاک کہلاتا تھا اور جس کے ذمہ اس کی جان کی حفاظت تھی۔ ان کی کمانیں ہمیشہ کھچی رہتیں، اور وہ سلطان کے خیمے کی کھونٹیوں کے پاس کھڑے پہرہ دیتے رہتے۔ سفر کے درمیان میں ایک اور دستہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑتا جاتا، جیسے کسی سوار کے ساتھ شکاری کتے۔ یہ پیک تھے جن کا کام اس کے پیغام ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا تھا، اور جس کا یہ بھی کام تھا کہ اسے جس چیز کی ضرورت ہو وہ فوراً حاضر کر دی جائے۔

اس کی نظروں سے اوجھل ہراول کے ہلکے پھلکے تیز سوار تھے، جو آگے آگے چل کے دارالحرب میں لوٹ مار کرتے تھے، اور سامان رسد فراہم کرتے جاتے تھے۔

صرف نقشے پر وہ اندازہ کرتا کہ یورپ کی فوج کس طرف نقل وحرکت کر رہی ہے۔ اور ایشیا کی دوسری طرف کس سمت سے بڑھ رہی ہے۔ یہ بڑی بڑی سوار فوجیں ترک زمینداروں کی بھرتی کی ہوئی تھیں۔ ہر لڑائی کے موسم میں ان کی بھرتی ہوتی، ان میں کوئی تنخواہ نہ ملتی، لیکن یہ اپنے لیے مال غنیمت خود فراہم کر لیتیں۔ جیسے جیسے گھاس پکتی جاتی یہ فوجیں جنوب کے گرم علاقوں کی طرف سے شمال کے سرد علاقوں کی طرف رخ کرتیں۔ ایشیائی فوج کے عقب میں اونٹوں کی کئی قطاریں تھیں۔

یہ دونوں فوجیں طاقتور میمنے اور میسرے کی طرح تھی، جو یا تو خود جنگ کا پورا بار اٹھا سکتی تھیں۔ یہ کبھی کبھی وہ سلطان کی باقاعدہ فوج سے مدد حاصل کرتیں جس کی حیثیت قلب لشکر کی تھی، اور جس میں ینی چیریوں کا بنیادی عنصر تھا۔ بھاری توپخانہ تھا۔ اس قلب لشکر کو آج تک کبھی شکست نہیں ہوئی تھی۔

ادھر سلیمان آگے بڑھتا جاتا تھا۔ اور میمنے اور میسرے کی یہ دونوں فوجیں دریائے ڈینیوب کے کنارے پر پھیلتی جا رہی تھیں، اور اس کے ساحلوں پر چھوٹے چھوٹے قلعوں کا محاصرہ کر کے سر کرتی جا رہی تھی، پیری پاشا نے بنفس نفیس جگراڈ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اسی درمیان میں دریائے ڈینیوب سے ہوتے ہوئے جنگی جہاز اور رسد کی کشتیاں دھارے کو کاٹتی ہوئی اوپر چڑھتی آ رہی تھیں۔ سب کام اس سلیقے اور انتظام سے ہو رہا تھا کہ بجز تماشا دیکھنے کے سلیمان کو اور کوئی محنت نہ اٹھانا پڑتی تھی۔ جب ضرورت ہوتی وہ مجلس مشاورت طلب کرتا اور اپنے وزیروں کے مشورے سنتا۔

سلیمان کا ایک روزنامچہ تھا۔صدیاں گزرنے پر بھی وہ ابھی باقی ہے۔

اس روزنامچے میں وہ بہت مختصر اندراجات کرتا گویا ایک دن کے لیے ایک لفظ کافی تھا۔وہ لکھتا کہ ہم نے فلاں مقام پر قیام کیا۔یا محض لفظ قیام۔لیکن اس اختصار اور احتیاط کے پردے میں اس روزنامچے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان ان لوگوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھتا تھا جو اس کی نظروں کے سامنے آتے تھے۔ایک سوار کو عصا سے اس لیے زدوکوب کیا گیا کہ اس نے ایک کھیت میں پکی ہوئی فصل کو کچل ڈالا تھا۔ایک بندوقچی کا سر اس جرم پر قلم کر دیا گیا کہ اس نے ایک باغ سے شلجم چرائے تھے (ابھی وہ درالامن میں تھا، جہاں امن وامان کی ذمہ داری ترکوں پر تھی اور سپاہیوں کو سخت ہدایت تھی کہ وہ دیہاتوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ جب وہ دارالحرب میں پہنچ جائیں گے تو قانون اور حالات بدل جائیں گے)

7 جولائی ''سب کی فتح کی خبر آئی ہے۔محصور فوج کے سو سپاہیوں کے سر آئے ہیں۔یہ سپاہی اوروں کی طرح بھاگ کر نکل نہ سکے۔''

8 جولائی ''یہ سر یلغار کے راستے پر چن دیئے گئے''

دریائے ساوے پر ایک پل تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔

9 جولائی ''فوج کو ٹھہرنے کا حکم۔سلیمان (وہ اسی طرح اپنا نام لے کر اپنا ذکر کیا کرتا تھا) ایک جھونپڑی میں ٹھہرا ہوا ہے تا کہ اپنی نگرانی میں پل تعمیر کرائے سلطان اکثر جا کے خود دیکھ آیا کرتا ہے کہ پل کس طرح بن رہا ہے۔''

18 جولائی ''پل تیار ہو گیا ہے دریائے ساوے کا پانی پل تک لبالب آتا ہے۔''

19جولائی۔پانی پل کے اوپر سے بہہ رہا ہے۔اس کو پار کرنا ناممکن ہے۔حکم نافذ کیا گیا کہ کھلی کشتیوں کا دریا کو پار کیا جائے۔

رسد کا بھاری سامان دوسرے راستے سے بھیجا گیا۔رطغیانی کے زمانے میں دریائے ساوے کو عبور کرنے کی مہم سلیمان کو اہم معلوم ہوئی۔چونکہ وہ خود بنفس نفیس موجود تھا یہ اس کی اپنی ذمہ داری تھی۔

اس روزنامچہ میں سلیمان کا بلگراڈ کے محاصرے میں شریک ہونے کا ذکر بھی اسی اختصار کے ساتھ ہے۔تفصلات کو صاف صاف واضح کیا گیا ہے۔ان سب مختصر سے ٹکڑوں کو جمع کیا جائے تو اس سیسر حد کے اس محافظ شہر کی فتح کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔شہر کے پیچھے ترکی جہازوں نے دریا کی ناکہ بندی کردی ہے ینی چیریوں کے دستے جزیروں کی نگہبانی کر رہے ہیں۔دریا کے دونوں کناروں پر بھاری توپ خانہ بلگراڈ کی بیرونی فصیلوں کو منہدم کر رہا ہے۔

3اگست ''بالی آغا۔یعنی شہریوں کا آغا زخمی ہوگیا ہے''

8اگست ''دشمن نے تخلیہ کرکے شہر کو آگ لگادی اور قلعہ میں پناہ لی ہے۔''

9اگست ''حکم دیا گیا کہ قلعہ کی فصیلوں کے برجوں کے نیچے سرنگیں بچھائی جائیں۔''

10۔اگست ''توپ خانہ نئے مورچوں میں نصب کیا گیا ہے۔''

ایک ہفتہ بعد قلعے کے محصور دستے نے ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی ،قلعہ دار برآمد ہوکے سلیمان کی دست بوسی کرتا ہے۔اور اسے کفتان کی خلعت عطا ہوتا ہے۔''

مسلمانوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کو اذان دی جاتی ہے۔فوج کے سازندے بلگراڈ

کے اندر تین بار قرنا بجاتے ہیں۔ سلیمان پل کو پار کر کے بلگراڈ میں داخل ہوتا ہے جہاں ایک کلیسا کو مسجد میں تبدیل کیا گیا ہے اور یہاں سلطان جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے۔

دوسرے دن بالی آغا تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ قدم بوسی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ ہنگروی اسیران جنگ کو اجازت ملتی ہے کہ وہ دریا کو پار کر کے رخصت ہو جائیں۔ ان کے ساتھ جو سرب ہیں، انہیں جنوب کی طرف ہجرت کا حکم ملتا ہے۔ یہ قسطنطنیہ کے باہر ایک محلے میں آباد ہو جاتے ہیں اور اس محلے کا نام بلگراڈ رکھ لیتے ہیں۔ سلیمان تسخیر شدہ شہر کا دورہ اور معائنہ کرتا ہے۔ اور پھر باہر شکار کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ وہ بالی آغا کو بلگراڈ کا نیا قلعہ دار مقرر کرتا ہے۔

اس کے بعد روزنامچے میں فخریہ انداز کیا یک جھلک ملتی ہے۔ سلیمان نے اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔ اس کی فوج نے وسط ڈینیوب کے محاذ پر ہر جگہ فتح پائی تھی اور سبک، سیم لین، سمندریہ اور بلگراڈ کو تسخیر کر لیا تھا۔ دریا کے شمال کے مورچوں اور توپ خانوں پر قبضہ کر لیا تھا، ان جنگلوں کو کاٹ دیا تھا جن کی وجہ سے دریا کا شمالی کنارہ چھپا ہوا تھا۔ اس محاذ کے اس پار وسط یورپ پر حملہ کرنے کا راستہ کھل گیا تھا۔ اب سلیمان کو اس کا حق پہنچتا تھا کہ کچھ روز سیر و شکار میں بسر کرے۔

جس بات کا اسے سب سے زیادہ اندیشہ تھا وہ پیش نہ آئی۔ یورپ کی کوئی فوج دشمن کی کمک کے لیے دریا کے کنارے نمودار نہ ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ یورپ کے سردار حیرت ہی کے عالم میں تکتے رہ گئے۔ یا شاید وہ نئے شہنشاہ چارلس کے معاملات میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ انہیں بدنصیب ڈینیوب کو کمک بھیجنے کا موقع

نہ ملا۔ پہلی مرتبہ سلیمان کو اس کا اندازہ ہوا کہ اس کے دشمن آپس کے جھگڑوں قصوں کی وجہ سے کس طرح کمزور ہو گئے ہیں۔ اسے ابراہیم کا یہ قول یاد آیا ''کہ ہر شخص واحد کا ایک متعین متصد ہونا چاہیے۔''

لیکن اسے اچھی طرح کا یقین نہ تھا کہ وہ یورپ برادر بادشاہوں کو اپنا دشمن بنانا چاہتا ہے۔ اس معاملے میں اس نے اپنی رائے ابراہیم تک سے پوشیدہ رکھی۔

ترک فوج جو گویا ایک اشارے کی منتظر تھی، ستمبر کی پہلی برف باری کے بعد ہی گھر کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ اس کے ساتھ بے شمار مال غنیمت تھا اس سے فوکشی کا خرچ پورا ہوتا تھا۔ راستے میں فوج کے سپاہی منتشر ہو کے اپنے اپنے صوبوں کو چلے گئے۔ تاکہ وہاں اپنی پکی ہوئی فصلیں کاٹ سکیں۔ گھاس کے سوکھ جانے سے پہلے گھوڑوں کا بھی اپنے اپنے کھیتوں کو واپس پہنچ جانا ضروری تھا۔ اونٹ شمال میں خزاں کی سردی کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ یورش کے ختم پر فوج کی ٹیپ ٹاپ کے مقابلے میں جانوروں اور فصلوں کی ضروریات کو ترجیح دی جاتی تھی۔

سلیمان بڑھ خوش نصیب تھا۔ اس نے بڑے فخر سے اپنی فتح اور بلگراڈ کی تسخیر کی خبر سرکاری طور پر یورپ کے ان دو درباروں ....وینس اور رگوسا......کو بھیجی جن سے اس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ وینس والوں نے پریشان ہو کے ترکی سفیر کو پانچ سو اشرفیاں انعام میں عطا کیں۔

اس کے انہوں نے شکایت کی کہ ترک لڑائی کو اس طرح روانہ ہوتے ہیں جیسے کوئی شادی کرنے جاتا ہے۔

رومتہ الکبریٰ جو شیلے پاؤلو جودو نے اپنی کتاب تشریح میں اپنی اس پیشین گوئی کا ذکر نہیں کیا کہ سلطان کی تخت نشینی ایسی تھی کہ جیسے شیر کے بعد میمنہ جانشین ہو۔ اس کی بجائے اس نے کہا۔ ''جنگ کے عالم میں ان کا فوجی نظم وضبط اس لیے مکمل ہے کہ وہ انصاف اور ضبط نفس پر مبنی ہے۔اس لحاظ سے ترک قدیم رومیوں سے افضل ہیں۔تین وجوہات سے وہ ہمارے سپاہیوں سے برتر ہیں۔وہ بلا چون وچرا اپنے سپہ سالاروں کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔جنگ میں وہ اپنی جانوں کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔عرصہ دراز تک وہ شراب اور روٹی کے بغیر گزر کر سکتے ہیں۔صرف جو پھانک کے اور پانی پی کے گزارہ کر لیتے ہیں۔''

انگلستان میں ہنری ہشتم نے الگ رائے زنی کی۔بلگراڈ کی فتح کی خبر بڑی افسوس ناک ہے۔اور سارے عالم نصرانیت کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔

جب سلیمان اپنے درالسلطنت واپس پہنچا تو خلق خدا جوق در جوق حضرت ابوایوب انصاری کے مزار کے قریب سرو کے درختوں میں استقبال کے لیے امنڈ آئی۔جب وہ تمام ادا کرنے کے لیے مسجد جانے لگا تو راستوں پر دورویہ شہریوں کے ٹھٹ لگ گئے۔جو لوگ اس طویل یلغار میں اس کے ساتھ گئے تھے انہیں اس نے انعام اکرام دیا۔شہریوں کے لیے اس نے مشعلوں کی روشنی میں ضیافت کا انتظام کیا۔ اس جشن میں وینس کے جو لوگ شریک تھے ان کے دل میں یہ خوف پوری طرح جاگزین ہو گیا، کہاب پھر ایک بہت ترک سے ان کا سابقہ پڑنے والا ہے۔

☆..........☆..........☆

۲۔ دارالحرب

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

میگنی فی کا کاموفی تا کا حرامزادہ

جب سلیمان کے دورِ حکومت کا دوسرا برس ختم ہونے کو آیا تو میسر مارکو میمو نے جو وینس کی ممتاز سینوری (امارت) کا سفیر کبیر تھا، کچھ اطمینان اور کچھ اندیشہ کے عالم میں اپنے نام بزرگ سان مارکوں کے فرضی پیدائش کا جشن دھوم دھام سے منایا۔ اس کے اطمینان کا باعث یہ تھا کہ وہ اپنی فراست کی وجہ سے سلطان سلیمان کے عہد حکومت کا پہلا معاہدہ مکمل کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جس پر اس نے اپنے وطن وینس کی طرف سے دستخط کیے تھے۔ اس معاہدے سے اس کے رقیبوں کے دل میں شک کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ان رقیبوں میں جینوا کا پودستہ، رگوسا کا سفیر، اور شاہ پولینڈ کا ایلچی شامل تے۔ بجا طور پر میسر مارکو کو اس بات کا فخر تھا کہ سفیروں کے اس مختصر سے حلقے میں اسے سب سے زیادہ اہمیت تھی۔

اس کے اندیشہ کا باعث یہ تھا کہ جب کبھی وہ غلطہ میں اپنے محل کی چھت کے دالان سے دیکھتا، جو بالکوں سے ملحق تھا، تو ترکی بارود خانہ میں اسے روز نت نئی سرگرمی نظر آتی۔ بارود خانے میں جہاز سازی کی گودی سے جو نئے جہاز بن کر نکلتے وہ وینس کے بہترین جہازوں سے ملتے جلتے تھے۔ میمو کو شبہ تھا کہ یہ وینس کے جہازوں کے نقشے کے مطابق بنائے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اسے یہ پتا نہیں تھا کہ وینس کے جہازوں کا نقشہ کسی نے چپکے سے ترکوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ نہ اسے ٹھیک یہ پتا چلا کہ یہ عثمانی جن کے ارادوں کا کچھ اندازہ نہ ہو سکتا تھا، اپنے

ان نئے جہازوں کو کس طرح استعمال کریں گے۔

میسر مارکو کو اپنے آپ پر اس لیے بڑا غصہ معلوم ہوتا تھا کہ بظاہر تو اسقدر قوت حاصل تھی، مگر اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں تھی۔ شہر کے اندر ایک شہر جو میگنی فی کا کام مونا تا کہلاتا تھا۔ اس کی عملداری میں تھا، یہاں چوکیدار جب طبل پر چوٹ لگتی اور جھنڈے لہرائے جاتے تو فصیلوں پر اپنی اپنی جگہ سنبھالتے۔ علاظہ میں اپنے بھاری برج سے وہ اس شاخ زریں کے اس پار اس درختوں سے ڈھکے ہوئے حصے کو دیکھتا جہاں سلطان اپنے باغات میں رہا کرتا تھا۔ وہاں اسے جنگ کی کوئی علامت نظر نہ آتی بجز اس کے کہ درختوں کی چوٹیوں کے درمیان مشاہدے اور چوکیداری کے لیے ایک مینار نظر آتا تھا۔ لیکن سلطان کا ذرا سا اشارہ ہ جائے تو وہ اور اس کے ساتھ اجنبیوں کی اس نو آبادی کو جو "علاقہ عالی شان" کہلاتی تھی فوراً اس سارے علاقے کا تخلیہ کرنا پڑے۔ وہ یہاں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ کی اجازت سے رہتے تھے۔ سلطان ہی کی اجازت سے انہیں تجارت کے سارے حقوق حاصل تھے۔ جن کے تحت وہ اجناس کے معاوضے میں ترکوں سے غلہ، گھوڑے، غلام، ریشم اور مصالحے خریدتے۔ سلطان نے محض اتنا حکم دیا تھا کہ علاظہ کے قلعہ کی کنجیاں اطاعت کی نشانی کے طور پر اس کے پاس بھجوا دی جائیں، اور عیسائی اپنے کلیساؤں کی گھنٹیاں اتار لیں تاکہ ان سے نماز خلل نہ پڑنے پائے، اس طرح میسر مارکو کو آل عثمان کا مہمان بن کر رہ پڑا، اور اسے کچھ خبر نہ تھی کہ کل کیا پیش آنے والا ہے۔ چونکہ وہ بڑا ذہین امیر تھا وہ جانتا تھا کہ وینس کی ممتاز امارت کی بحری طاقت کمزور ہوتی جا رہی ہے لیکن وہ

اس حقیقت کا اقبال نہیں کرتا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھتا تھا کہ ترکی بیڑا جو ابھی منظم نہیں ہونے پایا تھا سمندری راستوں پر دور دور کا سفر کر رہا ہے۔ لوئی جی گری تی نے اسے یقین دلایا ''ترک یہ کہتے ہیں کہ ہم وینس پرانے اور تجربہ کار دوست ہیں اور اپنی دولت اور دغابازی کی وجہ سے مشہور ہیں۔

اس وقت بائلو کے زریں حال میں مارکو کی ضیافت کے میز پر لوئی جی گری تی بیٹھا ہوا تھا۔ میز پر ہرن کا گوشت رکھا تھا جس پر ذائقہ کے لیے چیانی شراب چھڑ کر دی تھی۔ بھونے تیتر رکھے تھے۔ جن میں مسالہ بھرا ہوا تھا۔ بحیرہ ابیض سے آئی ہوئی نایاب تلوار جیسی مچھلی کا گوشت تھا، باسفورس کے جھینگے تھے۔ چھوٹی چھوٹی مزیدار چیزیں اور مٹھائیاں تھیں جو اوپورتو کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ لوئی جی گری تی ان موٹے۔ تازے کھانے کے شوقین لوگوں کے درمیان ڈھانچے کی طرح نظر آ رہا تھا، اس کا چہرہ ایک تمسخر کی نقاب تھا۔ اس کی زبان بدلگام تھی لوی جی گری تی جزیوں کی ایک یونانی عورت کے بطن سے معزز اندریا گری تی کا حرامی بیٹا تھا۔ اس کو نیم غدار سمجھا جاتا تھا، کیونکہ وہ ترکوں میں پھر کر اپنے نفس کی تشفی اس خیال سے کر لیتا کہ ترک حرام کی اولاد سے کوئی تعصب نہیں برتتے تھے۔ اس نے ترکوں کی وحشی زبان بھی سیکھ لی تھیں۔ میسر مارکو اپنی معزز جمہوریت سے گری تی کو اس خود پسندیدہ جلا وطنی کے لیے اس لیے بلا بھیجا تھا کہ اس سے اس کی توقع تھی کہ وہ ترکوں کے جنگی راز معلوم کر لے گا۔

جب شراب اور کامرانی کے نشے میں میمو نے یہ اقبال کیا کہ نئے معاہدے کی

رو سے اس نے وینس کے لیے ہزاروں سونے کے دیناروں کی قیمت کے مال کی تجارت کا انتظام کرلیا ہے تو حرامزادے گری تی نے اس سے یہ پوچھنے کی جرات کی کہ اگر اس نے اس قدر فائدہ حاصل کیا ہے تو اس کے ساتھ کتنا نقصان اٹھایا ہے۔

میمو نے کہا کوئی نقصان نہیں۔قریب قریب کوئی نقصان نہیں۔ایک معمولی سی رعایت۔ وہ یہ کہ نئے معاہدے کی رو سے وینس کے جہاز گیلی پولی پر ہلکے پھلکے ہو کراتریں گے، اور وہاں آبنائے کے اندر تو داخل ہونے سے پہلے ترکوں کی بندرگاہوں میں داخل ہونے کی باقاعدہ اجازت طلب کریں گے۔

دبلے لسان گری تی نے کہا: مان لیا کہ یہ معمولی سی رعایت ہے لیکن اس چھوٹی سی پابندی کے بغیر اب سینوری کا کوئی جہاز مال اسباب نہ اتار سکے گا۔کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ جلالت آب سفیر نے خراج ادا کرنے کا بھی عہد کرلیا ہے؟

اس سے میمو کی رعونت کو ٹھیس لگی۔ اس نے کہا کہاں اتنی بڑی رعایت کے معاوضے اس نے محض معمولی سی رقم ادا کرنا قبول کی ہے۔ دس ہزار اشرفیاں بطور جزیرہ قبرص کے کرایے کی ادا کی جائیں گی۔اور پانچ سو اشرفیاں جزیرہ زانتے کے کرائے کے طور پر۔ہم اہل وینس خراج دینے کے عادی نہیں۔''

''ابھی تک خراج دینے کے عادی نہیں تھے۔''

میمو کو اس پر غصہ آیا کہ یہ بات سچ تھی۔ چونکہ قبرص اور زانتے پر ابھی تک اہل وینس کا قبضہ تھا، اس لیے ان کے کرائے کے نام سے جو رقم دی جارہی تھی وہ خراج ہی تو تھی۔

گری تی نے اصرار سے کہا: ''ذرا اس پر بھی تو غور کیجئے کہ یہ سب کچھ کس قدر صفائی سے کیا گیا ہے، اس طرح کہ آپ کی خودداری کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ مجھے تو اس میں پیری پاشا کا نہیں سلیمان کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے۔''

اس نے میمو کے تدبر کی مطلق تعریف نہیں کی اب سفیر کو غصہ آ گیا اور اس فرلیس حرامزادے پر برس پڑا۔ اسی سلیمان، اس نیک اور شریف مرد نے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد مجھے ایک تحفہ دیا۔ کیا کہنا بڑا ہی شریفانہ تحفہ تھا۔ یہ ایک کٹا ہوا سر تھا جو ایک ریشمی رومال میں بندھا ہوا تھا۔ یہ کسی باغی کا بدبودار کٹا ہوا سر تھا کوئی غازی..........!''

''یہ غزالی پاشا کا سر ہوگا۔ وزیر سوم فرہاد پاشا اسے شام سے لایا تھا۔''

''اور تمہارے نیک سیرت سلیمان نے مجھے یہ سر تحفتاً دیا'' یہ کہہ کر منہ بنا کے سفیر نے اپنے وسیع دامن میں اپنے ہاتھ پونچھے۔ ''مجھے اس کا شکر ادا کرنا پڑا۔ بڑی مشکل سے میں نے اسے اس طرح واپس کیا کہ پیری پاشا ناراض نہ ہونے پائیں تینوں فرشتوں کی قسم یہ سر انہوں نے تحفتاً مجھے کیوں بھیجا تھا۔ لوی جی اس کا کیا بھید ہے؟''

ایک لمحہ کے لیے کچھ سوچ کے گری تی نے اپنی چار انگلیاں پھیلا دیں۔ ''اس میں چار نتیجے نکالتا ہوں۔ پہلے تو یہ کہ وعدہ کرتے وقت ترک قسم کھاتے ہیں، میرے سر کی قسم، دوسرے یہ کہ ان کے یہاں یہ ضرب المثل عام ہے کہ وینس کی سینوری ضرورت سے زیادہ ہوشیار اور دغاباز ہے۔ تیسرے یہ کہ حضور نے جو خود بہت نیک

ہیں لیکن بہر حال سفیر ہیں۔ ایک معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ جس کی بنیاد باہمی اعتماد پر ہے۔ چوتھے یہ کہ ایک اور شخص کا سر جس نے معاہدے کی پابندی نہیں کی وہ رخصت کے طور پر ایک کی گود میں ڈال دیا گیا۔ اب آپ ان چاروں باتوں کو جمع کر کے سوچنے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے؟''

رنج کے عالم میں میمو نے اپنی موٹی تازی گردن کے پشت پر ہاتھ پھیرا۔ ان ترکوں کا ایک بڑا ''وحشیانہ'' دستور یہ تھا کہ وہ سفیروں کو ذاتی طور پر معاہدوں کا ذمہ دار گردانتے تھے۔ سفیروں کے محفوظ ہونے کی اب کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اس نے بڑ بڑا کے کہا: مجھے سلیم سے اس کی توقع تھی۔ سلیمان سے نہیں۔''

گری تی نے اپنے دل میں: یہ لوگ سلیمان کی نرم مسکراہٹ اور اس کے سر پر سرخاب کی کلغی کو دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ اس نرم دل کے پردے میں دیو پیکر طاقت ہو۔

میں کہتا ہوں کہ جب ہم نے اس کے متعلق یہ اطلاع بھیجی کہ وہ نوجوان اور لاپرواہ اور عیاش طبع ہے، اور سلیم کے بالکل برعکس ہے تو ہم اندھے تھے۔ میں مانتا ہوں کہ سلیم بڑا خوفناک بادشاہ تھا۔ لیکن اس کا بیٹا جو شکار کو ہنستا کھیلتا نکلتا ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک ہے۔''

کچھ ہی عرصہ بعد لوئی جی گری تی نے پانی کے اس پار محلسرا کے خادموں سے دوستی بڑھائی۔ چونکہ اب سلیمان کے پاس رسائی ناممکن تھی۔ اس لیے اس نے سلیمان کے کسی معتمد سے دوستی بڑھانی چاہی اور ابراہیم سے اس کی دوستی ہوگئی اس

حرامزادے اور مجلسرا کے داروغہ میں کچھ صفتیں مشترک تھیں۔ دونوں کی مائیں یونانی تھیں۔ دونوں کو بعض سخت حقیقتوں کا احساس تھا۔

☆.........☆.........☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

خراج کے لڑکوں کا مدرسہ

ترکی نظم و نسق کے اور تمام عہدہ داروں کی طرح ابراہیم بھی مدرستہ میں تعلیم پائی تھی۔گری تی کو فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ اس منظور نظر یونانی نے بڑے اعزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی تھی۔

غیر ملکی ناظرین میں اس مدرستہ کے متعلق بڑا اختلاف رائے تھا۔بعض لوگ کہتے تھے۔کہ یہ یورپ کی خانقاہوں سے بھی زیادہ سخت تھا۔کم سے کم ایک یورپی سیاح کا بیان تھا کہ

''اگر یہ مدرستہ خانقاہ ہے تو میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اس خانقاہ میں تمام شیطان گوشتہ نشین ہیں۔''

یہ مدرسہ کوئی راز کی چیز نہیں تھا۔اس مدرسہ کا احاطہ ''اندرون'' کہلاتا تھا، یہ محلسرا کے احاطہ کے تیسرے صحن میں واقع تھا، خود اس کے اطراف ایک موٹی سی دیوار کا حصار تھا،بہت کم اجنبیوں کی اس مدرسہ تک پہنچ ہوتی تھی۔

سلیمان اکثر رات کے پچھلے پہر اس مدرسہ کا دورہ کرتا۔پرانے آئین کے مطابق یہ بھی سلطان کا ایک فرض تھا۔گویا وہ اس مدرسہ کا نگہبان ہے۔وہ ایک بھورا اونی لبادہ پہنے ہوتا،اس کے پیچھے پیچھے رات کے چوکیدار شمع لیے ہوتے اور وہ لڑکوں کی خوابگاہوں کا خاموشی سے چکر لگتا،ان خوابگاہوں میں آٹھ سال سے لے کر اٹھارہ سال کی عمر کے چھ سو لڑکے سوتے ہوتے۔

جب کبھی سلیمان مدرسے کے کمروں کا گشت کرتا، وہ اپنے جد امجد سلطان محمد فاتح کی ذہانت کی داد دیتا۔ کھانے کے کمرے میں اس وقت کی معلوم دنیا کا جو نقشہ آویزاں تھا وہ سلطان فاتح ہی کے حکم سے وہاں لگایا گیا تھا۔ ایوان کے باہر باغ کی بنیاد محمد فاتح نے اپنے ہاتھوں سے ڈالی تھی۔ وہ خاص طور پر بازنطینی فلسفیوں اور حکیموں کی تلاش میں رہتا اور ان سے جغرافیہ اور دوسرے عملی فنون کی کتابوں کا ترجمہ کراتا۔ راگوسا کے شہر سے جہاں علم وفضل کا بڑا چرچا تھا اس نے خراج میں بجائے روپیوں کے کتابیں مانگی تھیں۔

سلطان محمد فاتح بازنطینیوں کے علم وفضل کا اتنا دلداہ تھا کہ اس کے مدرسہ کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ افلاطون کی جمہوریت کی طرح ہے۔ جہاں مضبوط جسموں میں اعلیٰ ذہنوں کی تربیت ہوتی ہے (اس کے زمانے سے پہلے اس اس مدرسہ میں لڑکوں کی محض جسمانی تربیت ہوتی تھی اور انہیں ینی چیریوں یا دوسرے فوجی دستوں میں بھرتی کیا جاتا تھا)

اب گری تی جیسے اجنبیوں کی رائے میں ترکوں کی حیرت انگیز طاقت کا راز یہی مدرسہ تھا۔

اس مدرسہ کے طالب علم پیدائشی ترک نہیں ہوتے تھے۔ وہ باہر والوں کی نسل سے تھے جیسے البانوی، سرب، شمالی سلاف، جرجتانی، مشرقی کہساروں کے چرکس، ساحل کے یونانی یہاں تک کہ کروآف کا جرمن، ابراہیم کی طرح ان میں سے اکثر و بیشتر عیسائی خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

ان میں سے اکثر خراج میں آئے ہوئے لڑکے ہوتے تھے۔ ہر تیسرے سال سرحدی قوموں سے تین ہزار لڑکے حاصل کیے جاتے تھے، یا لیمناس اور کافا کی بندگاہوں پر یہ لڑکے بردہ فروشوں سے خریدے جاتے تھے یا بعض ایسے لڑکے ہوتے جن کے والدین انہیں مدرسے میں داخل کرنے کے لیے خود یہاں لا کر چھوڑ جاتے (سلیمان کی محلسرا کے مدرسہ میں صرف بڑی احتیاط سے منتخب کیے ہوئے لڑکے تھے، جن کا ملک کے مختلف مرکزوں میں انتخاب کیا جاتا۔ یہ وہ چند منتخب لڑکے ہوتے جن کو نظم و نسق کے بھاری عہدے دیئے جاتے، اور جو سلطان کی زیر نگرانی ساری سلطنت پر حکومت کرتے)

اکثر والدین کی یہی خواہش ہوتی کہ ان کا ایک لڑکا سلطان کے مدرسہ میں طالب علم بنے۔ کیونکہ اگر وہ اوروں سے اچھا نکلا تو اس کا امکان تھا کہ وہ فوج کے دستے کا سالار ہو جائے یا فوج کا قاضی بنے، یا خزانچی بن جائے، یا بوڑھے پیری پاشا کی طرح وزارت کے منصب تک پہنچ جائے۔ اس طرح فوج اور نظم و نسق کے لیے لڑکوں کو فراہم کرنے سے آل عثمان کے کسان طبقے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا اور وہ اپنی زمینوں پر کام میں لگے رہتے تھے۔

جب کوئی لڑکا مدرسہ میں داخل ہوتا تو اس کے سارے پرانے رشتے ٹوٹ جاتے۔ وہ اپنے خاندان سے الگ کر دیا جاتا اور اس کا نام بدل دیا جاتا۔ ایک مرتبہ جب وہ باب عالی کے اندر داخل ہوتا تو پھر وہ اس کا باہر نکل سکنا ناممکن تھا۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے ہم سبقوں کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کرنے کے لیے ان میداوں

میں جاتا جو بلندیوں پر قبرستانوں کے قریب واقع تھے یا شاذونادر کسی خاص موقع پر سلطان کی ہمرکابی میں وہ باہر نکلتا۔

تیں سب سے زیادہ تیز لڑکے وہ امتحانوں میں اعلےٰ نشانات حاصل کرتے سلطان کے خاص خادم حاجب بنتے۔لڑکا سلطان سے وفاداری کرنا سیکھتا، سالہا سال وہ فرمانبرداری کی مشق کرتا۔سلطان کی خدمت میں وہ بھی حاضر تھا دست بستہ ،نگاہ روبرو رکھتا۔کئی سال بعد اسے باب عالی سے باہر دور دراز کی نوکریوں پر بھیجا جاتا۔لیکن وہ جانتا تھا کہ سلطان نے بھی اسی سختی اور پابندی کے ساتھ تعلیم وتربیت حاصل کی ہے۔

ایک مرتبہ فارغ التحصیل ہو چکنے کے بعد اسے پھر مدرستہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہ ملتی بجز اس کے کہ اتفاقاً مفتی یا وزیر کے عہدے تک پہنچ جائیں۔

میکاولی نے لکھا ہے: ''اس کے وزیر چونکہ غلام یا ایسران جنگ کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے انہیں رشوت دینا ناممکن تھا اور رشوت دے کے کوئی فائدہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔اس لیے جو کوئی ترکوں پر حملہ کرے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ترکوں کو ہمیشہ متحد پائے گا۔لیکن اگر ایک بار کسی طرح ترکوں کو میدان جنگ میں ایسی شکست فاش دی جائے کہ وہ دوبارہ فوج نہ کر سکیں، تو شاہی خاندان کے علاوہ پھر ترکوں میں کوئی اور خطرے کی چیز نہیں۔

یہ لڑکے غلام نہیں ہوتے تھے۔سلیمان خود ایک ایسی عورت کے بطن سے تھا جو کنیز بن کر آتی تھی، اور آج والدہ سلطان اور شہنشاہ بیگم تھی۔ان لڑکوں کو اس لیے

تربیت دی جاتی تھی کہ وہ سپہ سالار اور مدبر بنیں۔ سلطان کو اس کی تربیت اور تعلیم دی گئی تھی کہ ان کی راہنمائی اور سرداری کرے۔ لڑکوں اور سلطان کے مابین جو رشتہ تھا وہ باہمی وفاداری کا تھا......

جب رات کا چوکیدار خواب گاہ میں داخل ہو کے شمعیں جلانے لگتا تو یہ لڑکے جاگ اٹھتے۔ پھر یہ مرمر کے سلفچوں میں پیتل کے نلوں سے پانی لے لے کے آدھی گھنٹے کے اندر ہاتھ منہ دھو کے تیار ہو جاتے۔ اندرون مدرسہ کا ساز و سامان ایسا ہی آرام دہ تھا جیسے محلسرا کا۔ پھر یہ لڑکے اپنے سروں پر چست کلاہیں پہنتے تنگ پاجامے، اور ڈھیلی شلوار پہن لیتے، اور پہننے کے جوتیاں اٹھاتے آدمی گھنٹے کے ختم تک ضروری تھا کہ یہ اپنے بچھونے تہہ کر کے اور باندھ کے دیواروں پر لٹکا دیں۔ ان کا ذاتی سامان بڑے بڑے چوبی صندقوں میں رکھا ہوتا۔ ہر صندوق پر دو شمعیں جلتی ہوتی اور ان پر جھک کر ایک ایک لڑکا اپنی کتابیں کھولتا اور اپنا اپنا سبق یاد کرتا۔

آدھے گھنٹے کے ختم پر صبح صادق کی روشنی کے ساتھ ساتھ بگل بجتا۔ دوسرے صحن میں ینی چیریوں کے سازندے سلطان کو بیدار کرنے کے لیے قرنا بجاتے۔ عصاؤں سے لٹکتی ہوئی گھنٹیاں بجتیں، بانسریاں بجائی جاتیں، اور بلند آواز سے رجز گایا جاتا۔

کوئی قرات سے قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔

بالاخر ستارے ڈوبنے لگتے۔ فوجی حکم دیا جاتا اور لڑکے خاموشی سے قطار باندھ کے کھڑے ہو جاتے، جوتیاں پہن لیتے اور دست بستہ قطار باندھے مدرسہ کی مسجد

کی سمت نماز فجر ادا کرنے روانہ ہو جاتے۔

اس کے بعد دن کا کام شروع ہوتا۔ صبح کی تیسری ساعت انہیں ناشتہ میں یخنی ، تلا ہوا میمنے کا گوشت اور روٹی کا ایک ٹکڑا ملتا۔ ہمیشہ یہی کھانا ملتا اور اتنی مقدار میں ملتا کہاں سے وہ طاقتور بن سکیں۔

اپنے مدرستہ میں لڑکے مذاق بھی کیا کرتے تھے۔ ایک خوابگاہ جس میں مصر سے آئے ہوئے لڑکے رہا کرتے تھے بھڑوں کا چھتہ کہلانے لگی تھی کہ ان سے پوچھا جاتا کہ دن کیسے گزرا تو وہ سنجیدگی سے جواب دیتے: ''جب ہم پڑھتے پڑھتے تھک جاتے ہیں تو تفریحاً کشتیاں لڑتے ہیں یا سواری کی مشق کرتے ہیں، جب ہم اس جسمانی مشق سے تھک جاتے ہیں تو بانسریاں اور سارنگیاں بجانا سیکھتے ہیں۔ جب ہم کھانا کھاتے ہیں تو سازندے ہمیں خوش کرنے کے لیے بجاتے ہیں اور جب ہم سو جاتے ہیں تو چوکیدار ہمیں آکے جگا دیتا ہے۔''

مغرب کے بعد ان کی تعلیم و تربیت خواہ گاہ میں ہوتی۔ ہر لڑکے کا حق تھا کہ وہ اپنے لیے ایک مضمون کا خود انتخاب کرے...... مثلاً دینیات، ریاضی، پہلوانی، فنون جنگ یا موسیقی...... شرط یہ تھی کہ وہ اس فن میں کمال کرے اس وقت مدرسہ کا نگران کار استاد ہر لڑکے کا کارنامہ پڑھ کے سناتا کہ دن بھر کے کام کے بعد اسے شاباش بھلی ہے یا شرارت کی سزا۔ سزا کے کئی درجے تھے سب کے سامنے ڈانٹے جانے سے لے کر چھڑی سے زدوکوب تک۔ یہ نگران کار اگر کسی لڑکے پر بہت زیادہ سختی کرتا تو اس کے لیے بھی سزا مقرر تھی، یا تو اس کو بھی اتنا ہی زدوکوب کیا جاتا یا اگر وہ بڑی

بے رحمی سے کسی لڑکے سے پیش آتا تو اس کا سیدھا ہاتھ قلم کر دیا جاتا۔

ایک لڑکا محمد سوکولی ایسا تھا جس نے ایک مرصع خلعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سلیمان نے اسے بلا بھیجا۔ بجائے خلعت حاصل کرنے کے لڑکے نے اپنے والدین سے ملنے کی اجازت چاہی۔ یہ اجازت اسے نہیں مل سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے ابتدائی برسوں میں سوکولی بہت پٹا کرتا تھا۔

اس لڑکے سے سلیمان کو دلچسپی پیدا ہو گئی کیونکہ اس سے پہلے صرف ابراہیم کو اس کی اجازت ملی تھی کہ وہ مدرسہ کے احاطہ کے باہر، باب عالی کے اس پار جا کے اپنے والد سے مل سکے۔

جب سوکولی سے سوال کیا جانے لگا تو پہلے اس کی روداد دیکھی گئی جس سے پتا چلا کہ وہ گیارہ سال کی عمر میں کروآٹ قوم کے ایک خاندان سے لیا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا خاندان سفر کر کے شہر آباد ھوا ہے۔ تا کہ اس سے مل سکے اور کئی سال سے یہاں اسی انتظار میں مقیم ہے۔

سلیمان نے کہا: ''یہاں یہ درج نہیں ہے کہ تم نے خصوصیت سے کون سا مضمون اپنے لیے منتخب کیا ہے، بتاؤ تم نے کونسا مضمون انتخاب کیا ہے۔''

لڑکے نے جواب دیا: ''میں نے اپنے استادوں کو مطالعہ کے لیے انتخاب کیا ہے۔''

چونکہ وہ سلطان کی موجودگی میں یہ کہہ رہا تھا اس لیے کسی طرح کی بدتمیزی کی جرات کا امکان ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ شاید یہی اس کا سچا جواب تھا۔

سلیمان نے حیرت سے پوچھا: ''یہ کیوں؟''

لڑکے کی بھوری آنکھیں بے چینی سے اوپر کو اٹھیں، اس لیے کہ میں اپنے استادوں کو سمجھ نہیں پایا۔

اس جواب کی ایک سزا تو یہ ہو سکتی تھی کہ اسے مدرسے کے باہر باغ کا مالی بنا کے یا کشتی کا ملاح بنا کے بھیج دیا جائے۔ سلیمان سوچنے لگا کہ شاید اس لڑکے کا مطلب یہ تھا کہ قبل اس کے کہ وہ اپنے استادوں کے حکم کی تعمیل کرے وہ انکے مقصد کو سمجھنا چاہتا تھا۔ اس نے سوکولی کو ہٹا دیا اور پیری پاشا کو حکم دیا کہ مدرسے میں اس لڑکے کو اور زیادہ انعامات نہ دیئے جائیں، اس کی خواہشیں پوری کر دی جائیں اور اسے اپنے ماں باپ سے ملنے کی اجازت دے دی جائے۔

اس کے بعد جب سوکولی فارغ التحصیل ہو گیا تو اس نے دریافت کیا کہ نظم و نسق میں کون سی جگہ پر اس کا تقرر ہوا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ اس کا تقرر یورپ کے عسکر قاضی کی مددگاری کی خدمت پر ہوا۔ یہ بہت اونچا عہدہ تھا اور اس کی تنخواہ بھی بھاری تھی۔

کئی سال بعد جب سلیمان کے ذاتی اثر سے نظم و نسق میں بہت تبدیلی ہو چکی تھی تو اوژیے بوزبک نے، جو یورپ کا ایک بڑا تیز مشاہدہ کرنے والا مورخ تھا یہ رائے قلمبند کی، جب ترکوں کو غیر معمولی اہلیت کا کوئی آدمی مل جاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ گویا انہیں کوئی بہت بڑی بیش بہا شے مل گ ء۔ ی وہ اس شخص کی خاطر مدارت میں بڑی محنت کرتے ہیں۔ خصوصاً اگر یہ آدمی جنگ کا ماہر ہو، ہمارا

طریقہ اس سے بہت مختلف ہے۔ ہمیں اگر کوئی اچھا باز یا گھوڑا ملتا ہے تو ہم بہت خوش ہو جاتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ہم کسی آدمی کی قابلیت کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ ہم نہیں جانتے کہ اسے تعلیم و تربیت دینا ہمارا فرض ہے۔ ہم اچھے سدھے ہوئے گھوڑے یا کتے یا باز سے فائدہ اٹھانا اور کام لینا جانتے ہیں۔ ترک قابل آدمیوں سے کام لینا جانتے ہیں۔

میگنی فی کا کاموتی تا کے دوسرے باشندے اس مدرسہ کا چیستان حل نہ کر پاتے ان کی سمجھ میں آتا کہ ترک جو خود اس قدر طاقت ور ہیں کیوں دوسری نسل کے لڑکوں کو اپنے اوپر حکومت کرنے کے لیے تربیت دیتے ہیں۔ جب وہ اپنے ترک نسل کے دوستوں سے پوچھتے تو انہیں جواب ملتا کہ سلطان سے تربیت پائے ہوئے یہ لڑکے ہم سے زیادہ حکومت کرنے کے اہل ہیں۔'' جب ان سے پوچھا جاتا کہ یہ لڑکے جو زیادہ تر اسیران جنگ اور عیسائیوں کی اولاد ہیں اور ان پر اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے تو جواب دیتے کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ ان میں سے ایک نے بھی غداری کی ہو۔

شاخ زریں کے اس پار رہنے والے غیر ملکیوں میں، جو وہاں مشرق کی تجارت سے کثیر مناع حاصل کرنے کے لیے آتے تھے اور وہاں رہتے تھے۔ بہت کم اس حقیقت کو سمجھ سکتے تھے یہ کہ اس مدرسے کے فارغ التحصیل نوجوان پوری سلطنت عثمانیہ کا سب سے زیادہ تعلیم یافتہ طبقہ تھے۔ انہیں جو تعلیم دی جاتی تھی وہ اس سے کہیں افضل تھی جو مغرب کے طلبا کو اس زمانے میں پیرس اور بولونیا کی

یونیورسٹیوں میں ملتی تھی۔اور سلیمان ایک ایسا سردار تھا جوان کے ذہنوں کو اس خوبی سے ڈھالتا تھا کہ اس کے بارودخانے میں اور کوئی فولاد کو اس چابک دستی سے ڈھال کر تلواریں نہ بنا سکتا تھا۔

1522ء میں جب برف پگھلنے لگی اور بہار میں چنبیلی کی کلیوں سے باغ سفید پوش ہو گئے تو لوجی جی گری تی نے مارکو میمو کی توجہ مدرسہ کے ان نوجوانوں کی طرف مبذول کرائی جو آبنائے کے اس پار کھیل کے میدان میں سواری کی مشق کر رہے تھے۔اس نے کہا وہاں عیسائی دینا کے سب سے بڑے خطرے کی پرورش کی جارہی ہے اس نے سر ہلا کر کہا: ''یہ نوجوان دیکھنے میں چابکدست اور بشاش ہیں، لیکن یہ بڑے خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے ہیں۔نماز پڑھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ جدید علم وفنون کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔کن ہتھیاروں سے تم ان نوجوانوں کی عملی زندگی کا مقابلہ کرسکوں گے؟''

میسر مارکو کو اب یہ یقین ہو چلا تھا کہ یہ حرامزادہ غداری کر کے ترکوں سے جا ملنے والا ہے۔چرب زبان گری تی پر اس کے بے اعتباری اس احساس کے ساتھ اور بڑھتی جاتی تھی کہ اس کی اپنی حیثیت غلطہ میں محض ایک جاسوس کی رہ گئی تھی لیکن غیر عیسائی ترکوں کے متعلق گری تی کی پیشین گویاں بڑی صحیح نکلتی تھیں۔اس نے گرج کے جواب دیا: ''سان مارکو کے شیر ببر کی قسم مجھے تو ان کٹھ پتلیوں جیسے نوجوانوں اور ان کٹھ پتلیوں جیسی مشقوں میں کوئی خطرناک بات نظر نہیں آتی۔نہ مجھے ان کے ان علوم وفنون سے کوئی ڈر لگتا ہے۔جن میں پارکلسی طبیوں کی جہالت کی بو آتی ہے اگر

تمہارے آنکھیں وینس کے وفادار شہری کی سی ہوتیں تو تم یہ دیکھتے کہ ہماری نظروں کے سامنے نیچے سمندر پر کس طرح کی کشتیاں بنا بنا کے اتاری جا رہی ہیں۔ اصل خطرہ تو یہ ہے کہ جس کا ہمیں مقابلہ کرنا ہے۔''

بارود خانے کی گودیوں پر نئے جنگی جہازوں کے ساتھ ذخیرے اور بار برداری کی کشتیاں بھی لنگر انداز تھیں۔ ہر طرح کے جہاز شاخ زریں میں جمع تھے۔ میمو نے جس کو ایسے معاملات کا کافی تجربہ تھا، ان کشتیوں کی طرف اشارہ کیا جن پر ایسے موٹے موٹے بھاری بھاری تختے لگے ہوئے تھے جو وزنی توپوں کا بوجھ اٹھا سکتے تھے۔ ان توپوں سے بڑے بھاری گولے داغے جا سکتے تھے جن کا قطر دس ہاتھ ہو سکتا تھا یہ نیا جنگی بیڑا کدھر روانہ ہو رہا تھا؟

وینس اور روی آنا دونوں جگہ سے یہ خبریں آئی تھیں کہ ترکی فوج پھر شمال کی طرف بڑھ کر حملہ کرے گی۔ اس حملے کے لیے پچھلے سال دریائے ڈینیوب کا دروازہ کھولا جا چکا تھا لیکن میمو کو اس کا یقین نہیں تھا کہ ایسے بھاری جہاز دریائے ڈینیوب میں چلانے کے لیے بنائے گئے ہوں گے۔ نہیں یہ تو کھلے سمندر کو جانے والے جہاز تھے۔ لیکن چالیس سال ہو گئے تھے ترکوں کو کھلے سمندر میں نکلنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی......

وہ اس معمے سے پریشان تھا، کیونکہ اڈریاٹک کے راستے سے خود وینس کا شہر زیادہ نہ تھا۔ اگرچہ کہ ابھی تک اڈریاٹک کی حیثیت وینس کی جھیل جیسی تھی۔

گری تی نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا: ''کیا جلالت مآب سفیر یہ بھول گئے

کہ گزشتہ موسم خزاں میں سلیمان نے آپ کے ساتھ دوستی اور مفاہمت کا معاہدہ کیا ہے؟" اسے اس بات پر لطف آ رہا تھا کہ میمو اس بیڑے کو اسلحہ بندی کے متعلق تو اپنے دماغ کو تھکائے مارتا تھا لیکن وہ سلیمان کے اس مقصد سے بالکل غافل تھا جو اس بیڑے کو لڑائی کے لیے بھیجنے والا تھا۔

غصہ میں کچھ کہے بغیر میمو نے کھنکھار کر تھوکا۔ اس نے کہا کہ ایسا معاہدہ اکثر حملے کا پوشیدہ پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔

گری تی نے احتیاط سے غور کر کے جواب دیا۔ لیکن میرے خیال میں ترک ایسا نہیں کرتے۔ سلیمان یہ نہیں کرے گا۔ میں نے سنا ہے دیوان کا ایک معتمد ہے جو ایک آرمینی سنار کا مقروض ہے۔ جس کے ایک عورت سے تعلقات ہیں جو بند بازار میں مسالے بیچتی ہے میں نے اس عورت سے سنا ہے کہ سلطان کو وزیر اور فوج کے سپہ سالاروں کی رائے سے اتفاق نہیں کہ آئندہ کس طرف قدم اٹھانا چاہیے۔"

اب میمو کے غور و غوض کرنے کی باری تھی۔ "بازار کی گپ شپ۔ اس سے تمہاری آنکھوں میں خاک پڑتی ہے۔ میری آنکھیں مجھے بتاتی ہے کہ ترک اپنا جنگی بیڑا سمندر میں کہیں لے جائیں گے۔ یہ وقت اس کے لیے موزوں ہے۔ مقدس سلطنت روما کا شہنشاہ اور اس کا ہسپانوی بیڑا لڑائی میں مصروف ہیں۔" اس کے لہجے میں تلخی پیدا ہو گئی۔ "فرانس کے عیسائی بادشاہ کے ساتھ لڑائی میں صرف ہماری جمہوریت کا بیڑا ترکوں کے راستے میں حائل ہے۔"

گری تی دفعتاً ہنسا "صرف؟ لیکن کیا یہ بھی سچ مچ حائل ہے۔ ترکوں سے

تجارت کا نفع حاصل کرنے کے لیے آپ امن قائم رکھیں گے۔ آپ کے ہاتھوں نے بحیثیت سفیر اس معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ آپ اس معاہدے کے پابند رہیں گے۔؟''

کچھ سوچ کے میمو نے سر ہلایا۔ ''تمام فرشتوں کی قسم ہے۔ ہم معاہدے کی پابندی کریں گے۔''

گری تی نے کہا: ''تو پھر دیکھئے ناہتر کوں کے لیے رہوڈس کا دروازہ کھل گیا۔''

☆..........☆..........☆

Iqbal.CyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

رہوڈس

جزیرہ رہوڈس کی ہر بات عجیب وغریب تھی۔ مثلاً یہ کہ اول تو وہ ترکوں کی سر زمین سے صاف نظر آتا تھا۔ وہ اس ساحل سے کسی قدر جنوب کی طرف تھا۔ وہاں دو سال پہلے سلیمان رہا کرتا تھا۔ پرامن سمندر میں یہ چھوٹا جزیرہ اس طرح سر اٹھے کھڑا تھا گویا یہ ایک مسلح قلعہ تھا، اور اس کے اطراف چھوٹے چھوٹے جزیروں کا حلقہ تھا۔ اس کا منظر بھی عجیب تھا۔ شمالی طرز کا ایک سنگین قلعہ جو اس نیم استوائی سمندر میں واقع تھا۔

اس رہوڈس کے شہسواروں کی حکومت تھی وہ خود اس زمانے میں پرانے دور کی ایک عجیب یادگار تھے۔ وہ فراموش شدہ صلیبی مجاہدین کی یادگار تھے اور جنگ جو بھوتوں کی طرح باقی رہ گئے تھے۔ یروشلم میں حضرت یوحنا پتسمی کی جنگی برادری سے تعلق رکھتے تھے، اور ایک زمانے میں ارض مقدس میں ان کے حواریوں نے بڑی بہادری سے لڑائیاں لڑی تھیں۔ لیکن اب ارض مقدس پر سلیمان کا قبضہ تھا۔ ارض مقدس ہٹ کر پہلے انہوں نے جزیرہ قبرص پر پناہ لی۔ پھر وہاں سے ہٹ کر جزیرہ رہوڈس پر قبضہ کیا۔ ان کے بھاری مسلح شہر میں اب بھی ایک جنگی خانقاہ تھی لیکن انہیں خانقاہ ہی نائٹ نہیں کہا جاتا تھا۔ ترک جوان کی سخت جانی کی قدر کرتے تھے۔ انہیں اور ان کے قلعے کو دوزخ کے کتوں کے قلعہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

چونکہ وہ اپنے اصلی وطن یورپ سے بہت دور تھے اس لیے رہوڈس کے نائٹ

سامان رسد اکٹھا کرنے کے لیے ترک علاقے پر لوٹ مار کیا کرتے وہاں سے مال اسباب خریدتے۔ پہلے تو ان کے جنگی جہازوں نے غلے کے ان جہازوں کو لوٹ لیا تھا جو مصر سے غلہ لے کر قسطنطنیہ آرہے تھے۔ چونکہ ان کی ایک سیاسی حیثیت بھی تھی، اور یورپ کے تمام ملکوں میں ان کی برادری کے نٹ موجود تھے۔ اس لیے وقتاً فوقتاً اپنے رقیبوں، ٹمپلر نائٹوں سے اور جنیوا کے حکومت سے جنگ یا صلح کرتے۔ مجموعی طور پر جنگ صلیبی یک اس باقیات الصلاحات میں آپس میں محبت سے زیادہ نفرت تھی۔

خودرہوڈس کے حالات بہت دلچسپ تھے۔ نائٹوں کی بڑی شاہراہ پر مختلف مکانوں میں نائٹ الگ الگ رہا کرتے تھے، اور ان کے بھاری دروازوں اور ڈھالوں پر ان کے جنگی نشانات کندہ تھے۔ یہ نشانات کہیں تو ایسی ریاستوں کے تھے جن کا اب نام ونشان تک باقی نہ رہا تھا جیسے اراگون اور پرووانس۔ کہیں کہیں یہ فرانس اور انگلستان جیسی نئی قوموں کے نشانات تھے۔ ان آرام دے مکانوں میں یہ نائٹ اور جنگ جو پرانے زمانے کی زبانیں بولتے، پرتگیزی جو ایک نئی قوم کے لوگ تھے، ایک ایسے مکان میں دھکیل دیئے گئے تھے جہاں کوئی اور قدیم زبان بولی جاتی تھی۔

ان کا سردار ایک ایسا آدمی تھا جس کو دوسو برس پہلے پیدا ہونا چاہیے تھا۔ یہ ایک سفید داڑھی والا فرانسیسی تھا، جس کی تصویروں سے پتا چلتا ہے کہ یہ ہمیشہ پوری زرہ بکتر اور جوشن پہنے رہتا، اور اس کے ایک ساتھ میں جس پر فولاد دستانہ تھا ایک جھنڈا

ہوتا۔ یہ گرینڈ ماسٹر فلپ ویلیر دے لیل آرم تھا۔ بوڑھے دے لیل آرم اور نوجوان سلیمان کے درمیان زمانے اور مذہب کی وسیع خلیج حائل تھی۔ دونوں ایک خاص مقصد اور ایک خاص طرزِ حیات کے نمائندہ تھے۔ لیکن یہ متمرد فرانسیسی بڑا ہوا سپاہی تھا ابھی سلیمان کی سپاہ گری کی مشق کچی تھی۔

سلیمان نے جب نائٹوں کے اس سردار کے پاس اطاعت کرنے کا حکم نامہ بھیجا تو اس کے ساتھ بہت سی نرم شرائط تھیں۔ اگر گرینڈ ماسٹر جزیرے کی حکومت سلیمان کو تفویض کر دے تو اس کو اور اس کے پیروؤں کو اس جزیرے میں رہنے کی اجازت دی جائے گی۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دیا جائے۔ اگر وہ اپنے اسلحہ اور ساز و سامان کے ساتھ جزیرے کا تخلیہ کرنا چاہیں تو جہاں وہ چاہیں وہاں ترک جہاز ان کو پہنچا آئیں گے۔ دے لیل آرم نے اس کا محض رسمی جواب دیا۔ اس نے اطاعت کرنے سے انکار کر دیا۔

یہ تعجب کی بات ہے کہ آلِ عثمان کے اس جواں سال سلطان نے سمندر کے اس جزیرے کو فتح کرنے کا عزم مصمم کر لیا یہ مانا کہ اس جزیرے کی وجہ سے گڑبڑ مچتی تھی۔ لیکن اب تک ترکوں کی حکومت براعظموں کی زمینوں پر پھیل رہی تھی۔ لیکن بات یہ تھی کہ سلیمان کی عمر کا زیادہ تر حصہ ساحلوں پر گزرا تھا۔ کبھی کریمیا کے ساحل پر اور کبھی میگنیشیا کے ساحل پر قسطنطنیہ خود بھی دو براعظموں کے درمیان ایک آبنائے پر واقع تھا معلوم نہیں کہ سمندر کی عسکری اہمیت پر اس نے غور و خوض کیا تھا یا نہیں۔ لیکن سمندر سے اسے خود بڑا لگاؤ تھا۔ اس کے علاوہ نائٹوں سے ایک پرانا جھگڑا طے

کرنا تھا۔ سلطان کے جد امجد محمد فاتح نے اپنے سلطنت کے آخری ایام میں اس جزیرے کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

سلیمان کے وزیر پیری پاشا نے اس مہم کے خلاف مشورہ دیا۔ اس نے کہا کہ سلطان کی بری فوج کو ایک جزیرے پر منتقل کرنا غلطی ہوگی کیونکہ وہ اس طرح اپنے مرکز سے کٹ جائے گی۔ اس کے ساتھ خود سلطان کا تعلق بھی سلطنت کے باقی حصے سے منقطع ہو جائے گا۔ فوج کی اصلی طاقت سواروں کے دستوں کی تھی، جو ایک جزیرے کی فصیلوں کے آگے بیکار ثابت ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر وہ ڈینیوب کے شگاف سے ہو کر آگے یلغار کریں تو بہت آسانی سے آگے کا علاقہ فتح کر سکیت ہیں اور اگر پسپا ہونا پڑے تو آسانی سے واپس آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ پیری پاشا کو اس یہودی طبیب کی دی ہوئی اطلاعات پر اعتبار نہیں تھا جو حال ہی میں رہوڈس سے آیا تھا اس معاملہ میں پیری پاشا کا شبہ صحیح نکلا اس نے جو اطلاع دی وہ یہ تھی کہنائٹوں کے شہر میں سامان رسد کی کمی ہے اور ان کا سردار ایک بوڑھا آدمی ہے جو ابھی ابھی فرانس سے آیا ہے۔

پیری پاشا نے یہ نہیں کہا کہ سب سے زیادہ اسے سلیمان کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

عین اس موقع پر پیری پاشا کی عرضداشت کو رد کر کے سلیمان نے افواج کی کمان خود بنفس نفیس سنبھالی، اور بری اور بحری راستوں سے جزیرہ پر حملہ کرنے کا حکم صادر کیا۔ وہ خود ایشیا کی بھرتی کی ہوئی فوج کے ساتھ ساتھ ساحل کے کنارے پر

ایک ایسی بندرگاہ پر پہنچا جو جزیرہ رہوڈس کے عین مقابل واقع تھی، اور یہاں بار برداری کے جہاز اس کا انتظار کر رہے تھے۔ راستہ میں کہیں فوجوں کو دیر ہو گئی تھی۔ یہاں پہلی مرتبہ لوگوں کو پتا چلا کہ سلطان کی طبیعت میں بہت سخت غصہ ہے لیکن وہ ہمیشہ اس غصے کو دبائے رکھتا ہے۔ اس نے اپنے روزنامچہ میں لکھا کہ آخری چار منزلیں دو روز کے اندر طے کی گئیں جس دن پیش قدمی کرنے والا دستہ ساحل پر پہنچا، اسی کے دوسرے روز جہازوں پر سوار ہو گیا۔ بجائے خود یہ ایک معجزہ تھا تب بھی فوج کا وہ حصہ جس میں خود سلیمان تھا 28 جولائی سے پہلے ہوڈس میں لنگر انداز نہ ہو سکا۔ اب گرمیوں کے موسم کے ختم کا زمانہ تھا۔ مہینہ بھر پہلے دوسرے ترک سپہ سالاروں نے جزیرے کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا وہ جنگی جہازوں کے بیڑے کی آڑ میں لڑ رہے تھے، اور سامان رسد، بھاری توپ خانہ اور دس ہزار سپاہیوں کی فوج جزیرے پر اتار رہے تھے۔

جب اس روز 28 جولائی کو سلطان سلیمان فصیل کے مقابل ایک بلندی پر اپنے خیمے میں پہنچا تو اسی وقت توپ خانے نے حملہ کا آغاز کر دیا۔ اب اس نے پوری کان خود اپنے ہاتھوں میں سنبھالی۔

نتیجہ کے طور پر فوراً ہی کامیابی کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ سلیمان کے مختصر سے روزنامچے سے پتہ چلتا ہے کہ قلعہ سے جو جوابی آتش بازی ہوئی اس سے سامنے کی خندقیں بیکار ہو گئیں۔ جوابی حملے سے پیری پاشا کا توپ خانہ کئی ہفتوں کے لیے بیکار ہو گیا۔

روزنامچہ میں درج ہے: ''سلطان نے اپنے خیمہ گاہ کی جگہ بدل دی تا کہ اور قریب آ جائے۔ بھاری بم باری سے قلعے کی توپیں خاموش کر دی گئیں۔''

(قلعے کے محافظ آتش بازی سے بچنے کے لیے تہ خانوں میں جا گھسے تھے)

''سلطان کے لیے درختوں کی شاختوں کی ایک سایہ دار چھت بنائی گئی تا کہ وہ زیادہ آسانی سے اپنی فوجوں کی نقل و حرکت کا حکم دے سکے۔''

(غیر معمولی واقعات پیش آ رہے تھے۔ روزنامچے میں کئی بڑے بڑے افسروں کے مارے جانے کا ذکر ہے)

توپ خانے کا اعلیٰ افسر مارا گیا۔ بندوقچیوں اور توپچیوں کے افسر زخمی ہو گئے۔ کئی ہفتے گزر گئے اور رہوڈس کی فصلیں ابھی تک اسی طرح قائم تھیں۔ یورپ کے نائٹوں کی زبانیں بجا طور پر طعنے دے رہی تھیں۔

رہوڈس کے قلعے کی دیواریں ایک خاص طرز پر تعمیر ہوئی تھیں۔ اور غالباً اس زمانے میں یورپ بھر میں سب سے زیادہ سنگین فصیلیں یہی تھیں۔ بجائے سیدھی سادھی فصیلوں کے جن کے چاروں کونوں پر برج بنے ہوئے تھے، اور جن کا بارود سے لڑنے کی ابتدائی دور میں بڑا رواج ہو گیا تھا، ان نائٹوں نے دبیز نیچی دیاروں بنائی تھیں جن میں پتھر سیمنٹ سے جوڑے تھے ان کے برج باہر کی طرف دور تک نکلے ہوئے تھے۔ ان برجوں سے جو آتش باری ہوتی اس کی سیمنٹ میں خندقوں کا سارا حصہ آ جاتا۔

سیمنٹ اور پتھر کی اس فصیل کے پیچھے دالان اور سائبان تھے جن کے سائے

میں محافظین ایک مقام سے دوسرے مقام تک بڑی تیزی سے حرکت کر سکتے تھے۔ دوزخ کے کتوں کے اس قلعہ کی فصیل کا نصف حصہ سمندر کی جانب تھا۔اس سے دو ٹکڑے آگے نکلے ہوئے تھے۔اور برجوں پر منتہی ہوتے تھے، یہ چھوٹی سی بندرگاہ سے رہوڈس کے شہر کو رسد اور مدد مل سکتی تھی۔بندرگاہ اس قدر تنگ تھی کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک زنجیر آسانی سے باندھی جا سکتی تھی۔فصیل کے اندر نائٹوں نے رہوڈس کو چونے اور پتھر کا بڑا سنگین قلعہ بنا رکھا تھا گرینڈ ماسٹر کے مکان سے لے کر سینٹ جان کے کلیسا تک ہر عمارت پختہ پتھر اور چونے کی تھی۔ کہیں لکڑی کے بے ڈھنگے مکان نہ تھے جن میں آگ لگ سکے۔کہیں چھتیں اتنی بودی نہ تھیں کہ توپ کے گولوں سے منہدم ہو جائیں۔

ترکوں کے دفاعی مورچوں میں، جو بڑی محنت اور قربانی سے انہوں نے فصیل کے قریب تک بنا دیئے تھے، بھاری توپ خانے تھے۔ان کے پاس فولادی توپیں تھیں جن سے پرانی وضع کی بنی ہوئی فصیلیں پارہ پارہ ہو جائیں۔ان کی بعض توپیں زمین میں دھنسی ہوئی تھیں۔جن سے بہت بڑے بڑے آتش گیر گولے شہر کے اندر پھینکے جا سکتے تھے ان کے پاس قلعہ سر کرنے کا اور بہت سا ہلکا ساز و سامان تھا۔جسے قلعہ پر حملہ بولتے ہوئے آسانی سے آگے بڑھا کے نصب کیا جا سکتا تھا۔

لیکن محاصرہ کا یہ ساز و سامان نائٹوں کی نئی فصیلوں میں شگاف نہ ڈال سکا۔ آتش باری اور فصیل بندی کے مابین جو طویل جنگ ابھی چھڑی تھی۔ اس میں رہوڈس کی فصیلوں کو زیادہ فائدہ حاصل تھا۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی یہ

مرمت شدہ فصیلیں بغیر کسی تبدیلی کے اسی طرح کھڑی ہیں جیسے انہیں نائٹوں نے بنایا تھا۔اور آج بھی یہ جزیرہ نا قابل تسخیر ہے۔

مختلف زبانیں بولنے والوں میں ایک اطالوی انجینئر بھی تھا جس کا نام گابریلے مارتی نن گو تھا۔اسے توپیں چلانے میں بڑا کمال حاصل تھا،اور بڑا لطف آتا تھا۔مارتی نن گو نے ہر جانب فصیل سے اپنی توپوں کی زد کا اندازہ کرلیا تھا۔

جب ترکوں کو زمین کے اوپر سے حملہ کرکے قلعہ سر کرنے میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے پتھریلی زمین زمین کے اندر سرنگیں کھودنی شروع کیں۔لیکن مارتی نن گو ن سرنگوں کا پتا چلانے کے لیے نقاروں کی منڈھی ہوئی سطح کو استعمال کیا۔اس نے زمین کھود کے اس کے اندر ان نقاروں کو دفن کردیا۔نیچے سے زمین کھودنے کی آواز کو گونج ان نقاروں میں پہنچ جاتی اور بہت سی ترکیبوں سے حملہ آوروں کا سرنگوں میں ،اور سرنگین پھٹنے کے بعد زمین پر مقابلہ کیا گیا۔

سلیمان کے روزنامچہ کا بیان ہے کہ:"سرنگ انداز دشمن کا مقابلہ کرتا ہے جو بہت بڑی مقدار میں روغن نفط پھینکتے ہیں۔مگر اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔"

"ہمارے سپاہی قلعہ کے اندر گھس جاتے ہیں مگر انہیں اس لیے پسپا ہونا اور بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے کہ کافر ایک نئی طرح کہ منجنیق استعمال کررہے ہیں۔"

"بعض چوکس سپاہی اندر گھس گئے اور چار پانچ جھنڈے اور ایک ایسا بڑا تختہ لوٹ لائے جس پر دشمنوں نے کیلیں ٹھونک دی تھیں تاکہ محاصرین کے پیروں میں دھنس جائیں......

صحیح معنوں میں قلعہ کے دفاع کو توڑ نہ جا سکا۔ شگافوں میں جو انسانی ریلا بھیجا جاتا وہ پسپا ہو کے لوٹ آتا۔ تمام توپ خانے بیک وقت آوروں اور اسپین اور انگلستان اور پروانس کی زبان بولنے والے نائٹوں کے سنگین مکانوں پر گولہ باری کرتے سینٹ جارج کے سنگین برج، اسپین کیبرج اور سینٹ میری اور سینٹ جان کے دروازوں پر گولے برساتے۔ لیکن ان توپوں کے گولے محصورین تک پہنچ نہ پاتے اور روے لیل آرم کی ضد یا مارتے نن گو کی خدا داد ذہانت پر قابو نہ پا سکتے۔

اگست گزر گیا۔ اب ستمبر بھی ختم ہونے کے قریب ہے۔ سلیمان تنگ آ کے ایک قطعی حکم دیتا ہے کہ ہر کونے پر بیک وقت حملہ کیا جائے۔ اس سے ایک شام پہلے نقیب لشکر بھر میں منادی کرتے ہیں۔ سلطان صرف زین اور سنگین قلعہ کو اپنے حصہ میں لے گا۔ محصورین کا خون اور سارا مال غنیمت تمہارا حصہ ہے۔''

لیکن یہ عام حملہ بھی ناکام ہو جاتا ہے۔

سلیمان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی مسلح فوجیں اس پتھر کے بنے ہوئے ڈھیر پر کیوں قبضہ نہیں کر پاتیں جب کہ محصورین کی تعداد اس کے لشکر کے دسویں حصے کے برابر ہے۔ سپہ سالاروں کی مجلس مشاورت میں اسے غصہ آ جاتا ہے۔

26 ستمبر۔ ''مجلس مشاورت، سلطان غصے کے عالم میں ایاز پاشا کو نظر بند کرنے کا حکم صادر کرتا ہے۔''

(ایاز پاشا جو ایک صاف دماغ والبانوی جنرل تھا، دن بھر آورن اور جرمنی والے نائٹوں کے محاذ پر حملے کرتے رہا تھا۔ اور اس میں اس نے سب سے زیادہ

نقصان اٹھائے تھے)

27 ستمبر: "مجلس مشاورت۔ ایاز پاشا کو پھر اپنی خدمت پر بحال کر دیا گیا۔"

(صرف یہی نہیں اس سیدھے سادے بہادر البانوی سپاہی کو پیری پاشا کی صفوں سے کچھ کمک بھی دے گئی۔ پیری پاشا جس کے جوڑوں میں درد ہے، اور جو بہت تھک گیا ہے جنگ سے دست بردار ہونے کے حق میں ہے)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اب خود سلیمان کو قلعہ سر نہ ہونے کا رنج تھا وہ ایسے احکام صادر کرنے لگا تھا جن کی تعمیل ناممکن تھی۔ جب وہ سوار ہو کے فوج کی قطاروں کے درمیان گزرتا تو سپاہی اس امید میں اس کی طرف دیکھتے کہ اب وہ رہوڈس کا تخلیہ کر کے ملک کو واپس جانے کا حکم دے گا۔

سب سے زیادہ مصیبت تہتے کسانوں نے اٹھائی ہے۔ انہوں نے توپخانہ نصب کرنے کے لیے دشمن کی توپوں کی آتش باری کے زد میں سرنگیں کھودی ہیں۔ ان کے پاس کھانے کو غذا کافی نہیں اور موسم خزاں کی بارشوں میں وہ بیمار کانپتے ہوئے ادھر ادھر پڑے رہتے ہیں۔ اگر ایک آدمی موچوں پر لڑتا ہوا کام آتا ہے تو ایک اور آدمی خیمہ گاہ میں بیماری سے مرتا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ان کسانوں کو گھر بھیج دیا جائے تا کہ وہ سال کی آخری فصل کاٹ سکیں۔ فوج کے بیکار گھوڑے چارے کے بغیر مر رہے ہیں۔

مزید برآں جو لوگ بچ گئے ہیں ان کی بھی جان خطرے میں ہے۔ وقت بہت ضائع ہو چکا ہے۔ ہراول کے جہاز پر اطلاع لاتے ہیں کہ جزیرہ کریٹ کے قریب

وینس والوں کا ایک بیڑا جمع ہو رہا ہے۔ ہر روز رہوڈس والوں کے لیے یورپ سے کمک آنے کی توقع ہے۔ ممکن ہے کہ سلیمان اپنے ملک سے کٹ کر اس جزیرے پر محصور ہو جائے۔ یہاں وہ اپنی فوج کے خورد و نوش کا بھی انتظام نہیں کر سکتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایاز پاشا اور سلاف نسل کے فرہاد پاشا جیسے سپہ سالاروں کو تازہ حملوں کے سوا اور کسی چیز کا ہوش نہیں۔ وہ ٹوٹے ہوئے پتھروں اور پھٹی ہوئی توپوں کے منہ میں انسانوں کو جھونک دینا جانتے ہیں۔ لیکن سلیمان کو اب صاف طور پر اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا ہے۔ یاوز سلطان سلیم ہرگز ایک جزیرہ پر بارش میں شاخوں کی چھت کے نیچے اپنے خیمے میں نہ پھنس جاتا۔ سلیم جانتا تھا کہ جنگ کے معنی یہ ہیں کہ دشمن کو سکون نہ ملنے پائے۔ جنگ دراصل حیلہ ہے۔ تیزی سے حملہ کرو۔ حملہ ہولناک ہو، اور دشمن کو مار کے آگے بڑھ جاؤ کبھی نہ ٹھہرو، کبھی اپنے آپ کو پھنسنے نہ دو، کبھی ایسا نہ ہونے دو کہ جنگ کی بے رحم شہ خود تم پر پڑے......

روزنامچہ میں لکھا ہے کہ سلیمان کبھی کبھی سوار ہو کے جزیرے کے باغات کی سیر کو جاتا جو خزاں کے طوفان کی وجہ سے ویران ہو گئے تھے۔ وہ قدیم رہوڈس کے آثار قدیمہ کو دیکھنے جاتا جہاں پرانے زمانے کے بحری بادشاہوں کے محلوں کے کھنڈر تھے۔ اس نے حکم دیا کہ ان کھنڈروں کی مرمت کی جائے تاکہ فوج یہاں موسم سرما گزار سکے۔ جب وہ باغوں اور کھنڈروں میں ان مکانات کی مرمت کا معائنہ کرنے جاتا تو تھوڑی دیر کے لیے اس کے کانوں کو تو پچانوں کی گرج سے سکون ملتا۔ تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھیں اپنے سپاہیوں کے اترے ہوئے چہرے نہ

دیکھ رہی تھیں۔

اس نے مصر سے تازہ سامان رسد منگوایا اور اناطولیہ میں ینی چیریوں کے جو دستے معین تھے ان سب کو جزیرہ پر طلب کرلیا اپنے آدمیوں کو صاف صاف یہ بتانے کیلئے کہ اس کا ارادہ مستقل مزاجی سے یہاں ٹھہرنے کا ہے وہ اپنے خیمے سے پتھر کے ایک مرمت شدہ مکان میں منتقل ہوگیا۔

فوجوں کے خیموں میں یہ افواہ گشت کرنے لگی: ''سلطان پیچھے نہیں ہٹے گا۔''

جتنی صورتیں ممکن تھیں، ان میں بدترین صورت پسپائی کی تھی۔اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کے ہزاروں ساتھیوں کا خون بیکار ضائع ہوگیا پھر یہ حملہ سلطان کی حماقت سمجھا جائے گا اور جنگ میں اس کی تجربہ کاری پر محمول کیا جائے گا۔

اکتوبر بھی گزر گیا۔سلیمان نے اب عام حملوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔جب ینی چیری بھی جمع ہوکر شکایت کرنے لگے تو اس نے امداد کی بحری جہازوں کو جزیرے سے ہٹ کر براعظم کی بندگاہ پر لنگر انداز ہونے کا حکم دیا۔اس طرح سرے سے واپس ہونے کا امکان ختم ہوگیا۔

قلعہ کی فتح

نومبر گزر گیا۔ سلیمان نے طے کیا کہ وہ دشمن کو تھکا مارے گا۔ وقت اس کے ساتھ تھا۔ جس جس طرح ممکن تھا وہ اپنی فوج کی حفاظت کرتا رہا۔ مسلسل گولا باری اور سرنگ اندازی ہی پر اب اس نے پورا زور دیا۔ راتوں کو وہ پتھروں کو بھول بھلیاں میں چند گز زمین بڑی مشکل سے حاصل کرتا۔

دسمبر کی پہلی تاریخ کو اس نے ایک نیا حربہ استعمال کیا۔ ایک نہتا آدمی قلعہ میں داخل ہوا اور اس نے عیسائیوں میں منادی کی کہ سلطان اپنے پہلے کی بتائی ہوئی شرطوں پر محاصرہ سے دست بردار ہونے کو تیار ہے۔ عیسائیوں کے مذہب میں دخل نہ دیا جائے گا۔ شہریوں کو اجازت ہو گی چاہے یہاں رہیں چاہے اور کہیں چلے جائیں۔ ان کی آزادی میں دخل نہ دیا جائے گا۔ ان کے اسلحہ اور ان کے مال و دولت کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ یہ کوئی سرکاری اعلان نہ تھا یہ صرف ایک شخص کی زبانی ایک افواہ تھی جو رہوڈس کے تمام خانوادوں میں فوراً پھیل گئی۔

اس کا تھکے ماندے محصورین پر ایک غیر معمولی اثر ہوا۔

رچرڈ نولس جو الزبتھ کے آخری دور کا ای صحیفہ نگار ہے لکھتا ہے کہ اس ترکیب سے دشمن کو پہلے کی تمام تدبیروں سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ دشمن آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ اور محصورین کو اتنا تنگ کیا کہ انہوں نے اپنے مکان کا ڈھا ڈھا کے فصیلوں کی مرمت کی۔ نئے نئے مورچوں بنائے۔ جیسے جیسے وہ نئے مورچے بناتے ان کا شہر

چھوٹا ہوتا جاتا تھا اور کہ کس طرف مورچہ بندی کریں، اب دشمن نے شہر کے اندر ڈیڑھ سو قدم لمبا اور دو سو قدم گہرا مورچہ بنالیا تھا۔

''سلیمان جو اس کا قائل تھا کہ نرمی سے بڑھ کر اور کوئی چیز موثر نہیں اس نے بوڑھے پیری پاشا کو یہ دیکھنے کا حکم دیا کہ رہوڈس کے سپاہی مناسب شرائط پر اپنا شہر سپرد کرنے کو تیار ہیں یا نہیں...... بہت سے لوگ جو حملہ کے وقت بے خوفی سے لڑ رہے تھے۔ جنہیں اپنی جان کی ذرا بھی فکر اور پرواہ نہ تھی، جب ان کی سمجھ میں یہ آیا کہ دشمن صلح کی گفتگو پر آمادہ ہے تو انہیں اپنی جان بچانے کی امید ہونے لگی۔ انہوں نے گرینڈ ماسٹر کی خدمت میں حاضر ہو کے عرض کی کہ وہ رعایا کی حفاظت کا انتظام کرے۔ کیونکہ جنگ جو فوج کی طاقت گھٹ چکی ہے، اور ہر طرف شہر کی دیواروں میں شگاف پڑ چکے ہیں۔''

صرف یہی نہیں، اس طویل ابتلا، اور سڑکوں کے کونوں اور برجوں کے زاویوں پر دست بدست لڑائی سے لوگ تنگ آ چکے تھے۔ جاڑے سے وہ الگ پریشان کانپ رہے تھے۔ دے لیل آرم اور اس کے باقی ایک سو اسی نائٹوں، پندرہ سو سپاہیوں اور شہر کے یونانی باشندوں کو یقین تھا کہ جب زخم خوردہ ترک فوجیں آخری مورچوں کے اندر گھس آئیں گی تو قتل عام سے دریغ نہ کریں گی۔ ابھی انہیں یورپ سے کمک پہنچنے کی امید تھی، انہوں نے لڑائی کے ابتدائی ایام میں چار سو قاصد بھیج رکھے تھے کہ اگر تازہ سپاہی اور اسلحہ بارود مل جائے تو رہوڈس کی فصیلوں کو بچایا جا سکتا ہے۔

رچرڈ نولس آخر میں اجمالاً یوں لکھتا ہے: ''گرینڈ ماسٹر نے آرڈر کے ایک

نائٹ کو شہنشاہ چارلس کے پاس اسپین بھیجا۔ آرڈر کے ایک اور نائٹ کو روم کے استفوں اور اطالوی نائٹوں کی خدمت میں بھیجا۔ پھر وہاں سے خطوط کے ساتھ اسے فرانسیسی بادشاہ کی خدمت میں فرانس بھیجا۔ ان سب بادشاہوں سے اس شہر کو بچانے کی مدد مانگی جو سمندر اور زمین دونوں جانب سے گھرا ہوا، دشمن کے نرغے میں تھا۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا کیونکہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے سے برسر پرخاش تھے یا انہیں صرف اپنی سلطانت کے معاملوں سے دلچسپی تھی۔ انہوں نے میٹھی میٹھی باتیں کر کے سفیروں کو کر دیا مگر انہیں کوئی کمک نہ دی۔''

دے لیل آرم کو اب بڑا تلخ تصفیہ کرنا تھا۔ اس کے اپنے قانون کے مطابق اطاعت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس کے اطراف جو لوگ تھے ان میں سے کسی کو سلطان کے وعدے کا اعتبار نہ تھا۔ اس کے برعکس مزید مقابلے کے معنی یہ تھے کہ ہزاروں شہریوں کا قتل عام ہوگا۔ یہ شہری یونانی نسل کے عیسائی تھے اور محاصرے کے ابتلا میں یہ اب تک بہت مصیبت بھگت چکے تھے۔

اس نے تین دن کے لیے صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ لیکن پھر بد قسمتی سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس نازک موقع پر یہ حالت ہوگئی جیسے بھس میں چنگاری لگ جائے۔ رات کو ایک جہاز آیا جس پر کوئی روشنی نہیں تھی۔ یہ پہلا جہاز تھا جو کریٹ سے آیا تھا۔ اور شرابوں سے لدا ہوا لیکن اس میں سو رضا کار سپاہی بھی تھے جو وینس کی امارت کے حکم کے برخلاف اپنی خوشی سے یہاں لڑنے کے لیے آئے تھے۔ ترک چوکیداروں کو قدرتاً یہ شبہ ہوا کہ جہاز میں اس سے زیادہ

کمک پہنچی، اوراس جہاز کے آنے سے صلح ٹوٹ گئی۔

پھر ایک متعصب فرانسیسی نے ینی چیروں کے ایک مجمع پر دو توپیں داغ دیں یہ ینی چیری صلح کے زمانے میں شہر کی فصیلوں کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں نے ہر طرف سے فصیل پر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔

اس حملے کے ختم پر بھی رہوڈس سر نہ ہوا۔ گرینڈ ماسٹر نے گابریلے مارتی نن گو کا بیان لیا جس نے اس حملے کے دوران میں شہر کی حفاظت کی تھی۔ مارتی نن گو نے صورتحال اجمالاً ان الفاظ میں بیان کی: ''صرف بارہ گھنٹے کی استعمال کا بارود باقی بچا ہے۔ بندرگاہ پر بارود خانے کے کارخانے میں اس سے زیادہ ذخیرہ جمع کرنے کی کوشش صورت نہیں۔ اپنے سپاہی باقی رہ گئے ہیں کہ فصیل کے صرف چند حصوں کی حفاظت کر سکیں۔ اگر پھر دوبارہ عام ہلہ ہوا اور بارہ گھنٹے تک جاری رہا تو قلعہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

دے لیل آدم نے اپنے انجینئر کا بیان سنا اور اپنے افسروں اور شہریوں سے رائے لی۔ سب کی رائے یہ ہوئی کہ ہتھیار ڈال دیئے جائیں اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔ اس نے ایک قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا اور اس طرح محاصرہ ختم ہوا۔

تب ایک غیر معمولی بات پیش آئی۔ سلیمان نے پھر سے پرانی شرطیں دہرائیں اس کا وعدہ کیا کہ شہریوں کے کلیساؤں کو مساجد میں تبدیل نہ کیا جائے گا۔ رعایا کو مسلمان بننے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ ان کے لڑکوں کو خراج میں حاصل نہ کیا جائے گا۔ جو لوگ رہوڈس چھوڑ کے جانا چاہتے ہیں وہ اپنے ساتھ اپنا توپ خانہ اور

اپنا سامان لے جا سکتے ہیں ترک جہاز انہیں کریٹ پہنچا آئیں گے۔

ناسٹوں کو بڑی شکل سے اس کا یقین آیا۔ جب نہتے ینی چیریوں نے شہر کے ایک دروازے کے اندر گڑ بڑ مچائی ..... یہ اندرون ملک سے آئے ہوئے ینی چیری تھے جو اس حکم سے ناراض تھے کہ شہر میں لوٹ مار نہ کی جائے ..... تو برستے پانی میں دے لیل آرم اپنے ایک ساتھی کے ساتھ سلطان کے مکان پر حاضر ہوا۔ مغرب کا سپاہی، مشرق کے نہتے شہنشاہ کے حضور میں آیا۔ سلیمان نے گرینڈ ماسٹر کو بیش بہا اعزازی خلعت عنایت کی، اور ابراہیم سے کہا جو وہاں موجود تھا: ''افسوس ہے کہ اس نیک پیر مرد کو اپنے گھر سے یہاں تک آنے کی زحمت اٹھانا پڑی۔''

اس نے اپنے محافظ دستے کے ینی چیریوں کو بھیجا تا کہ وہ شہر کے اندر گڑ بڑ کو روکیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس نے گزشتہ پانچ مہینوں کی تباہ کاری کی تلافی مافات کی کوشش کی۔ وہ اپنے دشمن کے پاس ملاقات بازگشت کے لیے گیا۔

اس سے پہلے کبھی ایسا واقعہ پیش نہ آیا تھا کہ مشرق کا کوئی تاجدار عیسائیوں کی مسلح صفوں میں اس طرح نہتا چلا جائے۔ صرف گرینڈ ماسٹر کا عہد و پیمان یہ تھا کہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ جب ایک شکستہ در سے سلیمان بغیر کسی حفاظتی دستے سے ابراہیم تھا تو اس نے اپنے آبائی دشمنوں سے دلی مفاہمت کے لیے ایک نیا قدم اٹھایا۔

دے لیل آرم کے صحن میں گھوڑے سے اتر کے وہ ان ناسٹوں کے قریب گیا جو حیرت سے کھڑے اسے تک رہے تھے ان سے اس نے کہا کہ وہ ان کے قابل تعریف سردار کی مزاج پرسی کے لیے آیا ہے۔ بھاری بھورے رنگ کے دروازے

کے آگے یہ دبلا پتلا نوجوان پرسی کے لیے آیا ہے۔ بھاری بھورے رنگ کے دروازے کے آگے یہ دبلا پتلا نوجوان جو سفید زردوزی کے کام کا لبادہ پہنے ہوا تھا انہیں اپنا دوست اور بڑی زندہ دل طبیعت کا نوجوان معلوم ہوا۔ پہلی مرتبہ پریشان عیسائیوں کو اس کا اطمینان ہوا کہ اطاعت کی جن شرطوں کو سلطان نے قبول کیا ہے وہ ان کی پوری پابندی کرے گا۔

کچھ عرصہ بعد جب ینی چیریوں کا ایک دستہ اندر داخل ہوا تو نائٹوں کو نئے سرے سے تعجب ہوا۔ ایک نے کہا یہ دستہ اتنی خاموشی سے آیا جیسے کوئی فرد واحد چپ چاپ چلا آئے۔''

اس سے بہادر گرینڈ ماسٹر کی تنگ دلی اور تلخی کم ہوگی۔ مشہور ہے کہ اس نے کہا: ''آپ تحسین کے مستحق ہیں کہ آپ نے رہوڈس کو فتح کیا اور اس کے بعد ہم پر رحم و کرم فرمایا۔''

معاہدے کے مطابق رہوڈس کا تخلیہ ہوا۔ جب باقی نائٹ کریٹ میں اتارے گئے تو انہیں پتا چلا کہ وہاں وینس کا بحری بیڑا بیکار پڑا ہے۔ اور اسے حکم ملا ہے کہ جب تک ترک جزیرہ قبرص پر حملہ نہ کریں وہ اس لڑائی میں دخل نہ دے دو ہزار رضا کار رہوڈس کو بچانے کے لیے روم میں جمع ہوئے تھے لیکن انہیں جہاز دستیاب نہ ہو سکے۔

شہنشاہ چارلس نے جزیرے کی تسخیر کی خبر لاپرواہی سے سنی اور حسب معمول طنز کے لہجے میں کہا: ''دنیا میں کوئی اور مقام اس کمال سے ضائع نہیں ہوا جسے

رہوڈس۔''

یہ اس کی غلطی تھی اس وقت تک کم سے اکم ایک بھروسا تو تھا کہ وقت پڑے تو یورپ والے ایک نئی صلیبی جنگ کے لیے متحد ہو سکتے ہیں۔اس وقت تک یہ احساس تھا کہ آپ کے جھگڑوں کے باوجود عیسائی یورپ میں ایک طرح کی وحدت ہے۔ جب رہوڈس ہاتھ سے نکل گیا اور وہاں کے زخمی نائٹوں کو سلطان نے بڑے لحاظ سے ان کو ٹھکانے پر پہنچا دیا تو یورپ کی وحدت کا امکان قیاصرۂ روم اور شالمین کی کہانیوں کی طرح ماضی کی داستان بن گیا۔

کئی سال تک باقی ماندہ نائٹ بحیرۂ روم کے ساحلوں پر درباروں کا چکر کاٹتے رہے اور مطالبہ کرتے رہے کہ ایک نیا قلعہ ان کے حوالے کیا جائے لیکن اس کی کوئی خاص شنوائی نہ ہوئی۔ دور دراز جنگ کے یہ کارآزمودہ بہادر ایک طرح سے دردسر بن گئے تھے۔ جو بادشاہ ان کی خاطر مدارت کرتے تھے۔وہ سنتے سنتے تھک گئے کہ کس طرح پانچ مہینے تک چودہ حملوں کے مقابلے میں رہوڈس کی حفاظت کی گئی۔ یہ زخمی سپاہی ہر جگہ اپنے ساتھ سینٹ جارج کا برج دوبارہ لیے پھرتے تھے۔

سات سال بعد چارلس نے انہیں مالٹا کا پتھریلا سخت سنگلاخ جزیرہ عنایت کیا جو دور مغرب میں اس کے اپنے صوبہ صقلیہ اور افریقہ کے ساحل کے درمیان واقع تھا۔

اس درمیان میں رہوڈس میں ترکوں کو اپنے بیڑے کے لیے پہلی مسلح بندرگاہ مل گئی۔

☆..........☆..........☆

رہوڈس کی فتح کی قیمت

جیسے ہی رہوڈس کے نائٹوں کو منتقل کیا جا چکا تھا۔ضروری احکام صادر کر کے سلطان رہوڈس سے رخصت ہوا۔اس نے کارآزمودہ مارتی نن گو سے باز پرس نہیں کی اور نہ سنگین فیصلوں کو زیادہ دیکھا بھالا۔وہ جلد سے جلد اس مقام سے روانہ ہو جانا چاہتا تھا اور پھر مدت العمر اس نے اس جزیرے کا رخ نہیں کیا۔اپنی عادت کے مطابق اس نے بعض یونانی عورتوں کو انعامات بخشے۔جو بڑی ماہر تیراک تھیں۔اور جنہوں نے تیر کر بہت سے پیغامات شہر کے اندر اور باہر پہنچائے تھے۔

یورپ والوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہ زیادہ تر یونانی رعایا نے ترکوں کے زیر حکومت اپنے گھروں میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ان کے لیے قرون وسطی کے رجحانات رکھنے والے نائٹوں کی خدمت کوئی آسان بات نہیں تھی۔ترکوں کے دور حکومت میں پانچ سال کے لیے انکے محاصل معاف کر دیئے گئے۔اس کے بعد ہر گھر پر صرف چاندی کے دس سکوں کا محصول عائد کیا گیا۔ان سے مویشی یا شراب کی طلب نہیں کی گئی۔اور ان کی لڑکیوں کو کسی نے نہیں چھیڑا۔

قسطنطنیہ میں میمو نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کے مبارکباد پیش کی۔

جب میمو ترکوں کی فتح کی قصیدہ خوانی کر رہا تھا تو سلطان نے محض حقارت کا جذبہ محسوس کیا۔میمو بڑی روانی اور چاپلوسی سے جھوٹ بک رہا تھا۔سلیمان کو اس چرب زبانی اور دروغ گوئی پر ہنسی آرہی تھی۔ابراہیم ترجمہ کرتا جاتا تھا۔سلطان کو خوشی بھی

محسوس ہوئی کہ یورپ کی ایک ایسی ریاست کا سفیر، جو کسی زمانے میں بڑی طاقتور سمجھی جاتی تھی، اس طرح اس کی تعریف کے پل باندھ رہا تھا۔ لیکن اسے میمو کی شکل سے گھن آتی تھی جو بڑا پرخور تھا۔ خوب گوشت کھاتا اور شراب پیتا تھا۔

اپنے حریف گرینڈ ماسٹر پر سلطان کو دل سے ترس آتا تھا، اور وہ خود بخود اس کی عزت کرنے لگا تھا۔ یہ سفید ریش آدمی ایک مذہب اور ایک آئین کا سچا پیرو تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مذہب انجیل کا تھا قرآن کا نہیں۔ لیکن اہم بات یہ تھی کہ اس پیر مرد کو اپنے مذہب پر سچ مچ اعتقاد تھا۔

بہت عرصہ پہلے قاسم نے سلیمان کو تعلیم دی تھی کہ صرف تین مذاہب برحق ہیں۔ یہ اہل کتاب کے مذاہب ہیں۔ یہودی جو توریت کے قائل ہیں۔ پھر عیسائی جو انجیل پر ایمان لائے ہیں۔ اور بالاخر مسلمان جو قرآن پر ایمان لائے ہیں۔ ان تینوں مذاہب میں پیغمبروں کے حکم کی تعمیل کی جاتی تھی خواہ وہ حضرت ابراہیم ہوں یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ سلیمان دلی اعتقاد کو بڑی اہمیت دیتا تھا۔ وہ صوفیوں کو بحثوں کے باوجود ابھی وہ دل سے اس کا قائل نہیں ہونے پایا تھا کہ:

کافر بیدار دل پیش صنم

بہ زدیندارے کہ خفتہ درحرم

اپنی فتح وظفر کے موقع پر بھی سلیمان اپنے عہد و پیمان کی سختی سے پابندی کرتا اس کے فیصلوں کی بنیاد عدل اور ذکی الحسی پر ہوتی۔ وہ صرف ایسی خوشامد سے متاثر

ہوتا جس سے اس کا نفس مطمئن ہو جاتا، وہ آنکھیں بند کر کے ساری بنی نوع انسان کی برادری کے تخیل کو ٹٹولنے کی کوشش کرتا۔

اس برادری کا تخیل اس کا اپنا نہ تھا، اگر چہ کہ سلیم کے فرزند کی حیثیت سے اس کی پرورش تنہائی میں ہوئی تھی، لیکن اہل طریقت کی دو برادریوں سے اس کا تعلق تھا۔ مولوی اور بیک تاشی دونوں سلسلوں کے بزرگ اور درویش گشت کرتے ہوئے کبھی کبھی اس کے پاس آجاتے۔ کسی کے ہاتھ میں مشکول ہوتا اور زبان پر سرورووجدان کا نعرہ۔ کوئی دنیا سے قطع تعلق کر کے پہاڑوں اور غاروں میں اعتکاف کرتا۔ ان درویشوں کی ضمیر روشن تھے۔ جزب کے عالم میں وہ ہنستے اور تمسخر کرتے، اور پھر سڑکوں پر لوگوں کی بدحالی اور معصیت دیکھ کر رو دیتے۔ وہ نعرہ لگاتے ''تعداد سے ہمارا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ شکست دے کر ہمارا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔''

بارکوں میں ینی چیریوں کے یلدشلر نے بھی ایک طرح کی برادری قائم کر رکھی تھی۔ اگر ایک ینی چیری کو نقصان پہنچتا تو ساری برداری برافروختہ ہو جاتی۔ اگر ایک پر احساس کیا جاتا تو ساری برادری ممنون احسان ہوتی۔ اس لیے سلیمان اچھی طرح سمجھ سکتا تھا کہ گرینڈ ماسٹر کی بھی ایسی ہی ایک برادری ہے۔

اکثر سلیمان پاپائے روم کے متعلق سوچا کرتا۔ پاپائے روم کی وہ وہی حیثیت سمجھتا تھا جو شیخ الاسلام کی تھی۔ اصل میں ترک اس شخص کی بڑی عزت ووقعت کرتے تھے جو تن تنہا مذہب کا مفتی اعظم تھا۔ لیکن جب ایک سیاسی طاقت کی حیثیت سے پاپائے روم کا تصور کیا جاتا جو ویٹی کن کی چاردیواری میں بند تھا تو اس کی شخصیت

آسانی سے سمجھ میں نہ آتی۔

سلیمان وفاداری کے تعلق، مذہب کے تعلق عوام کی ضروریات اور اپنی بہبودی کیلئے ان بھٹکتی ہوئی آرزو کو خوب سمجھتا تھا۔ وہ قومیت کے تصور سے آگاہ نہیں تھا، اور نہ وہ یورپ کے درباروں سے زیادہ واقف تھا جن کے زیر اثر قومیت کا تصور پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ یورپی امراء کے طبقے سے بھی ......وینس کے سفیر کے علاوہ...... واقف نہیں تھا جو ان درباروں پر حاوی تھا۔

اس زمانے میں وہ بادشاہوں کے درمیان ایک نئے طرز مفاہمت کا متلاشی تھا۔ اگر بادشاہ اپنی اپنی رعایا کی خدمت کریں، اگر بادشاہوں میں آپس میں دوستی اور یگانگت ہو تو رعایا کے لیے روزمرہ کی زندگی یاوز سلطان سلیم کے زمانے میں سہل تر جائے گی۔

اگر بادشاہوں کے درمیان سیدھی سادی دوستی کا تعلق ہو جائے......

اس نے بہت رک رک کے اپنا یہ خیال ابراہیم کے سامنے دہرایا۔ وہ کبھی کسی خیال کے اظہار کے لیے فصاحت سے الفاظ نہیں ڈھونڈ پاتا تھا۔ نہ وہ تقریر کر پاتا تھا۔ رہوڈس کی فتح کے بعد ابراہم کے لیے اس نے ایک خاص خدمت تجویز کر لی تھی۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ اپنے خیالات میں مشرقی ہونے کی وجہ سے اس نے اس برخود غلط یونانی کا امتحان اس طرح لینا چاہا کہ اپنے خیال کو ایک سوال کی صورت میں ادا کیا۔ کیا بادشاہوں کے درمیان سچ مچ ایسی دوستی ہو سکتی ہے جیسی عام آدمیوں کے درمیان ہوتی ہے؟

اسے فوراً اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ ابراہیم کو ہنسی آ گئی ''سلطان المشرقین و المغربین جس کو چاہے ایک اشارے سے اپنا دوست بنا سکتا ہے اگر ضیافت کا دستر خوان بچھایا جائے تو سارے مہمان میزبان کے دوست بن جائیں گے ہاں فقیروں کی بات اور ہے۔''

اس جواب پر سلیمان نے احتیاط سے غور کیا۔ ابراہیم کی مذاق کرنے کی عادت تھی۔ اس مرتبہ سلیمان نے اپنے دوست کے الفاظ میں ایک طرح کی حریفانہ مدافعت محسوس کی۔ ابراہیم کبھی یہ نہ بھول سکتا تھا کہ اس کا ترک آقا اس سے زیادہ دانشمند نہیں وہ اپنی اس قدرتی ناگواری کو بڑی احتیاط سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا۔

اس نے جلدی سے کہا: ''اصل میں سلطان محمد فاتح نے جو کامیابی حاصل کی آپ اس سے زیادہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ اپنے رفیقوں کی وفاداری میں، جو آپ پر بھروسا کرتے ہیں، اضافہ فرمایئے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے دشمنوں کا دل موہ کے ان کو بھی اپنا گرویدہ بنایئے۔ اگر دنیا میں امن کو بطور ایک ہتھیار کے استعمال کیا جائے تو یہ ایک بالکل نیا حربہ ہوگا۔ اور صرف کوئی بڑا طاقتور تاجدار اس حربے کو استعمال کر سکتا ہے۔ مثلاً سوچیئے کہ اگر میمو سے دوستی کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو وہ مارے تعجب کے چکرا جائے گا۔'' وہ خوش ہو کے مسکرایا اس کی صورت دیکھنے کے قابل ہوگی۔ یہ ہو جائے تو سفیر کشکول سنبھالیں گے اور درویش وزراء کی مجلس مشاورت میں شامل ہو جائیں گے۔''

سلیمان اس کا تصور کر کے مسکرایا اور اس نے کہا: ''یہ دیکھنے کا منظر ہوگا۔''

ابراہیم نے فوراً اندازہ کرلیا کہ اپنے آقا کے اس نئے رجحان سے بڑا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اہل وینس ترکوں کے اولین دوست بن جائیں گے۔ اور وینس کے بحری بیڑے سے بڑا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس سے یونانی اقلیت کو بڑا فائدہ پہنچے گا...... اور ابراہیم خود یونانی تھا۔ اس کے علاوہ جنوب مشرقی یورپ میں آل عثمان کے خانوادے کے اطراف قوموں کی ایک نئی انجمن بن جائے گی جس کا مقصد امن پھیلانا ہوگا۔ ابراہیم بڑے لطف سے امن پسند جنگجوؤں کی اس انجمن کا ہاپس برگ خاندان کے شہنشاہ کی سلطنت سے موازنہ کرے گا جو جنگ جو شہریوں پر حکومت کرتا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ابراہیم کے روشن ضمیر دماغ کو اور بھی بہت سے امکانات کی جھلک دکھائی دی۔ سلیمان کے اس نئے رجحان کو یورپ کی کچلی ہوئی رعیت عوام اور کسان بہت پسند کریں گے۔ اگر کسی ترکیب سے ایک آدھ پشت تک ترکوں نے ہتھیاروں کی مشق چھوڑ دی تو وہ بالکل کمزور ہو جائیں گے۔ مثلاً مشہور ہے کہ: ''کسی قوم کے ہتھیار چھین لو، اس کی طاقت بھی چھن جائے گی۔''

پھر سے اس کی تلخی عود کر آئی۔ صرف سلیمان جس کی فوج ناقابل شکست تھی، اس پر آشوب زمانے میں انسان دوستی کا دعویٰ کر سکتا تھا۔

لیکن سلیمان کی تلاش سچی تھی۔ رہوڈس کے محاصرے کا اس کے دل پر بڑا گہرا اثر مرتسم ہوا تھا۔

واپسی پر شہر نے اسے جس جوش سے مرحبا کہا اس سے سلیمان کو بڑا تعجب ہوا۔ جب وہ پہلی مرتبہ جمعہ کے روز باب عالی سے نکل کر نماز ادا کرنے مسجد کی طرف روانہ ہوا تو ان سڑکوں پر جو اس کے لیے صاف کی گئی تھیں، اور جن پر بجری بچھائی گئی تھی، خلقت کا دونوں طرف ہجوم ہو گیا۔ اس کے آگے آگے چار پاشا چل رہے تھے جن کے خفتانوں کے کناروں پر سمور لگا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ابراہیم اور دوسرے تیغ بردار تھے، جو سفید اور سنہرے اطلس کے کلف دار جامے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے محافظ تیر انداز حفاظت کرنے والے سگان نگہبان کی طرح دوڑتے جاتے تھے۔

جو لوگ سڑکوں پر جمع تھے وہ گردن اونچی کر کے اس کی سواری کی ایک جھلک دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے اس کے قدموں پر پھول نچھاور کیے جھک جھک کے وہ اپنی مٹھیوں میں اس خاک کو سمیٹنے لگے، جس پر اس کے فیصد گھوڑے کی ٹاپ پڑی تھی۔ اور بار بار وہ اس کے نام کے ساتھ بلند اقبال کا لفظ دہراتے تھے۔

اقبال اس کے ساتھ ساتھ اس طرح تھا جیسے اس کے سیدھے ہاتھ پر کوئی مہربان غیر مرئی فرشتہ اس کے ساتھ ساتھ ہو۔ رہوڈس کی تسخیر، گل بہار کے بطن سے ایک فرزند کا تولد، رہوڈس کے بعد سمندر کے دوسرے جزیرے اور دور دراز ملکوں کے قلعوں کی اطاعت، مبارکباد کے پیغام جو نہ صرف وینس سے آئے تھے بلکہ شریف مکہ کے پاس سے، کریمیا کے تاتاری خاں کے پاس ہے، اور ایک گمنام شہر ماسکو سے بھی آئے تھے...... سب سے بڑھ کر یہ کہ خلاف توقع اس کے جانی دشمن

اسمٰعیل صفوی شہنشاہ ایران نے پہلی مرتبہ اس کی خدمت میں قاصد بھیجے تھے۔

لیکن جب اس کا جلوس ختم ہوا، اور مسجد کے دھندلکے میں اس نے اپنے خالق کے آگے سر جھکایا، تو اس کے نتھنوں میں پھر گیلی مٹی، اور ان بیماروں کے جسم کی بدبو دار بھبک آئی جو رہوڈس کے بھیگی ہوئی زمین پر دم توڑ چکے تھے۔ اندھیری راتوں کو وہ اطلس اور سمور کے لحاف میں کروٹیں بدلتا اور اس کی پیٹھ پر پسینہ بہنے لگتا اور اسے پھر سے رہوڈس کی وہ جھونپڑی یاد آتی جس پر بارش کے موسلا دھار پانی کے تڑاڑے پڑتے تھے، اور وہ اس جھونپڑی میں اڑا ہوا تھا، اور اکیلا اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا کہ رہوڈس میں وہ اپنی غلطیوں کے باعث کس قدر بے بس ہے۔

کسی سے اس نے اپنی ضمیر کی اس حالت کا ذکر نہ کیا تھا۔ ایک تو یہ کہ آل عثمان کا سلطان اپنے تردوات یا اپنی توقعات کا اوروں کے سامنے ذکر نہ کر سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ کسی بات کے بیان کرنے یا سمجھانے میں سلیمان کو وقت دقت ہوتی تھی۔ اپنے مختصر روزنامچے میں اس نے حسب معمول یہ فقرہ لکھا: ''خدا نے بادشاہ فتح بخشی'' لیکن رہوڈس کے بعد وہ اپنے اس روزنامچے میں اکثر بارش، طوفانوں انسانوں اور جانوروں کے کیچڑ میں پھنس جانے، بیماری، دریاؤں کے سیلاب اور بارش، بارش کا اکثر ذکر کرتا تھا، بارش اس کے لیے ایک طرح کابوس بن گئی تھی۔

اس کے بعد اس کے عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوبارہ جنگ کرنے کے خیال ہی سے نفور ہے۔ آئندہ موسم بہار میں فتح کے نقارے نہیں بجے۔ تین سال تک اس نے کسی طرف یورش نہیں کی۔ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ چودہ سال قبل سلطان سلیم کی تاجپوشی

کے بعد سے ترکوں کو اتنے دن امن نصیب ہوا۔

لیکن آل عثمان کے سلطانوں کا فرض تھا کہ وہ فوج کشی کریں۔ان کی امن پسند سلطنت کے اس پار دارالحرب تھا، کافروں کی وہ سرزمینیں تھیں جن پر مسلمان فوجوں کی یورش اپنی حفاظت کے لیے ضروری تھی۔ ارطغرل کے زمانے سے اس فرض کی پابندی ہوتی رہی تھی۔صرف اس کے دادا بایزید کے زمانے میں کچھ عرصہ کے لیے امن رہا کیونکہ بایزید درویش صفت، اور خوابیدہ طبع سلطان تھا۔فتوحات کے سیلاب کو اس طرح روک کے سلیمان پرانے آئین کی خلاف ورزی کرر ہا تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا کیا انجام ہوگا۔

اسدرمیان میں اس نے اور زیادہ صفائی سے اپنے مشیروں اور وزیروں میں بڑی تبدیلیاں کیں۔ان پرانے امراء کو ہٹا دیا جو جنگ کے حامی تھے۔سلیمان کیلئے وزیروں کی برطرف، یورپ کے کسی بادشاہ مثلاً، ہنری ہشتم کے کسی ایسے فیصلے کے مقابلے میں بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ کیونکہ سلطنت عثمانیہ میں نظم ونسق کے مختلف ناظمان امور اپنے محکموں کے براہ راست ذمہ دار تھے۔ بیار پیری پاشا کے زیر تفویض سلطنت کی مہریں تھیں۔اور وہ حکومت اور نظم نسق کا رکن رکین تھا۔

جب سلیمان نے پیری پاشا سے کہا کہ وہ اپنے عہدے سے سبکدوش کیا جار ہا ہے تو اس پیر مرد کے چہرے پر تھکن سے جھریاں پڑ گئیں۔وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ وہ کسی غلطی کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔اس کے برعکس وہ اس طرح منہ ہی منہ میں بڑ بڑانے لگا گویا گویا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے باغ میں ایک نئی طرح کا لالہ آگا رہا ہے جس کا

رنگ خون کی طرح سرخ تھا۔

سلیمان نے ایسے گھوڑوں کا ذکر سنا تھا جو اپنے راستے کی ڈگر کے اتنے عادی ہو جاتے تھے کہ اگر کسی گاڑی کے پہیوں کی چرخ چوں کی آواز سنائی دیتی تو وہ علف زار میں احاطہ کی لکڑیوں کو توڑ کر پھر اسی ڈگر پر چلنے کی کوشش کرتے۔ اس نے کہا: "پیری پاشا اب آپ اس نئ قسم کے لالے اگا سکیں گے۔ میرے سر کی قسم اب آپ کو فرصت ہی فرصت ہے۔"

جب اس نے کہا کہ کہ دو لاکھ دینا کی گرانقدر رقم وظیفہ یاب وزیر کو بطور وظیفہ ملے گی تو پیری پاشا نے سلطان کی اس عنایت کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اب اس کے لیے دولت کی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہی تھی۔

اگر چہ کہ یہ کوئی خلاف توقع بات نہ تھی لیکن نظم و نسق کے ناظموں کو بڑی حیرت ہوئی جب سلیمان نے ابراہیم کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ اس یونانی کو دوسرے تجربہ کار اور پرانے عہدہ داروں کے مقابل ترجیح دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ابراہیم کو رومیلیا کے بیلر بے (یورپ کی افواج کے سپہ سالار اعظم) کا فوجی عہدہ دیا گیا۔ اب ابراہیم کا پایا جس قدر بلند تھا، اتنی ہی عظیم اس کی ذمہ داری تھی (اور دو پاشا البانوی نسل کے کارآزمودہ جنرل تھے، جو اکثر خاموش رہتے، اور جنگوں کے درمیان عرصہ میں زیادہ تر وقت قیلولہ میں گزارتے)۔

اس سے قبل سلیمان اور ابراہیم میں آپس میں گفتگو ہوئی تھی پہلے پہل ابراہیم اس عہدۂ جلیلہ کرنے کو تیار نہ ہوا تھا۔ اس کا ذہن بہت تیز تھا، اور فوراً اس کے ذہن

میں بے شمار خطرے گھوم گئے۔ غلط فہمیاں، رقیبوں کی سازشیں اور افواہ سازیاں، سلیم کو یاد کر کے اسے سلیمان کو اندرونی جذبات سے ڈر معلوم ہوتا تھا جو گھڑی میں کچھ تھا گھڑی میں کچھ۔ لیکن سلیمان نے بہت سوچ سمجھ کے یہ تصفیہ کیا تھا اور وہ اس پر مصر تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ یونانی محض خادم نہ رہے بلکہ اس سارے قابلیت کے ساتھ جو بحیثیت انسان اسے ملی تھی حکومت کی گتھیوں کو سلجھائے۔ اس وقت سلیمان کو ایک معمولی نہیں بلکہ غیر معمولی دماغ کے آدمی کی ضرورت تھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ سلطان اور وزیر اعظم اس قدر کم عمر ہوں۔ مگر یہ کوئی ایسی بری بات نہ تھی۔

ابراہیم کو ابھی تک اعتبار نہ آیا تھا، اس لیے اس نے سلطان سے قول مانگا اور سلطان نے اسے یہ قول دیا کہ ”میں عہدے سے تمہیں کبھی ذلیل کر کے برطرف نہ کروں گا۔“

نیا وزیر اعظم اس وعدے پر اعتبار کر سکتا تھا کیونکہ سلیمان کبھی وعدہ خلافی نہ کرتا تھا۔ جہاں تک سلطان کا تعلق ہے اس نے وہی کیا جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اور ابراہیم یک جان دو قالب تھے۔ ابراہیم حکومت کا ظاہری کام کاج کر سکتا تھا، مشورہ دے سکتا تھا اور سلطان جب چاہے اسے روک سکتا تھا یا اس سے زیادہ کام لے سکتا تھا۔ لیکن سلیمان کا رجحان اس زمانے میں تنہائی پسندی کی جانب تھا۔ یہ بڑی ہمت کا کام تھا کہ غیر ملکی نسل کے ایک نوجوان کو جو مدرسہ کا فارغ التحصیل تھا، لیکن جس کا دماغ ملک بھر میں سب سے تیز تھا سلطان نے اس جلیل القدر خدمت کے لیے انتخاب کیا تھا لیکن سلیمان انسانی فطرت کا بڑا صحیح اندازہ لگایا کرتا تھا۔

ابراہیم کا انتخاب کرنے کے بعد اس نے اس انتخاب کی بڑی شد ومد سے تشہیر کی۔

ابراہیم کو اپنی کشتی کے لیے بارہ ملاح رکھنے کی اجازت ملی۔اس کے پرچم میں پانچ گھوڑوں کی دموں کے لگانے کی اجازت مرحمت ہوئی۔اس کی نسبت سلطان کی ایک بہن سے قرار پائی۔

اس وقت ان دونوں میں سے کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ اس کے بعد بھی آل عثمان کے سلاطین اپنے منظور نظر لوگوں کو اعلیٰ ترین عہدے تک ترقی دیں گے سب سے پہلے سلیمان نے یہ کیا تھا۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد جب ابراہیم نے اپنے افسروں کا انتخاب کرنے لگا تو اس نے لوئی جی گری تی کو جو کام کا آدمی تھا، باب عالی کا حاجب مقرر کیا اس کے معنی یہ تھے کہ امور خارجہ میں بین الاقوامی تعلقات اس کے سپرد تھے۔گری تی کی قومیت اب بھی وینس کی تھی اور وہ عیسائی تھا۔لیکن ابراہیم اس ذکی اور ذہین گری تی پر اتنا ہی اعتماد کرتا تھا جتنا اعتماد سلیمان ابراہیم پر کرتا تھا۔

اس طرح 1523ء سے لے کر 1525ءتک کے تبدیلی کے دور میں سلیمان پرانے ترک اہل دماغ سے دور ہوتا گیا۔اور مغرب کے دماغوں کی طرف زیادہ مائل ہوا۔ یہ دیکھا جاتا تھا کہ وہ یورپی علاقوں کے لوگوں سے زیادہ ملتفت ہوتا ہے، وہ سربوں اور کروآٹوں سے ان کی اپنی زبان میں بات چیت کرتا ہے۔اس نے فارغ التحصیل سوکولی سے اس کی اپنی زبان میں باتیں کی تھیں، اور سوکولی اب اسکندر چلیبی،

خزانچی کا مددگار مقرر رہا تھا۔

جب مفتی اعظم کا انتقال ہوا...... سلیمان کی بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ شیخ الاسلام کو برطرف کر سکتا..... تو اس کی جگہ اس کے کمال پاشا کو مقرر کیا، جو فلسفہ کے ماہر تھے اور کئی زبانیں جانتے تھے۔ سلیمان کے پرانے استاد قاسم کو بھی ایک اعلیٰ عہدہ اور پاشا کا خطاب دیا گیا۔ یہ دونوں آدمی اپنی ذہنی دیانت داری اور اپنی اعلیٰ قابلیت کے باعث مشہور تھے۔

☆..........☆..........☆

نظم ونسق کی بنیاد

سلطنت عثمانیہ کے سارے نظم ونسق کی بنیاد ذاتی دیانت داری پر تھی دوسری تمام حکومتوں اور اس نظم ونسق میں یہ خاص فرق تھا کہ حکومت کرنے والا طبقہ ایک خاص اور الگ طبقہ تھا، جو خراج میں حاصل کیے ہوئے فارغ التحصیل لڑکوں پر **مشتمل** تھا ترک قوم سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

اپنے آوارہ گردی کے ایام میں ایرانیوں یا بازنطینیوں یا اور کسی قسم سے ترکوں نے یہ تصور مستعار لیا تھا کہ شاہی خاندان کو نظم ونسق کے عہدہ داروں سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ سلیمان کے شخصی نوکر جتنے بھی تھے اور اس کے خاص تیغچی سے لے کر اس کے ذاتی اصطبل کے داروغہ تک، اور ان کا کام محض اس کی خدمت تھا۔

لیکن سارے نظم ونسق حکومت کا بار تین وزیروں کے کندھوں پر تھا۔ یہ وزیر دیوان یا مجلس مشاورت کے صدر بھی تھے۔ ان کی نشست دیوان عام میں ہوتی، اور یہ ان سب کی شنوائی کرتے جو وہاں کسی سرکاری کام سے آتے۔ ہر مقدمہ کی سماعت تیزی اور اختصار کے ساتھ کی جاتی، پرانے زمانے میں تو قبیلے کا خان زین پر بیٹھے بیٹھے مقدمات کی سماعت کر کے فیصلے کیا کرتا تھا۔

مالی امور کی ذمہ داری خزانے کے صدر الصدور پر قائم ہوتی تھی، لیکن تمام حسابات ایک محکمے میں جانچے جاتے جس کا نام ''قلمی'' تھا۔ یہ صدر محکمہ حسابات و تنقیحات تھا۔ معتمدین بڑی پابندیوں سے کھاتوں میں تمام ضروری اندراجات

کرتے۔

یہاں عثمانیوں کی ایک اور خصوصیات برسرکار تھی۔ ان کا پرانا تخیل یہی تھا کہ قوم کو جنگ کے لیے منظم رکھنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نظم ونسق کے تمام عہدہ داروں کے جنگی عہدے بھی ہوا کرتے تھے۔ معتمدین اس سے مستثنیٰ تھے، ان کا کام محض بہی کھاتوں اور مثلوں میں اندراجات کا سلسلہ جاری رکھنا تھا۔ فوج کے جنگی عہدہ داروں مثلاً سپاہیوں کے آغا، کے نیچے اور ان کے اپنے خزانہ دار اور محاسب ہوا کرتے تھے۔

قسطنطینہ کے مرکزی نظم ونسق کے علاوہ ساری سلطنت کا علاقہ بارہ عمداریوں میں منقسم تھا جن کے اعلیٰ حاکم بیلر بے کہلاتے تھے، ان میں سے ایک کے نیچے اس کا اپنا نظم ونسق کا عملہ ہوتا جس میں خزانہ دار اور قلمی شامل تھے۔ تمام صوبوں اور چھوٹے چھوٹے ضلعوں کے حاکم سنجق بے کہلاتے اور ان کے ساتھ ان کا چھوٹا سا عملہ ہوتا۔ جنگ کے زمانے میں جب عام بھرتی ہوتی تو وہ خود بخود جنگی فوج کا ایک حصہ بن جاتے۔ اناطولیہ کا بیلر بے ایشیا کی بھرتی کی فوج کا بیلر بے ہوا کرتا۔

اس طرح ہر کسی کی ذمہ داریاں مقرر تھیں۔ مگر فرائض کی ادائیگی کا اصد دارومدار ہر شخص کی ذاتی دیانت داری پر تھا۔ مثلاً اناطولیہ کے بیلر بے کو ہر سال ملک کی مالگزاری سے ایک متعین رقم ملتی جس کے معاوضے میں اس کا فرض تھا کہ ضرورت کے وقت سپاہ کی ایک خاص تعداد مہیا کرے۔ ان افسروں پر کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا جاتا تھا۔ انہیں مرکزی خزانے سے مدد ملتی تھی۔ اور انہیں اس کی اجازت

نہیں تھی کہ ذاتی منفعت کیلئے اور کوئی کاروبار کریں۔

مدرسہ کے تعلیم یافتہ عمال کی حرکی طاقت اور چیز تھی اور قضاۃ کے فرائض اور تھے جو دینی مدرسوں میں تعلیم پاتے تھے۔ عدل وانصاف کی ساری طاقت ان کے ہاتھ میں تھی، اور وہ قرآن پاک کی ہدایت کے مطابق مقدموں کے فیصلے کرتے تھے۔ وینس کے ایک بیلو، مارک انتونیو باربرو نے ذرا عجیب طرح سے اس امر پر روشنی ڈالی ہے: ''فوج اور طاقت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو عیسائی پیدا ہوئے تھے لیکن عدل وانصاف ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو پیدائشی ترک ہیں۔''

اس نظم ونسق کے اندر، اسلامی قانون کے وسیع دائرے کے اندر، اندورنی قومیتوں مثلاً یونانیوں، آرمینیوں، یہودیوں، بلغاریوں، چرکسوں، اور دوسروں کو اپنے رسم ورواج اور دینی قانون کی پابندی کی اجازت تھی۔ غیر مسلموں سے خراج وصول کیا جاتا تھا۔ انہیں اپنے کلیساؤں میں عبادت کی کھلی اجازت تھی۔

جب تک حکومت کا نظم ونسق دیانت دار آدمیوں کے ہاتھ میں رہا، اس طرح کی مربوط اور منقسم ذمہ داری کا طریقہ بہت کامیاب رہا۔ لیکن اس سے حکومت کا ایک ایسا ڈھانچہ بن گیا جس میں تبدیلی بہت دشوار تھی۔ ترک قدامت پسند تھے اور انہیں اپنے رسم ورواج اور طور طریق میں تبدیلی پسند نہیں تھی۔ جب سلیمان نے اس طریقے کو بدلنے کی کوشش کی تو اس کی یہی صورت تھی کہ بنیادی قانونوں کو بدلا جائے۔ یہ جلدی کا کام نہ تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ انتظامی عہدوں پر زیادہ قابل آدمیوں کا تقرر کیا جائے۔ یہ کام مقابلتاً آسان تھا۔

اس نے سب سے زیادہ نمایاں تبدیلی یہ کی کہ وزیر اعظم کے اختیارات میں بڑا اضافہ کر دیا۔ اس سے وزیر اعظم محض دیوان کا صدر ہوا کرتا تھا۔ اب ابراہیم کی حیثیت ایک ایسے وزیر اعظم کی تھی جس کا امتحاناً تقرر کیا گیا ہو سلیمان کو بجا طور پر اس کی توقع تھی کہ ابراہیم خود بخود نظم و نسق میں کئی جدتیں کرے گا۔ لیکن ان جدتوں کی نوعیت کا وہ اندازہ نہ کر سکا۔

اس درمیان میں حکومت کی واحد ذمہ داری سلطان پر تھی۔ اس ذمہ داری میں موصل کے اصطبل خانے کے داروغہ کے وظیفہ کی منظوری سے لے کر صلح یا جنگ کے اعلان تک تمامتر اختیارات شامل تھے۔ وہ روزمرہ کے کاروبار میں دخل نہ دیتا۔ لیکن جہاں کہیں کوئی قضیہ کھڑا ہوتا، وہی اس کا فیصلہ کرتا۔ نازک موقعوں پر صورتحال کا سنبھالنا اسی کا فرض تھا۔

قدرتی طور پر اکثر یورپی شاہدین کو وہ خالص آمر، عثمانی شہنشاہ کے روپ میں نظر آتا...... بہت کو یہ احساس ہو سکتا تھا کہ دراصل وہ اس زمانے کا سب سے زیادہ جمہوریت پسند بادشاہ تھا، اور اس کی حکومت اس زمانے کی سب سے زیادہ جمہوری حکومت تھی، انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ شریعت کے قانون کے آگے سلطان کی ساری طاقت ہیچ ہے۔ مذہبی معاملات میں سلیمان نے مفتی اعظم کو پوری آزادی دے رکھی تھی، معاشی معاملات میں وزیر کو پورے اختیارات حاصل تھے۔

امور خارجہ...... جو آل عثمان کے سلطان کے زمانے میں اس دائمی سوال پر منحصر تھے کہ اپنی سرحد کے اس پار کے سلطنتوں سے صلح کر لی جائے یا لڑائی جاری

رکھی جائے.....نظریاتی طور پر وزیر کی ذمہ داریوں میں شامل تھے۔ دراصل سلیمان ابراہیم اور مفتی اعظم کے مشورے سے امور خارجہ کے مسائل خود حل کرتا تھا۔

اپنی سلطانت کے ان ابتدائی ایام میں سلیمان نے اپنے لیے غیر محدود اختیارات محفوظ رکھے۔ اخلاقیات کا سارا قانون اس کے ہاتھوں میں تھا۔ وہی اس کا تصفیہ کرتا کہ کون سی بات درست ہے اور کون سی نا درست۔ یہ کہ کسی کسان کو اس کو اجازت دی جائے یا نہ دی جائے کہ وہ گزرتی ہوئی شہد کی مکھیوں کو اپنے تصرف میں لائے یا کسی مؤذن کو اس کی اجازت دی جائے یا نہ دی جائے کہ وہ سڑک کے کنارے خانقاہ سے اذان دے۔

یورپیوں کے لیے اس کے ایسی بادشاہ کے مرتبہ اور اختیار سمجھنا مشکل تھا۔ وہ بادشاہ تھا لیکن کوئی قلمدان اس نے اپنے ہاتھ میں نہ رکھا تھا۔ وہ نڑ تھا، لیکن اس کے ہاتھ میں دیو جانس کلبی کی فلسفیانہ قندیل تھی۔ چالیس سال تک اس کے طرز حکومت کا یورپ پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ بالآخر سلیمان کو خود اپنے خاندان میں قاضی کے فرائض انجام دینے پڑے۔

جب سلیمان نے فرہاد پاشا کے مقدمے کا فیصلہ کیا تو شاخ زریں کے اس پار رہنے والے اجنبی لرز اٹھے۔ فرہاد پاشا جو ڈالمیشیا کے ساحل کا رہنے والا اور سلاف نژاد تھا فوج کا سب سے نڈر سپاہی تھا۔ جب وہ تیسرے وزیر کے عہدے پر مامور تھا تو اس نے شام کی بغاوت فرو کی تھی، اور باغیوں کے سرغنہ غزالی کا سر سلطان کی خدمت میں بھیجا تھا۔ بلگراڈ کی لڑائی میں اس نے بڑا کارنامہ انجام دیا تھا اور رہوڈس

میں بڑی بے جگری سے لڑا تھا۔ اس کی شادی سلیمان کی ایک بہن سے ہوئی تھی لیکن اس کی طبیعت میں بڑا وحشی پن تھا۔ دور دراز مقامات پر اس نے بڑی طاقت پیدا کر لی تھی۔ اور قانون شریعت کے خلاف اپنے ذاتی دشمنوں کو آل عثمان کا دشمن قرار دے کر قتل کرا دیا تھا۔ سلیمان کسی ایسے شخص کو برداشت نہ کر سکتا تھا جو اپنی غرض اور اپنے فائدے کے لیے دھمکیاں دے۔ فرہاد کو اس کی پاشالک سے برطرف کر کے پائیہ تخت واپس بلوایا گیا۔

کئی دوست اس کے حامی تھے، اور ایک عورت دل و جان سے اس سے محبت کرتی تھی، سلیمان نے دیکھا کہ اس کی اپنی ماں والدہ سلطان، اور اس کی بہن جو فرہاد پاشا سے منسوب تھی، حرم میں اس کی بڑی حمایت کر رہی ہیں۔ حرم کی عورتوں کو اپنا اثر ڈالنے میں بڑا ملکہ تھا اور وہ اس اثر کو مجرم سپہ سالار کے حق میں استعمال کر رہی تھیں۔ سلیمان نے فرہاد کو ایک مرتبہ پھر امتحاناً بحال کیا، اور ڈینیوب کے کنارے سرحد پر ایک ضلع کا حاکم بنا کے بھیجا۔ لیکن اسے پھر یہی اطلاع ملی کہ یہ بہادر سپاہی اپنی طاقت کا غلط استعمال کر رہا ہے۔ سلیمان نے اسے پھر اپنے حضور میں طلب کیا، چند لمحوں کیا ندر اسے سزائے موت کا حکم سنایا، اور جلادوں نے فوراً ایک کمان کی تانت سے اس کا گلا گھونٹ کے اس کا کام تمام کر دیا۔

سلیمان کی بہن کبھی سلیمان کو اس کی موت معاف نہ کر سکی۔ ماتم کا سیاہ لباس پہن کے وہ سلیمان کے سامنے آئی کہنے لگی۔: ''انشاء اللہ میں بہت جلد اپنے بھائی کے لیے بھی ماتم کا لباس پہنوں گی۔''

سلطان محمد فاتح نے آل عثمان کا جو قانون نافذ کیا تھا اس کے رو سے کسی ایسے شخص کی سزا موت تھی جس کی وجہ سے کئی انسانوں کی جان خطرے میں ہو۔ اس قانون کا اطلاق سلطان کے بھائیوں اور بہنویوں پر بھی ہوتا ہے۔ خانہ جنگی سے بچنے کے لیے سلطنت عثمانیہ میں سلطان کے بھائیوں کو پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ سلطان محمد فاتح کا کہنا تھا کہ دو سے لے کر چھ تک شہزادوں کا قتل اتنا برا نہیں تھا، جتنا ملک میں خانہ جنگی کا اندیشہ، سلیمان خوش نصیب تھا کہ اسکا اور کوئی بھائی نہ تھا۔

☆..........☆..........☆

خرم

اسی زمانے میں حرم کی کمسن لڑکیوں میں سے سلیمان نے خرم کا انتخاب کیا وہ شمال سے آئی تھی اور ایک تاتاری بردہ فروش سے خریدی گئی تھی، وہ ایک نازک سی لڑکی تھی، اس کے بال سنہرے تھے، بلاشبہ سلاف نسل سے تھی اور اس کو خرم کا لقب دیا گیا تھا۔ پارچہ جات کی داروغہ نے اسے یہ لقب اس لیے دیا تھا کہ وہ بڑے مزے لے لے کر گایا کرتی تھی۔ وہ ہاتھ میں سارنگی لیتی اور گاتی اور قالین پر اس کے پاؤں تھرکتے جاتے۔

وہ بہت تیزی سے کپڑے پر تاج اور قلعوں کی تصویریں کاڑھ لیتی تھی، اس لیے پارچہ جات کی داروغہ نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا تھا، اور اسے تھوڑا سا جیب خرچ مل جاتا تھا۔ لیکن اس روسی لڑکی کا اپنا جداگانہ طور طریق تھا۔ وہ شمع کے پاس اپنے ہاتھ لے جاتی اور انہیں اس طرح نچاتی کہ دیواروں پر دیو رقص کرتے نظر آتے۔ جب اس نے دوسری نئی آتی ہوئی کنیزوں کو گیند کھیلتے دیکھا، اس طرح کہ سفید شفاف ریشم سے ان کی ٹانگیں صاف عریاں نظر آتی تھیں تو وہ خود بھی اپنے جوڑے کو ایک فیتے سے باندھ کے ان کے ساتھ کھیل میں شامل ہوگئی۔ فیتے سے اس لیے اس نے اپنے بال باندھ کے اس کے پاس موتیوں کی مالا نہیں تھی۔ وہ نیلے مخمل کی ٹوپی پہنے تھی اس لیے کہ اس کے پاس دوسری لڑکیوں کی طرح زریں اطلس کی ٹوپی پہنے تھی اس لیے کہ اس کے پاس دوسری لڑکیوں کی طرح زریں اطلس کی

ٹوپی نہ تھی۔ جب اس نے والدہ سلطان کے ملبوس میں بٹن ٹانکے تو یہ سن کر ہنس پڑی کہ یہ ہیرے کے بڑے بیش قیمت بٹن ہیں۔ کہنے لگی کہ قیمتی زرو جواہر کے بڑے بھدے بٹن بنتے ہیں۔ جب وہ اس طرح بے تکے پن سے ہنستی تو اس کی پیٹھ پر دو ہتھڑوں کی مار پڑتی۔ لیکن دوسریوں کی طرح وہ ہرگز نہ روتی۔ آنسو پونچھ کے وہ پھر اپنے کام میں لگ جاتی، اور جس نے اسے سزا دی ہوتی اسے کبھی صاف نہ کرتی۔

جب سلطان کی والدہ حافظہ نے اس کے متعلق پوچھا تو پارچہ جات کی داروغہ نے عرض کی: ''سلاف لڑکی تیز اور ہوشیار ہے لیکن ان جواہرات کی طرح سخت ہے جن کا وہ مذاق اڑاتی ہے۔'' حافظہ نے کہا کہ ضروری یہی بات ہوگی کیونکہ ایک اجنبی ملک سے آئی ہوئی لڑکی جو پہلے قیدی بنی، پھر کنیز بنی، پھر نوکر بنی اس کی طبیعت میں ضد اور ہٹ کا ہونا قدرتی تھا۔ سلیمان نے اکثر اس کے کاڑھے ہوئے رومال استعمال کیے تھے لیکن اسے اس دن تک نہ دیکھا تھا جب کہ اس نے اس کے گانے کی آواز سنی۔ بوڑھی عورتیں اسے چپ نہ کرا پاتی تھیں چونکہ اس نے خوشحال کی بعض بولیاں سیکھ لی تھیں۔ اس لیے وہ اس کے گیت کے الفاظ سنتا رہا۔ اور پھر اس نے اس کا نام پوچھا۔

پھر وہ ٹھہر کے کبھی کبھی اس سے اس اجنبی زبان میں باتیں کرنے لگتا۔ جب وہ اس بولی کے بولنے میں غلطیاں کرتا تو یہ لڑکی کھلکھلا کے ہنس پڑتی، لیکن سلیمان کو اس کے ہنسنے پر غصہ نہ آتا۔ اب وہ اس کی منظور نظر ہونے لگی تھی اور پارچہ جات کی داروغہ کی بھی اتنی مجال نہ تھی کہ اسے سزا دے سکے۔

حرم کے آئین کے مطابق جس نوجوان لڑکی پر سلطان کی نظر التفات پڑتی، اسے علیحدہ خواب گاہ دی جاتی تھوڑے سے کپڑے ملتے، اس کے نوکرا لگ کر دیئے جاتے اور اس کے لیے موتیوں اور سونے کا مشاہرہ مقرر کر دیا جاتا۔ وہ جب چاہتی غسالہ اور آرائش کرنے والی عورتوں کو طلب کر سکتی۔

خرم نے یہ سب کچھ کیا اور پارچہ جات کی داروغہ کا پاؤں اپنی جوتی سے کچل دیا۔ جواب اسے کوئی سزا نہ دے سکتی تھی۔ والدۂ سلطان حافظہ نے البتہ اسے طلب کر کے سخت سست کہا۔ سلطان کی والدہ کے سامنے خرم ہاتھ باندھے مؤدت کھڑی رہی۔

عرصہ سے سلطان نے گل بہار کے سوا اپنے حرم کی کسی عورت کی طرف نظر بھر کے نہیں دیکھا تھا۔ گل بہار ہی ''قدن'' یا سلطان کی خاص منظور نظر رہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خرم نے اپنے چلبلے پن اور اپنی اجنبی بولی سے اس کا دل موہ لیا۔ دفعتاً ایک روز مغرب کی نماز کے بعد اس کے پاس سے گزرتے ہوئے سلطان نے اس کے کاندھے پر اپنا رومال ڈال دیا۔ خرم یہ دیکھ کر مسکرائی کہ یہ رومال اسی کا کاڑھا ہوا تھا۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ سلطان اسے اپنے حرم خاص میں داخل کرنے والا ہے۔

حرم کے آئین کے مطابق یہ فرض گل بہار کا تھا کہ وہ اس سلاف لڑکی کو سلطان کے ساتھ شب زفاف گزارنے کے لیے تیار کرے۔ لیکن گل بہار اس سلاف لڑکی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اور کسی ایسی لڑکی کی روادار نہ تھی جو پہلے عیسائی رہی ہو۔

دوسروں نے جلدی جلدی اسے آراستہ کیا۔ حمام کی داروغہ اسے اپنے ساتھ لیتی گئی۔ حمام کے پانی میں عطر ملایا۔ کنیزوں سے اس کا بدن ملوایا، اس کے ناخن

تراشے، اور ابٹن ملی۔ یہ عورتیں آپس میں کانا پھوسی کرنے لگیں اور کہ اس روسی لڑکی جلد گل بہار کی طرح ملائم نہیں، نہ اس کے سنہرے بال گل بہار کے بالوں کی طرح نرم ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خرم خالص ریشم بھی اس سج دھج سے نہیں پہنچ سکتی تھی۔لیکن اس نے بڑی ہوشیاری سے کچھ زیور پہن لیے۔

ایک بوڑھی مراکشی عورت جو زچہ خانہ سے متعلق تھی اس کام پر مامور ہوئی کہ خرم کو سلطان کے حضور میں حاضر ہونے کے آداب سکھائے۔ یہ کہ کیونکر اسے محافظوں کے پاس سے گزر کر سلطان کی خواب گاہ میں جانا چاہیے، کیونکہ اسے سلطان کے پائنتی پہنچ کر لحاف کو چومنا چاہیے، کیونکر اسے اپنے تمام زیورات اتار کے سلطان کے پاس جانا چاہیے۔ پھر صبح تڑکے یہ افریقی عورت ایک چراغ لے کے آئے گی اور لڑکی کو اس کی اپنی خواب گاہ لے جائے گی اور اس امر کی تصدیق کرے گی کہ وہ سلطان کے حرم میں داخل ہو چکی ہے۔

سلیمان نے اسے صرف اسی ایک بار طلب نہیں کیا۔ معلوم نہیں سلطان کو اس کی زندہ دلی بھا گئی تھی یا وہ سلطان کو اس لیے پسند آئی کہ وہ گل بہار سے بہت مختلف تھی۔ حرم کی کنیزوں کو اس کا اندازہ نہ ہو سکا۔ وہ اکثر خرم کو کھانے پر بلا بھیجتا۔ اور اس سے ڈینیوب کے شمال کے ملک کی باتیں کرتا۔ وہ بحیثیت رفیقہ کے اس کی قدر کرتا تھا اس کے لیے وہ خط بہم پہنچانے والی عورت سے بہت زیادہ تھی۔

جب بحیثیت ''قدن'' کے اس کی حیثیت مستحکم ہو گئی تو اس کا مشاہرہ بڑھ گیا۔ وہ نوکروں کو بھیج کو ملبوسات یا زیورات چاہتی منگوا سکتی تھی۔ لیکن اسے چوڑیوں اور

پہنچیوں کی کوئی خاص پرواہ نہ تھے۔ جب اس کے جی میں آتا بہت سارے جواہرات خریدتی پھر دریادلی سے انہیں کسی اور کو دے ڈالتی۔

والدۂ سلطان نے پھر اس سے باتیں کیں، اور اس نتیجے پر پہنچی کہ سلطان پر اس اجنبی گیت کی وجہ سے ریجھا ہے جو اس نے سارنگی بجا کے گایا تھا۔ اب تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ سلطان کو گانے بجانے کا اتنا شوق ہے۔ وہ صرف مدرسہ کے طالب علموں کے گیت سنا کرتا تھا۔ لیکن اکثر وہ اپنا گھوڑا روک کے پنی چیریوں کی گھنٹیاں بانسریاں، اور نقارے بجنے کی صدائیں سنا کرتا۔

منظور نظر "قدن" کی حیثیت سے خرم کو اب بڑا اختیار حاصل تھا۔ جب اس نے والدۂ سلطان سے عرض کی کہ وہ حمل سے ہے تو اس کا اقتدار اور بڑھ گیا۔ مصیبت زدہ کنیزیں اس کی پناہ ڈھونڈھتیں۔ اور شکریے کے طور پر دوڑ دوڑ کر اس کی خدمت کرتیں اس سے اونچا مرتبہ صرف والدۂ سلطان اور گل بہار کا تھا کیونکہ گل بہار کے بطن سے سلطان کا ایک فرزند تولد ہو چکا تھا۔ خرم سلطان کی دوسری "قدن" تھی۔

لیکن حرم والیوں کی آنکھیں ہر بات کو تاڑ جاتی تھیں۔ وہ دیکھتیں کہ سلطان اس سلاف لڑکی سے بہت التفات سے گفتگو کرتا ہے۔ جو پہلے قیدی اور کنیز رہ چکی ہے۔ گل بہار برائے نام پہلی "قدن" تھی؟ لیکن کیا حقیقت میں اس کا مرتبہ اولین تھا؟

حرم کے حجروں سے یہ خبر حبشی خواجہ سراؤں میں پھیلی، خواجہ سراؤں سے یہ افواہ گورے محافظ سپاہیوں تک پہنچی، پھر ان کے ذریعہ بند بازار میں مسالے اور شکر کے خریداروں تک۔

پہلی مرتبہ غیر ملکوں کے سفیر سلطان کی نئی بیوی کے متعلق افواہوں میں دلچسپی لینے لگے۔ گل بہار کا تو نام تک انہوں نے نہ سنا تھا۔ لیکن یہ لڑکی ایک اجنبی ملک کی رہنے والی تھی۔ اور نئی منظور نظر تھی۔ جب انہیں پتہ چلا کہ وہ روسی نسل سے ہے تو انہوں نے اس کو روسے لانی یا روکسے لانا کے نام سے یاد کرنا شروع کیا۔

☆............☆............☆

ہپوڈروم میں پہلا جشن

اس کی نئی پالیسی یہ تھی کہ جنگ سے احتراز کیا جائے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسے شہر میں قیام کرنا پڑتا تھا۔ سلیمان جو کام کرتا تھا پوری طرح کرتا تھا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ وہ جم کر شہر میں اپنا گھر بنائے۔ گویا وہ قسطنطنیہ میں رہوڈس سے پناہ لے رہا تھا۔

یہ شہر اسے ہمیشہ سے پسند تھا، اس شہر کو وہ بوڑھے پیری پاشا سے بہتر جانتا تھا۔ پیری پاشا ہمیشہ اس شہر سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ اس شہر کو ابراہیم سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ کیونکہ ابراہیم اس شہر کو ملک کے باقی حصہ کی حالت درست کرنے کے لیے بطور آلۂ کار استعمال کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اس شہر میں وہ پر بتوں کے ساتھ رہتا۔ سچ مچ کے پر بیت تھے۔ جو بازنطینی عہد کی یاد دلاتے تھے۔ اس کے مرمریں حمام میں جو صاف شفاف پانی آتا تھا وہ بازنطینی حوضوں سے آتا ہے۔ سرائے کے فرش اور دیواروں کے پتھر تک بازنطینی ویرانوں کے پتھر تھے۔ جب وہ ایا صوفیہ میں نماز پڑھتا تو اس بھوری سبز اور قرمزی مرمر کی شاندار عمارت کا رعب اس پر پڑتا جیسے ایک بڑے باشوکت قیصر جسٹینین نے بنوایا تھا۔ عیسائیوں کی قربان گاہ وہاں سے ہٹا دی گئی تھی اور اس کی جگہ ایک محراب قبلہ کے رخ نصب کر دی گئی تھی۔ پرانے قیاصرہ اور ان کی بیویوں کی کھنچوائی ہوئی پچی کاری کی تصویروں پر چونا پھیر دیا گیا تھا۔ یہ سب درست تھا، لیکن ناممکن تھا کہ

کوئی اس شاندار عمارت میں داخل ہو اور اسے یہ احساس نہ ہو کہ یہ جسٹینین کا کلیسا ہے۔

مزید برآں ترک معماروں نے جب سلطان محمد فاتح، سلطان بایزید اور سلطان سلیم کے حکم سے مساجد بنائیں تو اباصوفیہ ہی کے نمونے کی پیروی کی۔

تین نسل پہلے ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تھا لیکن اب وہ اس عروس البلاد کے اثرات کے مطیع ہو چکے تھے۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے کسی حسینہ کو قید کر لیا جائے۔

یہاں تک کہ جب سلیمان اپنے خانہ باغ میں تنہا درختوں کے سائے میں ٹہلتا تو یہاں بھی اسے ایسے ستون ملتے جن پر انگوروں کی بیلیں چڑھی ہوتی تھیں۔ اور جو بازنطینی شہنشاہوں کی سطوت کا پتا دیتے تھے۔ دھوپ سے جھلسے ہوئے ہوئے درویش جو اس سے آب کوثر کا ذکر کرتے۔ ان پہلی صورت کے راہبوں سے مختلف نہیں تھے۔ جو بازنطینی آمروں کے ضمیروں کو تسکین دیا کرتے تھے۔

سلیمان جب باسفورس کی خنک آبی شاہراہ پر اپنی خانگی کشتی میں بیٹھ کے نکلتا تو اسی طرح عرشے کے چبوترے کا سہارا لیتا جیسے کسی زمانے میں بازنطینی خاندانوں مثلاً کومے نی نی، دوکاس اور پورفرجے نی تی (وہ خاندان جو شاہی قرمزی لبادہ پہننے کے لیے پیدا ہوا تھا) کی اعلیٰ خواتین سیر کو نکلا کرتی تھیں، اور ان کی تیز سنہری کشتیوں سے عود اور عنبر کا دھواں نکلا کرتا تھا۔ اس کی رگوں میں ان خواتین کا بھی خون تھا، کیونکہ اس کے کئی اجداد کی شادیاں بازنطینی شاہی خاندانوں میں ہوئی تھیں۔

اس کے اجداد نے بازنطینی خواتین ہی کی پیروی میں عورتیں کو حرم میں پردے

میں رکھنا شروع کیا تھا۔ انہوں نے بازنطینی قیاصرہ ہی کی پیروی میں حبشی غلاموں کو آختہ کر کے خواجہ سر بنانا شروع کیا تھا۔ سلطان محمد فاتح نے خاص طور پر بازنطینی قیاصرہ کی پیروی میں مصلحت دیکھی تھی۔ اس کا مدرسہ پرانے قسطنطنیہ کے محل کے مدرسہ کے نمونہ پر قائم کیا گیا تھا۔ اس کے وزیراعظم کو وہی اختیارات حاصل تھے جو ان گزشتہ قیصروں کو وزرائے خاصہ کو سپرد کے جاتے تھے۔

لیکن قسطنطنیہ کے ترکوں کی ضروریات آخری بازنطینی قیاصرہ کی ضروریات سے بہت مختلف تھیں۔ بازنطینیوں نے چوڑی فصیلوں کی آڑ میں پناہ ڈھونڈی تھی، یہ ایک متمدن معاشرے کی آخری جائے پناہ تھی جس میں تازہ خون کسی طرف سے داخل نہ ہو پاتا تھا، اس معاشرے کی باگ بڑی ہوشیار عورتوں کے ہاتھ میں تھی جیسے آئرن جس کا کلیسائی چیریوں کے بارکوں کے قریب واقع تھا۔ اور تھیوڈورا۔ ان لوگوں کے زیر قیادت یہ دارالسلطنت گھٹ کے آدھا رہ گیا۔ اس شان وشوکت کے باوجود اس کی غربت بڑھتی گئی۔ اناطولیہ کی زمینوں سے کھینچ کھینچ کے اس شہر کی حفاظت کے لیے وحشی قبائل کو فوج میں بھرتی کیا جا سکے۔ بازنطینی چیر اس لیے زندہ رہا کہ وہ کوشش کر کے موت سے بچا رہا۔

ترکوں کو یہاں اپنی حفاظت کی ضرورت نہیں تھی۔ باب عالی کے متصل ہی یونانی کلیسا کے اسقف اعظم کی اقامت گاہ تھی جہاں سے وہ عیسائی یونانیوں پر حکومت کرتا سلیمان کی سرائے کے آگے سمندر کے اس پار مغربی تاجروں کی نوآبادی تھی جو میگنی فی کا کامونیتا کہلاتی تھی اور جو فرمانبرداری کے ساتھ بین الاقوامی تجارت

میں مصروف تھی۔

جب سلیمان نئے بند بازار کی سیر کو نکلتا تو ان گلیوں سے ہو کے گزرتا جو لکڑی اور مٹی کی بنی ہوئی تھیں مگر جنہیں ایک اور فرقہ، ہسپانیہ کے مہاجر یہودیوں نے بنایا تھا یہ یہودی دن رات صناعی اور بیوپار کا کام کرتے ان کے شریک آرمینی تھے جو سلطنت کے ہر حصے سے آن کے جمع ہوتے تھے، اور ہسپانیہ سے نکالے ہوئے عرب تھے۔ بازار کے اس پار سربیوں نے ایک نیا محلّہ آباد کیا تھا جو بلگراڈ کہلاتا تھا۔ بندرگاہ سے ذرا آگے جہاں سمندر کا جوار باٹھا نہ پہنچ پاتا تھا افریقہ کے بربروں اور بحیرۂ قلزم کے عربوں نے سکونت اختیار کر رکھی تھی اور یہاں گوداموں میں ان کے لائے ہوئے مسالے، ہاتھی دانت، ریشم، شیشے کی شمعیں اور مشرق کے موتی بھرے رہتے تھے۔ یہ ترکوں کے لیے عیش و عشرت کا نیا سامان تھا۔

اس طرح شہر بیرون ملک کی آبادیوں سے بھرا پڑا تھا۔ جو سب کے سب بڑا بند بازار میں تجارت کرنا چاہتے۔ یا عالی قدر سرائے میں اپنا سامان بیچنے کی کوشش کرتے۔ یہ نوواردترک طاقت کے دامن میں پناہ گزریں تھے۔ یہ ایک نئی طاقت تھی جو ایشیا کی قدیم قوموں اور یورپ کی قوموں کے درمیان ابھر رہی تھی۔

ان میں سے ہر غیر ملکی نو آبادی اپنا قانون خود چلاتی تھی، اور اپنے اپنے معبدوں میں عبادت کرتی تھی۔ وہ ایک عشر سلطان کے محاصلین کو بطور خراج کے ادا کرتے۔ یہ محصول اس محصول سے کہیں کم تھا جو انہیں اپنے ملکوں میں ادا کرنا پڑتا تھا۔ خواہ وہ مشرق کے کسی ملک کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے ملک کے۔ اگر

مقدمے میں ان کا حریف کوئی ترک نہ ہوتا تو مقدمہ ان کی اپنی عدالت میں پیش ہوتا۔ اور جب وہ ترک عدالت کے سامنے پیش ہوتے تب بھی ان کو یقین تھا کہ ان کا فیصلہ انصاف اور سرعت کے ساتھ کیا جائے گا۔ وینس والوں کی طرح ان میں سے اکثر کو خاص حقوق حاصل تھے۔ یہودیوں اور آرمینیوں سے ان کے لڑکے خراج میں وصول نہ کیے جاتے نہ انہیں جنگی خدمت پر مجبور کیا جاتا۔ یہی رعایت عربوں اور بربروں کے ساتھ کی گئی تھی۔ اس کے برعکس ایسی کسی قومیت کو ہتھیار رکھنے یا اپنے جہازوں میں توپیں چڑھانے کی اجازت نہ تھی۔

نتیجہ یہ تھا کہ تقریباً نصف درجن قومیتوں پر سلیمان کی حکومت صرف آخری درجے پر تھی۔ ان نصف قومیتوں کے مذاہب اور عقائد بھی مختلف تھے۔ ان کی زبانیں اور اس کے رسم ورواج محفوظ تھے۔ آل عثمان نے کبھی ان جداگانہ ملتوں کو واحد ترک قوم بننے پر مجبور نہیں کیا۔ نہ کبھی ان پر اپنی زبان یا اپنا مذہب مسلط کرنے کی کوشش کی۔ اس ہمہ رنگی کے نتائج آہستہ آہستہ ظاہر ہوئے۔ لیکن جب یہ ظاہر ہوئے تو ان کا اثر بڑا گہرا تھا۔

سلیمان کی سواری شہر میں اس طرح نکلتی گویا اس کے ہمرکاب کسی بازنطینی شہنشاہ کی روح ہے۔ اس کے آگے آگے جو پرچم لہراتا اس کے لیے گھوڑوں کی دموں کے بال چین سے آئے تھے لیکن اس کے اوپر جو طلائی ہلال تھا وہ بازنطینی زریں ''ہلال'' سے نقل کر کے بنایا گیا تھا۔ سلیمان کبھی اس پرچم پر شک نہ کرتا۔ ترکوں نے ابھی تک چینیوں یا بازنطینیوں کی طرح اپنے تمدنی مراکز نہیں قائم کیے تھے۔ ان کے

پاس صرف انکے نظم ونسق اور آئین حکومت کا ڈھانچہ تھا۔ اور ان کے سلاطین کی قوت ارادی تھی جو انہیں آگے کی طرف لیے جا رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی سلاطین نے بہت سے علاقے فتح کیے تھے اور بہت سے قوموں پر فتح پائی تھی لیکن اپنی فتوحات سے وہ اب تک کیا تخلیق کر پائے تھے؟

سلیمان پہلا تعلیم یافتہ سلطان تھا جس نے عثمانیوں کی حکومت کی تلوار اٹھائی تھی۔ رہوڈس کے بعد اس پر ظاہر ہو گیا کہ ترکوں کو اب جنگ کا راستہ چھوڑنا چاہیے اور اپنے لیے ایک نیا رخ نیا راستہ تلاش کرنا چاہیے۔ اس نئے راستے پر ان کی راہنمائی کرنا اس کا اپنا فرض تھا۔

فیصلہ کے ان برسوں یعنی 1522ء سے 1225ء تک اس سلسلے میں اس کی پہلی کوششوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا۔ مفتی اعظم نے اسے مشورہ دیا کہ خزانہ سے روپیہ لے کر سڑکیں بنوائے، کنویں کھدوائے، غریبوں کے لیے مسجدیں اور سرائے تعمیر کرائے۔ شرع کا یہ کلمہ صریح تھا۔ کہ اگر دولت کو نیک کام کے لیے استعمال نہ کیا گیا۔ تو اس سے فائدہ نہیں نقصان پہنچتا ہے۔

اپنے معماروں کو بلا کے سلطان نے حکم دیا کہ وہ اپنے شہر کے لیے تفریح کے واسطے ایک باغ عام بنانا چاہتا ہے۔ جس میں صاف پانی کے حوض اور نہریں ہوں معمار اس کے پاس باغ کے جو نقشے بنا کے لائے وہ ہو بہو سرائے کی نقل تھے۔ وہ ایک اور سرائے نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے انہیں ایک نئی نہر کے تعمیر کے کام پر لگایا۔ جس سے شہر میں تازہ پانی آئے۔ بازنطینیوں کی نہروں کے نمونے پر وہ

ایسی نہر آسانی سے بنا سکتے تھے۔ اپنے لیے بھی ایشیا میں ایک میٹھے پانی کے دریا کے کنارے اس نے گرمیاں گزارنے کے لیے ایک محل بنوایا۔

ابراہیم نے اسے مشورہ دیا کہ بھیس بدل کر شہر کی گلیوں کا گشت کرے اور سنے کہ گودی پر مزدور کیا باتیں کرتے ہیں۔ اور نقاب پوش عورتیں جمعہ کو خانقاہوں اور درگاہوں میں جمع ہو کے کیا تذکرے کرتی ہیں۔

یہ تو سلیمان نے نہیں کیا۔ لیکن سوچ بچار کے اس نے اپنی رعایا کی ضیافت کا ارادہ کیا۔ 1524ء کے موسم بہار میں اس ہپوڈروم کے ویرانے میں نو روز تک ضیافت کا جشن کیا۔ یہاں کسی زمانے میں بازنطینیوں کی رن گاڑیوں کی دوڑ کا مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ مصر سے لایا ہوا ایک کتبہ مینار یہاں پہلے سے نصب تھا۔ جب ایاز پاشا اور ینی چیریوں کے آغا نے عرض کی کہ جشن اس کی تقریر سے شروع ہوگا تو اس نے تقریر میں نئے وزیر ابراہیم کی کچھ تعریف کی اور پھر انعامات اور تحائف تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔

روزوہ ہوادار شامیانے کے نیچے سونے کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا اور روز اس کی رعایا کا ایک طبقہ جشن میں مدعو ہوتا اس جشن میں بیلر بے اور سنجق بے سے لے کر فوجی رضا کار اور اہلقلم سب ہی شریک تھے۔ سامنے دنگل میں طرح طرح کے کھیل ہوتے۔ موقع کی مناسب کے ساتھ، کبھی تیر اندازی اور پہلوانی کے مظاہرے ہوتے، تو کبھی بازی گری ہوتی، گھوڑ دوڑ ہوتی یا مشاعرے منعقد کیے جاتے۔ سلیمان کے حکم سے ملازمین خاص حاضرین میں شربت تقسیم کرتے۔ وہ

اپنے خانگی اصطبل سے گھوڑے اور نقرئی کام کی زینیں تحفتاً تقسیم کرتا۔ ہزاروں آدمی دنگل کے کنارے جمع ہوتے یا درختوں پر چڑھ کے اپنے سلطان کو تکتے رہتے۔ ہپوڈروم کے اس جشن میں سلطان نے خود زندہ دلی کا مظاہرہ نہ کیا کیونکہ ابھی اس کو میزبانی کی عادت نہ ہوئی تھی۔

آخری دن بڑے لطف کا تھا۔ رسم و رواج کے برعکس سلطان ابراہیم سے بہن کی شادی میں ایک معمولی براتی کی حیثیت سے شریک ہوا۔ یہ شادی وزیر کے مکان پر ہوئی جو ہپوڈرم کے بالکل قریب تھا۔ اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ راستے پر ایک طرف تو زریں اطلس بچھا ہوا ہے۔ اور دوسری طرف ریشمی زر جنت کا فرش ہے۔ دسترخوان پر طلائی ظروف جے ہوئے تھے۔

سلطان نے تعجب سے اپنے منظور نظر وزیر کی طرف دیکھا۔

ابراہیم نے کہا: ''ساری دنیا میں صرف مجھے یہ فخر حاصل ہوا ہے کہ سلطان المشرقین والمغربین میرے مہمان ہیں۔''

اس اظہار عقیدت سے خوش ہو کر سلیمان نے اسے کچھ عرصہ بعد یہ صلہ دیا کہ ایک ایسے سفر پر بھیجا جس پر حسب روایت قدیم سلطان کو خود جانا چاہیے تھے۔ مصر کی مملکت مملوکوں کے زیر حکومت ہمیشہ شورش کے عالم میں رہتی تھی۔ یاوز سلطان سلیم نے مصر کی فتح کے بعد بھی حکومت برائے نام ملوکوں ہی کے ہاتھ میں رہنے دی تھی۔ لیکن یہاں احمد پاشا کی زیر حکومت حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ یہ احمد پاشا ہی تھا جسے سلیمان نے رہوڈس کے محاصرے کے دوران میں ذلت کے ساتھ برطرف

کیا تھا۔ احمد پاشا جو عمر میں ابراہیم سے بڑا تھا، اس کے اس طرح کے دفعتاً عروج سے بہت جلنے لگا تھا۔ فلاحین تک، جو عرصے سے ظلم کے عادی رہ چکے تھے اب اس قدر تنگ آ گئے تھے کہ انہوں نے احمد پاشا اور مملوکوں کی لوٹ کھسوٹ کی بڑی سخت شکایت لکھ بھیجی۔ چونکہ فلاحین اب ترکی رعایا تھے، اس لیے ان کی دادرسی ضروری تھی۔ ڈر یہ تھا کہ احمد پاشا جو طبیعت کے لحاظ سے اچھا آدمی نہیں تھا، کہیں مملوکوں کے ساتھ بغاوت میں شریک نہ ہو جائے۔ اس لیے بڑی احتیاط سے اس گتھی کو سلجھانے کی ضرورت تھی۔ ابراہیم کے ساتھ سلیمان نے اپنے خاص محافظ دستے کے پانچ سو ینی چیری اس لیے کر دیئے کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ سلطان اسے پورے اختیارات سونپ کے اس مہم پر بھیج رہا ہے۔

اس نے خود شہر میں یہ تیسرا سال بغیر جنگ کے گزارا۔ جس زمانے میں ابراہیم کی شادی ہوئی اسی زمانے میں اس کے اپنے حرم میں خرم کے بطن سے ایک شہزادہ تولد ہوا۔ یہ موسم گرما بڑی خوشیوں کے موسم میں گزرا۔ معلوم ہوتا تھا کہ روسی لڑکی کا بھی اقبال بہت بلند تھا کیونکہ اس کی پہلوٹھی کی اولاد، اولادِ نرینہ نکلی۔ سلیمان نے اپنے باپ کے نام پر اس لڑکے کا نام سلیم رکھا۔

ماں بننے کے بعد حرم میں خرم (روکسے لانا) کا اقتدار اور بڑھ گیا۔ سلیم سے بڑا سلطان کا ایک ہی اور لڑکا تھا۔ یہ مصطفےٰ تھا جو گل بہار کے بطن سے تھا۔ مصطفےٰ کے مر جانے کا قدرتاً امکان تھا ہی۔ اس صورت میں حافظہ کے مرنے کے بعد روکسے لانا کے والدۂ سلطان بن جانے کا امکان بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ اب بھی دوسری ''

قدن‘‘تھی۔ حافظہ حرم پر حکومت کرتی تھی۔ گل بہار ولی عہد سلطنت کی والدہ تھی۔ لیکن اب روکسے لانا بھی خاندان کا ایک جزو بن گئی تھی۔

اس کے علاوہ ابراہیم کی غیر موجودگی میں سلیمان زیادہ تر وقت اس کے ساتھ گزارتا تھا۔ کنیزیں یہ دیکھتی تھیں کہ وہ اپنے اس منظورِ نظر کو شاذونادر ہی کبھی کوئی تحفے لا دیتا وہ اس کے پاس بیٹھ کر اہم امور کے متعلق اس طرح باتیں کرتا گویا وہ عورت نہیں مرد تھی۔ چونکہ یہ روسی عورت دارالحرب کے رہنے والی تھی اس لیے یہ شمال کے اجنبیوں کی مصیبتوں اور ان کی آرزوؤں اور امیدوں سے خوب آگاہ تھی۔

کنیزیں آپس میں یہ کانا پھوسی کرتیں کہ اس نے سلطان پر جادو کر دیا ہے۔ اپنے حرم کے اندر ہی سلطان سنہرے بالوں والی عیسائی عورت کا مرید بن کے رہ گیا ہے۔ اس محبت کو توڑنے کا کوئی ذریعہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اگر قسمت میں یہی لکھا تھا تو یہی سہی۔

اس مرتبہ جاڑوں میں شہر میں خاموشی نہیں رہی۔ شمال کے بھونچال کی طرح ینی چیری فوج کے جوانوں نے شورش شروع کر دی۔

☆............☆............☆

ینی چیریوں کی الٹی کڑاھیاں

بنے دیتو رامرتی نے ان کے متعلق لکھا تھا۔ ینی چیریوں کی تعداد تقریباً بارہ ہزار ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو تین سے آٹھ دینار تک تنخواہ ملتی ہے۔ سال میں ایک بار سلطان کی جانب سے انہیں معمولی نیلے کپڑے کی وردی بنادی جاتی ہے۔ وہ قسطنطنیہ میں دو بارکوں میں رہتے ہیں۔ جب وہ جنگ کے لیے نکلتے ہیں تو ہر سو آدمیوں کے لیے ایک شامیانہ ہوتا ہے۔ تین تین آدمیوں کا اسباب ایک گھوڑے پر لدا ہوا ہے۔ جب کوئی ضعیف ہو جاتا ہے یا جب سلطان ان میں سے کسی سے ناراض ہو جاتا ہے۔ تو اس کا نام ینی چیریوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ اور اسے قلعے کے محافظ دستے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح ان میں سے کسی کو تکلیف نہیں برداشت کرنی پڑتی۔ جو افسر لڑائی میں نام پیدا کرتے ہیں انہیں صوبہ دار بنایا جاتا ہے۔

''لڑکپن سے یہ سپاہی اس فوج میں بھرتی ہوتے ہیں جن کا انتخاب ہوتا ہے۔ لڑکپن ہی سے وہ دوسروں کے مقابل صحت مند، مضبوط اور تیز ہوتے ہیں۔ رحم سے زیادہ ان میں ظلم کا مادہ ہوتا ہے۔ پرانے تجربہ کار سپاہی انہیں فوجی تعلیم دیتے ہیں۔ ترکوں کی قوت اور استحکام کا دارومدار ان لوگوں پر ہے۔ چونکہ وہ ایک ساتھ فوجی مشق کرتے ہیں اور ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اس لیے پوری فوج ایک جسم کی طرح ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی فوج بڑی ہی خوفناک ہوتی ہے۔''

اطالوی وقائع نگار کے اس بیان میں ینی چیریوں کی بغاوت کے امکانات بین السطور موجود ہیں۔ سال بھر میں انہیں ایک ہی وردی ملتی تھی جو انہیں خود دھونا پڑتی تھی، ان کی تنخواہ چند درہم روزانہ بنتی تھی۔ اور اس سے ان کو اپنے لیے شوربا اور روٹی خریدنی پڑتی تھی۔ جب وہ شہر کے بارکوں میں بند ہوتے تو ان پر سخت پابندیاں عائد ہوتیں۔ اب اس کا مقابلہ جنگ کی حالت سے کیجئے جب کہ انہیں بے انتہا مال غنیمت ملتا۔ یا جنگ کے دوران میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے اور امتیاز حاصل کرنے کا موقع ملتا۔

گزشتہ تین سال سے سلطان انہیں اپنے ساتھ کسی جنگ کے لیے نہیں لے گیا تھا۔

مزید برآں، ان میں سے جو کہنہ مشق تجربہ کار سپاہی تھے۔ وہ یہ نہ بھول سکے تھے کہ رہوڈس کے دوزخی کتوں کے قلعے میں انہیں لوٹ مار کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ پرانے تجربہ کار پاشاؤں کے سر پر مدرسہ کے فارغ التحصیل، یونانی نژاد ابراہیم کی ترقی انہیں بہت ناگوار گزری تھی۔ بارکوں میں بیٹھے بیٹھے انہیں سوچنے کا موقع ملتا تھا کہ ابراہیم کو چوبیس ہزار وینسی اشرفیاں تنخواہ میں ملتی تھیں، ان سے وہ کتنی عورتیں خریدتا ہوگا۔ اور کتنی ضیافتیں کھاتا ہوگا۔ ایا صوفیہ کے صحن کے اس پار خالی ہپوڈروم کے قریب وہ ابراہیم کے نئے محل کو تکتے رہتے تھے۔ جو ہر طرح کے سازو سامان سے آراستہ تھا۔

جب تک سلیمان شہر میں رہا، وہ آپ ہی آپ پیچ و تاب کھاتے رہے۔ جب

معمول کو توڑ نے انہیں ساتھ لیے بغیر سلطان محض شکار کھیلنے اورنہ چلا گیا۔ اور اپنے ساتھ دیوان اور بعض اعلیٰ افیسروں کو لیتا گیا تو ان کے دل کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے ۔ ابراہیم دور مصر میں دعوتیں اڑا رہا تھا۔

جاڑے اور بیکاری سے تنگ آ کے ینی چیریوں نے باب عالی میں اپنی کڑاہیاں الٹ دیں ۔ اور سڑکوں پر نکل کھڑے ہوئے ۔ ان کے پاس کچھ بھر مار بندوقیں تھیں، لوہے کے پتلے نیزے تھے اور طاقتور کمانیں اور تلواریں تھیں ۔ انہوں نے گرم گرم مکانوں میں گھس کے ان پر قبضہ کر لیا۔ بند بازار کے قریب یہودیوں کے کارخانوں کو لوٹ لیا۔ اور ابراہیم پاشا کے نئے محل میں قفل توڑ کر گھس گئے ۔

سلیمان فوراً جنوب کی طرف واپس روانہ ہوا۔ سرائے کے اطراف شورش کا بازار گرم تھا، اس علاقے میں جانے کی اسے ہمت نہیں ہوئی ۔ وہ اپنے ایشیا والے محل میں اترا جو لب آب جو واقع تھا۔

باسفورس کے اس پار وہ ایک چھوٹے سے محافظ دستے کے ساتھ دیوان خاص گیا جو ینی چیریوں کی بارکوں کے قریب ہی تھا، اور خالی پڑا تھا۔ اس نے ینی چیریوں کے دستوں کے افسروں کو طلب کیا۔ پہلے پہل جو افسر آئے ان کے ساتھ بہت سے سپاہی تھے۔ بعضوں نے نعرے لگا کے تلواریں بھی کھینچ لیں ۔ خطرے کا ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ جب اس کا امکان تھا کہ ینی چیری سلطان کے محافظین پر حملہ کر دیتے ۔

سلطان نے اپنی تلوار کھینچ لی ۔ سب سے قریب جو سپاہی تھا اسے قتل کر دیا ۔ اور ایک اور کو زخمی کر دیا ۔ سپاہی پیچھے ہٹ گئے ، پیچھے ہٹتے ہی ان کو تلواریں کھڑکھڑائیں

اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اپنے سامنے قالین پر خون بہتا دیکھ کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

انصاف کو ملحوظ رکھ کے سخت سزائیں دی گئیں۔ ینی چیریوں کے آغا اور باغیوں کے سرغنوں کو قتل کرا دیا گیا۔ باقی سپاہی اپنی بارکوں پر اپنے فرائض ادا کرنے واپس چلے گئے۔

ادھر سرما کی برف پگھلنا شروع ہوئی اور ذرا ذرا سی گھاس نکلی۔ ادھر سلیمان نے حکم دیا کہ فتح کے نقارے بجائے جائیں۔ اب اس کے سوا کوئی اور صورت نہ تھی کہ فوج کو حملہ اور ملک گیری کا حکم دیا جائے۔

شاخ زریں کے اس پار اپنے قصر سے مارکو میچو نے جنگ کی تیاری کی نشانیاں دیکھیں۔ جن کو دیکھنے کا وہ عادی تھا۔ جب ابراہیم تیزی سے سمندر کے راستے سے واپس پہنچا تو سفیر نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ حملہ پوری تیاری کے ساتھ ہوگا اور فوراً ہوگا۔ اس کے جاسوسوں نے اس کی تصدیق کی اور مزید اطلاع یہ دی کہ رسد کے قافلے شمالی پہاڑوں کی سمت بڑھ رہے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ترک ڈینیوب کے دروازے پر پرے حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ میسر مارکو نے خود غور کیا کہ ان کے وزیر نے حال میں پولینڈ سے صلح کا معاہدہ کیا ہے۔ وینس کی جمہوریت سے پہلے ہی معاہدہ ہو چکا تھا۔ اور اس نے ان حالات کا لوئی جی گری تی کے انداز میں جائزہ لیا کہ دارالحرب کے کون سے ممالک پولینڈ اور وینس کے مضافات میں ہیں۔ آسٹریا تو تھا ہی اس کے علاوہ بوہیمیا اور ہنگری۔

لیکن اس طرح کے یقین سے وینس کا سفیر اپنے شکوک کو پوری طرح رفع نہ کر سکا۔ صرف ایک شخص اس کے شکوک کو رفع کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی گاڑی منگوائی تاکہ باسفورس کی طرف جائے جہاں باگری تی ایک چھوٹے سے محل کا مالک تھا۔ جس کا رخ باسفورس کی پرفضا سمت میں تھا۔ گری تی وزیر کا نمک خوار اور باب عالی کا داروغہ سہی لیکن میمو سمجھتا تھا کہ اگر وینس کے لیے کوئی خطرہ کی بات ہوئی تو وہ اپنے مہمان سے جھوٹ نہیں بولے گا۔ سفیر کو اس پر غصہ تھا کہ خود اسے پہل کر کے اس ذات شریف کی تلاش میں نکلنا پڑا تھا۔ تاکہ اسے یقین سے معلوم ہو سکے کہ ترکوں کا کدھر کا ارادہ ہے۔

اپنے قصر کے چبوترے پر گری تی نے ذرا بھی تعجب کے بغیر اپنے دوست کا استقبال کیا اور پوچھا: ''کیا وینس میں ڈیوک کے پاس کوئی خبر بھیجنی ہے؟''

میمو نے دیکھا کہ اس کی کلائی پر ایک زنجیر چمک رہی تھی جس میں ایک بہت بڑا زمرد جڑا ہوا تھا۔ اس نے خفگی کا اظہار کیے بغیر دوستی کے انداز میں سر ہلایا: ''تم نے ہماری کشتی کے پاس ایک جنگی کشتی کھڑی دیکھی ہے؟''

''نہیں، حضور! لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کشتی وہاں اس لیے کھڑی کی ہوگی کہ آپ نے غریب خانے پر تشریف لانے کی زحمت فرمائی ہے۔ آپ اور کیا اطلاع بھیجیں گے؟ یہ کہ سلطان اور ترک عسکر ڈینیوب کی جانب پیش قدمی کرنے والے ہیں۔

سفیر نے ہاں کہنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ گری تی پر فوراً اعتبار کر لینا

مناسب نہ تھا اس نے کہا: ''سیٹیور، مجھے صرف ادھر ادھر سے نامکمل اطلاعیں ملی ہیں۔ تین سال کی صلح کے عرصہ میں بلگراڈ کے اس پار ہنگری والوں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ انکے قابل تعظیم اسقف اعظم پال تو موری اور ہاں باہمت کاؤنٹ فرانجی پانی نے ہنگری والوں کو بھیج بھیج کر ترک علاقوں پر حملے کرائے ہیں۔ یہ تو ایک معمولی سی بات ہے۔'' وہ ٹھہر گیا، اور پھر اس نے زور دے کر کہا: ''وینس ڈینیوب سے زیادہ نہیں۔''

گری تی کی آواز میں کرختگی پیدا ہو گئی۔ اس نے کہا: ''اس مرتبہ وینس پر حملہ نہیں ہو گا۔''

اس جملے کو جو بہت آہستہ سے کہا گیا تھا میمو نے بہت غور سے سننے کی کوشش کی اور سر ہلایا۔ اگر ترک وینس پر حملہ نہیں کر رہے تھے تو پھر ہنگری کی باری تھی اگر اس حرامزادے کی بات کا اعتبار کر لیا جائے تو یہ بات صحیح ہو گی دفعتاً اس نے اس کے خیالات کو جانچنے کی کوشش کی۔ ''تم یہ جو بتا رہے ہو یہ مشہور و معزز دوجے آندریا گری تی کے فرزند کی حیثیت سے ہے یا ابراہیم کے داروغہ کی حیثیت سے''

کالی آنکھوں سے پھر اس کا مذاق اڑایا۔...... ''میری دونوں حیثیتیں ہیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ سمجھ پائیں گے'' گری تی اپنی کلائی کو گھورنے لگا۔ شاید دنیا کو سلیمان ہی کی وجہ سے امن نصیب ہو۔''

☆............☆............☆

خبردار! موہاکس

یورپ کو امن کب نصیب ہوا تھا؟ ترکوں کے حملے سے بڑھ کر اور بہت سے خوف تھے جو یورپ پر چھائے ہوئے تھے۔ یہ بڑا خوف ان لوگوں کی آوازوں سے پیدا ہوتا تھا۔ جو سڑکوں کے چوراہوں پر چلاتے تھے۔ یہ خوف شاہراہوں پر رات کو سفر کرنے والے مسافروں کے دل میں پیدا ہوتا تھا۔ ایلمنیا اور پر اسرار جرمن لفظ دوہرایا جانے لگا تھا۔ ''بنڈشوہ، بنڈشوہ''

بھلا مقدس سلطنت روما کے شہنشاہ سے بڑھ کے قابل تعظیم اور طاقت ور اور کس کی ہستی ہوسکتی تھی، جو اپنی ڈائٹ (پارلیمنٹ) میں جلوہ افروز ہوتا یا ورمس کے متمول شہر میں جرمن شہزادوں اور پادریوں کے ہجوم میں، اور عیسائیوں کی سرزمین کے قلب میں اپنا وقت بسر کرتا؟

پانچ سال پہلے، اوائل بہار کے مہینے میں شہنشاہ چارلس پنجم وہاں بیٹھا۔ لاطینی میں تقریریں سن رہا تھا۔ جو مشکل سے اس کی سمجھ میں آتی تھیں۔ اس کا ذہن تہرے خوف سے مرعوب تھا، اور اسی لیے مقدس لاطینی الفاظ جو وہ سن رہا تھا، اس کے ذہن میں اتر نہیں رہے تھے۔ ایک تو یہ خوف تھا...... کہ اسپین میں جہاں اس کی حکومت تھی۔ عیسائیت سے منحرف موریسکو (نیم عرب نیم ہسپانوی) جمع ہو رہے تھے اور اس کی ان کوششوں کے مقابل میں ڈٹ رہے تھے کہ یا تو انہیں عیسائی بنایا جائے یا ملک سے نکال دیا جائے۔ یہ حکمت عملی کارڈینل زیمے نس کے حکم سے عمل میں آئی

تھی۔ اراگون اور غرناطہ میں اس کی عرب رعایا اب بھی ان قلعوں کے اطراف میں جمع تھی، جن سے انہیں نکالا جا چکا تھا...... دوسرے یہ خوف تھا کہ ضدی فرانس اپنی فوجیں اس لیے جمع کر رہا تھا کہ چارلس کی سلطنت پر حملہ کرے۔ تیسرے یہ کہ ڈائٹ میں چارلس کی موجودگی میں ایک فربہ اندام راہب مارٹن لوتھر، اپنی تحریروں سے انحراف کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ کلام الٰہی پر منحصر ہے۔ اور میں اپنی تحریروں پر قائم ہوں۔

ایک عجیب مقرر جس کا نام ہیرونی مس بالبس تھا، ایک اور استدعا کر رہا تھا اور اس کے اپنے خوف اور دہشت کی وجہ اور تھی۔ یہ ہنگروی یا میگیار قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ مقدس سلطنت روما کے دور دراز مشرقی گوشے سے آیا تھا، اور وہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا: ''ترکوں کو اس مجنونانہ پیش قدمی سے کس نے روکا؟ ہنگری والوں نے، کس نے ان کے جوش و غضب کو روکا؟ اہل ہنگری نے''

یہ شخص بالبس یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہنگروی ان غیر عیسائی حملہ آوروں کے مقابلے میں ایک آہنی دیوار کی طرح حائل نہ ہو جاتے تو عیسائیوں کی سرزمین پر حملے ہوتے، جرمن اور اطالوی سلطنتوں کے قلب تک حملہ آور پہنچ جاتے۔''

''لیکن اب ہنگری کی سلطنت اس قدر کمزور ہو گئی ہے۔ وہاں کے لوگوں کو اس بری طرح شکست ہوئی ہے کہ اگر مغرب سے مدد نہ ملے تو ترکوں کو روکنا ناممکن ہو جائے گا۔''

بالبس ورمس میں یہ تقریر کر رہا تھا کہ اس کے بعد لوتھر نے کچھ الفاظ کہے۔ اس

کے کہنے کو بدعت سمجھا گیا کیونکہ وہ محض ایک راہب ہو کے خدا کے کلام سے متاثر ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ ورمس میں اس کے خلاف ایک فرمان نافذ کیا گیا۔ جب لوتھر ہال سے باہر نکلا تو جرمن نائٹ اور شہری اور بہت سے لوگ اس کے اطراف جمع ہو گئے انہوں نے اپنی اپنی مٹھیاں اس طرح کس کے اٹھائیں گویا وہ جرم ''لانڈس کنشٹ'' لوگوں کے انداز میں سلام کر رہے ہیں۔ وہ لوتھر کو جلدی سے اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ اور اسے چھپا دیا۔

پھر ورمس سے باہر جانے والی سڑکوں پر لوگوں کو مجتمع ہونے اور ان کی بغاوت کے لیے ایک خاص لفظ ''بنڈ شوہ، بنڈ شوہ، بنڈ شوہ'' سنا جانے لگا یہ لفظ پروٹسٹنٹ نائٹوں کی زبانوں سے ہوتا ہوا شہریوں اور پھر کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں کی زبانوں پر چڑھ گیا۔

ایسے وقت میں ہنگری کو مدد دینے کے لیے کیا کیا جا سکتا تھا؟ اسنے بالبس کو تحریری جواب دیا جس میں ہنگریوں سے کہا گیا تھا کہ جس طرح بنے اپنی حفاظت کر و یا سکے تو ترکوں سے صلح کر لو، لیکن اس کا خیال رکھنا کہ اس صلح سے کیتھولک مذہب یا عیسائیوں کی سرزمین کے مفاد کو نقصان نہ پہنچے۔''

اس ابتدائی زمانے میں ہنگریوں کو مدد نہیں دی گئی تھی اور بلگراڈ ترکوں کے قبضے میں آ گیا تھا۔

اب 28 اگست 1526ء کو بلگراڈ کی فتح کے پانچ سال بعد، دریائے ڈینیوب پر برسات کا موسم ختم ہو چکا تھا، لیکن دریا کے اوپر حصے میں جو پایۂ تخت وی آنا کے

تین طرف بہتا تھا اور آگے بڑھ کر ہنگرویوں کے چھوٹے سے مستقر بودا کے پاس سے ہو کے گزرتا تھا، اب بھی طغیانی کا عالم تھا۔ بودا سے ہو کر یہ دریا ہنگری کے لق و دق وسیع میدانوں سے ہوتا ہوا دراوے کے سنگم تک بہتا تھا۔ یہاں سے اس کا راستہ بدل جاتا تھا، اور وہ مشرق کی پہاڑوں کے درمیان ہوتا ہوا بلگراڈ تک اور بلگراڈ سے آگے بہتا تھا۔ ترکوں نے اسے نچلے مشرقی حصے میں اس عظیم دریا پر پانچ سال قبل اپنے قدم جما لیے تھے۔

تیز اور مسلسل بارش کی وجہ سے دریا کے کناروں کی نشیبی زمین دلدل بن گئی تھی جہاں جہاں پہاڑی چشمے تھے ان میں کیچڑ بہہ رہی تھی۔

دریا کے کنارے ایک سرخ چھتوں والا گاؤں، موہاکس تھا۔ یہاں ہنگریوں اور کچھ رضا کاروں کی ایک فوج خیمہ زن تھی۔ اس خیمہ گاہ کے آگے جنوب کی سمت میں چھ میل دور تک کیچڑ اور پانی میں ڈوبی ہوئی ایک چراگاہ تھی، اس کے بعد درختوں سے ڈھکی ہوئی چھوٹی چھوٹی پہاڑوں کی ایک قطار تھی۔ اس چراگاہ کو میدان موہاکس کہتے تھے۔ 28 اگست کو اس وسیع میدان کے اوپری حصے میں ہنگری کی فوج ڈیرے ڈال چکی تھی۔

ہنگری کی فوج وہاں یورپ کے دفاع کے لیے جمع ہوئی تھی لیکن اس کے پیچھے سارا براعظم آپس کی کشمکش اور باہمی رقابتوں میں مبتلا تھا اٹلانٹک کے کنارے پر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم نے دفاع کے لیے ہنگری کو کچھ رقم دینے کا وعدہ کیا تھا۔ فرانس کا بادشاہ جو پاویا میں گرفتار ہو گیا تھا، اور سے شہنشاہ چارلس نے میڈرڈ

میں قید کر دیا تھا، ہر گز مقدس سلطنت روما کی امداد کے لیے تیار نہ تھا۔ چارلس اس جھگڑے میں اب بھی الجھا ہوا تھا۔ جو پاپائے روم کے حامیوں اور لوتھر کے مسلح حامیوں کے درمیان شروع ہو چکا تھا۔ جرمنی بھر میں کسان بغاوت پر کمر باندھ کے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کسانوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ انجیل کی جو تفسیر لوتھر نے کی تھی وہ ان کی آزادی کا پیغام تھی۔

لوتھر نے ترکوں کے متعلق یہ کہا تھا: ''ترکوں سے لڑنا خدائے تعالیٰ کی طاقت کا مقابلہ کرنا ہے۔ خدا نے ترکوں کی دہشت ناک مار ہم پر ہمارے گناہوں کی وجہ سے ماری ہے۔'' عام لوگ، جن کے ہاتھوں میں پہلی مرتبہ انجیل پہنچی تھی یہ سمجھتے تھے کہ ترکوں کی نمود کا اس الہامی کتاب سے کوئی تعلق نہیں۔

پاپائے روم کلیمنٹ ہفتم لوتر کے خلاف تو بہت گرجا تھا لیکن وہ یہ چاہتا تھا کہ ہاپس برگوں کی اور ان کے شہنشاہ چارلس کی طاقت بڑھنے نہ پائے۔ بلکہ اور زیادہ گھٹ جائے۔ چارلس کا بھائی فرڈیننڈ وی آنا میں پھنسا ہوا تھا، اور وہ شورش پسند ہنگریوں کا ساتھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ وقت گزر جانے کے بعد اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے ہاپس برگوں نے ڈائٹ کا اجلاس طلب کیا۔ یہ اجلاس اسپیرس میں منعقد ہوا جس میں عام طور پر ایسے اقدام کی حمایت کی گئی جو ترکوں کے حملے کے روکنے کے لیے کیا جائے یہ موہاکس کی جنگ سے ایک دن پہلے کی بات ہے۔

موہاک کے قریب بھی چھوٹے پیانے پر اسی طرح کی رقابتوں اور آپس کی مخالفتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ امیروں اور مذہبی سرداروں کو کسی

بات کا دردیا احساس نہیں تھا، یا ان میں نئے انداز کی ''میکیاویلیت'' پیدا ہو گئی تھی۔ صرف اتنی بات تھی کہ اس نازک گھڑی میں بھی ہر شخص اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا۔ اور یہ چاہتا کہ جو نقصان پہنچنا ہے وہ اس کے سیاسی رقیب کو پہنچے۔

ہنگری کے دفاع کی سب سے بڑی ذمہ داری اس کے جوان سال بادشاہ لوئی پر عائد ہوئی تھی، جو بڑی اچھی سی طبیعت کا آدمی تھا، اور جسے فوجی کھیلوں اور شکار کا بہت شوق تھا۔ لوئی کا اپنی رعایا پر کوئی اثر نہ تھا کیونکہ نسلاً وہ پولینڈ کا رہنے والا تھا۔ وہ بوہیمیا کا بادشاہ تھا۔ اور بھونڈے قدامت پسند بودا کے مقابلے میں پراگ کی ضیافتوں کو بہت پسند کرتا تھا۔ اس کے علاوہ لوئی کی شادی میری سے ہوئی تھی جو ہاپس برگ خاندان کے شہنشاہ چارلس، اور فرڈی ننڈ کی بہن تھی۔ اور اس کی رعایا خاص طور پر بوہیمیا والے ''جرمنوں'' سے نفرت کرتی تھی۔ میری، جو خود دربار کی ضیافتوں کی بڑی دلدادہ تھی اس بات پر منغض تھی کہ جنگ کی تیاریوں اور بھرتی کی وجہ سے اپنی دعوتوں کا انتظام نہ کر سکی۔

پھر یہ کہ ہنگری کے کیتھولک باشندوں، اور بوہیما کے طاقتور متوسط طبقوں کے درمیان مذہبی عقائد کی خلیج حائل ہو گئی تھی۔ جان ہس کی آزادی پسند تعلیمات کا اب بھی پراگ کے علاقے پر بہت اثر تھا، اور بہت سے اچھے شہری اب وہاں لوتھر کا عقیدہ اختیار کر رہے تھے۔

مذہبی اختلافات سے کہیں زیادہ شدید، ہنگری کے کسانوں اور امرء کی باہمی مخالفت تھی۔ چند ہی سال پہلے نیم فاقہ کش کسان اعلیٰ طبقوں کے مقابل اٹھ کھڑے

ہوئے تھے اور اس کے بعد جو ہنگامے ہوئے تھے ان سے دونوں طبقوں کی یادیں تلخ تھیں۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ موہاکس کے میدان میں جو فوج شاہ لوئی کے پرچم کے نیچے جمع تھی وہ قریباً تمام تر امراء اور ان کے سواروں ......شاہی جماعت...... پر مشتمل تھی ہنگری کے علاوہ ٹرانسلوے نیا کے ایک رہنما جان زاپولیا کا ساتھ دے رہے تھے جس کی پارٹی کو قومی جماعت کہا جاسکتا تھا۔

جان زاپولیا کی فوج مشرق سے آ رہی تھی، مگر آہستہ آہستہ اور بڑی نارضاندی سے مغرب کی طرف بوہیمیا والوں کی پوری فوج تھی۔اس کی آمد میں اس لیے تاخیر ہو رہی تھی کہ اس میں زیادہ تر پیدل فوج کے سپاہی تھے، جو امرا کی سوار فوج کے ساتھ بادل نخواستہ شامل ہو رہے تھے۔

اس درمیان میں، اس کے باوجود کہ راستے میں طغیانی پر آئے ہوئے دریاؤں پر پل بنانا اور قلعوں کو تسخیر کرنا پڑا تھا۔ترکوں کی فوج جس کی قیادت صرف ایک شخص سلیمان کر رہا تھا۔میدان جنگ میں پہنچ چکی تھی۔اس دن صبح کو موہاکس کے میدان کے کنارے کے درختوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں سے اس کو آتے دیکھا گیا تھا۔

ہنگرویوں کی خیمہ گاہ میں جتنے سردار تھے اتنے ہی جنگ کے نقشے تھے نوجوان لوئی نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اسے تو جنگ کا کوئی تجربہ نہیں، مگر وہ بہادری سے لڑنے کی کوشش کرے گا۔صرف ایک ڈرپوک شخص نے یہ رائے دی کہ پیچھے ہٹ کر بودا میں پناہ لی جائے اور وہاں جان زاپولیا اور بوہیمیوں کے آ ملنے کا انتظار کیا جائے۔

یہ شخص ورازوں کا اسقف تھا اور اسے لڑائی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ باقیوں نے واپس لوٹنے اور ہنگری کے زرخیز میدانوں کو ترکوں کی تخت و تاراج کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ایک پیشہ ور سپاہی ہنی بال نے جو اس چار ہزار جرمن بھرتی کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ جو ہنری ہشتم اور کلیمنٹ ہفتم کے دئے ہوئے چندے سے جمع کی گئی تھی۔ یہ تجویز پیش کی کہ توپ خانہ کی آڑ میں مورچہ بندی کر کے مقابلہ کرنا چاہیے (اس کے سپاہی جو نیزہ باز تھے اس طرح کی جنگ کے عادی تھے) ایک اور تجربہ کار سردار گنومسکی نے جو پولینڈ سے بطور رضا کار کے آیا تھا۔ یہ مشورہ دیا کہ گاڑیوں کی قطار کا مورچہ بنانا چاہیے (اس کے ساتھ پندرہ سو بندوقچی تھے جو کامیابی سے گاڑیوں کی آڑ میں اس سے پہلے لڑ چکے تھے)

ہنگری کے سردار اس کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ ان کے نائٹ اور ہلکے ہتھیار بند ہزار دشمن پر جھپٹ کر حملہ کرنے کے عادی تھے۔ ان کے خیال میں کسانوں کی طرح دشمن کے حملے کے انتظار میں کھڑے رہنا بزدلی کی بھی بات تھی، اور غلط بھی تھا۔

قابل تعظیم اسقف اعظم جو برسوں نچلی ڈینیوب کے علاقے میں برسوں تک ترکوں کے خلاف چھوٹی موٹی لڑائیوں میں حصے لے چکا تھا اور بہت تجربہ کار تھا۔ اس کی بھی یہی رائے ہوئی کہ اگر لڑنا ہی ہے تو خود حملہ کرنا چاہیے۔ اس نے کہا کہ ترک فوج کا بیشتر حصہ ہلکے بکتر پوش سواروں پر مشتمل ہے جو بھاری بکتر بند عیسائیوں

کے حملے سے تتر بتر ہو جائیں گے۔ خاص طور پر کل کے روز، کیونکہ کل کا مقدس دن حضرت یوحنا سے منسوب تھا۔

بالآخر موہاکس کے سرداروں نے اسقف اعظم تو موری کو بھی کل کی جنگ کے لیے ایک سپہ سالار مقرر کیا۔ بہادر اسقف اعظم لاکھ عذر کرتا رہا کہا سے فوج کی سپہ سالاری کا کوئی تجربہ نہیں۔ ایک اور سپہ سالار ایک بالا طینی تھا۔

رہ گئی فوج تو اس کے متعلق نئے سپہ سالاروں نے یہ طے کیا کہ گنومسکی کے مشورے کے مطابق جرمن بھرتی کی فوج اور توپ خانہ اپنی اپنی جگہ مورچہ بند رہے۔ شاہ لوئی اور اس کے ساتھی بھی وہیں محفوظ فوج کے ساتھ رہیں۔ اس عرصے میں جنگ کی پہلی صف آگے بڑھ کر حملہ آور ہو۔ اس طرح پولینڈ کے گنومسکی کے علاوہ اور ہر ایک کی جو کچھ مرضی تھی وہی ہوا۔

یہ سن کر درازدن کے اسقف نے لوئی سے عرض کی: ''بہتر یہ ہے کہ تقدس ماب پاپائے روم رومتہ الکبریٰ میں ہزار ہنگریوں کے درجہ شہادت کا اعلان فرما دیں۔''

دوسرے دن کی قیامت کبریٰ میں بیس ہزار ہی کے قریب آدمی مارے گئے جن میں یہ اسقف بھی شامل تھا۔ تقریباً پوری فوج کا قلع قمع (1) ہو گیا۔ اس کی تباہی کا باعث اس کی اپنی ناتجربہ کاری سے بڑھ کر یورپ کے دریاؤں کے آپس کے جھگڑے تھے۔

ہنگری کے سوار بڑے بہادر اور کڑے سپاہی تے۔ وہ ایشیا کے سبزہ زاروں

کے میگیاروں کی نسل سے تھے اور یورپ بھر میں بہترین شہسوار سمجھے جاتے تھے۔

اس دن جو حضرت یوحنا سے منسوب تھا، ان کے پہلے دستے حملہ کر کے ترکوں کو یورپی فوج میں گھس گئے پھر وہ ایشیائی فوج کے قلب تک محض اپنی طاقت سے گھس کر پہنچ گئے۔

اس وقت پالا طینی سپہ سالار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا درختوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ جہاں محافظ فوج کی صفیں انتظار کر رہی تھیں۔ شاہ لوئی کے پرچم کے پاس پہنچ کر اس نے چلا کر اعلان کیا کہ فتح قریب قریب حاصل ہوگئی۔ نوجوان بادشاہ نے فوراً پیش قدمی کا حکم دیا، اور محافظ دستوں کو لے کر جرمن نیزہ بازوں اور توپ خانے کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ ٹیلوں پر سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہ اس مقام پر پہنچے۔ جہاں پہلے لڑائی ہوئی تھی۔

اسقف اعظم تو موری کے علاوہ اور کسی نے دریا سے کافی دور اپنے عقب سے بڑھتی ہوئی ترک فوج کو نہیں دیکھا تھا۔ ہنگری والوں کو یہ پتا نہیں تھا کہ منظم دشمن کی پہلی دو صفوں نے عمدہ ہنگری کے سواروں کو گھیرنے کے لیے ہٹ کر راستہ بنا دیا تھا۔

تیسری ترک فوج ان کے سامنے راستہ دینے کے لیے منتشر نہیں۔ اس فوج میں بھاری توپ خانہ تھا جو زنجیروں سے بندھا ہوا تھا، ینی چیری دستے اکٹھے، سلیمان اور اس کے محافظ دستے تھے، اور سپاہیوں کی فوج تھی۔ اس جمی ہوئی فوج کے مقابلے میں ہنگریوں کے پہلے کی صفوں کے سوار مجتمع ہو گئے۔ لیکن توپوں کے دھوئیں سے ان کے گلے گھٹنے لگے اور ان کے گھوڑے بے قابو ہو گئے۔ اس

افراتفری کے عالم میں نوجوان بادشاہ لوئی اور اس کی فوج گھوڑے دوڑاتی ہوئی پہنچی۔

تھک کے ہنگروی فوج نے اپنی صفوں کو منظم کرنے کی کوشش کی۔لیکن دونوں طرف سے سواروں نے ان پر حملہ کر دیا۔وہ پھر گھر کے ایک جگہ جمع ہو گئے اور ان کے زرہ بکتر سے لدے ہوئے گھوڑے کیچڑ میں دھنسنے اور پھسلنے لگے۔انہوں نے اس دلدل سے باہر نکلنا چاہا اور پھر تھکے ماندے گھوڑوں پر بھاگ کھڑے ہوئے۔

صرف ہلکے ہزاروں کے دستے میدان سے بھاگ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔دو اسقف اعظم، چھ اسقف ہنگری کے دربار کے افسر، اور پانچ سو امراء وہیں کھیت رہے اور ان کے ساتھ ''سیدھے نیک آدمیوں'' کی جتنی فوج تھی وہ ساری کی ساری تہہ تیغ ہو گئی۔ایک مہینے کے بعد شاہ لوئی کی لاش ایک گھاٹی میں کیچڑ میں دبی ہوئی پائی گئی۔

اس شام کو سہ پہر اور مغرب کے درمیان جب سلیمان نے تعاقب سے فوج کو واپس بلوانے کے لیے طبل بجوایا تو ہنگری قوم کے سردار اور اس کے تمام اور امرا کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

سلیمان کے روزنامچے میں درج ہے۔

29 اگست ''ہم نے میدان جنگ میں خیمے جمائے۔''

30 اگست ''سلطان نے سوار ہو کے گشت لگایا۔سپاہیوں نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو دربار کے شامیانے حاضر کیا جائے۔''

31 اگست ’’سلطان نے طلائی تخت پر جلوہ افروز ہو کے وزراء اور امرء کو باریابی بخشی۔ زور کی بارش ہو رہی۔‘‘

1۔ستمبر ’’یورپ کے بیلر بے کو لاشوں کی تدفین کا حکم دیا گیا۔‘‘

2۔ستمبر ’’موہاکس میں قیام ہنگری کی فوج کے بیس ہزار پیادوں اور چار ہزار بکتر پوش سواروں کی تدفین کی گئی۔

☆..........☆..........☆

فٹ نوٹ

(1) موہاکس میں عیسائی فوج کی تعداد تقریباً پچیس ہزار تھی۔ ٹھیک ٹھیک اعداد وشمار کا پتہ نہیں اس کے برعکس یورپ کے مورخوں نے ترکوں کی تعداد بڑے مبالغہ کے ساتھ ایک لاکھ سے تین لاکھ تک بیان کی ہے۔ موہاکس میں اسقف اعظم توموری نے ان کی تعداد کا اندازہ ستر ہزار لگایا تھا۔ زیادہ امکان اس کا ہے کہ ترکوں کی فوج میں کوئی نو ہزار ینی چیری ہوں گے۔ ساٹھ ہزار سوار فوج اور تیس ہزار کے قریب یورپ اور ایشیا کے عساکر تقریباً چھیالیس ہزار۔ اتنی ہی تعداد ’’آقنجی‘‘ یا چھاپے مار دستوں کی ہوگی۔ جن میں انجینئر اور دوسرے ملازم پیشہ دستے بھی شامل ہوں گے۔ ترک فوج قسطنطنیہ سے موہاکس آئی تھی جو چھ سو میل دور تھا۔ اور راستے میں قلعوں کی حفاظت اور سامان رسد کی بہم رسانی کے لیے بہت سے دستے چھوڑتی آئی ہوگی۔

فوج کو یہ معلوم ہوا کہ گویا سلطان کی بلند اقبالی سے انہوں نے ایک نئے ملک پر قبضہ کرلیا ہے۔اس سے پہلے تقدیر نے کبھی ایسی یاوری نہ کی تی۔ کہ دو گھنٹے میں مسلمانوں کوایسی مکمل فتح نصیب ہوی ہو، اور ایسا انعام ملا ہو۔سلیمان نے فتح کی جو خبر صوبہ داروں کو قاہرہ بھیجی، یا تا تاریوں کے خان اور شریف مکہ کو بھیجی اس میں بھی یہی خوش اعتقادی جھلکتی تھی۔ اللہ تعالی نے میری فوج ظفر موج کو ایسی فتح نصیب کی ہے کہ جس کی نظیر ملنی محال ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موہاکس کے میدان کی فیصلہ کن جنگ سے خود سلیمان بہت مسرور اور متاثر تھا۔خصوصاً اسے اس بات کی خوشی تھی کہ بحیثیت وزیر ابراہیم پہلی آزمائش میں اس طرح پورا اترا کہ بایدوشاید، اس تر دماغ یونانی نے تنظیم میں بڑے جوہر دکھائے تھے۔ابراہیم کی سفید پگڑی جس پر طلائی حاشیہ تھا ایک طرح کا نشان تھی جس کے اطراف عین خطرے کے وقت سپاہی جمع ہو گئے جب کہ ہنگری کے سوار سلطان سلیمان سے صرف چند گز کے فاصلے پر رہ گئے تھے۔لیکن باطنی طور پر سلیمان خوب جانتا تھا کہ موہاکس کی فتح تقدیر کی وجہ سے نہیں ہوئی ہے۔ابراہیم جو فتح کے نشے میں چور تھا اس کے مقابل سلطان کو اس امر کا زیادہ اندازہ تھا کہ ایسی مکمل فتح اس وجہ سے ہوئی ہے کہ عیسائیوں نے لڑائی میں بہت سی غلطیاں کی تھیں۔

سلیمان نے غور وفکر سے ان میں سے ایک شخص، سپہ سالار اسقف اعظم توموری

کا چوڑا، مچھلیوں سے بھرا ہوا چہرہ دیکھا۔ جو ایک جوشیلے سپاہی نے لا کے اس کے قدموں پر ڈال دیا تھا۔

ایک اطالوی مخبر نے اس زمانے میں سلیمان کے متعلق لکھا تھا کہ وہ مردوں کی طرح پیلی رنگت کا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دم نہیں۔ لیکن جب میں نے اس کے ہاتھ کو چوما تو مجھے پتا چلا کہ اس کے ہاتھ میں کیسی آہنی قوت ہے کہتے ہیں کہ وہ اتنا طاقتور ہے کہ کڑی سے کڑی کمان دوسروں کے مقابلے میں بہت آسانی سے کھینچ سکتا ہے۔ فطرتاً وہ خاموش اور غمگین رہتا ہے۔ کبھی کبھی اپنے حرم کی عورتوں سے دل بہلاتا ہے۔ آزاد خیال اور باوقار ہے، عجلت پسند ہے اور اکثر بڑی نرمی اور شرافت سے پیش آتا ہے۔

اس بارش میں جب موہاکس میں مردوں کی تدفین ہو رہی تھیں سلیمان کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ ہنگری کی قسمت کا کیا جائے۔ فیصلہ جلد کرنا تھا کیونکہ موسم خزاں آچکا تھا، راتوں کو برف گرنے لگی تھی۔ اور وہ گھاس جس پر اس کی فوج کے گھوڑوں کا اگزارہ تھا سوکھنے لگی تھی۔ سلیمان نے ایشیا کے ایک سپاہی کو روک کر پوچھا۔: ''بڑے میاں یہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہیے؟''

سپاہی کو اس سوال پر حیرت نہیں ہوءی اگر اسے کوئی شکایت ہوتی تو وہ سیدھا دربار کے شامیانے میں پہنچ کر اس نوجوان سے فریاد کرتا۔ جس کی کمر سے آل عثمان کی موروثی تلوار بندھی ہوئی تھی۔ سپاہی نے سوچ کے جواب دیا: ''اس کی احتیاط کیجئے کہ ماں اپنے ہی بچوں کو پریشان نہ کرے۔

سپاہی نے وہی بات کہی تھی جو خیمہ گاہ میں آگ تاپتے ہوئے سپاہیوں کا عام موضوع گفتگو تھی۔

سلیمان نے غیر معمولی سختی سے تمام فوجوں کو حکم دیا تھا کہ وہ جنگ کے بعد اپنی اپنی جگہ ٹھہری رہیں۔ لیکن سلیمان کے اپنے محافظ دستے کے علاوہ اس کے تمام فوجوں کی بس ایک تمنا تھی کہ عیسائی فوج کا قلع قمع کرنے کے بعد اب انہیں ہنگری کے ملک میں گھس کے مال غنیمت جمع کرنے کی اجازت ملے۔

یہ خواہش لوٹ مار کی خواہش سے ماورا تھی۔ یہ ایک طرح کی معاشی ضرورت تھی جو قدیم روایات کے لحاظ سے جائز سمجھی جاتی تھی۔ ترکی فوجوں کا دستور یہ تھا کہ جب موقع ملے دارالحرب میں دولت حاصل کی جائے۔ اگر سلیمان مال غنیمت کی تلاش سے فوج کو روکتا تو یہ اپنے بچوں کو سزا دینے کے برابر تھا۔ کم سے کم اس فوج سوار کا یہی خیال تھا۔

یہ ''تمورلوت'' یا سوار غالباً کسان پیشہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس کی کی زمین حلب کے سرخ میدان میں ہو۔ جہاں انگوروں کے خوشے بڑھتے ہیں، اناج کے کھیت میں اور وہاں اس کے گھوڑے بھی چرتے ہوئے گے۔ اس سال اوائل بہار میں اس نے خود ہتھیار باندھے تھے اور کئی سواروں کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ اپنے فوجی آغا کے پاس حاضر ہونے کے بعد اس نے قسطنطنیہ تک چھ سو میل کا سفر کیا تھا اور موہاکس کے میدان جنگ تک اس نے اسی قدر فاصلہ اور طے کیا تھا۔ اس سفر کے دوران میں اس تموریوت نے اپنے سواروں اور اپنے گھوڑوں کے کھانے اور دانے چارے کا

انتظام بھی خود ہی کیا تھا۔ (سلطان کی باقاعدہ فوج اور متعلقہ دستوں کے افسروں کو تنخواہ اور اشیائے خورد و نوش ملتی تھیں۔ لیکن بے قاعدہ فوج کے معمولی سپاہی کا گزر بسر اس پر ہوتا تھا کہ وہ مال غنیمت سے اپنے لیے کھانے اور معاوضے کا خود انتظام کر لے)

اب سرما شروع تھا۔ اس کے حرم کی عورتوں اور نوکروں نے انگوروں اور اناج کی فصل کاٹی ہو گی۔ انشاء اللہ سپاہی کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اناج کاٹا جا چکا ہو گا۔ اگر وہ خالی ہاتھ واپس گیا اور عورتوں کے لیے مٹھی بھر چاندی اور پارچہ کمخواب کے کچھ تھان نہ لیتا گیا تو جاڑے مصیبت سے کٹیں گے۔ اس کے برعکس اگر وہ پانی دہلیز پر گھوڑے سے اتر کے سونے کے کچھ سکے اور چاندی کے شمع دان بکھیر سکے ...... اپنے ساتھ ایک آدھ ہیرا لیتا جائے جو حلب کے بازار میں فروخت ہو سکے۔ تو اس کے خاندان کے لوگ یہ سارا قصہ بڑے فخر سے اپنے ہمسایوں کو سنائیں گے۔ نہیں سلطان کو یہ نہ چاہیے کہ اپنے دشمنوں سے ہمدردی کرے جو کافر ہیں اور ان کی وجہ سے اپنے سپاہیوں کو محروم گردانے جو اس کی اولاد کی طرح ہیں۔

اگر طاقتور تموریوت مال غنیمت کی ضرورت محسوس کرتے تھے تو چھاپہ مار آقنجی اس کے اور بھی زیادہ محتاج تھے۔ عیسائی مؤرخیں انہیں ترک فوج کے کینہ توز بھیڑیے کہا کرتے تھے۔

جاگیرداروں کے ساتھ جو فوج آئی تھی اسے یہ بھی توقع تھی کہ مفتوحہ علاقے کی زمینیں بطور انعام کے دی جائیں گی۔ ہنگری کی زمین بہت اچھی تھی۔ پرانا قاعدہ

یہی تھا کہ ارالحرب کی زمین سپاہیوں میں تقسیم کردی جائے۔سلطان اپنا حصہ لے۔ قاضی اپنے اپنے حصے لیں۔لیکن نئے **ملک** کا بیشتر حصہ سپاہیوں میں تقسیم ہو جو یہاں آباد ہو کے نئی سرحد کا تحفظ کریں۔اس پرانے قاعدے کی پابندی کرنے پر بہر حال سلطان سلیمان آمادہ نہیں تھا۔

اس کے برعکس اس نے حکم دیا کہ دیہاتوں کو جلایا نہ جائے۔شہروں کو غارت نہ کیا جائے۔لیکن اگر کبھی کبھی اس کی حکم عدولی ہوتی تو وہ چشم پوشی کر جاتا۔ایسے دنوں میں فوج صرف ایک حکم کی تعمیل کرتی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو نہ ستایا جائے۔ یعنی بچوں کو بطور خراج کے واپسی میں فوج اپنے ساتھ لے جاتی تھی۔

ہنگری بھر پر کارپتھیا کے پہاڑوں سے لے کر سنیا کی بلندیوں تک قیامت آ گئی تھی۔

اس کے بعد چند ہفتوں میں سلطان ڈینیوب کے کنارے کنارے بودا پہنچا۔ وہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا فوج کی تعداد گھٹتی جاتی کیونکہ اس کی فوج کے آغا اس سے اجازت لیتے کہ راستے میں یہ جو قلعہ ہے اسے تسخیر کرلیں۔اس کافر سرزمین میں تقریباً ہر گاؤں کے پیچھے ایک چھوٹا سا بھورا سا قلعہ تھا۔قلعہ فتح کرنے کے بعد وہ گاؤں میں بھی لوٹ کھسوٹ کر لیتے۔سوار دستوں کے لیے نئی زمینوں پر چھاپے مارنا ضروری تھا اور جب وہ واپس آتے تو ان کے ساتھ چھکڑوں پر مال غنیمت اور اس کے ساتھ جو اور گھاس چارے کے ڈھیر ہوتے۔آقنجیوں کا ایک دستہ آسٹریا میں دور تک گھس گیا۔ایک ایسے مقام تک جہاں سے وی آنا کا شہر نظر آتا

تھا۔

موہاکس کے بعد ہنگری میں اور کوئی باقی نہ رہا تھا جو اس بے بس ملک کی مدافعت کرتا۔ لوئی کی بیوہ میری نے بھاگ کر وی آنا میں پناہ لی۔ بوہیمیا کی فوج تیزی سے پیچھے ہٹ کر اپنے ملک میں واپس ہوگئی۔ جان زاپولیا عوام کی قومی فوج کے ساتھ مشرقی پہاڑوں میں جا چھپا تھا تا کہ وہاں سے حالات کا مشاہدہ اور اندازہ کرے۔

جب سلیمان ہنگری کے چھوٹے سے پایۂ تخت بودا پہنچا تو وہاں صرف عام لوگ باقی رہ گئے تھے۔ انہوں نے حاضر ہو کے شہر کی کنجیاں اس کے حوالے کر دیں۔ اس نے حکم دیا کہ شہر کو نہ لوٹا جائے نہ اور کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ لیکن جب فوج داخل ہوئی تو پر اسرار طور پر شہر میں آگ لگ گئی۔

روزنامچہ میں درج ہے کہ 4 ستمبر کو ''بودا میں آگ لگ گئی۔ حالانکہ سلطان نے حفاظت کا انتظام کیا تھا۔ وزیر اعظم نے آگ بجھانے کی بڑی کوشش کی۔ مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی۔'' بودا کا شہر جل کر خاکستر ہو گیا۔ صرف قلعہ ایک باغ باقی رہ گیا جہاں سلطان کے خیمے تھے۔

وہاں اس نے گھوم پھر کر پرانے شہریوں کے بازوؤں سے شکار کھیلا۔ وہاں اس نے عید منائی اور ہنگری کے مسئلے پر غور کرتا رہا۔ جب واپس لوٹا تو محاصرے کی دو توپیں جو پہلے ایک لڑائی میں ہنگری والوں نے سلطان محمد فاتح کی فوج سے چھین لی تھیں۔ کشتیوں پر قسطنطنیہ بھیجنے کے لیے لادی گئیں۔ سلطان نے خاص اپنے حکم

سے ہنگری کے سب سے بڑا بادشاہ، اور انسان دوست ماتھیاس کوروی نس کے کتب خانے کو بھی صندوقوں میں بند کر کے ڈینیوب کے راستے قسطنطنیہ بھیجنے کا انتظام کیا۔ ابراہیم نے اصرار کیا کہ وہ ہرقلیس، اپالو اور ڈائنا کے تین قدیم یونانی مجسمے اپنے ساتھ لے جائے گا حالانکہ پکے مسلمان مجسموں کو پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے گھروں میں نہیں رکھتے تھے۔

بودا کے بے گھر یہودیوں کو بھی کشتیوں میں سوار کر کے قسطنطنیہ بھیجا گیا۔ جب سلیمان ہنگری کے شاہی محل سے نکلا تو اس کا حکم تھا کہ اس محل کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ اور اس مرتبہ اس نے اپنے حکم کی سختی سے پابندی کرائی۔

ہنگری کے متعلق اس کے ارادوں کی خبری ساری فوج میں بے اطمینانی کے ساتھ پھیل گئی۔ سلطان نے ہنگری کا بڑا حصہ فتح کر لیا تھا لیکن وہ اسے اپنے تصرف میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ جب طرح وہ رہوڈس کو اپنے تصرف میں لایا تھا۔ اس نے رہوڈس کو سلطنت عثمانیہ کی ملکیت قرار دے دیا تھا۔ اور وہاں کے باسندوں کو اس نے ایک اندرونی قومیت کا مرتبہ دیا گیا تھا۔ اس کے برعکس سلطان ہنگری کا تخلیہ کرنا چاہتا تھا، فوج کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیوں۔

اس میں شک نہیں کہ سلطان کو یہ ملک بہت پسند آیا تھا۔ اس کے روزنامچے میں یہاں کی جھیلوں اور شاندار چراگاہوں کا ذکر ہے۔ اس وسیع، زرخیز ہنگروی میدان کو وہی دریا سیراب کرتے ہیں جو ان فلک بوس پہاڑوں سے نکلے ہیں جو چاروں طرف سے اس میدان کا گھیرا ڈالے کھڑے ہیں۔ عرصہ دراز سے یہ علاقہ

مشرق سے آنے والے خانہ بدوشوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ جن میں اٹی لا کے ہن اور زرین خیل کے مغل شامل رہ چکے ہیں۔ اب میگیاروں نے اس کو اپنا محل بنایا ہے۔ لیکن سلیمان اسے چھوڑ رہا ہے۔

بڑی احتیاط سے اس مہم کے مؤرخ کمال پاشازادہ نے سرکاری مرصع اور مسجع عبارت میں اس کی توجیہ کی ہے۔ ''ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا کہ اس علاقے کو دارالاسلام میں شامل کیا جائے۔ نہ اس کا وقت آیا تھا کہ جہاں کے غازی اس باغ میدان کو اپنا وطن بنائیں۔ اس لیے اس کہاوت پر عمل کیا گیا ''چوں دریابی پرس کہ چگونہ بیروں خواہی رفت۔''

جہاں کے غازی خوب جانتے تھے کہ وہ یورپ میں کتنی دور تک اندر گھس آئے ہیں۔ (بودا جو سیدھی سادھی پیائش سے، قسطنطنیہ سے سات سو میل دور تھا، وی آنا سے صرف ایک سو چالیس میل کے فاصلے پر تھا) وہ اس کے لیے تیار تھے کہ اس فردوس گیاہ کو مستقل میدان جنگ بنائے یہاں جمے رہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان کا یہ ارادہ نہیں تھا۔

فوج بڑبڑاتی رہی، لیکن اصل قسطنطنیہ نے بڑی شادمانی و مسرت سے اپنے سلطان کا استقبال کیا۔ موہاکس کی فتح کے بعد وہ ان کے لیے دارالحرب کا غازی بن کے آیا تھا۔ بہت سے لوگ اسے شاہ جہاں کا لقب دے چکے تھے۔ جفاکش مؤرخ کمال نے اس مہم کی بڑی دعائیہ ستائش لکھی ہے۔ ''جو اس کی سلطنت کے دوست ہیں۔ خدا انہیں لازوال مسرت عنایت کرے۔ اس کی حکومت کے دشمنوں کو شکست

وخواری نصیب ہو۔حشر کے روز تک اس کا پرچم اقبال بلند رہے۔صوراسرافیل کے پھونکے جانے تک اس کی افواج ظفریاب رہیں۔خدائے تعالیٰ ہمیشہ اس کی عظمت کی بنیاد کو سلامت رکھے۔"

ابراہیم کی دل سے آؤ بھگت نہیں ہوئی۔نوجوان وزیر نے ہرقلیس اور ڈائنا اور اپالو کے مجسمے ہپوڈروم کے سامنے اپنے قصر کے باغ میں نصب کرائے سڑکوں پر لوگ جوان مجسموں کو دیکھ کر چونک پڑتے تھے۔بہت جلد کسی غزل گو شاعر کے یہ مصرعے خاص و عام کی زبان پر جاری ہو گئے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"ابراہیم اول (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے تو لوگوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ بتوں کے آگے سر نہ جھکانا۔"

"اس ابراہیم ثانی نے بتوں کو پھر سے نصب کیا ہے۔"

لیکن یہاں قسطنطنیہ پہنچنے پر چلا کہ ہنگری کے مسئلے پر سلطان نے جو سوچ بچار کی اس کا حل کیا تھا۔یہ حل ایک خط میں ملتا ہے جو ایک پریشان ماں نے اپنے بیٹے کی مدد کے لیے لکھا تھا۔ان چند الفاظ نے سلطان سلیم یاوز کے فرزند کی آئندہ حکمت عملی پر بڑا اثر ڈالا۔

☆............☆............☆

فرانس کی ملکہ کی والدہ کی درخواست

یہ خط موہاکس کی جانب روانگی سے کئی ماہ قبل غیر متوقع طور پر وصول ہوا تھا۔ پہلے قاصدوں کو جو یہ خط لے کر روانہ ہوئے تھے ہاپس برگوں کے آدمیوں نے راستے میں قتل کر دیا تھا۔ ایک اور قاصد جو فرانجی پانی خاندان کا رکن تھا۔ فرانس کی ملکہ مادر اور فرانسس اول کے خطوط، اور ایک انگوٹھی جس پر ایک لعل جڑا ہوا تھا لے کر قسطنطنیہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس زمانے میں فرانس کا نوجوان متلون مزاج بادشاہ فرانسس اول، شہنشاہ چارلس کے ہاتھ شکست کھا کر گرفتار ہو چکا تھا۔ شمالی اطالیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش میں اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اس نے ایک ناامید قیدی کی حیثیت سے میڈرڈ سے خط لکھا تھا اس کی والدہ نے بڑے درد اور منت سے سلیمان کو ''ترکوں کے شہنشاہ'' کے لقب سے مخاطب کیا تھا۔ اور التجا کی تھی کہ اس کے بیٹے کو آزاد کرائے۔ ''اے شہنشاہِ اعظم ہم تیرا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ تو رحم اور فیاضی سے میرے بیٹے کو آزاد کرا کے مجھ سے ملا دے۔''

فرانجی پانی نے اور زیادہ تفصیلیں بیان کی تھیں۔ اس نے سلیمان نے درخواست کی تھی کہ ہاپس برگوں کی مملکت پر حملہ کرے، اور فرانسس کو آزادی دلائے۔ اس نے اشارۃً عرض کی کہ اگر یہ نہ ہوا تو پھر زبردستی فرانس کے بدنصیب بادشاہ سے اس کی سلطنت اور سرزمین شہنشاہ چارلس اپنے نام لکھوائے گا، اور

بلاشرکت غیرے یورپ کا مالک بن جائے گا۔ اس وقت سلیمان کے لیے فرانسیسیوں کی یہ درخواست بہت مفید اور مناسب تھی کیونکہ وہ بودا کی طرف پیش قدمی کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

یہ گویا تائید غیبی تھی، کئی صدیوں سے ترک فرانس کے بادشاہ کو یورپ کا سب سے بڑا تاجدار سمجھتے آئے تھے۔ شارلمین جس نے ہارون الرشید کو بغداد میں تحائف بھیجے تھے۔ فرنگیوں ہی کا تو بادشاہ تھا۔ دے لیل آرم جس نے رہوڈس میں مداخلت کی تھی فرانس ہی سے آیا تھا۔

اس کے علاوہ سلیمان نے سنا تھا کہ خود اس میں اور نوجوان فرانسس میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اور فرانسس یورپ کا اولین مرد شریف کہلاتا ہے۔ فرانجی پانی نے بڑی چرب زبانی سے فرانسس کی تعریف کی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ بہادر فرانسس پرانی دشمنی کو بھول چکا ہے۔ اور اس نے ترکوں کی طرف مصافحے اور دوستی کے ہاتھ بڑھایا ہے۔ سلطان سب سے زیادہ اس درخواست سے متاثر تھا کہ اس سے رحم اور فیاضی کی استدعا کی گئی تھی۔

سلطان سلیمان کو امید بھی تھی اعتبار بھی، فرانس نے عیسائی بادشاہ کی درخواست سے اس کی نگاہوں کے سامنے ایک نیا منظر کھل گیا۔ اس کی سلطنت کے مغرب میں دارالحرب کے علاقے میں یہ پہلی باہمی کشمکش تھی۔

فرانجی پانی اپنے ساتھ کوئی خاص تحائف نہیں لایا تھا، لیکن سرائے میں اس کی بڑی خاطر مدارت کی گئی۔ (کچھ عرصہ بعد فرانسس کی انگوٹھی ابراہیم کی انگلی پر دکھائی

دینے لگی)

فرانجی پانی جب واپس ہوا تو اس نئی دوستی کے لیے سلیمان کا عہد و پیان اپنے ساتھ لے کر سلیمان نے لکھا تھا: ''سلیمان سلیمان ولد سلطان سلیم خاں کی جانب سے، **ملک** فرانس کے بادشاہ فرانسس کی خدمت میں، آپ نے میرے در دولت پر اپنے جاں نثار خادم فرانجی پانی کے ہاتھ ایک گرامی نامہ بھیجا ہے۔اس نے مجھے بتایا کہ کس طرح دشمن نے آپ کی سرزمین پر یورش کی۔اور آپ کو اسیر کرلیا۔آپ نے اپنی آزادی کے لیے مجھ سے مدد مانگی ہے۔آپ کی یہ گزارش میرے تخت جہاں پناہ تک پہنچائی گئی اور اس کی ساری تفصیل میری دانش سلطانی پر روشن ہوئی۔اس پر میں نے بہت غور و خوض کیا ہے۔

شہنشاہوں کی شکست اور اسیری کوئی نئی بات نہیں۔آپ ہمت بلند رکھیں اور اپنے حوصلے پست نہ ہونے دیں۔ہماری اجداد معظم و مکرم رحمتہ اللہ علیہم کبھی جنگ اور مقابلے سے نہیں اکتاتے تھے، بالآخر اپنے دشمن کو ہزیمت دے کر فرار پر مجبور کرتے تھے۔اور ان کے ملکوں کو فتح کر لیتے تھے۔خود ہم نے اسی راستے پر قدم رکھا ہے۔ہم نے ہمیشہ سخت اور دشوار گزار علاقوں اور قلعوں کو فتح کیا ہے۔دن ہو یا رات ہمارے راہوار پر زین کسی رہتی ہے اور ہماری کمر سے تلوار بندھی رہتی ہے۔

خدائے تعالیٰ ہمیشہ سچائی اور حقیقت کا ساتھ دے گا۔اس کی مرضی جو کچھ ہو وہ پوری ہو کر رہے گی۔باقی امور کے متعلق آپ کے قاصد کو جواب دیا گیا ہے۔جو اس سے معلوم ہو جائے گا۔معلوم ہو کہ جو وعدہ کیا گیا ہے اس پر عمل ہوگا۔

''محررہ.....دارالسلطنت، حصار قسطنطنیہ۔''

سلیمان نے جو وعدہ کیا تھا۔ وہ اس نے خط میں احتیاطاً، درج نہیں کیا۔ لیکن اس خط کی رسمی زبان کی تہہ میں اس خواہش کا پتا چلتا ہے کہ فرانس سے دوستی بڑھائی جائے اور جرمنوں کے مقابلے میں اسے اپنا حلیف بنایا جائے۔ فرانس کو برابر کا تاجدار تسلیم کیا گیا ہے اور خط میں اسے شہنشاہ کہا گیا تھا۔ (حالانکہ ترکوں کی رائے میں یورپ بھر میں ایک ہی شہنشاہ، اور وہ سلیمان تھا) بین السطور سے یہ پتا چلتا ہے کہ ترک شہنشاہ دو باتوں پر آمادہ تھا۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے عثمانی آباؤاجداد کے نقش قدم پر یورپ میں مزید پیش قدمی کر کے فرانس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے شہر قسطنطنیہ کو مظلوموں کے لیے جائے پناہ بنانا چاہتا تھا۔

شاید فرانجی پانی جیسے ذہین اور ہوشیار قاصد کو بھی اس کا اندازہ نہ ہو سکا کہ سلیمان جو کہہ رہا ہے۔ خلوص اور صدق دل سے کہہ رہا ہے، معلوم ہو کہ جو وعدہ کیا گیا ہے اس پر عمل ہوگا۔

اب پہلی مرتبہ عثمانی ترک یورپ کے معاملات میں اس طرح داخل ہوئے تھے کہ یورپ والے انہیں بلقان کے پہاڑوں پر ڈیرے ڈالنے والے وحشی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ آنے والے برسوں میں نازک موقعوں پر یورپ کے دربار مدد کے لیے مشرق کی طرف نگاہیں جمانے والے تھے۔

فرانس کی ملکہ مادر کے خط کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ جنوری 1526ء میں چارلس نے بیمار فرانس کو رہا کر دیا۔ آزادی حاصل کرنے کے لیے فرانس کو پہلے صلحنامہ

میڈرڈ پر دستخط کرنے پڑے۔ جس کی رو سے ہاپس برگ خاندان نے فرانس کی دیلوآ خاندان سے بہت بڑا علاقہ حاصل کر لیا۔ لیکن جوں ہی فرانس نے سرحد پار کی اس نے اس صلحنامے کو تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ اس سے جبراً لکھوایا گیا تھا۔ اسی آسانی سے اس نے سلیمان سے دوستی توڑ دی۔ عیسائی بادشاہ کی حیثیت سے، اب سے چھ سال پہلے جب وہ چارلس کے مقابلے میں شہنشاہ بننے کے لیے انتخاب کرنے والوں کی رائیں حاصل کر رہا تھا۔ اس نے ترکوں کے خلاف صلیبی جنگ کرنے کی سوگندھ کھائی تھی، اب وہ کیسے یہ اقرار کر سکتا تھا کہ سلطان سے اور اس سے مفاہمت ہو گئی ہے۔

لیکن چارلس کو اپنے مخبروں سے فرانجی پانی کی سفارت کا پتا چل گیا تھا۔ اس نے فوراً اس کا اعلان کر دیا کہ اس کے دو دشمن ہیں۔ مغرب میں فرانس کا بے حد عیسائی بادشاہ اور مشرق میں خلیفۃ المسلمین۔ اس کے وزیروں نے فرانسیسی سوسن اور ترکی ہلال کے ملحدانہ اتحاد پر بڑے طنزیہ حملے کیے۔

لیکن سلیمان سچ مچ فرانس کی دوستی کا خواہاں تھا۔

جس طرح رہوڈس کی فتح کے بعد آل عثمانیہ کی سلطنت کو مستحکم کرنے کے لیے سلیمان نے کچھ عرصہ کے لیے فتوحات کا سلسلہ ملتوی کر دیا تھا۔ اسی طرح موہاکس کی فتح کے بعد دو سال تک اس نے یورپ کی طرف پیش قدمی نہ کی 1527ء سے 1529ء تک اس دو سال کے عرصے میں وہ مشرقی یورپ کے سیاسی نقشے کا بڑے غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ اور اس مقصد کے لیے کسی نہ کسی بہانے سرائے میں جما رہا۔

بڑی بے احتیاطی اور بعض مؤرخوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ عرصہ اس کی فوجی عظمت کے کمال کا دور تھا۔ دراصل اس زمانہ میں اس میں یہ تبدیلی ہوئی کہ وہ خالص جنگ جو نہ رہا۔ اس نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا، اس کے لیے مغرب کی عیسائی سیاسی جماعت کا دروازہ کھل گیا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اس دروازے کے اندر داخل ہو کے وہ اپنے دو قابل لحاظ ہمعصروں فرانس اور چارلس پنجم کے پہلو، اولین مرتبہ پر جلوہ افروز ہوگا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خود اس نے فرانس سے دوستی یا مقدس سلطنت روما سے دشمنی کیلئے قدم نہیں اٹھایا تھا۔ جب وہ اپنے قصر کے خانہ باغ میں رومی ستونوں کے درمیان ٹہلتا ہوگا تو اسے یہ سوچ کر ہنسی آتی ہوگی کہ چارلس ہاپس برگ بکواس کرتا ہے جو اب بھی اپنے آپ کو رومی شہنشاہ کہتا ہے۔ یہ شہر جو ہزار سال سے مشرقی رومیوں کا پایۂ تخت تھا اب سلیمان کا دارالسلطنت تھا۔

پھر جب وہ اپنے توشہ خانہ میں اس مرمریں حجرے کے قریب سے ہو کر گزرتا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملبوس مبارک رکھا تھا تو اسے یہ بھی یاد آ جاتا کہ وہ خلیفۃ المسلمین ہے۔ اس لحاظ سے وہ پاپائے روم کا مدمقابل ہے جو عیسائیوں کا خلیفہ ہے۔ جب وہ دیوان خاص میں اجلاس کرتا تو اس کے امرو وزراء اصرار سے عرض کرتے کہ یورپ کے خلاف جلد فرمایا جائے بقیہ یورپ بودا اور پست میں اس کی نئی سرحدوں سے بہت قریب ہے۔ اپنے دلوں میں انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کوئی طاقت سلیمان کو روک نہیں سکتی۔ آئندہ یورش میں وہ دن بدن کمزور ہوتے ہوئے

یورپ کے قلب تک پہنچ جائیگا۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ کون شخص یورپ کے کس حصے کا بادشاہ ہے۔

مصطفےٰ پاشا جو امراء میں سب سے زیادہ معمر تھا،عرض کرنے لگا: ''تاجوں کے سونے سے نہیں،تلواروں کے لوہے سے ملک پر حکومت کی جاتی ہے۔''

☆............☆............☆

یورپ میں تغیر

سلیمان اس براعظم کا غور سے مطالعہ کر رہا تھا جس کو اس نے اپنا وطن بنایا تھا۔ اور اس سلسلے میں وہ اکثر یہ سوچا کرتا تھا کہ ہنگری کے پہاڑوں کے اس پار اس براعظم کے کیا حالات ہوں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ارسطو کی کتابیں پڑھی تھیں، مدرسہ کے طالب علموں کی طرح اس نے میمونی ڈیس کے فلسفے کا مطالعہ کیا تھا۔ لیکن خود اپنے زمانے کے یورپ کی زندگی اس نے نہیں دیکھی تھی۔ اس کے دربار میں صرف ایک یورپی سفیر تھا، وینس کا، جو اس کی سلطنت اور مغربی یورپ کے بیچ میں واقع تھی۔

ترک چونکہ تاجر پیشہ نہیں تھے، یورپ میں ان کی جارتی چوکیاں نہیں تھیں۔ ترک جہاز ابھی تک ایشیائی ساحل، بحیرۂ اسود، اور شاید اس پار مصر تک ہی آیا جایا کرتے تھے۔ رہ گئے جہازی جو مغرب سے آ کے گولڈن ہارن میں جمع ہوئے تھے، وہ ریشم یا ہاتھی دانت یا مسالوں جیسی اجناس کی تجارت میں نفع کمانے آتے تھے۔ ساحل پر ان جہازیوں کی گپ شپ کی اطلاع سلیمان تک بھی پہنچ جاتی تھی، لیکن وہ اس پر یقین کرے یا نہ کرے کبھی کبھی فرانجی پانی جیسا قاصد اس کے پاس آ کے بیٹھ کے اس سے باتیں کرتا...... اپنی کوئی عرضی لے کے آتا میمو جیسے سفیر سے تو صرف چالاکی اور دغابازی کی توقع تھی۔

اس لیے یورپ کے مسئلے پر تنہائی میں سوچتے سلیمان نے ابراہیم سے اصرار

کرنا شروع کیا کہ اجنبیوں سے یورپ کے متعلق اطلاعات حاصل کرو۔ وزیران اطلاعات کے مقابلے میں لوئی جی گری تی پر بھروسہ کرتا تھا، اس نے سلطان سے عرض کی کہ وہ اس کے ساتھ گری تی کے مکان پر چلے۔ سلطان نے سلاطین آل عثمان کی پرانی رسم توڑ کے اس مشورے پر عمل کیا۔ اس جلاوطن شخص کے مکان کے چبوترے پر بیٹھ کر ان سب نے آپس میں اس طرح گفتگو کی اور کوئی سن نہ سکے۔ لیکن لوگوں نے سلطان کو دیکھ کر لیا اور پکے مسلمانوں کو رنج ہوا کہ خلیفۃ المسلمین اس طرح ایک معمولی آدمی کی طرف ایک ایسے نصرانی کے گھر جائے جو رشوتیں لیتا تھا اور شراب خوار تھا۔

وہ تین آدمی جو چبوترے پر بیٹھے تھے، ان میں سے دو بڑی دولت کما رہے تھے۔ ابراہیم نے سلطان پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ گری تی سے کیا کام لے رہا ہے دونوں نے سلطان پر زور دیا کہ وینس سے بڑے اچھے تعلقات رکھنے چاہئیں (گری تی تو ذاتی اغراض سے یہ کہہ رہا تھا، اور ابراہیم جو بیرونی تجارت سے نفع کما رہا تھا، چاہتا تھا کہ قسطنطنیہ سے ہو کر ایشیا کی تجارت کا کاروبار غیر ملکی تاجروں کے ہاتھوں یورپ تک پہنچے اور اس کے لیے وہ وینس کے سوداگر اور ان کے بحری بیڑوں سے کام لینا چاہتا تھا)۔ یہ ان دونوں نے سچ کہا کہ وینس ان دنوں ہاپس برگوں کا قدرتی دشمن ہے اور ان کے عروج سے خائف ہے۔ فرانسیسیوں کو بھی اگر مصر میں تجارتی مراعات دی جائیں تو اس سے فرانس کے حق میں سلطان کی خوشنودی کا اظہار ہوگا۔

سلیمان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ اس کے حریف چارلس کے اور اتنے بہت سے دشمن کیوں ہیں۔ چونکہ چارلس سپین کا بھی بادشاہ تھا، اس لیے پرتگیزی نئی دنیا میں اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ اور نئی دنیا سے اس کے لیے جہازوں میں بھر بھر کے چاندی آتی تھی۔

گری تی نے عرض کی کہ پرتگیزی مشرق کی طرف بھی جہاز رانی کر رہے ہیں، ترکوں کے علاقوں کے گرد تا کہ مشرق بعید کی بندرگاہوں میں نت نئی دولت کمائیں۔

لیکن چارلس جیسا بادشاہ فیوگرس مہاجنوں کے خاندان کا مقروض کیسے تھا؟

اس لیے کہ اس کے پاس اتنی رقم موجود نہیں تھی کہ وہ اپنی بے شمار فوجوں کو تنخواہ دے سکے۔

اگر چارلس رومتہ الکبریٰ کے پاپائے اعظم کا دوست تھا، تو اس نے روم کے شہر پر یورش کر کے اسے تاخت و تاراج کیوں کیا، اور پاپائے روم کو اس کے اپنے سینٹ آنجلو کے قلعے میں قیدی بنا کے کیوں رکھا ہے۔

اس کی فوجوں نے رومتہ الکبریٰ کو روپیہ حاصل کرنے کے لیے لوٹا۔ اس کی فوج کا بیشتر حصہ سوئٹزر لینڈ کے نیزہ بازوں اور جرمن لانڈس کنشٹ سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ جب سلیمان بودا سے واپس پلٹا تو انہیں اس کا موقع مل گیا کہ آزادی سے اٹلی میں لوٹ اور غارتگری کا بازار گرم کریں۔ جرمنوں کو چارلس کا بھائی فرڈیننڈ تنخواہ دیتا ہے۔

اگر پاپائے روم واقعتاً عیسائیوں کا سب سے بڑا سردار ہے تو اس نے چارلس

کی فوج کے غارتگر دستوں کو دخل اندازی سے کیوں نہیں روکا۔

اس لیے کہ اس کے اپنے پاس کوئی فوج نہیں۔

آپس کے رشک آگے بڑھنے کی کوشش، اور ایک دوسرے کے خلاف اس جبر و تشدد کے نقشے پر غور کر کے سلیمان نے یہ قبول کر لیا کہ وینس کے سوداگروں کی ہمت افزائی کی جائے اور فرانسیسیوں کو مصر میں تجارت کے کچھ مراعات دے دیئے جائیں۔ سمندر میں دو طاقتیں اس کی دوست رہیں۔ بری نقشہ اچھی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا پہلے تو وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کے تخلیہ کرنے کے بعد اب ہنگری میں کیا صورت ہوتی ہے۔ لیکن اپنے دل میں خاموشی سے اس نے یہ رائے قائم کر لی کہ چارلس بڑا ہی قابل بادشاہ ہے۔

یورپ کے منظر میں وہ اس قدر محو تھا کہ اس موسم گرما میں جب اناطولیہ میں درویشوں کے بھڑکانے سے بعض ترکمان قبائل نے بغاوت کی تو اس نے ان کی سرکوبی کے لیے ابراہیم کو بھیج دیا، خود نہیں گیا۔

اس صبر و استقلال کا اسے انعام ملا۔ اسے یہ سمجھنے میں وقت ہوئی تھی کہ ایک عیسائی فوج نیرومتہ الکبریٰ کو کیوں تاخت و تاراج کیا لیکن ہنگری کے وسیع میدان کے حالات دیکھنے اور سمجھنے میں اسے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ خود اس علاقے کو خالی چھوڑ آیا تھا۔

اس خالی میدان میں ہاپس برگ بھائیوں نے اپنے قدم جمائے۔ سلیمان نے ابھی ڈینیوب کو عبور کیا ہی تھا کہ چارلس کی مرضی سے چند باقی ماندہ اسقفوں نے

اس کے چھوٹے بھائی فرڈی لنڈ کو اس تباہ شدہ ملک کا بادشاہ بنانے کا اعلان کر دیا (فرڈی انڈ جو بڑا ضدی اور تنگ دل تھا اس لیے ہنگری کے تخت کا دعویدار تھا کہ اس کی بیوی این متوفی شاہ لوئی کی بہن تھی)

اس لیے اب نقشہ یوں بدل گیا کہ وسط یورپ پر مقدس سلطنت روما کا اقتدار جمنے لگا۔ یہ ایک ''یورپی حصار'' تھا جو وی آنا کے چاروں طرف بنتا جا رہا تھا۔ اس کے مغرب میں جرمن سرزمینوں کی فصیلیں تھیں، اور مشرق میں بوہیمیا کی فصلیں تھیں، ان میں ہنگری کا مشرقی علاقہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

لیکن ہنگری کا ایک حصہ ہاپس برگوں کی حکومت کے آگے سر جھکانے کو مطلق تیار نہ تھا۔ جنوبی پہاڑوں میں ٹرانسلوے نیا کا ووے ووڈ (سردار) جان زپولیا اب بھی عوام کی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا (اس کے علاوہ سلیمان کی فوجوں نے ٹرانسلوے نیا کو تاخت و تاراج نہیں کیا تھا) اپنی جگہ جان زاپولیا نے بھی اپنے سر پر ہنگری کے بادشاہوں کا آہنی تاج خود پہن لیا تھا۔

سلیمان نے اپنے خاص انداز میں بہت آہستہ آہستہ ہاپس برگوں کے یورپی قلعے کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ اس نے نقل و حرکت اس قدر خاموشی کے ساتھ شروع کی کہ شروع شروع میں کسی پر کچھ ظاہر نہ ہو سکا۔ ایک اور اطالوی کی تحریروں سے اس معمے پر روشنی پڑتی ہے ''شہر میں ترکوں کے علاوہ بہت سے یہودی اور مارانی (عرب) ہیں جو اسپین سے نکالے گئے تھے۔ انہوں نے ترکوں کو بہت سے مفید ہنر اور فنون سکھائے ہیں۔ اور اب بھی سکھا رہے ہیں زیادہ تر دکانیں انہیں عربوں کی

ہیں۔بیزستان (بازار) میں وہ ہر طرح کا پارچہ اور تر کی سامان فروخت کرتے ہیں، جیسے ریشم، سوتی کپڑا، چاندی، مرصع سونا، کمانیں غلام اور گھوڑے، قصہ مختصر یہ کہ جو سامان تجارت قسطنطنیہ میں ملتا ہے اسی بازار سے آتا ہے۔"

اسی طرح رہوڈس کے جزیرے کے باشندوں کو اپنے اپنے کام سے لگے رہنے کی اجازت ملی تھی۔موریا میں جو یونان کا جنوبی حصہ ہے کسان اہل وینس کی حکومت کے زمانے کے مقابلے ترکوں کے دور حکومت میں زیادہ خوشحال تھے اور ایک اور اندرونی قومیت آرمینیوں کے ہاتھوں ملک کی بیشتر تجارت تھی۔

سمندر سے آنے والے اور بہت سے اجنبی ترکوں سے تجارتی رعایتوں کے جویا تھے۔ساحلی تجارت سے یونانی جہازی بڑا نفع کما رہے تھے۔فرانجی پانی جب دارالسلطنت واپس پہنچا۔تو اس نے فرانسیسی تاجروں کے لیے مزید رعایتوں کی درخوات کی۔

ظاہر ہے کہ دوسرے مقامات سے نکالے ہوئے اور نکلے ہوئے انسانوں کو سلطان سلیمان کی حکومت میں پناہ مل رہی تھیں۔رفتہ رفتہ اس کی حکومت کے استحکام کا مغرب کی دولتوں کو احساس ہونے لگا۔بجائے ترکی دہشت اور خطرے کے اس آخری سال یورپ کے مورخیں "ترکی امن" کا ذکر کرنے لگے۔یہ ترکی امن یورپ کی نئ مسلسل آویزشوں کے مقابل ایک نعمت تھا۔(پاؤلو جودو جس کی کتاب کے مسودے رومتہ الکبریٰ کی فتح اور تاراج کے ہنگامے میں ضائع ہو گئے۔لکھتا ہے کہ واقعات اس قدر عبرتناک ہیں کہ بیان میں نہیں آسکتے) بڑی احتیاط کیس اتھ یہ

ترک جنہیں اب تک یورپ کے لوگ وحشی کہتے تھے۔ یورپ کی سیاسی حکمت عملی کے میدان میں قدم رکھ رہے تھے۔

کسی کو سلیمان کے اس ارادے کا پتہ نہ چلا۔

ہنگری کے علاقے میں جو خلا کی طرح سلیمان کی سلطنت اور خاندان ہاپس برگ کی سلطنت کے درمیان حائل تھا۔ تین سال تک سلیمان نے قدم نہیں رکھا۔ اس کی بجائے اس نے اپنے خطیبوں اور واعظوں کو ڈینیوب کے کنارے کے پہاڑوں میں بھیجا، جو اس کے بلگراڈ کے دروازے کے دونوں طرف دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

مشرق میں ٹرانسلوے نیا کے پہاڑوں میں جہاں جان زاپولیا کی حکومت تھی، سیاح درویشوں نے اپنا سفر شروع کیا۔ مغرب کے اس کوہستان میں بوسنیا اور کرد آٹ کے طاقتور سرداروں کی طوائف الملو کی تھی۔ اس نے سنجق بے سرداروں کی قیادت میں ترکی سرحدی فوج کے دستے بھیجے، جنہوں نے پہاڑی راستوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن پہاڑی دیہاتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، ان لوگوں سے سلطان نے بہت اچھی طرح پیش آنے کی کوشش کی۔ اور اس میں اسے فرانسیسی دربار کے فرانجی پانی سے بہت مدد ملی۔ جو پیدائشی قوم کا کرد آٹ تھا۔

اس طرح وہ اپنی ڈینیوبی قوموں کی رعایا میں اضافہ کرتا جا رہا تھا جو مفتوح سے زیادہ اس کی معتقد ہوتی جا رہی تھیں۔ اس رعایا میں ولاچی، بلغاری اور سربی قومیں شامل تھیں۔ یہی دیکھ سمجھ کر لوئی جی گری تی نے اس حیرت ناک رائے کا اظہار کیا:"

شاید اسی کے طفیل میں دنیا کو امن نصیب ہو۔‘‘

آئندہ سالوں میں سلیمان نے ان ذہین کروآٹوں کو جو اس کے مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ اپنی سلطنت کے بڑے ممتاز عہدوں پر حکومت کرنے کے لیے مامور کیا۔

اس علاقے میں وہ ہنگری کے حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا اور استقلال کے ساتھ آہستہ آہستہ چند ایسی تبدیلیاں کر رہا تھا جو فوراً نہ کی جا سکتی تھیں۔ کیونکہ پرانی رسوم و روایات سے ترکوں کو یکلخت منحرف کرنا آسان نہ تھا۔

☆..........☆..........☆

All rights reserved. ©2002-2006

قوانین اور انسانی ضروریات

جب سلیمان نے اپنے دربار سے ہٹ کر نشست کرنے لگا تو سب کو تعجب ہوا۔

وہ صبح تڑکے دربار کو اپنے محل کے دوسرے احاطے میں ایک چھوٹے سے کمرے میں طلب کرتا۔ عام طور پر دربار کی صدر نشینی کے وزیر کے سپرد تھی۔ جو دروازے کے مقابل ایک چھوٹی سی چوکی پر بیٹھتا۔ جس پر گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ دروازے سے نقیب ان لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دیتا جو درخواستیں لے کر آتے ، یا کوئی مقدمہ پیش کرتے ، یہاں وکلاء اپنے محضر پیش کرتے اور غیر ملکوں کے سفیر اپنے معاملات کے متعلق سلسلہ جنبانی کرتے۔ وزیر کے ساتھ فوج کے "قاضی القضاۃ" باقی اور صدر خزانہ نشست کرتے۔

باہر جالی دار برآمدے میں اہل غرض اور اہل مقدمہ جمع ہوتے ، جیسے کسی زمانے میں قبیلے والے خیمہ کے باہر اسی انتظار میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اس چھوٹی سی دربار گاہ میں حاضرین سلطنت عثمانیہ سے متعلق تمام امور دیکھ اور سن سکتے تھے۔ دربار ہفتے میں چار بار منعقد ہوتا۔

دوپہر کو تھوڑی دیر کے لیے وقفہ ہوتا جس میں ارا کین دولت کھانا کھاتے جو ان کے آگے چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر لگا دیا جاتا۔ وزیر کے لیے شربت کا پیالہ آتا ، دوسروں کے لیے حوضوں کا پانی۔

سلطان محمد فاتح کے زمانے سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ سلاطین آلِ عثمان دربار سے الگ ایک جالی دار پردے کی اوٹ میں بیٹھتے، جہاں سے وہ دربار کی کارروائی کو دیکھ سکتے، اور جہاں مناسب سمجھتے ہیں اس میں روک ٹوک کر سکتے تھے (یہ قصہ مشہور ہے کہ سلطان فاتح پہلے اور سب کے ساتھ دیوار کا سہارا لے کر بیٹھا کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک دہقان ایک شکایت لے کر آن پہنچا۔ اور ان سب کی طرف گھور گھور کر دیکھ کے پوچھ بیٹھا: ''آپ میں سے کون شخص سلطان ہے؟'')

سہ پہر میں جب عام مقدمات کی ساعت ختم ہو جاتی تو سلطان اپنے دیوان خاص میں چلا جاتا جہاں امرائے دربار آکے خاص خاص اطلاعیں پیش کرتے۔ اور ینی چیریوں اور سپاہیوں کے آغا باریاب ہو کے اپنے معروضے اس کی اطلاع کے لیے پیش کرتے کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ مغرب تک ان لوگوں کا تانتا بندھا رہتا۔

ابراہیم کے وزیر بننے کے بعد سلیمان نے اس دستور میں تبدیلی کر دی۔ اس نے دربار کے کمرے میں کی عقبی دیوار میں ایک کھڑکی کھلوا دی، اور اس کھڑکی کے باہر بھاری جالی کا کٹہرا لگوا دیا۔ یہاں سب کی نظروں سے پوشیدہ، وہ بیٹھ کے دربار کے کمرے کا مباحثہ سن سکتا تھا۔ امرائے دربار کو یہ بتا نہ چل سکتا تھا کہ وہ ان کی باتیں سن رہا ہے یا نہیں۔ اس طرح نظروں سے اوجھل رہنا بادی النظر میں ایک معمولی سی تبدیلی تھی۔ اور شروع شروع میں سوا اس کے اس کا کوئی خاص اثر نہ ہوا کہ ابراہیم ہی ناظم الامور معلوم ہونے لگا۔

اس طرح دربار سے الگ رہنے کی وجہ محض یہی نہیں تھی کہ سلیمان کو یہ بھرا ہوا

کمرہ اور یہ سارا مباحثہ و مناظرہ پسند نہیں تھا۔ ایک وجہ اور بھی تھی، شاید سلطان محمد فاتح نے الگ نشست کرنے کا اس لیے فیصلہ کیا تھا کہ اس کا جیسا ان تھک اور محنتی آدمی بھی روزانہ چھ گھنٹہ بیٹھا ہوا معمولی مقدموں کا حال سن کے پھر اس قابل نہ رہ سکتا تھا کہ زیادہ اہم اور عام امورِ سلطنت پر قابو رکھ سکے۔ بایزید اور سلیم دونوں دن بھر، اور بہت رات گئے تک کام میں مصروف رہتے تھے۔

سلیم نے ایشیا میں جو فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان سے سلطنت عثمانیہ کا رقبہ دو چند ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ سلیم مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لبادۂ مبارک اپنے ساتھ لایا تھا۔ سلاطین آل عثمان اب خلفا کے جانشین بن چکے تھے مقامات مقدمہ کی حفاظت ان کے ذمہ تھی۔ وہاں کی ذمہ دار تھے کہ حاجیوں ک قافلے امن و امان سے مکہ مکرمہ حج کے لیے آئیں جائیں۔ سلیمان مقدمات اور دلائل کو بھی سنتا جو بیت المقدس کے متعلق یہودی اور عیسائی اس کے سامنے پیش کرتے کیونکہ بیت المقدس ہی عیسائی کلیسا اور یہودیوں کی عبادت گاہیں متصل تھیں۔ یہ اہل کتاب زیادت کے لیے الگ الگ بیت المقدس جایا کرتے تھے۔ ان کو کوہ زیتوں اور کوہ سینا پر جانے کے خاص اجازت نامے حاصل تھے جو ان کو جان سے زیادہ عزیز تھے اور جن کی وجہ سے یہ لوگ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ سلیمان کو ان تمام عجیب و غریب مقدموں کی سماعت کرنی پڑتی جو ان چٹانوں اور زیتوں کے درختوں کے متعلق تھے۔ جہاں ایک زمانے میں حضرت داؤد علیہ السلام کا وطن تھا اور جہاں عیسائی حواری جمع ہوتے تھے۔

کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ ایک گرز میں یا بیت المقدس میں اپنے کلیساؤں کا ایک دروازہ کھلا رکھنا عیسائیوں کے لیے دنیا کی اور ہر شے سے زیادہ اہم تھا۔ اس بات کو سلیمان اچھی طرح جانتا تھا کہ مذہبی اعتقاد عام قوانین سے بہت زیادہ دیرپا اثر رکھتا ہے قانون اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ انسانوں کی خدمت گزاری ہو سکے۔ قانون کی تحریر کے یہ معنی نہیں کہ اس پر سے انسان کو قربان کر دیا جائے۔ قانون کے متعلق سلطان سلیمان کے اپنے نظریے الگ تھے۔

یروشلم کے متعلق اس نے جلد ہی اپنا فیصلہ صادر کیا: ''عیسائی ہمارے سایہ حاطفت میں امن سے زندگی گزاریں گے، انہیں اپنے دروازوں اور کھڑکیوں کی مرمت کی اجازت ہے۔ جن کلیساؤں اور مکانوں پر ان کا قبضہ باقی رہے گا۔ اس معاملے میں کوئی انہیں ڈرا دھمکا نہ سکے گا۔''

ایشیا کی بہت سی غیر متوقع سرزمینوں سے سفیر اس کے سامنے درخواستیں لے کر حاضر ہوتے۔ کریمیا کے تاتار خاں کی مملکت کی چراگاہوں کے اس پار سے ایک شخص تحفتاً سمور اور کھالیں لے کر آیا۔ اس کا نام اوان مرروسوف تھا۔ یہ ایک گمنا شہر ماسکو کا رہنے والا تھا۔ اس نے سلیمان کے سامنے اپنے مالک کی جسے وہ ماسکو کا شہزادہ اعظم کہتا تھا یہ درخواست پیش کی کہ سلیمان سے باہمی حفاظت کا معاہدہ کرے۔ سلیمان نے اس باہمی معاہدے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کریمیا کا خان جو کہ اس کا حلیف اور تابعدار تھا اکثر ماسکو کے علاقے میں یورش کیا کرتا تھا اور ماسکو سے خراج وصول کرتا تھا۔ آل عثمان کا سلطان ماسکو کے شہزادے کی سرپرستی

پر آمادہ نہ تھا کیونکہ اس سے تاتار کے خان کی سالانہ آمدنی کے کم ہو جانے کا امکان نہ تھا۔اس کے بجائے اس نے اہل ماسکو کی ہمت افزائی کی وہ سمور کی تجارت کو فروغ دیں۔

افراد کی سرپرستی کا یہ دستور سلطان محمد فاتح کے زمانے سے روز بروز پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔عثمانیہ نظم ونسق کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ فرد واحد کی خوشحالی کا ذمہ دار تھا۔خواہ یہ فرد کسان ہو یا دوکاندار ہو، یا بیوپاری ہو، ملاح ہو، پڑھا لکھا وکیل ہو یا طبیب ہو، مرنے کے بعد نظم ونسق کے عہدہ دار کی ساری جائیداد سرکاری ملک بن جاتی تھی۔اس طرح موروثی جاگیروں کا طریقہ رائج نہ ہونے پایا تھا۔سلیمان کے نوکر خود ہی اپنے وارث تھے۔ ان کا وارث کوئی نہ تھا۔متمول طبقے یا ذی اثر جاگیرداروں کے کسی طبقے کا وجود نہ تھا۔

جب پیری پاشا کو وظیفہ ملا تو اس کی حیثیت محض ایک گوشہ نشین بوڑھے کی سی رہ گئی۔جب وہ مر گیا تو اس کی جائیداد پر سرکاری خزانچیوں کی مہر لگ گئی۔

لیکن اکثر سلیمان کے پاس حاجت مندوں کے مقدمے پیش ہوتے۔سخت عثمانی قانون کے باوجود وہ اپنے نوکروں کی شخصیت کو فراموش نہ کر سکتا۔بیواؤں کو گزارے کی ضرورت ہوتی۔بچوں کو اخلاقی طور پر اس کا حق پہنچتا تھا۔کہ اپنے باپ کی ذاتی جائیداد کا کچھ حصہ انہیں ملے۔سلیمان اکثر ایسے مستحق بچوں کو ان کے باپ کی جائیداد کا بیشتر حصہ دے دیا کرتا تھا۔

نظم ونسق میں محض اپنی قابلیت اور کارگزاری کی بنیاد پر ترقی مل سکتی تھی، اہل

یورپ کے طور طریقے کے برعکس خاندان یا کسی اور اثر سے ترقی ملنے کا امکان نہیں تھا۔ یہی واحد اور مسلسل معیار ایسا تھا جس کی وجہ سے قابل ترین آدمیوں کو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اس کا اطلاق ینی چیریوں پر بھی ہوتا تھا۔ قانون یہ تھا کہ کسی ینی شہری کا بیٹا سپاہی نہ بننے پائے۔ ان کو شادی بیاہ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ مگر چوری چھپے ان لوگوں کا گھر بار ہو ہی جاتا تھا۔ سلیمان نے ینی چیریوں کے اس سخت قانون میں اس طرح ترمیم کی کہ ایک خاص قسم کے ینی چیریوں کو شادی کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن اس کے بعد ان کے لڑکوں کو فوج میں بھرتی ہونے سے روکنا اور مشکل ہو گیا۔

جس طرح خاندان والے یہ چاہتے تھے کہ کچھ نہ کچھ جائیداد ان کے قبضے میں باقی رہے۔ اس طرح قدرتی طور پر ایک خاندان کے افراد ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ قانون نے یہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ کوئی ذمہ داری عہدہ دار...... مثلاً جیسے محمد چلپی صدر خزانہ، جس کو ترک دفتر دار کہتے تھے ...... اپنی کسی ماتحت خدمت پر اپنے عزیزوں کا تقرر نہ کر سکتا تھا۔ چلپی کو اس کا تو اختیار تھا کہ سوکولی کا جہاں چاہے تقرر کرے جو مدرسہ کا فارغ التحصیل تھا، قوم کا کروآٹ تھا، لیکن اس کا حق نہ تھا کہ خود اپنے بیٹے کا کسی خدمت پر مقرر کرے۔ اس طرح ترکوں میں اقربا نوازی ناممکن تھی۔ خود سلطان اپنے کسی عزیز کو کسی خدمت پر مامور نہیں کر سکتا تھا۔ شاہی خاندان کی عورتوں، سلطان کی بہنوں اور بیٹیوں کی شادیاں قابل و فاضل امراء سے ہوتیں، جنہیں ان شہزادیوں کے سوا دوسری شادی کرنے کی اجازت نہ

ہوتی، ان شادیوں کی اولاد نرینہ کو نظم ونسق میں عہدے مل سکتے تھے یا فوجی خدمتوں پر ان کا تقرر ہو سکتا تھا، لیکن وہ تخت شاہی سے محروم قرار دیئے جاتے تھے، تاکہ کبھی تخت کے وارثت کے لیے جھگڑا نہ ہو سکے۔ اس قانون پر جو کہیں ضبط تحریر میں نہ آیا تھا بڑی سختی سے عمل ہوتا تھا۔ مثلاً ابراہیم کا کوئی لڑکا سلطنت کا دعویٰ نہ کر سکتا تھا۔ (اس فرضی کہانی میں جو عام طور پر مشہور ہے کہ کوئی اصلیت نہیں کہ شاہی خاندان کی عورتوں کی شادی خواجہ سراؤں سے کر دی جاتی تھی تاکہ ان کے کوءیاولاد نہ ہو سکے۔ اس قسم کی بے سروپا افواہیں حرم سلطان کے متعلق غیر ملکی اجنبیوں سے پھیلا رکھی تھیں)

اس طرح مرتے دم کوئی سلطان پسماندوں کا بہت بڑا خاندان اپنے پیچھے نہ چھوڑتا۔ اس کا صرف ایک بیٹا زندہ ہوتا۔ سلطان محمد فاتح کے سخت قانون کے مطابق اور سب کا کام تمام کر دیا جاتا۔

سلیمان نے اس قانون کو توڑنے کا عزم کر لیا تھا۔ اسنے گل بہار اور روکسے لانا کی اولاد نرینہ میں ایک علاوہ باقی اور سب کے قتل کرانے کا حکم نہیں دیا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اس قانون میں باقاعدہ ترمیم نہ کرے تو یہ اس کے مرنے کے بعد باقی رہ جائے گا۔

اس عرصے میں اس کے حرم میں روکسے لانا کا اقتدار بڑھتا جا رہا تھا۔

جیسے جیسے برس گزرتے جاتے یہ اکیلی روسی لڑکی اس کے جذبات پر حاوی ہوتی جاتی۔ اس کے بطن سے دو بیٹے تولد ہو چکے تھے جن کے نام اس نے اپنے باپ اور دادا کے نام پر سلیم اور بایزید رکھے تھے۔ اب وہ اکثر درمیانی دالان کے اس

طرف اندرون حرم میں جایا کرتا تھا تا کہ اس ذہین اور طباع روسی لڑکی کی باتوں سے محظوظ ہو، جسم سے زیادہ اس کے دماغ کو اس کی رفاقت کی ضرورت تھی۔

یہ لڑکی جسے اہل یورپ روکسے لانا کہتے تھے اس کی کوشش کرتی تھی کہ ہر بار وہ ایک نئے روپ میں سلطان کے سامنے آئے۔ کبھی چھوٹی سی زرکاری کی ٹوپی پہنتی تو کبھی اپنے کھلے ہوئے رنگ کے بالوں کو موتیوں کی لڑی میں باندھ لیتی۔ کبھی وہ ایک دبلے پتلے لڑکے کی طرح فوجی وردی پہن لیتی تو کبھی رقاصہ کے روپ میں اپنے حسن کی بہار دکھاتی۔ اس کے برعکس سلطان کی پہلی محبوبہ گل بہار کا بس ایک ہی انداز تھا۔ وہ چاہے اپنی آنکھوں میں کتنا ہی سرمہ کیوں نہ جھونک لے، یا اپنی لمبی لمبی زلفوں میں شیشے کے رنگ برنگے پھول لگائے۔ اس کا انداز وہی رہتا۔

وہ اس کی بھی کوشش کرتی تھی کہ حرم کی اس بھول بھلیاں میں وہ بالکل الگ اور اکیلی نظر آئے (اس کے باوجود کہ اب اس کی خدمت کے لیے کنیزوں کی افراط تھی سیاہ فام خواجہ سرا اس ک نوکر تھے جو باہر کی خبریں اس تک پہنچایا کرتے تھے) لیکن چونکہ وہ حرم کے معاملات میں دخل نہ دیتی تھی۔ اس لیے سلطان والدہ اسے برداشت کرنے لگی تھی۔ اس کے علاوہ یہ سلاف لڑکی ہمیشہ خوش وخرم رہا کرتی تھی۔

اور سلیمان اپنی ماں کی بے حد عزت اور قدر ومنزلت کیا کرتا تھا۔ یہ سلاطین آل عثمان کا بڑا خاص طور پر طریق تھا۔ روکسے لانا نے کبھی اس کی کوشش نہ کی کہ وہ ماں او بیٹے کے درمیان حائل ہو، کیونکہ ماں کو دنیا کے معاملات سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، اور بہت روشن دماغ تھا۔ حرم میں والدہ کی حکومت سے اپنے آپ کو الگ

تھلگ رکھ کر سلطان کی فیاضی سے زیادہ فائدہ اٹھاتی اور زیادہ جیب خرچ وصول کرتی، حرم کی عورتیں اسے خاصگی خرم (منظور خرم) کہنے لگی تھیں۔

اب تک حرم کے مراتب کے لحاظ سے سلطان والدہ کی حیثیت مقدم تھی۔ پھر گل بہار کی باری بحیثیت اولین قدن کے تھی، وہ سلطان کے پہلے بیٹے اور ولی عہد مصطفیٰ کی ماں تھی۔ تیسری نوبت پر روکے لانا تھی جو دوسری قدن تھی۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ چرکس لڑکی اور روسی لڑکی کے درمیان ایک بڑا بے درد لیکن خاموش معرکہ جاری رہتا۔ ایک آدھ مرتبہ انہوں نے ناخنوں اور دانتوں سے ایک دوسری کو نوچا اور کاٹا بھی۔ روکے لانا جو زیادہ دبلی پتلی تھی اس کے بال زیادہ نچے اور اس کے چہرے پر ناخنوں کے زیادہ گہرے نشانات لگے۔ اس کے بعد کئی دن تو وہ یہ بہانہ کرتی رہی کہ اس کی صورت اتنی بگڑ گئی ہے کہ وہ سلطان کے سامنے نہیں آسکتی۔ اس کے سوا اس نے کوئی اور شکایت نہیں کی، اور اس طرح اس نے سلطان کی ہمدردی حاصل کر لی۔

اس کے علاوہ وہ بار بار یہ کہتی تھی کہ مجھے اپنے دونوں بیٹوں کی جان کی طرف سے خطرہ معلوم ہوتا ہے، جو حوض کے کنارے سلطان والدہ کے صحن میں کھیلتے رہتے ہیں، گل بہار کا بیٹا جوان ہو چکا تھا، اور اب وہ فوجی تربیت حاصل کرنے کیلئے حرم سے باہر بھیج دیا گیا تھا۔

اتفاق سے بھی ہو گیا کہ جب مصطفیٰ فوجی تربیت کے لیے ایک صوبے کو بھیجا گیا تو گل بہار محل کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اسے یہ

احساس ہو گیا تھا کہ سلیمان اب اس سے الگ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد مصطفیٰ کی بادشاہت کی باری تھی۔ اب اس صرف اپنے بیٹے سے واسطہ باقی رہ گیا تھا۔

اس سال وینس کیبا ٹلو برا گادی نو نے گل بہار کے متعلق لکھا: ''اس کا آقا اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔''

☆..........☆..........☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اولین سفارتوں کا مسئلہ

اب اسے پہلی بار انتظار کا پھل ملا۔ دسمبر 1527ء میں خود ہنگری والوں نے اپنے قاصد بھیج کر اس سے مدد مانگی۔

قدرتی طور پر ہنگری میں دونوں حریف بادشاہوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ فرڈی نینڈ ہاپس برگ جس کی فوج زیادہ ساز و سامان سے آراستہ تھی، اور جسے بہادر بوہیمیا والوں کی مدد حاصل تھی، آسانی سے بودا پر قابض ہو گیا، اس نے سارے وسطی میدانوں پر قبضہ کر لیا اور عوام کی جو فوج زاپولیا نے اکٹھی کی تھی اسے مار بھگایا۔

جنگ ہار کے زاپولیا نے سلطان سلیمان سے مدد مانگی۔ مدد کی درخواست سے تو سلطان خوش ہوا۔ لیکن اسے اندازہ نہیں، جس میں یہ درخواست پیش ہوئی تھی۔ ابراہیم نے قاصد کو درشتی سے جھڑکا: ''تم نے آنے میں بہت دیر کر دی، تم کو اپنے بادشاہ کی تاجپوشی سے پہلے آنا چاہیے تھا۔ تمہارے سردار کی یہ کیسے ہمت ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو بودا کا بادشاہ سمجھے۔ کیا تمہیں اس کا علم نہیں کہ اب شہر میں ہمارے سلطان تشریف فرما ہو چکے ہیں۔ جس سرزمین پر سلطان کے گھوڑے کی ٹاپ پڑ چکی ہے وہ انہیں کا علاقہ ہے، میرے بھائی تم یہاں ایک تابعدار امیر کے سفیر بن کے آئے ہو اگر تم خراج لے کر آئے ہو تو حاضر کرو، ورنہ تم سے مزید گفتگو بیکار ہے۔''

لیکن جب ہاپس برگوں کے قاصد آئے تو ان کی خاطر مدارت دوسرے طریقے پر کی گئی۔ ہمہ صفت موصوف ابراہیم ان سے نئے انداز سے پیش آیا، اخلاق

اور مہمان نوازی کے ساتھ، اور مہمانوں کی باتیں غور سے سنتا رہا (اصل میں وہ ہاپس برگوں کے اصلی ارادوں اور انکی قوت کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا)

جب یہ دونوں جرمن سفیر ہوبورڈاناس اور رواکمل برگر دربار میں آئے تو سب رسوم ادا کی گئیں۔ ینی چیریوں نے سلامی دی۔ پاشا خلعتیں پہن کے دربار میں جمع ہوئے۔ جرمنوں کے ساتھ سازوسامان سے آراستہ چار سو نائٹ تھے۔ اس محفل کے انداز قیصرانہ تھے۔ اور ابراہیم بڑا خط اٹھا رہا تھا، اس نے سفیر کو بوہیمیا اور جرمنی کی سلطنت کے سفیر کہہ کر مخاطب کیا، ہنگری کی سلطنت کا سفیر نہ کہا، اور ان سے پوچھا کہ ان کے سفر تو بخیر وخوبی گزرا، پوچھا کہ وہ اپنی رہائش گاہوں میں آرام سے ہیں کہ نہیں۔ پھر ان سے ان کے بادشاہ کا حال پوچھا۔

ہوبورڈوناس نے کہا کہ اس کا بادشاہ اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہے کہ ہنگری کا بادشاہ بننے کے بعد وہ ترکوں کے شہنشاہ اعظم کا ہمسایہ بن گیا۔

ابراہیم: ......'' (کرخت لہجے ہے) ''سلطان نے اپنے پیچھے آثار ہی ایسے چھوڑے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ان کا گزر وہاں سے ہو چکا ہے۔''

ابراہیم: ''لیکن قلعہ؟ اس کا کیا حال تھا۔''

ہوبورڈوناس: ''قلعہ صحیح سلامت ہے۔ اسے نقصان نہیں پہنچا۔''

ابراہیم: ''آپ کو معلوم ہے کیوں؟''

ہوبورڈوناس: ''کیونکہ وہ شاہی قلعہ اور شہر سے دور ہے۔''

ابراہیم: ''نہیں، سلطان نے اپنے استعمال کے لیے اس قلعے کو باقی رہنے دیا

انشاءاللہ یہ قلعہ سلطان ہی کے تصرف میں رہے گا۔"

ہوبورڈوناس: ہم جانتے ہیں کہ سلطان کی یہی خواہش ہے، مگر اسکندر اعظم کی ایسی خواہش کی بھی تکمیل نہ ہو سکی۔"

ابراہیم اس سوال کھل کے جواب نہ دے سکا۔ (وہ جانتا تھا کہ سلیمان کھڑکی اندر سے سب کچھ سن کر رہا ہے۔ اور سکندر کے متعلق اس اور سلطان سے بہت مباحثہ ہو چکا تھا) اس نے سختی سے سفیر پر جرح کی: "تو تم یہ کہہ رہے ہو کہ بودا سلطان سلیمان کی مملکت میں شامل نہیں۔"

"میں سوا اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت بودا پر میرے بادشاہ کا قبضہ ہے۔"

اس پر ابراہیم کو موقع مل گیا۔ کہ وہ فرڈی نینڈ کی اصل طبیعت اور طاقت کے متعلق جرح کرے اس نے کہا: تم اپنے بادشاہ کو عقلمند کہتے ہیں۔ عقل کا تمہارے نزدیک کیا جرح کرے اس نے کہا: تم اپنے بادشاہ کو عقلمند کہتے ہو۔ عقل کا تمہارے نزدیک کیا مفہوم ہے۔ تمہارے بادشاہ میں کس طرح کی جرات اور شجاعت ہے۔ اپنے آقا کی طاقت کے متعلق تمہیں کچھ کہنا ہے؟"

اپنے بادشاہ کی تصویر میں اچھے رنگ بھرنے میں بیچارے ہوبورڈوناس کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ ابراہیم نے بچوں کی سی کھوج کا بہانہ کر کے اور بے یقینی کا اظہار کر کے سفیر سے کچھ ضروری معلومات حاصل کیں۔ آخر میں وزیر نے اپنی معصومیت کی نقاب اتار پھینکی۔ سفیر نے کہا تھا کہ فرڈی نینڈ کے طاقتور پڑوسی اور

دوست کہہ رہے ہو دراصل اس کے دشمن ہیں۔" اور پھر گویا بے خیالی کے انداز میں اس نے پوچھا: "تم صلح کے لیے آئے ہو یا جنگ کے لیے؟"

فرڈی نینڈ اپنے سب پڑوسیوں سے دوستی رکھنا چاہتا ہے۔ کسی سے دشمنی مول نہیں لینا چاہتا۔"

سفیروں سے اتنا کچا چٹھا معلوم کر کے اس نے انہیں بڑی شان وشوکت سے سلیمان کی خدمت میں باریاب کیا۔ سفریوں کو جو نائٹ تھے انہوں نے تحائف پیش کیے جو محافظ دستے کے ینی چیری نے لے کر حاضری کو دکھائے۔ سفیروں کو مترجموں کے ہمراہ دروازے کے قریب ہی روک دیا گیا۔ سلیمان نے پوچھا کہ ان کا آقا کیا چاہتا ہے۔ پھر ابراہیم اور قاسم اپنے درمیان ایک ایک سفیر کو لے کے آگے بڑھے۔ سفیروں کی باریابی کا یہ طریقہ پرانے قبائلی دور سے چلا آتا تھا۔

ہوبورڈوناس نے کہا کہ اگر وہ صلح نہیں تو کم از کم جنگ روکنے کی درخواست لے کر آیا ہے۔ سلیمان نے خود جواب نہ دیا، اپنے وزیر کے کان میں کچھ اشارہ کیا۔ جس نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "تمہاری یہ ہمت کیسے ہوئی کہ تم سلطان کے حضور میں اپنے بادشاہ کی عظمت کا ذکر کرو۔ یورپ کے دوسرے بادشاہوں نے سلطان سے نیازمندی کا اظہار کیا ہے۔"

غیر محتاط طریقے پر ہوبورڈوناس پوچھ بیٹھا کہ کن بادشاہوں نے یہ درخواست کی ہے؟ اسے جواب ملا: "فرانس کے بادشاہ نے، پولینڈ کے شہریار نے، ٹرانسلوے نیا کے دوئے ووڈ نے، پاپائے روم نے اور وینس کے دوجے نے۔"

اس پر منہ پھٹ آسٹروی قاصد خاموش ہو گیا اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کے جواب میں دراصل کچھ صداقت ہے۔ ابراہیم نے طنز سے کہا کہ ان میں ایک کے سوا اور سب یورپ کے خودمختار تاجدار یا حاکم ہیں۔ لمحہ بھر سوچ کے ہوبورڈوناس نے اپنا لہجہ بدل دیا۔ لیکن بے سود تھا۔ اس کی سفارت ایک ناممکن مقصد کے لیے تھی۔ اس کے بعد جب اس سے اور ابراہیم سے کئی بار گفتگو ہوئی تو اس نے قبول دیا کہ فرڈی نینڈ یہ چاہتا تھا کہ ہنگری کے تمام قلعہ بند علاقے پر اس کی حکومت تسلیم کر لی جائے۔ اس شرط پر وہ سلطان کے ساتھ امن برقرار رکھے گا۔

ابراہیم نے اس پر کہا: ''مجھے تعجب ہے کہ اس نے قسطنطنیہ پر قبضہ کا دعویٰ نہیں کیا۔''

جرمنوں نے یہ کہہ کے معاملہ اور بگاڑ دیا کہ ہنگری کے معاوضے میں سلیمان کو کچھ رقم ادا کر دی جائے گی۔ اس پر ابراہیم کو غصہ آ گیا۔ اس نے کھڑکی کے قریب جا کے شہر کی پرانی فصیل کی طرف اشارہ کیا۔ اس فصیل کو دیکھتے ہو۔ اس کے ختم پر سات برج ہیں۔ ہر برج سونے اور زر و جواہر سے بھرا پڑا ہے۔ رہ گئی معاوضے کی پیش کش تو نہ چارلس کے وعدے کا کوئی اعتبار ہے اور نہ فرڈی نینڈ کے وعدے کا......

جب تک انہیں واپس لوٹنے کا حکم ملا، انہیں سلطان کی خدمت میں باریابی کی اجازت نہیں ملی، اور واپس لوٹنے کا حکم بڑا برا شگون تھا۔

سلیمان نے ان سے کہا: ''تمہارے آقا کو ابھی تک ہماری ہمسائیگی اور دوستی کا اندازہ نہیں ہوا۔ لیکن بہت جلد اسے پتا چل جائے گا اس سے صاف صاف کہہ دینا

کہ اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ بنفس نفیس حاضر ہو رہا ہوں کہ ہنگری کے مستحکم قلعے جن کا اس نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے، میں ہنگری کے حوالے کر دوں، اس سے کہہ دینا کہ وہ میرے استقبال کے لیے تیار ہو جائے۔''

اور بدقسمت جرمنوں کو اس پیغام کے ساتھ روانہ ہونے کا موقع بھی نہیں دیا گیا ایک سال تک انہیں نظر بند رکھا گیا تا کہ وہ اس پیغام پر غور کرتے رہیں اور اس اثناء میں ترک جنگ کی تیاری کرتے رہے۔

سلیمان نے یہ طے کر لیا تھا کہ ہنگری کو پوری طرح ہاپس برگوں کی وسط یورپ کی سلطنت سے الگ کر دیا جائے۔ سلیمان کا ارادہ تھا کہ اس خوش آئندہ چراگاہوں اور جھیلوں والے ملک کا نام میگیارستان رکھا جائے، جہاں اس کی زیر نگرانی اور زیر حفاظت ہنگری کے باشندوں کو حق خود ارادیت بخشا جائے۔ یہ فیصلہ کرنے میں بہت وقت لگا تھا۔ ہنگری کی ریاست کے لیے ایک موزوں شخص جان زاپولیا موجود ہی تھا، اور عوام اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

زاپولیا کو ہنگری کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا، اسے خراج سے اس شرط پر مستثنیٰ کیا گیا کہ وہ فوجی امداد دیا کرے۔ اور گری تی کو قسطنطنیہ میں اس کے متعلق قاصد کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ سلیمان نے اس سے کہا: ''اپنے آقا سے کہہ دو کہ وہ دونوں کان بند کر کے آرام سے سو جائے۔''

☆..........☆..........☆

وی آنا کی طرف

1529ء کی موسم بہار میں، مئی کے بارش کے بھیگے ہوئے مہینے میں سلطان سلیمان نے شمال کی طرف پیش قدمی کی اس معرکے میں اسے پہلی دفعہ پسپا (1) ہونا پڑا۔

ترکوں کے عظیم الشان لشکر اور خیمہ وخرگاہ نے پھر ان سڑکوں پر اپنا سفر شروع کیا جن سے وہ خوب آگاہ تھے۔ اورنہ میں رومیوں کے آثار الصناوید کے پاس سے ہوتے ہوئے وہ پہاڑوں کے دروں میں جا نکلے۔ طغیانی پر آئی ہوئی ندیوں کو شہتیروں کے پل بنا بنا کے پار کیا۔ سربیا کی بنجر وادیوں سے ہوتے ہوئے وہ سرحد تک پہنچے جہاں دریائے ڈینیوب کا پاٹ چوڑا اور بھورا نظر آتا تھا۔ حسب معمول اس فوج سے ملنے کے لیے ایشیائی عسکر، اناطولیہ، شام اور قفقاز کے سوار آن پہنچے اور عقب میں ساتھ ہو گئے۔

اس مرتبہ ایک تبدیلی نمایاں تھی۔ کروآٹ قوم کا ایک بڑا دستہ مغربی پہاڑوں سے آیا ہوا اور اسے بلغاریوں اور سربیوں کے دستوں کے پہلو میں جگہ دی گئی۔ موہاکس کے سبزہ زار پر، جو ترکوں کا خوب دیکھا بھالا ہوا تھا زاپولیا چھ ہزار ہنگریوں کے ساتھ نمودار ہوا اور ابراہیم نے اس کا استقبال کیا کیونکہ اب وہ سلطان سلیمان کا حریف اور ہنگری کا بادشاہ تھا۔ ایک اور سردار پیٹر پیرینی ہنگری کا آہنی تاج لے کر حاضر ہوا۔ لوئی جی گری تی نے ان ہنگریوں کے دستے کے ساتھ اپنا خیمہ نصب کیا۔

ان لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی، لیکن یہ ان اقوام کا نچوڑ تھے جو بحیرۂ اسود سے وینس تک سلطان سلیمان کو اپنا آقا مانتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد گراں سے پال وردے وہاں کے سنگین قلعے کی کنجیاں لے کر حاضر ہوا جو اس شہر کے اسقف اس نے ہاتھ بھیجی تھی۔

ایک عجیب بات یہ پیش آ رہی تھی کہ سیگدن اور اشتول وائس برگ جیسے شہر جن کے متعلق ہاپس برگوں کو یہ امید تھی کہ یہ جم کر ترکوں کی مزاحمت کریں گے، ترکوں کے لیے ہراول دستوں کے اپنے دروازے کھولے جا رہے تھے۔ ترکی عسکر سختی سے اس حکم کی تعمیل کر رہا تھا کہ کہیں لوٹ مار نہ ہونے پائے، اور پکی فصلوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ سلیمان کے روزنامچے میں ایک روز یہ مختصر سا فقرہ درج تھا۔ ایک سپاہی کو اس جرم میں پھانسی دے دی گئی کہ وہ اناج کے کھیت میں اپنا گھوڑا چرا رہا تھا۔"

ہنگری کی حیثیت دارالامن حفاظت کی جا رہی تھی۔ یہ لشکر عظیم وسطی میدان سے ہو کر گزرتا رہا اور کسی جگہ اس کی مزاحمت نہ ہوئی۔ فرڈی نینڈ اور اس کے دربار کا کہیں پتا نہ تھا۔ بودا تک فوج اس اطمینان سے پہنچی گویا وہ اور نہ جا رہی ہے۔ پھر سلیمان نے ابراہیم کے نئے سرعسکر مقرر کیا جانے کا اعلان کیا۔ اب تک ابراہیم کی فاتح موہاکس کا خطاب حاصل تھا۔ اور وہ صرف یورپ کے عسکر کا سپہ سالار تھا۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ عنایت کی گئی کہ سرعسکر کو پانچ دموں کا پرچم بلند کرنے کی اجازت دی گئی۔ سلطان نے اسے قریب اپنے اختیارات عطا کر دیئے۔ "میری تمام رعایا، وزراء اور کسان اس کے حکم اور فرمان کی اسی طرح تعمیل کریں گے گویا یہ

میرا فرمان ہے۔‘‘

اس سے پہلے کسی عثمانی سلطان نے کسی وزیر کو اتنے اختیارات نہیں بخشے تھے۔ معلوم نہیں وہ کسر نفسی سے اپنے آپ کو اور زیادہ مٹانا چاہتا تھا، یا اس کامیاب اور شاندار معرکہ میں اپنے دوست او روزیر کو اپنے برابر مقبول بنانا چاہتا۔ زیادہ تر امکان اس بات کا ہے کہ اس نے یہ حکم اس وجہ سے دیا کہ آل عثمان کے دستور کے مطابق سلطان اپنی افواج کی بہ نفس نفیس قیادت کیا کرتا تھا۔ وہ ابراہیم کو ضرورت کے وقت کے لیے سپہ سالار کے پورے اختیار دے دینا چاہتا تھا۔

بودا میں پہلی بار سلطان کے خلاف مقاومت کی گئی وہاں قلعہ کی حفاظت کے لیے ایک جرمن فوج چھوڑی گئی تھی جس نے چار روز کی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے دوسرے دن روزنامچے میں یہ فقرہ درج ہے: ’’غلام کی فروخت۔‘‘

بودا میں پہلی بار سلطان کے خلاف مقاومت کی گئی وہاں قلعہ کی حفاظت کے لیے ایک جرمن فوج چھوڑی گئی تھی جس نے چار روز کی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے دوسرے دن روزنامچے میں یہ فقرہ درج ہے: ’’غلاموں کی فروخت۔‘‘

بودا میں سلیمان کو مغرب کی خبریں ملیں۔ فرڈی نینڈ بہت دور جرمن دربار (ڈائٹ) میں وی آنا کی حفاظت کے لیے فوجیں جمع کر رہا تھا۔ اٹلی میں فرانس کے نا قابل اعتبار بادشاہ نے اپنے دشمن جرمن شہنشاہ سے صلح کر لی تھی۔ یہ صلح جو معاہدۂ کامبرے کہلاتی ہے، اب سے مہینہ بھر پہلے کی گئی تھی جب چارلس کو اس کی اطلاع ملی کہ سلیمان شمالی جانب ڈینیوب کی سمت میں پیش قدمی کر رہا ہے۔ چارلس نے

مشرق میں اس خطرے کے اس احساس کی وجہ سے بدقسمت فرانس سے بہت آسان سی شرطوں پر بڑی سرعت سے صلح کر لی۔ فرانس نے یہ عہد کر لیا کہ وہ فرکوں کے خلاف کمک بہم پہنچائے گا۔

کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں کہ اپنے حلیف کی اس غداری کے متعلق سلیمان نے کیا رائے قائم کی۔ دو دن تک وہ سیر و شکار میں مصروف رہا اور زاپولیا اپنے نئے محل میں تخت نشین ہوا۔ پھر تر کی فوج کے ساتھ ڈینیوب کے کنارے والی شاہراہ پر وی آنا کی سمت میں سلطان کی پیش قدمی شروع ہوئی۔

اس نے بڑی تیزی سے مسافت طے کی۔ بھاری توپ خانہ بودا میں چھوڑ کر اس کی فوج کی آگے کی طرف بڑھی۔ آسٹریا کی پہاڑیوں سے اس پر حملے ہوتے رہے اور پریس برگ ک قلعے سے گولہ باری ہوئی۔ لیکن اس کی پرواہ کیے بغیر فوج نے سڑک اور دریا کے راستے سے ایک سو ستر میل کی مسافت ایک ہفتے میں طے کی، اور وی آنا کے باہر کے جنگلوں میں پہنچ گئی۔

☆..........☆..........☆

فٹ نوٹ

وی آنا سے سلطان سلیمان کی فوجوں کی واپسی کو پسپائی نہیں کہا جا سکتا۔

کارتنزتورکادروازہ

1529ء میں سلیمان کا ''محاصرہ وی آنا'' تاریخ کی ایک بڑی اہم منزل سمجھا جاتا ہے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اس سال ترکوں کی یورش کا سیلاب وی آنا تک آپہنچا اور محاصرہ وی آنا کے مرحلے پر روک دیا گیا۔

''محاصرہ وی آنا'' کے متعلق بڑی خاص بات یہ ہے کہ یہ کبھی وقوع میں نہیں آیا۔ ستمبر کی آخری تاریخوں میں جو واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ وہاں ایک معمولی سی لڑائی ہوئی۔ لیکن اس سے ترکی سلطنت کی وسعت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لیے روزانہ کے واقعات کی جانچ کرنا ضروری ہے۔

یہ یاد رکھیے کہ سلیمان بڑی سرعت کے ساتھ ہنگری سے آسٹریا جانب جو دارالحرب تھا، منزلیں طے کرتا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ صرف سوار فوج تھی۔ اس کے گھوڑوں کے لیے چراگاہوں میں گھاس باقی نہ بچی تھی، کیونکہ برف گرنے لگی تھی اس لیے چارہ فراہم کرنا ضروری تھا۔ اس وقت انسانوں اور گھوڑوں دونوں کے لیے دانے کی کمی تھی۔

اب روزنامچہ پڑھیے:

21 ستمبر۔ ''استرگراد کا قلعہ (پریس برگ۔ یہاں ترکوں پر گولہ باری کی جا رہی تھی) مشکل مرحلہ۔ کتفار فوج پر مسلسل گولہ باری کر رہے ہیں (یعنی آسٹریا کے دستے سڑک کے کنارے کی پہاڑیوں سے گولیاں چلا رہے ہیں)''

26 ستمبر۔ ''فوج تین ندیوں کو پار کرتی ہے اور کئی دلدلوں سے ہو کر گزرتی ہے۔ آلٹن برگ میں ہم ہنگری کی سرحد عبور کرتے ہیں۔ فوج دشمن کے علاقے میں قدم رکھتی ہے۔ جہاں سامان رسد وافر مقدار میں مہیا ہوتا ہے۔''

آسٹریا کی سرزمین پر ان ہلکے پھلکے سواروں کو اس کی اجازت دی گئی کہ چارہ، اور سامان رسد جس کی بڑی سخت ضرورت تھی جس طرح بن پڑے فراہم کریں ان کو وادیوں کے دیہاتوں سے سامان لوٹنے کی اجازت دی گئی۔ ان میں سے بعض وی آنا کے اطراف کے جنگلوں تک جا پہنچے اور وہاں عیسائی سوار فوج سے ان کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔

سلیمان کو اطلاع ملتی ہے کہ یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ فرڈی نینڈ وی آنا میں ہے یا نہیں لیکن وہاں ایک بہت بڑی فوج ضرور موجود ہے۔ وہ وی آنا کو پیچھے چھوڑ کر اور آگے نکل گیا۔

1529ء میں وی آنا اور ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ مارگریو کے قلعے ابھی تک بڑھ کر ہوف برگ نہیں بننے پائے تھے، اصل میں یہ شہر کلیساؤں اور خانقاہوں سے بھرا پڑا تھا۔ جن کے بیچ میں کلیسائے سینٹ اسٹیفن کا محبوب مینار تھا۔ اس زمانے میں وی آنا کا رقبہ کل اتنا تھا، جتنا آجکل ''اندرونی حلقے'' کے اندر واقع ہے۔ اور اس کی پشت پر دریائے ڈینیوب تھا۔ فصیل میں کچھ دروازے ضرور تھے ورنہ اس کی ساخت قرون وسطیٰ کی اونچی پتلی فصیلوں جیسی تھی۔ اس کا طرز تعمیر رہوڈس کے حصن حصین سے بہت مختلف تھا۔

دریا کے کنارے کی طرف جنوب میں بڑا دروازہ تھا جو کارتنز تور کہلاتا تھا (اب اس علاقے میں پراتر پارک واقع ہے) یہاں سانتا کلارا کی مقدس خواتین کی خانقاہ بھی واقع تھی۔ یہاں سے شون برون کے گاؤں کو راستہ جاتا تھا۔ اس علاقے میں بڑی مضبوطی سے قلعہ بندی کی گئی تھی۔

وی آنا کا شہر آرچ ڈیوک فرڈی نینڈ کا پایہ تخت تھا جو احتیاطاً یہاں سے کل کے اسپیرس چلا گیا۔ اس کا بھائی شہنشاہ چارلس بھی بہت دور اٹلی میں ٹھہر گیا تھا اور وہاں سے اس نے سات سو تجربہ کار سوار کمک کے لیے وی آنا بھیجے۔ اسپریس کی ڈائٹ نے کسی پلٹن کو وی آنا کا سپہ سالار مقرر کیا تھا لیکن لڑائی کے زمانے میں اس کے پاس سے کوئی اطلاع نہ آئی تھی۔

جن افسروں نے وی آنا کی محافظت کا کام انجام دیا ان میں ایک تو آسٹریا کا تجربہ کار مارشل ولیم خان روگن ڈرف تھا اور دوسرا ایک کپتان تھا جس کا نام نکولاس تھا۔ اور جو سالم کا کاؤنٹ تھا اور پاویا کا کارآزمودہ سپاہی تھا۔ ان دونوں نے سولہ ہزار سپاہیوں کی کارآمد فوج جمع کرلی۔ یہ زیادہ تر پیشہ ور سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ ہسپانوی سپاہی تھے اور رضا کارناٹوں کا ایک جتھا تھا۔ شہریوں کے ایک محافظ دستے کو آگ بجھانے اور جنگ کے نقصانات کی مرمت کرنے پر مامور کر دیا گیا۔ باہر کی کچی فصیل کے گرد مٹی کا ایک مورچہ قائم کیا گیا۔ دریا میں جتنی کشتیاں تھیں سب غرق کر دی گئیں، اور پلوں کو اڑا دینے کی تیار کرلی گئی۔

وی آنا میں پہلی بار سلیمان کو عیسائیوں کی ایک باضابطہ مسلح فوج سے سابقہ پڑا

جس کے سپہ سالار اور تنظیم دینے والے جرمن تھے۔ اس نے بڑی سرعت سے پیش قدمی کی تھی۔ 23 تاریخ کو ترک سوار دستے عیسائیوں کی بیرونی چوکیوں میں گھس گئے۔ 26 تاریخ کو ترکوں کی قلبی فوج نے جنوبی دیوار کے مقابل ڈیرے ڈال دیئے۔ سوار فوج وی آنا کی چھوٹی سی ندی کے اس پار ویز والڈ (وی آنا کے جنگل) میں ٹھہرائی گئی۔ سلیمان اور اس کے سرعسکر کے خیمے کارنتزتور کے عین مقابل تھے۔

27 کو پریس برگ کی گولہ باری کی زد سے نکل کر ترکوں کا دریائی بیڑا ڈینیوب کے راستے آ پہنچا۔ اس کو شہر اور ندی کے شمالی کنارے کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ منقطع کرنے کے لیے متعین کر دیا گیا۔ اور شمال میں آسٹروی کمک کی فوج آ رہی تھی لیکن وہ ایک فاصلے ہی پر رہ گئی۔ اس درمیان میں ہلکے ترک سواروں کی فوج تیزی سے جنوبی آسٹر میں پھیلتی جا رہی تھی۔

اس عرصے میں کاؤنٹ سالم اور روگن ڈروف نے تمام فوجیں شہر کے اندر اکٹھی کر لی تھیں۔ مگر ان کا شہر کے اندر محصور رہنے کا ارادہ نہ تھا۔ اس اثناء میں بہت جلد سلیمان کو ایک قیدی سے معلوم ہو گیا کہ فرڈی ننینڈ اپنی فوج کے ساتھ وی آنا میں نہیں ہے لیکن اسے یقین سے یہ معلوم نہ ہو سکا۔

ترکوں نے آسٹرویوں کے پاس پیغام بھیجا: ''آج سے تیسرے دن ہم تمہاری فصیل کے اندر ناشتہ کریں گے''

آتے ہی ترک انجینئروں نے کارنتزتور کی فصیل کی جانب خندقیں کھودنا شروع کر دیں۔ اور ان خندقوں کے راستے انہوں نے توپ خانے کو آگے بڑھانا

شروع کیا۔محصور کسانوں کو تعجب ہوا کہ چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کیوں نہیں کیا گیا۔ترکوں کے خیمے صرف جنوب کی طرف نصب تھے یہ دیکھ کر انہوں نے شہر سے باہر نکل کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تا کہ ترک انجینئروں اور ان کے کام کو روک دیں۔

آئندہ بارہ دنوں میں جو کچھ پیش آیا،اس کا اندازہ سلیمان کے روزنامچے اور اہل وی آنا کے بیانات سے ہوتا ہے۔

29 ستمبر۔''کفار نے حملہ کیا،لیکن جیسے ہی ہماری سوار فوج نے یلغار کی۔ انہیں پیچھے دھکیل دیا گیا۔''

(آسٹریوں نے مشرق کی طرف اشتوبن کے دروازے سے نکل کر وائزباخ کی سمت حملہ کیا تھا۔ان کی تعداد ڈھائی ہزار تھی۔انہوں نے کارنتر تور کے اطراف کا علاقہ گھیر لیا اور راستے میں جو خندقیں تھیں وہ منہدم کر دیں۔ابراہیم کو وہ گرفتار کرنا ہی چاہتے تھے کہ وی آنا کی سمت سے ترک سوار فوج نے حملہ کیا اور وہ بچ کر بھاگ نکلے)

یکم اکتوبر کو ہلکی توپوں نے......جواب فصیل کے قریب پہنچا دی گئیں تھیں۔ گولہ باری شروع کی۔

2 اکتوبر۔سمندر کے بے نے دشمنوں کے ایک دستہ کو جس نے فصیل سے باہر نکل کر حملہ کیا تھا مار بھگایا۔تیس دشمن مارے گئے،دس گرفتار ہوئے۔

''ترک بندوق بند پیادہ فوج کی گولیوں کی بوچھاڑ کی آڑ میں محاصرے کا اصلی کام شروع ہوا۔کارنتر تور کی فصیل کی جانب دو سرنگیں بچھائی جانے لگیں۔روزنامچے

میں خندقوں کے اندر ینی چیریوں کے زخمی ہونے کا ذکر ملتا ہے۔اور یہ ذکر ہے کہ فصیل سے توپوں کے گولے سلیمان کے خیمے کے قریب گر رہے تھے۔آسٹرویوں کی سرنگوں کا پتا چلایا گیا۔اور انہوں نے یہ سرنگیں اڑا دیں۔فوراً دروازے کی جانب اور سرنگیں بچھانے کا کام شروع ہو گیا۔سالم نے ترکوں کو جوابی پیغام بھیجا۔''آپ لوگوں کو ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

6۔اکتوبر۔محصورین کا حملہ، ہمارے پانچ سو سپاہی کام آئے جن میں غسطن دل کا علائی بے بھی شامل ہے۔''

(یہ حملہ آسٹریا والوں نے بڑے پیانے پر کیا تھا۔حملہ آوروں کی تعداد آٹھ ہزار تھی وہ دریا کی طرف نمودار ہوئے ،اور شہر کی فصیل کے نصف سے زیادہ حصہ کا چکر لگا کے انہوں نے ترکوں کے مورچوں کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔لیکن اس مرتبہ ایک جوابی حملہ کر کے ترکوں نے کارتر تور کے مقابل انہیں گھیر لیا۔جہاں پچھلی آسٹروی رجمنٹیں تنگ دروازے سے نہ گزر سکیں، ان میں افراتفری مچ گئی۔اور انہیں کاٹ ڈالا گیا۔اس کے بعد پھر محصورین کو باہر نکل کر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی)

7اکتوبر۔''سرنگیں بچھانے اور توپ خانے سے گولہ بازی کا سلسلہ جاری ہے۔ہم نے سنا ہے کہ اس مملکت کے تمام امرا فصیل کے اندر مجتمع ہیں۔''

8اکتوبر۔''شہر سے بھاگ کر کئی لوگ آئے ہیں۔پاشا اور سردار ساری رات تیار رہے کہ کہیں دشمن شب خون نہ مارے۔''

9۔اکتوبر۔ ''ہماری دونوں سرنگیں اڑا دی گئی ،فصیلوں میں جہاں ہم نے شگاف کیے تھے ، ہمارا حملہ کامیاب نہیں ہوا۔گھمسان کارن ، خاص طور پر سمندریا کے پاشا کی صفوں کے محاذ پر۔''

(ترکوں نے یہ کوشش کی تھی کہ فصیل کو توڑ کے محصور فوج سے دست بدست لڑائی کے لیے اندر پہنچ جائیں۔آسٹروی اس کے لیے تیار تھے انہوں نے فصیل کے شگافوں سے شہتیر اڑا دیئے تھے۔اور لکڑی کی ڈھالیں شگافوں کو بند کرنے کے لیے تیار کر لی تھیں)

10 اکتوبر۔ ''سلطان کے حضور میں وزیر کی باریابی ، اس کے ساتھ دوسرے سپہ سالار بھی رخصت ہو گئے۔''

(سلیمان نے تفصیل سے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن اس دربار میں ہی اس نے وی آنا سے واپسی کا حکم دیا۔اب ترکوں کو سات میل دور قسطنطنیہ واپس جانا تھا کیونکہ موسم خزاں کی سردیاں شروع ہو گئی تھیں۔گھر واپس جانے کے لیے گھوڑوں کے واسطے ضروری گھاس چارہ بچانا ضروری تھا۔چارہ اور رسد اکٹھا کرنے والے آقنجی ، جو کچھ فراہم ہو سکا وہ لے کر واپس حاضر ہو رہے تھے۔سلیمان کو رہوڈس کے محاصرے کے زمانے کی سردی ، بیماری اور بھوک کے مہینے خوب یاد تھے۔یہاں قلب یورپ میں وہ پھر اس آزمائش سے نہیں گزرنا چاہتا تھا۔بہت سے سرداروں نے سلیمان کی رائے سے اتفاق کیا لیکن ابراہیم اور بعض اور سرداروں کو اس سے اتفاق نہیں تھا ان کا نقطۂ نظر میدان جنگ کے سپہ سالاروں کا تھا۔کہ جب ایک

جنگ شروع ہو جائے تو اس کو تمام تک پہنچانا ضروری ہے۔ ان کی اپنی قوت زیادہ تھی اور کچھ ہی دن کے اندر وہی آنا کی پرانی طرز کی فصیل مسمار ہو جائے گی۔ اس میں کیا شک کہ یہ فصیل رہوڈس کے حصن حصین کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی۔ اور اتنے عرصے تک مقاومت نہ کر سکتی تھی۔ ...... اس کے برعکس وہ سردار جو لڑائی کو ختم کر دیے کے حق میں تھے انہوں نے بتایا کہ اہل وی آنا نے باہر کی فرسودہ فصیل کے اندر مٹی کی ایک دیوار کھڑی کر لی ہے۔ یہ کہ شہر سے بھاگ ہوئے آدمیوں نے قطعی طور پر یہ اطلاع دی ہے کہ آرچ ڈیوک شہر میں نہیں ہے یہ کہ کچھ ہی دنوں میں سخت جاڑے پڑنے لگیں گے۔ اور برف باری سے پہاڑی راستے بند ہو جائیں گے۔ اور دریائی بیڑے کا بھی راستہ رک جائے گا۔ جو خطرے کا باعث ہے ...... ہم پہلے یہ ضرورت سے زیادہ توقف کر چکے ہیں۔)

سلیمان نے واپسی کو تصفیہ کرا ای۔ لیکن جیسا کہ ان موقعوں پر ہوتا ہے ان کا تصفیہ بین بین تھا۔ روانگی سے پہلے ایک حملہ اور کر لیا جائے۔

غالباً ان پاشاؤں اور آغاؤں کو جو اس جنگی دربار میں شریک تھے یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ سپاہیوں سے اس تصفیہ کا ذکر نہ کریں کہ وی آنا سے واپسی عمل میں آئے گی لیکن یہ خبر پھیل ہی گئی۔ یا کم سے کم جنگ آزمودہ سپاہی یہ بھانپ گئے کہ اب واپسی کا ارادہ ہے۔

دو دن تک نئی سرنگوں پر کام ہوتا رہا۔ البانوی دستوں نے فصیل کے ایک نئے شگاف میں گھسنے کی کوشش کی اور ان کے دو سو آدمی کام آئے۔ سلیمان اور ابراہیم نے

بھیس بدلا، تاج اور کلاہ اتار کے اونی خفتان اور ٹوپیاں پہنیں، اور قریب سے فصیل کا معائنہ کیا۔ ینی چیریوں سے وعدہ کیا گیا کہ فی کس بیس اشرفیاں انعام دی جائیں گی......اور پہلا سپاہی جو فصیل پر چڑھے گا اسے ترقی ملے گی اور جائداد انعام میں دی جائے گی۔

13 اکتوبر کو یہ آزمائشی حملہ شروع ہوا اور قطعاً ناکام رہا سالم کانکولاس اور ردگن دروف اس کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ انہوں نے شراب کے خالی پیپوں میں پتھر اور مٹی بھر کے انہیں ایک قطار میں چن دیا تھا۔ اور ان کے پیچھے اپنی توپیں نصب کی تھیں جرمنوں کی پیشہ ور بندوق مار فوج نے استقلال اور یقین سے مقابلہ کیا۔ اس کے برعکس محاصرین کا دل اب لڑائی میں نہیں تھا۔ کہیں کہیں افسر سپاہیوں کو تلواروں کے چوڑے حصے سے مار مار کے آگے بڑھا رہے تھے۔ سہ پہر کے تین بجے یہ آخر کوشش ختم ہوگئی۔ ترک عسکری جن کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ فوج واپس ہونے والی ہے۔ اپنے افسروں کے ساتھ آگے بڑھنے پر رضامند ہوتے تھے۔ اس روز آدمی رات ترکوں کی صفوں میں جہاں ضرورت سے زیادہ سامان رسد اور کچھ جھونپڑیاں تھیں، ان میں آگ لگا دی گئی۔

وی آنا کی فصیل کے محافظین نے قیدیوں کی چیخ و پکار سنی جوان قیدیوں کو تہ تیغ کیا جا رہا تھا جن کا سن کم تھا انہیں ساتھ لے جانے کے لیے باقی رہنے دیا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

واپسی

وی آنا کے حصار کے اندر توپوں کی گرج اور کلیسا کی گھنٹیوں کے بجنے کی آواز بلند ہوئی یہ خوشی اور شادمانی کا زمزمہ تھا۔ اس شور کو سن کر ابراہیم نے ایک قیدی، پرچم بردار زیدلتز سے پوچھا کہ یہ کیسا شور ہے۔ آسٹروی نے جواب دیا کہ یہ زمزمہ تشکر ہے۔ اسے ایک ریشمی خلعت دی گئی اور باقی ماندہ قیدیوں کی باہمی تبدیلی کا کام انجام دینے کے لیے اسے شہر کے اندر بھیج دیا گیا۔ ترکوں نے دوسرے دن کوچ شروع کر دیا عجیب بات یہ ہے کہ بعض عیسائی سپاہی جنہیں واپس بھیج دیا گیا۔ وہ اس برافروختہ شہر میں بڑے شک کی نظروں سے دیکھے گئے کیونکہ ترکوں نے انہیں روپیہ دیا تھا۔ اور انہیں نے اس کو خرچ کرنے کے لیے فوراً شراب خانوں کا رخ کیا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو انہیں یہ خوف تھا کہ انہیں مرتد یا جاسوس سمجھ کے پھانس نہ دیے دیا جائے۔ شہر کے صرف تین ترکوں کو زندہ واپس کیا گیا۔

جو خط زیڈلتز کے ہاتھ بھیجا گیا اور جسے ابراہیم نے ٹوٹی پھوٹی اطالوی زبان میں لکھا تھا۔ اس میں ترکوں کی واپسی کی وجہ تھی: ''منجانب ابراہیم پاشا، سرعسکر بخدمت کپتانان بزرگ و بہادر...... آپ کو معلوم ہووے کہ ہم یہاں آپ کا شہر تسخیر کرنے نہیں آئے تھے، ہم آج ڈیوک کی سرکوبی کرنے آئے تھے۔ یہاں ہمارے اتنے دن ضائع ہوئے کیونکہ وہ ہمارے مقابل لڑنے کے لیے نہیں آیا......''

اگرچہ کہ سب نے دیکھ لیا تھا کہ ترکوں نے اپنا توپ خانہ اور بھاری سامان

رسد ڈینیوب کے بیڑے پر لاد دیا ہے اور قیدیوں کے تبادلے کے بعد میدان جنگ کو خالی کر دیا ہے لیکن وی آنا والوں کو یہ ڈر رہا کہ کہیں ترک ابھی تک ویز والڈ کے پیچھے نہ چھپے ہوں۔ بعض واپس شدہ قیدیوں کی طرح طرح کے عذاب دیئے گئے کہ کہیں یہ بات تو نہیں کہ عذاب کی شدت میں انہوں نے قدرتی طور پر اقبال کر لیا کہ یہی بات ہے۔

دوسرے دن 17 اکتوبر کو برف باری شروع ہوئی۔ سوار دستے خبر لائے کہ ترک رخصت ہو چکے ہیں۔ اس پر سپاہی، توپچی اور لانڈس کنشٹ جنہوں نے اتنی بہادری سے فصیل کی مخافظت کی تھی۔ شہر پر قابض ہو گئے اپنے افسروں کا حکم ماننے سے انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر انہیں تین گنا انعام نہ دیا گیا تو وہ وی آنا کو لوٹ لیں گے۔

اب پہلی مرتبہ شہر کے سرکاری سپہ سالار کاؤنٹ پالائین کا ذکر ملتا ہے۔ اس نے جرمن توپچی فوج کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا کہ جوں ہی آرچ ڈیوک اور شہنشاہ روپیہ کا انتظام کر لیں گے انہیں دگنا انعام دیا جائے گا۔

ترک ہلکی چھاپہ مار فوج کے کارناموں سے مقدس سلطنت روما میں تہلکہ مچ گیا۔ ان اڑتے ہوئے دستوں نے اس بیس دن کے عرصے میں اس سارے علاقے میں ایک بہت بڑے حصے کا ستھراؤ کر دیا تھا۔ وہ دریائے ان کے کناروں تک اور شہر رائس بون کی نواح تک پہنچ گئے تھے۔ کالن برگ کے پہاڑ کے دامن سے لیکر لشتن شتائن کے قلعے تک کے سارے علاقے میں آگ لگ دی گئی تھی

دریائے ان کے پایاب حصوں کی حفاظت پر جان اشتار ہم برگ مامور تھا۔لیکن ان تیز سواروں نے بردن اشمر زدورف، بادن اور کلوسترنوائے برگ پر قبضہ کر لیا تھا۔ کہیں کہیں جرمن دستوں نے قلعوں یا پن چکیوں میں اپنی حفاظت کامیابی کے ساتھ کی، لیکن دریائے ڈینیوب کے تمام تر طول کا علاقہ تیزی سے میدان جنگ کے بنتا چلا گیا۔آسٹریا کے پہاڑوں کو تاب و تاراج کر دیا گیا۔ ہزاروں اسیران جنگ گرفتار ہوئے۔ان کا شمار تو نہیں کیا گیا لیکن مورخین کا کہنا ہے کہ بیس ہزار آدمی قید ہوئے۔

ایک تذکرہ ''مختصر تاریخ عالم'' جو کولوں میں لکھا گیا تھا 1529ء کے متعلق یہ درج کرتا ہے کہ یہ سال جرمنوں کے لیے بڑا تباہ کن اور لرزہ خیز تھا۔ترکوں نے بڑی دہشت سے حملہ کیا تھا......''

شاید وہ اس سال کے ختم پر ہوبورڈوناس اور اس کے آقا فرڈی نینڈ کو سلیمان کا ایک سال پہلے کا وعدہ اچھی طرح یاد آ گیا ہو گا۔ اپنے وعدے کے مطابق اس نے ہنگری کو وہ ستائیس قلعہ بند قصبے چھین کر واپس کر دیئے۔جن پر خود قبضہ کرنے کی شرط کے ساتھ فرڈی نینڈ نے پیش کش کی تھی۔فرڈی نینڈ کی جگہ اس نے کسی اور کو بادشاہ مقرر کر دیا تھا۔ اس نے بہ نفس نفیس وی آنا کا سفر کیا تھا۔چودہ روز تک اس نے کوشش کی تھی کہ وی آنا کی فصیل توڑ کے اس کی فوج شہر کے اندر گھس جائے۔

جیسا کہ ابراہیم نے تسلیم کر لیا اسے صرف دو آدمیوں کی قابلیت اور شجاعت کی وجہ سے وی آنا سے واپس ہونا پڑا۔ یہ دونوں نکولاس کاؤنٹ سالم اور رولیم فان روگن

ڈروف تھے۔ پھر بھی اسے پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ ترک فوج جو سترہ سال سے مسلسل ظفر یاب ہو رہی تھی۔ پہلی بار آگے بڑھنے سے روک دی گئی تھی۔ یہ بڑ تامل کی بات ہے کہ خود سلیمان نے وی آنا کی جنگ کو کوئی خاص اہمیت دی ہو۔ لیکن سلطان اور سلیم کا فرزند ہونے کی وجہ سے اسے اس بات کا شدید احساس تھا کہ اس کے وقار کو صدمہ پہنچا ہے۔

اس نے وعدے کے مطابق ینی چیریوں کو انعام و اکرام دیا اور وینس کے دوجے کے فرزند (گری تی) کو دو ہزار اشرفیاں انعام میں دیں۔ اس نے ہنگری افسروں کے ساتھ گری تی کو بھیجا کہ وہ ''یاش'' جان زاپولیا کے سر پر ہنگری کا آہنی تاج رکھنے کی رسم ادا کریں۔ پھر جاڑے سے بچنے کے لیے ترک فوج تیزی سے گھر کی جانب سے روانہ ہوگئی۔

اس کے روزنامچے میں وی آنا کے واقعات کا تو سرسری طور پر ذکر ہے لیکن جب اس سولہ میل کے سفر کا، پہاڑوں کے دروں کے عبور کرنے، طغیانی سے لبریز دریاؤں کے پار کرنے اور ژالہ و برف کا ذکر آتا ہے تو اس کے لہجے میں پریشانی کی جھلک نظر آتی ہے۔ آج پھر فوج کا بہت سا سامان ضائع ہوگیا...... ہمیں دلدلوں میں بہت سے گھوڑے چھوڑ دینے پڑے، بہت سے آدمی مر گئے۔ سلطان نے قاصدوں کے آغا، اور سر رسد پر عتاب فرمایا اور ان کی جائدادیں ضبط کر لیں...... بہت سے سپاہی بھوک سے مر رہے ہیں...... ایک ناپ اناج کی قیمت پانچ ہزار آسیر ہوگئی ہے...... تیز کوچ لیکن پہلے کی طرح گھوڑے مرتے جا رہے ہیں ۞ ڈینیوب کو عبور کرنے

میں رسد کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا...... تیز بارش...... ہم گہری برف سے ہو کر گزر رہے ہیں......''

اگر چہ کہ فوج نے منتشر ہو کر مختلف سڑکوں سے سفر کیا لیکن ڈینیوب کو پار کرنے کے بعد سلیمان اپنے سپاہیوں سے جدا نہیں ہوا۔ بین السطور اس روزنامچے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سپہ سالاروں پر عتاب فرما رہا ہے۔ سپاہیوں میں اناج بانٹتا گیا، اس عظیم لشکر کو راستے بھر بہلاتا رہا، اور دسمبر کے وسط میں اسے حفاظت سے اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے آیا۔

رہوڈس کے واقعات کی طرح بلقان کے اس سرمائی سفر کا اس کے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ رہوڈس کے بعد وہ جنگ کا قائل نہ رہا تھا۔ وی آنا سے واپسی کے بعد جنگ کی شان و شوکت سے اسے گھن آنے لگی۔

اس کے بعد صرف ایک بار اور اس نے ایک اور شہر کے محاصرے میں اپنی فوجوں کی قیادت کی لیکن یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب وہ خود لب مرگ تھا۔

وی آنا پر حملہ کا یورپی درباروں پر ایسا اثر ہوا کہ اب تک کسی اور واقعہ کا نہ ہوا تھا۔ لوتھر نے کھلم کھلا ترکوں کے خطرے کے خلاف تبلیغ شروع کر دی۔ وہ پاپائیت کے خلاف حملے کرنا چھوڑ کے اپنا رسالہ ''دے بیلو ترکی کا'' لکھنے میں مشغول ہو گیا جس میں اس نے ترکوں کو ''خدا کا دشمن'' قرار دیا۔

سلیمان کی واپسی کے کئی ماہ بعد چارلس پنجم نے اپنی ادھوری مملکت کے جرمن حصے کا دورہ کیا۔ نو سال کے بعد وہ پہلی مرتبہ اس علاقے میں آیا تھا، جن سپاہیوں

نے وی آنا کی محافظت کی تھی انہیں اس نے تاوان جنگ ادا کیا، اس کے بعد اسے پتا چلا کہ ترک سواروں کی یلغار کا سودا آسٹریا کی سرزمین کو کتنا مہنگا پڑا۔ یورپ نے حال ہی میں بولونیا میں اس کے سر پر شہنشاہ کا تاج رکھا تھا، اس پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ عیسائی دنیا کے محافظ کی خدمات انجام دے، اور عیسائی سرزمین کے اس خاص حصے کے رہنے والوں کو آگے سال پھر ترکوں کے حملے کا ڈر تھا۔

ہاپس برگوں کے اس عظیم ترین شہنشاہ کے پیٹھ پیچھے اس کا سب سے بڑا حریف فرانسس اول، شاہ فرانس، ایک طرف تو ترکوں سے بیان توڑ چکا تھا، دوسری طرف وہ جرمن امراء کی اس جماعت کو روپیہ دے رہا تھا۔ جو مذہبی انقلاب میں چارلس کے خلاف محاذ قائم کر رہے تھے۔ ادھر فرڈی نینڈ اپنے بھائی سے ضد کر کے روپیہ اور سپاہی مانگ رہا تھا کہ سلیمان کے خلاف ہنگری کی سرزمین پر فوج کشی کرے، ادھر فرانسس اس کی بھی کوشش کر رہا تھا کہ مشرقی ہنگری میں ترکوں کے دوست جان زاپولیا سے دوستی کر لے۔ (ابھی ابھی فرڈی نینڈ کو ''رومیوں کے بادشاہ'' کا لقب ملا تھا) لیکن مذہبی انقلاب پھیلتا جا رہا تھا بویریا کے وٹلسباخ کھلم کھلا زاپولیا کی فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

ہر طرف سے عاجز آ کے چارلس کو صاف صاف یہ دکھائی دینے لگا کہ ان مصیبتوں سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے چونکہ وہ مذہبی انقلاب و اصلاح کی طاقتوں سے صلح نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یہی ایک مفر تھا کہ وہ ترکوں سے صلح کر لے۔

چنانچہ 1530ء کے آغاز میں اہل یورپ نے ایک عجیب تماشا دیکھا۔ وہ جن کو وی آنا میں فتح یاب ہونے کا دعویٰ تھا۔ انہوں نے اپنے قاصدوں کو صلح کی درخواست کے ساتھ اس شخص کے پاس بھیجا جس کے متعلق وہ ڈینگیں مار چکے تھے کہ وہ اسے شکست فاش دے چکے ہیں۔ چارلس نے اس میں بڑی دانش مندی دکھائی۔ اگر وہ خود ترکوں سے صلح کی درخواست کرتا تو بحیثیت شہنشاہ، اور بحیثیت عالم عیسائیت کے محافظ کے اس کے وقار کو دھکا لگتا...... اس لیے صلح کے قاصد چھوٹے ہاپس برگ فرڈی نینڈ کی طرف سے بھیجے گئے تھے، جسے ہمیشہ نازک موقع پر غلط کام کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا، اس نے اپنے قاصدوں کو ہدایت کی کہ فرڈی نینڈ کی شرائط پیش کرتے وقت صرف جرمن میں بات کریں۔ شرائط یہ تھیں: فرڈی نینڈ کو ہنگری کا بادشاہ تسلیم کرلیا جائے۔ بودا (جس پر جان زاپولیا کی مدد کے لیے ایک ترک دستہ قابض تھا) فرڈی نینڈ کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسرے بڑے قصبے بھی اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ قاصدوں کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اس کے بدلے میں وہ ابراہیم کو رشوت دیں اور سلطان کو پنشن دینے کا وعدہ کریں۔

شاید ہی کوئی اور حرکت ایسی ہوسکتی تھی جس سے بڑے ہاپس برگ (شہنشاہ چارلس) کا مقصد اس طرح فوت ہوسکتا، اور ترکوں کو اتنا غصہ آتا۔ ترکوں نے ''رومیوں کے بادشاہ'' کو ایک خاص نام سے یاد کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ نام محض فرڈی نینڈ تھا۔

فرڈی نینڈ کے سفیروں کو پہلے تو سدھے، غراتے ہوئے شیروں کی صفت کے

سامنے سے گزارا گیا۔ پھر انہیں ینی چیریوں نے سج دھج سے سلامی دی۔ اس کے بعد ابراہیم نے اپنی بصیرت اور جسارت کا مظاہرہ کیا اس نے ہنس کر انہیں جواب دیا: ''تم کہتے ہو کہ تمہارے بادشاہ شاہ اسپین اور فرڈی نینڈ نے اب پاپائے روم سے صلح کر لی تھی۔ ہمیں یہ خلوص دل کی صلح نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ تمہاری فوجوں نے مقدس شہر رومتہ الکبری کی بے حرمتی کی ہے۔ اور پاپائے روم کو ایک بار قید کیا جا چکا ہے..... رہ گیا فرڈی نینڈ جو ہنگری کا بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ جب ہم بودا میں اس سے ملنے آئے تو کہیں اس کا پتا نشان نہ پایا۔ بڑھ کر ہم وی آنا پہنچے، جو بڑا خوبصورت شہر ہے، ایک اور وسیع سلطنت کا پایہ تخت ہونے کا مستحق ہے، لیکن وہاں بھی تمہارے آرچ ڈیوک کا پتا نہ تھا، میرے آقا سلاطین کی فصیل پر ایسے نشانات چھوڑے ہیں جو اس کی یادگار رہیں گے کہ اس نے وہاں گزر فرمایا تھا۔ ہم اسٹریا پر یورش کرنے آئے تھے، فتح کرنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔ آقنجیوں نے تمہارے ملک میں شہسواری کی۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اصل شہنشاہ تشریف لائے ہیں..... لیکن فرڈی نینڈ کہاں چھپا بیٹھا تھا؟..... تم کہتے ہو کہ وہ لوٹ کر ہنگری آئے گا۔ یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ اس کی پانی بوریا والی فوج اس کا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ وہ جان زاپولیا کی بادشاہت قبول کرنے کو تیار ہیں۔ تمہارے فرڈی نینڈ کو کرتب تو بہت سے آتے تھے، لیکن اس میں کوئی شاہانہ صفت نہیں، جو شخص اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکے وہ بادشاہ کیسے بن سکتا ہے؟''

سلیمان خود بھی چارلس سے صلح کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ اس نے جان زاپولیا کی

حمایت سے دست بردار ہونے یا بودا کا تخلیہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ہنگرویوں کا ہاپس برگوں کی مملکت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے متعلق وہ کسی قسم کی بحث سننے کو تیار نہ تھا۔

اس صلح کی سفارت کے متعلق عجیب بات یہ تھی کہ اہل یورپ سلیمان کے عہد و پیمان کے اس لیے جویا تھے کہ وہ جانتے تھے کہ اس کا وعدہ معتبر ہے اور اس کی وجہ سے امن قائم رہے گا۔ بڑی خاص بات یہ ہے کہ سلیمان اور چارلس دونوں جنگ سے احتراز کرنا چاہتے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں الجھتے جا رہے تھے۔ ان کے درمیان جو لڑائی چھڑ چکی تھی، وہ اس وقت تک جاری رہنے والی تھی، جب تک کہ چارلس کا ساحل کے قریب ایک ہسپانوی خانقاہ میں انتقال ہو گیا، اور اس خانقاہ پر ہر گھڑی ترکوں کے حملے کا خطرہ تھا۔

ہاپس برگوں کی سفارت سے ایک نتیجہ نکلا۔ وہ یہ کہ ترک سلطان کے وقار کی دھاک پھر سے بیٹھ گئی۔ وی آنا کے معرکے کے بعد ہاپس برگوں نے امن کی درخواست پیش کی اور انہیں نفی میں جواب ملا۔

☆............☆............☆

ہپوڈروم کی شہادت

عثمانی سلطان کو یورپی جنگ کے بعد اپنے گھر اور لوگوں میں پہنچ کر یقیناً بڑی مسرت ہوئی۔ جس طرح موہاکس کی لڑائی کے بعد اس نے تین سال امن سے گزارے تھے۔ اسی طرح وی آنا کے بعد بھی اس نے تین سال امن سے گزارے اور اس پر یورپ والوں کو بڑی حیرت تھی۔ ابراہیم نے اعتراضوں کے اصل بے وقوف ہولڈرڈوناس سے سچ کہا تھا: ''خلیفۃ اللہ فی الارض تم سے زیادہ اہم معاملات میں مصروف ہیں۔''

ستمبر 1530ء کے آغاز میں جب باسفورس کے کنارے گل مہر اور مگنولیا کے درختوں پر نکھار آیا۔ سلیمان نے جدید قسطنطنیہ میں دوسرے جشن کا انتظام کیا۔ اس مرتبہ اس کے یا ابراہیم کے حکم سے کچھ ایسے کھیل کھیلے گئے جو اہل یورپ کو عجیب معلوم ہوئے لیکن جو ترکوں کو پسند تھے، مال غنیمت جس میں بوداکے محل کے تینوں بد نام مجسمے شامل تھے ہپوڈروم میں عوام کی نظروں کے سامنے پھیلایا گیا۔

سلیمان اپنے طلائی تخت پر جلوہ افروز تھا، اس کی خدمت میں اس کی سلطنت کے طول وعرض سے تحائف پیش کیے گئے، مصر کا سوتی پارچہ، دمشقی اطلس، موصل کا ریشم چاندی کے ظروف، زردوز پارچہ جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے، شیشے کے ظروف، اور لاجوردی طشت۔

باہر کے ملکوں سے آیا ہوا سامان بھی تھا۔ سلیمان کے پسندیدہ چینی ظروف،

ماسکو کریمیا کے تاتاریوں کے پاس سے آئے ہوئے سمور، عربی راہوار، ترکمان مستنگ، بالائی مصر سے مملوکوں کو بھیجے ہوئے غلام، اور حبش خواجہ سرا۔

ہر روز ناظرین کے مجمع کو جشن کا ایک نیا نیا منظر نظر آتا۔لڑائی کے ہنر دکھانے کے لیے کاٹھ کے قلعے بنائے گئے تھے، ان پر حملے کا منظر پیش کیا جاتا، اور ترک اور مملوک شہسوار اپنے کرتب دکھاتے۔نٹ پرانے برج و مینار پر جمع ہو کے ان رسیوں پر چلنے کا تماشہ دکھاتے جو بہت بلندی پر برجوں کے درمیان باندھی گئی تھیں۔کرو آت اپنے بانس کے باجے بجاتے، جپسی بانسریاں بجاتے، اور ینی چیری اپنے نقارے بجاتے۔سارے اکھاڑے میں موسیقی کی گونج پھیل جاتی۔

ایک دن پیری پاشا کو اس کے باغ سے طلب کیا گیا اور وہ سلطان کے قریب آ بیٹھا سلطان کی جوانی اپنے عروج پر تھی۔

سلیمان نے اپنے پرانے وزیر سے پوچھا: ”تمہاری کیا رائے ہے؟ تم نے آج سے دس سال پہلے مجھ سے جو توقع قائم کی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟“

یہ گوشہ نشین بوڑھا، اس مجمع اور اس قدر بے مثال مال و دولت کے مظاہرے سے متاثر ہو گیا اور کہنے لگا: ”آپ کے والد ماجد سلطان سلیم انا راللہ برہانہ، کو اپنی خیمہ گاہ میں کبھی اس قدر دولت نصیب نہ ہوئی۔خدا مبارک کرے۔یہاں آپ کی خدمت میں دنیا بھر سے تحائف آ رہے ہیں۔اور آپ دنیا بھر کو انعام و اکرام دے رہے ہیں۔“

بوڑھے درباری کی کمزور آنکھیں شامیانوں کے رنگ و روغن، پرچموں کی پھڑ پھڑاہٹ تخت کے نیچے بچھے ہوئے کمخواب کے فرش پر چمک سے جگمگا کے رہ

گئیں۔ اس نے ان دو اجنبیوں کو نہیں دیکھا جو معمولی بد رنگ پڑے ہوئے الگ الگ بیٹھے تھے۔ سبز رنگ مسلمانوں کے لیے مخصوص تھا، سفید سلطان کے لیے، نیلا اور زردینی چیریوں کے لیے سرخ سپاہیوں کی شلواروں کے لیے، عیسائی اور یہودی اجنبیوں کو ان میں سے کوئی رنگ پہننے کی اجازت نہ تھی۔

لیکن سلیمان انہیں دیکھ رہا تھا وہ دو رہی تو تھے لوئی جی گری تی اور موسے نی گو اس جشن میں اس نے فرانس اول اور وینس کی باشوکت سینیوری کے دوجے کو بہ نفس نفیس شریک ہونے کی دعوت دی تھی۔ فرانس نے یہ لکھ کر معافی مانگ لی کہ آئندہ جب وہ ارض مقدس کی زیارت کے لیے جائے گا تو سلطان المعظم کے دربار میں بھی ضرور آئے گا۔ (یہ وعدہ اس نے کبھی پورا نہیں کیا) اندریا گری تی نے جو دوجے تھا اور لوئی جی کا باپ تھا۔ اپنے ایک خاص قاصد موسے نی گو کے ہاتھ تحائف بھیجے تھے۔ سلیمان کو یہ بات بری معلوم ہوئی کہ یورپ کے جو تاجدار اس سے مدد مانگتے تھے ان میں ایک بھی اس کا مہمان بننے کو تیار نہ ہوا تھا۔ اصل میں اب تک انہیں نے اس کو اپنی برادری میں شامل نہ کیا تھا۔ اس کی وجہ وہ سمجھ سکتا تھا۔ وہ اسے الگ اور غیر عیسائی سمجھتے تھے وہ سوچتا تھا کہ معلوم نہیں فرانس یا چارلس کو کبھی کسی مسلمان سے دوبدو بات کرنے کا بھی موقع ملا ہے یا نہیں۔ اس نے خود بہت سے عیسائیوں سے باتیں کی تھیں۔

اس نے نظریں اٹھائیں، تو بحیرۂ مارمورا کے نیلے پانی پر کشتیوں کے بادبان لہراتے نظر آئے۔ یونانی ماہی گیروں کی کشتیاں اور وینس کے جنگی جہاز وہاں لنگر

انداز تھے۔ جہاں لڑکے سمندر میں میں تیز کشتیاں اس سے گزر رہی تھیں۔ اس کی بندرگاہ میں سب کو آنے کی اجازت تھی۔ اس کے قریب مفتی اعظم آنکھیں بند کیے وجد کے عالم میں ایک قاری سے قرات سن رہے تھے۔ قران کی آواز وجدان کے عالم میں بلند ہوتی اور سارے میدان میں گونج جاتی۔ قاری کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ خشوع وخضوع کے عالم میں اس نے اپنے ہاتھ بلند کیے۔ پھر اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا اور چکرا کر گھٹنوں کے بل گر پڑا۔

موسے نی گو نے آہستہ سے پوچھا: ''کورپودی دیو............ اسے کیا ہو گیا؟ کسی نے خنجر جھونک دیا؟''

گری تی نے سر ہلایا۔ ''اپنے تقویٰ کی وجہ سے، اس لڑکے نے روزہ رکھا ہو گا۔ وہ قرآن کی آیتیں پڑھ رہا تھا جیسے ہم پیٹر نوسٹر کی دعا پڑھتے ہیں۔''

ابراہیم کی خدمت میں گری تی نے بڑی دولت کمائی تھی، اور خود ابراہیم کو اس کا بڑا ملکہ تھا کہ جو معاملہ وہ طے کرتا، جس چیز کو ہاتھ لگاتا وہ سونا بن جاتی۔ ابراہیم نے نمود و نمائش کے لیے وردی پوش نوکر رکھے تھے۔ اس کی اصطبل بڑے شاندار تھے۔ گھوڑوں کی زینوں پر طلائی اور جواہر کا جڑاؤ کام تھا۔ وہ سلطان سلیمان کی سی پوشاک پہنتا تھا۔ (گری تی نے اپنے ساتھی کو یقین دلایا: ''اس کا آقا کسی معاملے میں اس سے انکار نہیں کرتا'') اس کے برعکس گری تی نے صرف اپنے گھر میں توسیع کی تھی، اور زرو جواہر کی تعداد میں اضافہ کر لیا تھا۔ ان جواہرات کو وہ اپنے کمر بند میں باندھ کر جس بازار میں چاہتا فروخت کر سکتا تھا۔ باوجود اس کے کہ دو بجے کے اس

بیٹے نے اچھا خاصا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اسے ہر گھڑی بے چینی رہتی کہ ہر سال جو ترکوں اور اہل وینس کے درمیان معاملات طے کرنے میں گزار رہا ہے، اپنی بدبختی کو نزدیک تر بلاتا جا رہا ہے۔ اس نے سوچ کر کہا: ''حضور نے غور فرمایا کہ ترکوں کے درویشوں کو حال بھی آتا ہے اور وہ دعا بھی کرتے ہیں۔ کم از کم وجد کے عالم میں انہیں حال آ جاتا ہے۔''

''میں آپ کی خاموشی سے بہت متاثر ہوں۔ ان کی مساجد میں ایسی خاموشی طاری رہتی ہے گویا ہر شخص مراقبے کے عالم میں ہے۔''

''اس خاموشی کے عالم میں وہ شدت سے غور و فکر کرتے ہیں جو قوم خاموش ہوتی ہے۔ اس میں عمل کی صلاحیت ہوتی ہے جو بکواس زیادہ کرتے ہیں وہ بالکل بے ضرر ہیں۔ یہ حال یورپ والوں کا ہے مجھے مسلمانوں کی مسجدیں بہت پسند ہیں۔ ان کی نئی مسجدوں کو دیکھو، ہر مسجد پہلے کی مسجد سے زیادہ شاندار بنتی ہے۔ مسجدوں کے عظیم ستون جو ہلکی سی روشنی میں بلند ہوتے ہیں۔ رنگ دار شیشوں کی چمک، اور ان کے اوپر گنبد کا سنہری حلقہ، یہ مسجدیں پتھر کی بنی ہوئی عبادتگاہیں ہیں کہ نہیں؟'' ان کی صدا بلندی ہی ہوتی جاتی ہے۔

موسے نی گو نے اخلاقاً اثبات میں سر ہلایا اور سوچنے لگا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ یہ ترک عظیم الشان عمارتیں یا مساجد کے لیے بناتے تھے یا سفیروں کے لیے۔ کیا ان کے یہاں موت کی بڑی حرمت ہے؟'' لیکن دراصل اسے جس بات کی فکر تھی وہ یہ تھی کہ ان صوفی مشرب ترکوں نیوینس سے آنے وال مال اسباب پر

دس فیصد محصول عائد کر دیا تھا۔ موسے نی گو خاندان بھی وینس کی تجارت اور خارجی حکمت عملی میں اس طرح داخل تھا جیسے کورنارو اور گری تی کا خاندان ۔ وہ اس وجہ سے اور بھی پریشان تھا کہ لوئی جی گری تی پیرس کی نئی دعوت صلح کو بڑے شک کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فرانس نے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر وینس کی متانت آب جمہوریت اسکے ساتھ ہاپس برگوں کی شہنشاہی کے خلاف معاہدے میں شریک ہو جائے تو وہ ترکوں کی خوشنودی بھی ان کے لیے حاصل کر لے گا۔ اس کے علاوہ کریمونا کا شہر بھی تحفتاً دے دے گا۔ ایک زمانہ میں یہ شہر موسے نی گو خاندان کی ملکیت رہ چکا تھا۔ کریمونا اور دریائے پو کی وادی۔ یہ بڑی ترغیب دلانے والی تجویز تھی۔ اور اسے قبول کرنے میں کوئی نقصان بھی نہ تھا۔ لیکن گری تی کے کج رو ذہن کو اس میں خطرہ ہی خطرہ نظر آتا تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ ترک فرانس کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر دل سے اس پر اعتبار نہیں کرتے۔ چارلس کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ لیکن دل میں اس کی عزت کرتے ہیں۔ اگر کہیں جرمن شہنشاہ اور ترکوں کے درمیان صلح ہو گئی تو پھر فرانسیسیوں سے معاہدے کرنے کا انجام اچھا نہ ہو گا......

گری تی نے دفعتاً پوچھا: کیا ہم اہل وینس کے یہاں بھی اہتمام سے موت کی حرمت نہیں کی جاتی؟ ہمارے محلوں، ہمارے ساز و سامان، ہماری تصویروں میں مردہ چیزوں اور واقعات کی یاد کے سوا کیا ہے؟ ہم جو کھو چکے ہیں اسے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں؟ کیا ہم اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟ اب ہم محض تاجر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور اپنے جہازوں میں سامان تجارت لیے پھرتے ہیں۔''

اس نے دفعتاً جذباتی انداز میں کہا: ''ہمیں محض وینس کے تاجر بن کے رہنا چاہیے۔ اس میں سلامتی ہے۔''

سفیر نے اپنے دل میں یہ نتیجہ نکالا کہ یہ بھگوڑا آنے والی جنگ میں وینس کو غیر جانبدار رکھنا چاہتا ہے۔ ''اسی میں سلامتی ہے؟ یہ فقرہ میرے کانوں کو بڑا عجیب معلوم ہو رہا ہے۔ یہ تو باب عالی کے داروغہ کی زبان سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے!''

گری تی کا رنگ غصے سے پیلا پڑ گیا۔ لیکن جب اس نے اپنے ساتھی کو مسکراتے دیکھا تو بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا۔ آہستہ سے اس نے کہا: ''حضور کچھ اور سنیں گے، ہمارے شہر کو کبھی ترکوں سے جنگ نہ کرنی چاہیے۔''

موسے نی گو نے سر ہلا۔ وہ خوب سمجھ گیا تھا کہ اگر وینس کی جمہوریت اور سلطان کے درمیان جنگ چھڑی تو لوئی جی گری تی کا زوال یقینی ہے۔ یہاں اس نے اپنے لیے بڑا خوبصورت سا گھونسلا بنالیا تھا۔ ''یہ میرے لیے عزت کا باعث ہے کہ میں آپ کا پیغام آپ کے قابل عزت والد ماجد تک پہنچا دوں۔ کارپودی دیوہم ایسے احمق تھوڑا ہی ہیں کہ جو آپ کے سلطان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کریں۔'' اس نے تجسس سے اس منقش خیمے کی طرف دیکھا جہاں ایک خوبصورت خاموش سا آدمی بڑے صبر سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کہ قاری کو ہوش آجائے اور وہ پھر سے تلاوت شروع کرے۔ ''میں آپ کے والد سے سلیمان کی شان وشوکت کا حال ضرور بیان کروں گا۔''

گری تی چاہتا تھا کہ موسے نی گو کے ساتھ وینس کی بندرگاہ کو واپس چلا چلے۔

اس کے پاس اتنے جواہرات جمع ہو گئے تھے جن کی قیمت پچاس لاکھ اشرفیوں سے کم نہ تھی۔ لیکن اس کے ساتھ کے لہجے میں مذاق اور منافرت کی ایسی جھلک تھی کہ وہ یہ تجویز پیش نہ کر سکا......

لڑکے نے پھر قرآن مجید کی تلاوت شروع کی۔

قرات کا سلطان کا سلیمان پر بڑا گہرا اثر ہو رہا تھا۔ مفتی اعظم کے ساتھ ساتھ اس پر بھی وجدان و کیف کا عالم طاری ہو رہا تھا۔ وہ ان لوگوں سے الگ نہیں تھا۔ یورپ والوں سے الگ تھا جو کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ تھے۔ اس نے ابراہیم کی مدد سے اس کی بڑی کوشش کی تھی کہ اس کی قوم بھی یورپی برادری میں شامل ہو جائے لیکن اس برادری کا وجود ہی کہاں تھا؟

اس نے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا لیکن یہ عثمان سلطان جو بہت دیر تک سوچ کر نتیجے اخذ کیا کرتا تھا یورپ والوں کی طرف سے بددل ہوتا جا رہا تھا۔ یہ جب اس کے پاس آتے تھے تو جنگ کا ذکر کرنے یا تجارت کی قیمتیں چکانے۔ اسے اپنے دوستوں کی خاطر عزیز تھی۔ لیکن اس کا دوست تھا کون؟ ابراہیم بھی اعتبار کے قابل تھا یا نہیں؟

اس نے اپنے خیال کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ لیکن اس وقت سے اس نے اپنی رازداری کے لیے ایک عورت کا انتخاب کیا، مگر وہ بھی پیدائش کے اعتبار سے غیر ملک کی رہنے والی تھی۔

☆............☆............☆

تین نیک ہستیوں کا انجام

یہ جشن سلیمان نے بظاہر روکسے لانا کے دونوں بیٹوں کے ختنے کی تقریب میں کیا تھا۔جن کے بچپن کا زمانہ ختم ہو رہا تھا اور لڑکپن کا زمانہ شروع ہو رہا تھا۔ان چند دنوں میں یہ دونوں شرمیلے سے لڑکے سلیم اور بایزید زیادہ تر اپنے باپ کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے، اور رعایا انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔

آئین کے مطابق اس رسم کے بعد پرانے محل کے حرم میں یہ دونوں لڑکے استادوں کے سپرد کیے جانے والے تھے۔ابھی تک وہ سلطان والدہ کے صحن میں فوارے کے پاس کھیلتے پھرتے تھے۔سلطان والدہ بیمار تھی، اور لب مرگ لیکن عورتوں کی دنیا پر اب بھی اس کی حکومت تھی۔وہ اپنے مخمل کے بستر سے جس میں کمخواب کی جھالر لگی تھی، اٹھ نہ سکتی تھی، لیکن ہر روز صبح تڑکے وہ لڑکیوں کی داروغہ، حجروں کی داروغہ اور بڑی دائی کو ہدایات دیتی۔روکسے لانا بالکل اسی کی نظروں کے سامنے نہ آتی۔لیکن اس روسی عورت کے دونوں بیٹوں کے متعلق اس نے رائے قائم کرلی تھی۔سلیم لیمولگا کے چڑیاں پکڑتا ہے بڑا گھنا ہے، مجھ سے باتیں چھپاتا ہے۔ چھوٹا سا ہے لیکن موٹا تازہ ہے۔خاموش ہے لیکن بڑا ضدی ہے۔''

یہ دیکھ کر اب خود چند دن کی مہمان ہے۔سلطان والدہ حافظہ نے ہمت کر کے سلیمان سے صاف صاف کہہ دیا۔چال ڈھال اور صورت شکل میں وہ بالکل اپنی والدہ خاصگی خرم جیسا ہے۔لیکن بایزید دل کا اچھا ہے اور ہوشیار بھی ہے۔اس کی

صورت میں اور جان بالکل تمہاری ایسی ہے۔"

سلیمان کچھ کہے بغیر ادب سے اس کی باتیں سنتا رہا، کیونکہ جنت ماں کے قدموں کے تلے ہے۔

حافظہ اپنی بات پر اڑی رہی۔ "اے سلیمان ماں جو کچھ تم سے صاف صاف کہہ رہی ہے تم اس کا جواب نہیں دے رہے ہو۔ لیکن سنو میں تمہیں خبردار کیے دیتی ہوں میرے الفاظ نہ بھولنا۔ بایزید پر اعتبار کرنا۔ سلیم سے مہربانی سے پیش آنا اور اس کا خیال رکھنا کہ اس کے دل میں تمہارا خوف نہ پیدا ہو۔ میرے خیال میں وہ تم سے ڈرنے لگا ہے لیکن اس پر کبھی اعتبار نہ کرنا۔"

معلوم ہوتا تھا کہ حافظہ یہ سمجھتی تھی کہ سلیمان کے بیٹوں کو جوان ہونے تک کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ مصطفےٰ سب سے بڑا تھا، اسے وہ سب سے زیادہ چاہتی تھی۔ لیکن چونکہ وہ حرم سے جا چکا تھا اور فوجی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ اس لیے اس کے متعلق اس نے کچھ نہیں کہا۔

حافظہ اور سلیمان دونوں جانتے تھے کہ گل بہار کے لڑکے مصطفےٰ کو عوام بہت پسند کرتے ہیں۔ مصطفےٰ کو مطالعہ کا شوق نہیں تھا۔ وہ اپنے بزرگوں سے گفتگو بہت شوق سے کیا کرتا تھا اور بہت آسانی سے ہر کسی کو اپنا دوست بنا لیا کرتا تھا۔ اپنے باپ کی طرح تلوار چلانے اور شہسواری اور پیراکی کا اسے خداداد ملکہ تھا۔ اکثر جب وہ اپنے خیمے کو لوٹتا تو اس کا سر لکڑی کے نیزوں سے زخمی ہوتا۔ یہ نیزہ بازی اور شہسواری محض کھیل کھیل میں ہوتی۔ وہ طویل قامت تھا اور ہمیشہ کسی نہ کسی کام میں

مصروف رہتا۔کبھی زخم کھانے میں دریغ نہ کرتا۔منطق کے استاد مصطفےٰ کے متعلق یہ کہتے کہ اس میں استقلال، صبر اور نازک موقعوں پر جسارت سے سرداری کرنے کی صفتیں جو آل عثمان کی امتیازی خصوصیات ہیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

حافظ کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ میگنیشیا کے صوبے کی حکومت مصطفےٰ کے سپرد کی گئی ہے۔بادشاہ بننے سے پہلے سلیمان اس صوبے کا حاکم تھا۔اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مصطفےٰ ہی اپنے باپ کا وارث ہوگا۔یہ کہ سلیمان کی بھی یہی خواہش ہے اور آئین کا بھی یہی تقاضا ہے۔اب تک کوئی بات سلیمان کے ارادہ میں حائل نہ ہونے پائی تھی۔

روکسے لانا کا چھوٹا بیٹا سائے کی طرح قسطنطنیہ کی محل سرا اور میگنیشیا میں مصطفےٰ کے دربار کے درمیان پھرتا رہتا۔بیمار اور کوزہ پشت جہانگیر تنومند مصطفیٰ کا بڑا وفادار خادم تھا۔یہ وفاداری ایک طرح کا مریضانہ جذبہ تھی۔سلیمان اپنے تمام لڑکوں میں مصطفےٰ کو سب سے زیادہ چاہتا تھا۔

اس کے بعد سلطان والدہ کا انتقال ہوگیا۔تین تک سلیمان نے ماتم کیا۔سیاہ پیراہن پہنا جس کا گریبان چاک تھا، روزہ رکھا، قصر کی تمام بیش قیمت بھڑکدار قالین، اٹھوا دیئے۔آرائش کے سارے ساز و سامان کو دیوار کی طرف رخ کر کے رکھو دیا گیا۔شہر کے گلی کوچوں میں کہیں گانے بجانے کی آواز نہ سنائی دی۔

سلیمان کی عمر اب انتیس سال کی تھی۔اس کی قوت اپنے پورے عروج پر تھی۔ وہ روکسے لانا کے عشق میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے حرم

میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ ایک بات تو یہ تھی کہ اس کی ماں ان تین جانوں میں سے ایک تھی جو پرانے رسم و رواج کی دلدادہ تھیں۔ ان میں سے باقی دو پیری پاشا اور گل بہار تھے۔ گل بہار اپنا آگا پیچھا کچھ نہ سوچ پائی تھی۔ سلطان والدہ کی جانشینی گل بہار کا حق تھا، لیکن اس نے مصطفٰے کے ساتھ میگنیشیا ہی میں رہنے کو ترجیح دی۔ اب سلیمان کے صرف دو رفیق باقی رہ گئے تھے، تیز و طرار ابراہیم اور حاضر دماغ روکسے لانا۔

ظاہری طور پر اس روسی عورت نے اس کی کوئی کوشش نہ کی کہ سلیمان پر اپنا اثر جمائے یا اس کی پہلی محبوب گل بہار کو جو فوقیت حاصل تھی اس سے انکار کرے۔ بظاہر وہ تسلیم کر چکی تھی کہ مصطفٰے ہی ولی عہد سلطنت ہے۔ وہ جانتی تھی کہ سلیمان کو متاثر کرنا آسان ہے۔ لیکن جہاں عدل و انصاف کا معاملہ ہو وہ ٹس سے مس نہیں ہو سکتا۔ حرم کی سیاہ فام داروغہ اور دوسری کنیزوں کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ روکسے لانا کو اپنے لڑکوں کی کوئی خاص پرواہ نہیں۔ اور وہ سارا وقت سلیمان کی خدمت میں صرف کرتی ہے۔

لیکن رفتہ رفتہ وہ اس کے حس رم کی چار دیواری سے باہر نکلنے لگی، کبھی کبھی وہ اس کے گھوڑے کے پیچھے اپنی پالکی میں فوج کی پریڈ دیکھنے جاتی، یا جمعہ کی نماز پڑھنے جاتی۔ کبھی کبھی وہ بھیس بدل کے دریا کی سیر میں اس کے ساتھ سوار ہو کر نکلتا۔ اس طرح باسفورس سے گزر کر وہ میٹھے پانی کی ندی تک جاتے، یا اس پار چام لی جا کے قبرستانوں کی طرف جاتے جہاں دیواروں کے جھنڈ تھے۔

حرم میں بھی ایک تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اگر شاذ و نادر کسی نئی لڑکی پر سلطان کی نظر پڑ جاتی تو روکسے لانا کو غصہ آ جاتا۔ خاصگی خرم بڑی ہوشیاری سے ہر خوبصورت لڑکی کو اپنی کنیز بنا لیتی تاکہ سلطان صرف اس کی موجودگی میں اس کنیز سے مل سکے۔ رفتہ رفتہ خواجہ سرا کو یقین ہوگیا کہ روکسے لانا کے علاوہ سلطان کو اور کوئی عورت پسند نہیں۔

ابھی تک اس چار دیواری کی دنیا پر حافظہ کی حکومت تھی۔ اب حرم کا کوئی پاسبان نہ تھا۔ روکسے لانا دوسری قدن تھی، لیکن جب سلیمان اس کی طرف داری میں کچھ کہتا تب ہی اسے کوئی اقتدار حاصل ہوتا۔

چونکہ وہ اور دوسری قدنوں کو پھر اپنے پاس نہ بلاتا، اس لیے وہ وظیفہ خواروں کی طرح سلطان کے دیئے ہوئے قیمتی جوڑے پہنے اپنے اپنے حجروں میں پڑی رہتیں۔ چونکہ روکسے لانا انکی دشمن تھی، اس لیے ان کا کوئی دوست نہیں تھا۔ بڑی آسانی سے بہلا پھسلا کر یہ روسی عورت سلیمان کو اس پر تیار کر لیتی، گویا وہ ان لڑکیوں پر احسان کر رہی ہے کہ ان لڑکیوں کی شادیاں سپاہیوں یا محل کے محافظ دستوں کے حق دار فوجی افسروں سے کر دی جائیں۔

جب یہ ہو چکا تو روکسے لانا نے سلیمان کو یاد دلایا کہ اس کی اپنی حیثیت دن بدن نا قابل برداشت ہوتی جا رہی ہے۔ یہ دوسری عورتیں، بیویاں بن چکی ہیں ان کی اپنی جائداد اور اپنے حقوق ہیں۔ جو ہر طرح سے سلطان کی بیوی کی طرح ہے، اپنی کنیزوں کی نظر میں بھی محض ایک کنیز ہے، یہ تو بے انصافی کی بات ہوئی نا؟

ہوشیار اہل وینس جو حرم میں روکسے لانا کے متعلق افواہوں کو بڑے غور سے

سنتے تھے، یہ دیکھ کر رہے تھے کہ سلیمان پر اس کا اثر بڑھتا جا رہا ہے۔ ''وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے اور اس کے ساتھ اتنی وفاداری سے پیش آتا ہے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک ساحرہ ہے، اور سلطان پر اس نے جادو کر رکھا ہے اس وجہ سے فوج اور دربار کے لوگ اس سے اور اس کے بچوں سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ سلطان کو اس سے اس قدر عشق ہے کہ کسی کو اس کے خلاف کچھ کہنے کی جسارت نہیں ہوتی۔''

چھ پشتوں سے یہی رسم چلی آتی تھی کہ کسی عثمانی سلطان نے کسی کنیز کو باقاعدہ بیوی نہ بنایا تھا۔ لیکن روکسے لانا جانتی تھی کہ سلیمان اس رسم کو توڑنے میں پس و پیش نہ کرے گا۔ آخر میں اس نے ایسا ہی کیا۔

محلسرا میں خاموشی سے یہ رسم پوری ہوئی۔ ایک قاضی کے سامنے سلطان نے روکسے لانا کا ہاتھ پکڑا جو نقاب پہنے تھی، یہ اقرار کیا: ''میں اس عورت خرم کو آزاد کرتا ہوں، اور اسے اپنے نکاح میں لاتا ہوں۔ یہ اپنی ساری ملکیت کی مالکہ ہوگی۔''

سلیمان کے مقربین خاص نے اس شادی کا اجنبیوں سے ذکر نہیں کیا۔ لیکن اس کے بعد سلیمان نے ایک ضیافت کی۔ جینوا کی سینٹ جارج کے بنک کے نمائندوں نے اس کے متعلق یہ بیان قلمبند کیا ہے، اس ہفتے اس شہر میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی نظیر گزشتہ سلطان کے وقائع میں نہیں ملتی۔ سلطان المعظم ایک روسی کنیز روکسے لانا کو اپنے عقد میں لایا اور اس کے بعد ایک بڑی شاندار ضیافت ہوئی۔ رات کو سڑکوں پر روشنی کی گئی۔ گانا بجانا ہوا اور جھروکوں سے پھولوں کے ہار

لٹکائے گئے۔ پرانے ہپوڈروم میں ایک قنات لگائی گئی جس میں ایک سنہری جالی گئی تھی۔ ملکہ اور اس کے ساتھ کی خواتین نے یہاں بیٹھ کر مسلمانوں اور عیسائیوں کے شہسواری کے کرتب دیکھے۔ اس کے بعد بازی گروں اور سدھے ہوئے جانوروں کے تماشے ہوئے۔ ان میں جراف بھی شامل تھے جن کی گردنیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔

گل بہار موجود نہ تھی۔ سلطان والدہ کی حیثیت کی حقدار رہی۔ لیکن روکسے لانا سلطان کی منکوحہ ملکہ بن بیٹھی۔ اس نے پھر سلطان کی توجہ اپنے پرانے وطن کی طرف منعطف کی جو ہنگری کے پہاڑوں کی اس پار شمال میں واقع تھا۔

☆..........☆..........☆

1531ء کی مثالی دنیا

سلیمان کی مطلق خواہش نہ تھی کہ اس وقت پھر ہنگری پر حملہ کرے جہعاں ابھی تک جنگ کی چنگاریاں راکھ کے نیچے سلگ رہی تھیں۔لیکن یورپ والے عین اس وقت اس کے حملے کے متوقع تھے۔اپنے جاسوسوں کے ذریعے اہل یورپ اس پر نظر رکھتے اور وہ انہیں روز بروز مسلمان مشرق کے سردار معظم کی حیثیت سے خطرناک اور حد سے زیادہ منچلا نظر آتا۔آخر وہ خلفا کا جانشین تو تھا ہی۔ان ترکوں نے اب ان عربوں کی جگہ سنبھالی تھی۔جنھوں نے محاربات صلیبی کے بہادروں سے یروشلم چھینا تھا۔اب تو لوتھر بھی یہی کہتا تھا۔

جو سفیر اس کے حضور میں حاضر ہوتے ،گھر پہنچ کر یہی دہراتے :''جس زمین پر ایک بار سلطان کے گھوڑے کی ٹاپ پڑ چکی ہے وہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہو چکی۔''

مذہبی تعصب کی وجہ سے یورپ کے درباروں اور دانش گاہوں میں اس ترک اعظم کا یہ تصور تھا کہ یہ ایک فاتح ہے جو ان پر پے در پے حملے کیا جا رہا ہے۔کروآٹ اور ہنگروی قوموں کے برعکس زندہ ترکوں سے کبھی دو بدو ان کا سابقہ نہ پڑا تھا۔اس زمانے میں ریمنڈ لل جیسا کوئی آدمی زندہ نہ تھا جو ترکوں کے متعلق اصل حالات سے انہیں آگاہ کرتا۔مسلمان ہسپانیہ اور اندلس کا وہ مرکب تمدن جس نے غرناطہ کے حسن کو تخلیق کیا تھا اب ملیا میٹ کیا جا رہا تھا۔عربوں کو اندلس سے نکالا جا رہا تھا،اور افریقہ ہجرت کر جانے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔بعض عربوں نے سلیمان کی سلطنت میں

پناہ لی تھی۔

سلیمان کا یہ خواب کہ جہاں ایک بار اس کے گھوڑوں کی ٹاپ پڑے وہاں ہمیشہ امن رہے، پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن ابھی وہ نا امید نہیں ہوا تھا۔

اس کی تو شاید کوئی توقع نہیں تھی کہ اس کے اپنے زمانے میں مشرق اور مغرب کا تمدن گھل مل کر ایک ہو جائے، لیکن کم سے کم ایک ایسے ترک تمدن کا ضرور امکان تھا جو سب سے الگ تھلگ ہو مگر جسے ایشیا اور یورپ دونوں عزت کی نظر سے دیکھیں۔ اس کا شہر وہ سمندروں اور دو براعظموں کے درمیان تھا، اس میں ایسے لوگ کیوں نہ بسائے جائیں جو دوسرے ملکوں سے نکالے گئے ہیں۔ جنہیں ایشیا یا یورپ کی قوموں سے کچھ لینا دینا نہیں، کوئی واسطہ نہیں، اسکندر اعظم نے عرس البلاد اسکندریہ کو اسی اصول پر تعمیر کیا تھا۔

سلیمان کو صرف عملی باتوں باتوں سے دلچسپی تھی جن کی تکمیل کا کوئی امکان ہو اس کے نزدیک ایک گھر کی حیثیت محض یہ تھی کہ وہ ایک خاندان کو سردی اور بارش سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس نے معماروں کو حکم دیا کہ شہر کی فصیلوں کو ڈھا کر پانی کی بلندی نہریں بنائی جائیں۔ وہ ایک نئے ترکی طرز تعمیر کا جویا تھا۔ کیوں ساری مسجدیں بازنطینیوں کی بنائی ہوئی جامع ایا صوفیہ کی نقل ہوں؟ کیوں ادب صرف فارسی ہی میں لکھا جائے۔

اس شان و شوکت اور اقبال کے دور میں وہ سلیمان عالی شان یا ترک اعظم کہلاتا تھا۔ اجنبی اس کے تاج کے طرے کی سلوٹوں میں جواہرات کی خیرہ کن

جگمگاہٹ دیکھتے اور ابراہیم کی زبانی سات برجوں کے خزانے کا فخریہ بیان سنتے۔ لیکن بہت کم کی سمجھ میں یہ آسکتا تھا۔ کہ سلیمان کا اصل مدعا اور اصل کوشش کیا ہے۔

دیکھنے میں قسطنطنیہ مثالی دنیا کا نمونہ نہیں تھا۔ یہاں کوئی پہاڑی قلعہ نظر نہ آتا تھا۔ منظور نظر امراء کا کوئی طبقہ نہ تھا۔ یہاں صرف ان لوگوں کے تحفظ کا انتظام تھا جو معمولی گھروں رہتے تھے کوئی کوئی پتھر کی جھونپڑی میں رہتا، اس کی ملکیت انگوروں کا ایک کھیت تھا۔ یا گلاس کے درخت اور ایک چھوٹا سا بھیڑوں کا گلہ۔ یہ صاحب خاندان سال بھر میں محض ایک اشرفی اپنے مکان کے محصول کے طور پر ادا کرتا تھا، اور ہر دو بھیڑوں پر ایک آسیر (موجودہ نرخ کے حساب سے اپنی اصل جائیداد پر پچیس روپے، اور دو بھیڑوں پر چار آنے) وہ اپنے لڑکوں کو مسجد کے مکتب میں بھیجتا ہوں جہاں وہ قرآن مجید پڑھتے۔ وہ اپنے مقدمے گاؤں کے قاضی کے پاس لے جاتا۔

سلیمان کے خزانے کی اصل آمدنی اسی محصول سے آتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی با قاعدہ محاصل تھے جیسے معدنیات اور نمک کی کانوں پر محصول، بیرونی تاجروں سے وصول شدہ محصول درآمد، اور کاغذات مہور کے محاصل۔

بیرونی صوبوں مثلاً یونان خاص، شام اور خصوصاً مصر سے خراج وصول ہوتا تھا اہل وینس بھی نام نہاد خراج کے طور پر تیس ہزار اشرفیاں ادا کرتے تھے سرائے کے ترجمہ یونس بے کے بیان کے مطابق جملہ آمدنی اکتالیس لاکھ اشرفیاں تھیں۔ لیکن تاجر زینو کے اندازے کے مطابق ساٹھ لاکھ اشرفیاں تھیں۔ گری تی نے آمدنی

چالیس لاکھ قرار دی ہے۔ لیکن اس کا امکان ہے کہ گری تو اور یونس بے آمدنی کا نہیں بلکہ خرچ کا ذکر کر رہے ہوں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سلطان سلیمان کے خزانے میں آمدنی زیادہ تھی خرچ کم، ممکن ہے آمدنی ساٹھ لاکھ ہو اور خرچ چالیس لاکھ۔

یہ دیکھتے ہوئے سلیمان کی سلطنت کا رقبہ وینس کے مغرب میں سارے یورپ کے مساوی تھا۔ یہ آمدنی بہت قلیل تھی۔ مزید برآں آئین کے مطابق یہ آمدنی متعین تھی۔ یہ مثل زبان زد خاص و عام تھی کہ جو ہوتا آیا ہے وہی ہوگا۔ جب یورپ والے سلطان کو اپنے خدم و حشم کے ساتھ سواری کرتے دیکھتے تو وہ سلطان المعظم کو اس قدر کثیر دولت کا مالک سمجھتے جس کا دراصل وجود نہ تھا۔ سلیمان دراصل معمولی انسان کے گھر بار کی حفاظت کی فکر میں لگا رہتا تھا۔

ایک فرانسیسی نے بہت عرصہ کے بعد یہ لکھا ہے: ''ترک یہ شے میں نظم و ضبط پسند کرتے ہیں۔ ان کی ہر بات میں انتظام اور سلیقہ ہوتا ہے چونکہ اجناس کا بچاؤ، اور ان کی صحیح تقسیم نظم و ضبط کے لیے ضروری ہے، اس لیے وہ اس کا خاص اہتمام رکھتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرح کی جنس بافراط اور مناسب داموں پر دستیاب ہو سکتی ہے۔ جب گلاسوں یا دوسرے پھلوں کی فصل شروع ہوتی ہے تو وہ اسے سونے کے بھاؤ نہیں بکنے دیتے۔ جیسا کہ اکثر ہمارے ملک میں ہوتا ہے...... ان کے عہدہ دار روز گشت لگاتے ہیں اور اگر انہیں کوئی ایسا شخص مل گیا جو اوزان میں دھوکہ دیتا ہے، یا کوئی چیز مہنگی بیچتا ہے، تو اس کی خوب ٹھکائی ہوتی ہے۔ یا اس کا مقدمہ عدالت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر کسی بچے کو بازار سودا لانے بھیجا جائے تو کوئی اسے بھی دھوکا

دینے کی جرات نہ کرے گا۔ بازار کا کوئی افسر بچے سے پوچھے گا کہ اس سامان کے اس نے کتنے دام دیئے۔ اور پھر وہ اس سامان کو تول کر اطمینان کر لے گا کہ بیچارے بچے کو دھوکہ نہیں دیا گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک آدمی کو جو دس دینار فی سیر کے حساب سے برف بیچ رہا تھا، پیروں تلووں پر درے لگائے گئے۔ جو جھوٹے وزن کو استعمال کرتا ہے اس کی گردن میں ایک طوق ڈالا جاتا ہے جس میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں لوگ اسے دیکھ کر ہنسنے لگتے ہیں اور اسے پہچان جاتے ہیں کہ پھر اس کے دھوکے میں نہ آئیں۔

ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ کوچہ بازار میں ہنگامہ وفساد نہ ہونے دے۔ رات کو حادثوں کی روک تھام کے لیے حکم ہے کہ اندھیرا ہونے کے بعد کوئی سڑکوں پر نہ نکلے صرف رمضان کے مہینے میں اس کی اجازت ہے۔''

افراد کے نظم وضبط اور ذمہ داری کا یہ احساس سلطان سلیم سے لے کر گاؤں کے چوکیدار تک سب میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ سلیمان کی مثالی دنیا کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اخلاقی قانون کتابی قانون سے زیادہ اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس اخلاقی قانون کو سلطان اپنے عرف (زبانی فرمان) سے جاری کرتا تھا۔ اس زمانے میں وہ ابراہیم کی مدد سے مصر کے مجموعہ قوانین پر نظر ثانی کر رہا تھا۔ اور مصر کی مشرقی دنیا میں بڑی اہمیت تھی۔ جب مصر کا سالانہ خراج بڑھ کر آٹھ لاکھ دینا ہو گیا تو سلیمان نے حکم دیا۔ کہ مقررہ رقم سے جتنی زیادہ آمدنی ہوئی ہے وہ ساری کی ساری مصر ہی میں آب پاشی کے کاموں میں صرف کر دی جائے۔

ان چند سالوں کے عرصے میں اس کا یہ کارنامہ لاجواب تھا۔ یورپ کے اور کسی بادشاہ یا کسی سابقہ سلطان کی بہ نسبت اس کی بے شمار رعایا جس کی خوراک اور جس کی سرداری کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی بہت خوشحال بن گئی تھی اور یہ سب اس کے نظم و نسق کے مٹھی بھر افسروں کی مدد سے۔

دیکھنے میں تو سلطان سلیمان کی سواری بڑی عالیشان نظر آتی تھی۔ لیکن اس کی محلسرا میں زیادہ امارت اور دولت کے آثار نہ تھے۔ وہ جو کچھ خرچ کرتا تھا، اپنے ملبوسات پر اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر یا وقتاً فوقتاً جشن وضیافت پر، ورنہ اس کے معمولی ملازمین بھی تنخواہیں پاتے تھے اور ان کی مسلسل تربیت ہوتی رہتی تھی کہ زیادہ ذمہ داری کے عہدوں پر ترقی کر سکیں۔ وہ دوسروں کو تحفے دیا کرتا تھا، لیکن یہ خرچ اس طرح پورا ہو جاتا کہ اسے خود بھی بہت تحفے دیئے جاتے تھے۔ بیلر بے اور آغا جتنی دولت جمع کرتے وہ ان کے مرنے کے بعد اس کے خزانے میں جمع ہو جاتی۔

فوج میں اس کا سب سے زیادہ پسندیدہ دستہ سپاہی اوغلان تھا۔ یہ تین ہزار نوجوان سوار تھے جو اس کے یمین میں رہتے یہ سپاہی اوغلان انعام میں کچھ زمین پاتے جس کے معاوضے میں جنگ کے وقت انہیں پانچ چھ گھوڑے اور اتنے ہی سپاہی فراہم کرنے پڑتے۔ فوجی عہدوں پر ترقی کے لیے ان سپاہیوں کو مشق کرائی جاتی ایک دیکھنے والے کا بیان ہے:

''یہ بڑے بہادر لوگ ہیں۔ سلطان انہیں لوگوں میں سے اپنی فوج کا سردار چنتا ہے۔''

لیکن سپاہی اوغلانوں اور اسی طرح سلیمان کے ذاتی عملے کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ بیلر بے اور آغا بھی اپنے آقا کے کروفر کی نقل کرنے لگے تھے اور اسی کا جیسا شاندار لباس پہننے لگے تھے لیکن اس کے لیے اپنے ماتحتوں سے انہیں اپنے حق سے زیادہ چھین جھپٹ کرنی پڑتی تھی۔

شاید ابراہیم سے ان سب کو بہت جلن تھی۔ بزرگ، اہل قلم، قضاۃ سب یہ شکایت کرنے لگے تھے کہ وزیر نے اتنی طاقت حاصل کر لی ہے کہ وہ دوسرا سلطان بن گیا ہے۔ ابراہیم پر بیاعتباری اس لیے نہیں تھی کہ وہ نسلاً یونانی تھا کہ اور ایک نصرانی گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ نظم ونسق کے اکثر عہدہ دار نصرانی گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ بوداسے لائے ہوئے یونانی بت اپنے باغ میں لگائے رکھتا تھا۔ وہ سلطان کو ایک نصرانی گری تی کے گھر لے گیا تھا اور وہ سلطان کی نقل میں سلطان ہی کے جیسے کپڑا پہنتا تھا۔

سلیمان ایسی شکایتیں بالکل نہ سنتا تھا وہ اکثر مسلمانوں کی زبانی یہ صاف صاف بیان سن کے خوش ہوتا کہ ترکوں کو کبھی ایسا سلطان نہیں ملا اور کسی سلطان کو ایسا وزیر نہیں ملا۔"

اس کے بعد قابض کا واقعہ پیش آیا۔

اس واقعہ کی کوئی نظر نہیں تھی کیونکہ قابض مجلس علماء کا رکن تھا اس کے خیالات میں نصرانیت کا رجحان بڑھتا گیا۔

فوج کے قاضیوں نے قابض کے اپنے اقبال پر ارتداد کے جرم میں سزائے

موت صادر کردی۔ اور فیصلہ میں اس کا ذکر نہیں کیا کہ قابض کے دلائل صحیح تھے یا غلط ، ابراہیم اس سزا سے مطمئن نہیں ہوا، اور اس نے دوبارہ بحث سننے کے لیے قابض کو دربار میں طلب کیا۔ سلیمان ابراہیم کی بحث سنتا رہا کہ ارتداد بجائے خود کوئی جرم نہیں۔ قانون کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ کہ بطور ایک مسلک کے یہ جائز ہے یا نا جائز۔

سلیمان نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ سب کے سامنے اس نے اپنے وزیر سے پوچھا: ''یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ایسا شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف کیا ہے، سزا نہ پائے اور سے اس کی غلطی کا یقین نہ دلایا جائے۔

چنانچہ قابض امقدمہ مفتی اعظم اور مجلس علماء میں اس کے پرانے ساتھیوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اپنے دلائل اور حجتیں دہرائیں۔ اور قاضیوں کی اس مجلس نے پھر سزائے موت صادر کی۔

ساری عمر سلیمان کو اپنی رعایا کے شہری حقوق اور مذہبی قانون کی باہمی اختلاف کا مسئلہ درپیش رہا۔ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اس پر لازم تھا کہ وہ فقہ کے قانون پر عمل کرے۔ باضابطہ نظم ونسق کے صدر الصدور کی حیثیت سے افراد کے حقوق کا تحفظ بھی اس کے ذمہ تھا کیونکہ اس کی رعایا کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ نصرانیوں پر مشتمل تھا، جن میں ارمنی، یونانی، گرجستانی اور بہت سی قومیں شامل ہیں۔ قابض کی اصلی خطا یہ نہیں تھی کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مقدم جانا بلکہ یہ کہ اس نے بدنظمی سے اسلام کے دین فطرت سے غداری کی، جس کا وہ عالم وفاضل تھا۔

ایک بہت بڑے مسئلے میں سلیمان نے خود اپنے خلاف فیصلہ صادر کیا۔اس کی ابتدائی فتوحات ......بلگراڈ ، رہوڈس ،موہاکس ...... کے اخراجات اس کی رعایا کو برداشت کرنے پڑے تھے ،سر خزانہ اسکندر چلپی نے عرض کی کہ ان تین برسوں کے عرصے میں ایک جنگی محصول عائد کیا گیا تھا۔جس کی شرح فی وزن اناج فی مویشی ایک چاندی کا سکہ تھی ۔اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ان ایام جنگ میں رعایا کو بڑی سختی برداشت کرنی پڑی۔اس کے بعد امن کے زمانے میں اس نقصان کی تلافی ہو گئی ۔

سلیمان نے اس کے بعد یہ فیصلہ صادر کیا کہ آئندہ کبھی جنگ کے زمانے میں زائد محصول نہ عائد کیا جائے ۔وی آنا پر یورش کے زمانے میں اس کی فوج نے آسٹریا میں اتنا مال غنیمت اکٹھا کر لیا کہ حملہ کا خرچ پورا ہو جائے ۔واپسی کے دوران میں جتنا نقصان ہوا اس کی تلافی سلطان نے اپنے صرف خاص کے خزانے سے کی۔

لیکن تین سال بعد 1532ء میں سلطان کو پھر شمال کی جانب اپنے عسکر کی قیادت کرنی پڑی۔اس مرتبہ اس کا حریف عیسائیوں کا شہنشاہ تھا۔

☆............☆............☆

سائے جیسی فوج کی یلغار

فرڈی نینڈ کی وجہ سے سلیمان فوج کشی پر مجبور ہو گیا۔ وہ ہنگری کا بادشاہ بننا چاہتا تھا، خود اہل ہنگری اس کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھے، لیکن اس نے تنخواہ دے کر فوج ملازم رکھی، کچھ دستے چرلس سے مستعار لیے اور ہنگری میں گھس پڑے۔ اس نے بودا کا محاصرہ کر لیا تھا۔ لیکن سلیمان کے ترک دستے نے جو شہر کی حفاظت پر مامور تھا۔ اسے پیچھے ہٹا دیا۔

چونکہ ڈینیوب کے کناروں پر جنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اس لیے چارلس نے وی آنا کے گردونواح میں بہت بڑی فوج اکٹھی کلی۔ اس مقصد کے لیے اس نے جون 1532ء لوتھر کے معتقدوں سے سمجھوتہ کر لیا تھا اور دربار شہنشاہی میں انہیں تمام الزامات سے بری قرار دیا تھا۔ اس معاہدہ کو نیورن برگ کا مذہبی صلحنامہ کہتے ہیں اور یہ لوتھر کے لیے بڑی کامیابی تھی۔ ترکوں سے مقابلہ کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ اس کے عقب میں جرمن شہروں میں امن رہے۔

جون میں وی آنا میں جو فوج جمع تھی اتنی بڑی فوج مقدس سلطنت روما میں چارلس کے دور میں کبھی جمع نہیں ہوئی۔ اس میں جرمن شہروں کی سپاہ تھی، پیشہ ور فوج تھی، جو شہنشاہ کے حکم پر کمر بستہ تھی۔ اس کے علاوہ چارلس نے اطالیہ اور دلندیزی علاقے سے اپنے تجربہ کار ہسپانوی دستے یہاں بلوا لیے تھے۔

تین پشت بعد نیک دل رچرڈ نولس نے عیسائی فوج کے اجتماع کا حال بڑے

جوش وخروش سے یوں قلمبندی کیا ہے۔

"...... پرانے تجربہ کار سپاہیوں کے کئی رسالے...... وہ جو اور فوجوں میں افسر رہ چکے تھے یا نام پیدا کر چکے تھے، اب اپنی خوشی سے معمولی سپاہی بن کر بھرتی ہوئے تھے۔ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ ایسے باوقعت کپتان ایسے بہادر سپاہی، اس سے پہلے کبھی ایک ہی فوج میں جمع نہیں ہوئے پائے تھے۔ شہزادوں اور آزاد شہروں نے چنے اور مانے ہوئے سپاہی بھیجے تھے۔ ہر شہر کی، اور ہر شہزادے کی کوشش تھی کہ بہادر سے بہادر بھیجے جائیں۔ جرمنی کی ساری چنی ہوئی طاقت دریائے دیچولا سے رہائن تک اور سمندر سے لے کر آلپس پہاڑوں تک کے سپاہیوں کا عطر یا تو وہاں بھیجا گیا یا خود رضاکاری کرنے پہنچ گیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی دیکھا سنا نہ گیا تھا کہ تمام جرمنی، متفقہ مرضی سے اپنی حفاظت کے لیے اس طرح ہتھیار اٹھائے۔

لیکن چارلس خود دوسو میل دور رائس بون میں ٹھہرا رہا جو دریائے ڈینیوب کے لیے منبع کے قریب واقع ہے۔

اس بے نظیر فوج کو جون اور اکتوبر کے درمیان کے نازک مہینوں میں جو کچھ پیش آیا وہ بالکل غیر متوقع تھا۔ اس زمانے میں جرمن اس حیرت کرتے تھے، اور اہل یورپ اب تک اس معمو کو حل نہیں کر سکتے۔

جرمن یہ جانتے تھے کہ سلطان اور اس کی ترک فوج تیزی سے جنوب کی جانب سے پیش قدمی کر رہی ہے۔ اس لیے انہوں نے بالائی ڈینیوب کے تحفظ کے لیے وی آنا کو مستقر بنا کے مورچہ تیار کر لیے۔ وہاں وہ جم کر اڑے رہے۔ لیکن انہیں

نہ سلیمان کے مقابلے کا موقع ملا نہ اس کی عین فوج سے لڑنے کا۔

ویسے ترکوں کی خبریں ان تک پہنچتی رہیں۔ جنوب کے پہاڑوں میں ترک نئے نئے شہروں کو تسخیر کرتے رہے۔ اور مغرب کی طرف سے پناہ گزینوں کے قافلے کے قافلے آنے لگے۔ ترک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں ان کے پہنچنے کی کسی کو توقع نہ تھی۔ وہ وی آنا اور یورپ کے درمیان حائل ہو گئے۔ ایک اور طرح کے سخت اور خونخوار سوار جو ترک نہ تھے، اوپر کی وادیوں پر چھا گئے۔ انہوں نے غیر محفوظ دیہاتوں کو سمیٹ لیا، ندیوں کو پل بنا کر یا تیر کے پار کیا۔ پتہ بعد میں چلا کہ یہ پراسرار سوار ایشیا سے آئے ہوئے تاتار تھے۔

ان کے باوقار دستے انیس کے کناروں پر اور رایسٹر میں نمودار ہوئے جو وی آنا سے سو میل مغرب میں واقع ہے۔

اگست کے پہلے ہفتے میں ٹارورن کے پہاڑوں سے قاصد آئے اور یہ اطلاع دی کہ عین ترک فوج ساٹھ میل جنوب میں گنز کے قصبے کا محاصرہ کر رہی ہے جلد ہی وی آنا کے سراسیمہ سپہ سالاروں کو چارلس کے احکامات ملے کہ وہ اپنی جگہ پر جمے رہے ہیں، اور پہاڑوں کے اس پار گنز کو چھڑانے کی کوشش نہ کریں۔

اس چھوٹے سے قلعے بڑی شجاعت سے مقاومت کی۔ لیکن جرمنوں کی عظیم فوج نے اسے بچانے کی کوشش نہ کی۔ محصورین کی تعداد صرف سات سو تھی جو وی آنا جاتے ہوئے وہاں پہنچ کر پھنس گئے تھے۔ بیس روز تک سلیمان وہاں ٹھہر کے معمولی انداز سے اس شہر کا محاصرہ کرتا رہا۔ پھر 28 اگست کو اس نے محصورین کی درخواست

اطاعت اس طریقے پر قبول کی کہ ہر ایک ششدر رہ گیا۔ اس نے صرف قلعے کے منہدم شدہ دروازوں کی کنجیاں مانگ لیں۔ بہادر محصورین کو جان کی امان دی۔ ینی چیریوں کے دستوں کو فصیلوں کی شگافوں پر متعین کیا کہ باہر سے آنے والی امدادی فوج شہر میں داخل نہ ہونے پائے۔ پھر وہ خود وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

وہی آنا کے سپہ سالار اس پہاڑی قلعے کی اس مثالی اطاعت کا معمہ حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کے عقب میں سواروں کے تیز دستے نمودار ہوئے۔ جو سلیمان کی اصل فوج سے ملنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔ یہ دستے جنگلوں سے بھری ہوئی وادیوں کو تہ و بالا کرتے ہوئے اور دبیز والد (وی آنا کے جنگل) میں جرمن فوج کے اس قدر (قریب سے ہو کر گزرے کہ جرمنوں کو پلٹ کر تنگ گھاٹیوں میں ان میں سے بعض بعض کو روکنے) اور بھاری نقصان پہنچانے کا موقع مل گیا۔

لیکن یہ اڑتے ہوئے سوار جنوبی آسٹریا میں سلیمان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے جو پہاڑوں کو گھیرتا ہوا، قصبوں کو فتح کرتا ہوا، لیکن اگراز اور ماربرگ جیسے شہروں کو چھوڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی فوج الپ کے علاقے کو قطار در قطار پار کر رہی تھی۔ اس نے مورندی کو عبور کر لیا تھا اور درادے پر تعمیر کر لیے تھے۔ اس پر راستے پر کوئی فوج اس کی مزاحم نہ تھی۔

9 اکتوبر کو خزاں کی طوفانی بارشیں شروع ہوئیں مگر اس عرصے میں وہ آسٹریا کی بلندیوں سے اتر کے نشیبی ڈینیوب کے علاقے س ہوتا ہوا آہستہ آہستہ بلگراڈ کی جانب سفر کر رہا تھا۔

23 دسمبر کو جب ترک دور واپس جا چکے، اور دردادے کو عبور کر چکے تب کہیں کچھ روز کے لیے چارلس نے وی آنا میں اپنا منہ دکھایا۔ لیکن اکتوبر میں ہی وہ بھی اطالیہ سے ہوتا ہوا اپنے گھر بارسلونا واپس روانہ ہو گیا۔

اس طرح تاریخ کے ایک عجیب وغریب معرکے کا خاتمہ ہوا۔ مشرق کے سلطان اور مغرب کے شہنشاہ کے درمیان جس لڑائی کی توقع تھی، وہ لڑی ہی نہیں گئی۔ چارلس نے وسط یورپ کی حفاظت کے لیے جو عظیم الشان فوج جمع کی تھی وی آنا کی خیمہ گاہ میں پڑی رہ گئی۔ ترکی عسکر نے اسے چھیڑے بغیر آسٹریا کے بیشتر حصے کو اپنے یورش سے پامال کیا اور سلیمان جس کے نام سے لوگ کانپنے لگے تھے، گنز کے چھوٹے سے قصبے میں لڑائی میں بچوں کی طرح کھیل کھیلتا رہا۔

یورپی نقطۂ نظر سے یہ معمہ حل ہونے میں نہیں آتا تھا۔ لیکن اگر ترکی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ واقعہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ 1532ء کے معمے کا حل خود سلیمان کی ذات ہے۔

سلیمان کا ارادہ کبھی یہ نہ ہوا کہ وہ جرمنی پر یورش کرے جس کو ترک المانیہ کہتے تھے۔ مغربی یورپ کے شکوک اور اندیشے کچھ ہی ہوں۔ اس نے کبھی مغربی ہنگری کے پار کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ مغربی ہنگری میں آسانی سے اس نے وہ علاقہ فتح کر لیا جو بودا کی حفاظت کے لیے ضروری تھا اور بودا کو وہ اپنی سلطنت کا جزو سمجھتا تھا۔ اس کے پار المانیہ تھا، چھوٹا سا پہاڑوں میں گھرا ہوا آسٹریا، اور اسی طرح بوہیمیا کا قلعہ نما علاقہ، ان علاقوں پر اس نے کبھی کسی دعوے کا ارادہ نہ

کیا۔ تین سال پہلے وی آنا کے متعلق اس کی چاہے جو نیت ہو، اب اس پایۂ تخت کی تسخیر کا ارادہ اس نے چھوڑ دیا تھا۔ ہاپس برگ بھائی شوق سے وی آنا پر حکومت کریں۔

سلیمان جو ہمیشہ راز داری کا عادی تھا، اپنی تجویزیں دوسروں پر شاذ و نادر ہی ظاہر ہونے دیتا۔ دس سال پہلے اسلامی دستور کے مطابق اس نے دارالحرب پر حملے پر پہلے دشمن کو صلح کی دعوت دی تھی۔ اس دس سال کے عرصے میں حالات بہت بدل گئے تھے۔ اب ہاپس برگوں کے سفیر اس سے براہ راست گفتگو کرتے تھے۔ سلطان کے کردار میں بھی تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ وہ جنگ کو فتح کا ذریعہ نہ سمجھتا تھا۔ بدرجہ مجبوری ہر تین سال بعد اسے اپنے نظم و نسق کے عہدہ داروں اور ترک عسکر کے ساتھ جنگ کے لیے فوج کشی کرنی پڑتی۔ وہ چاہتا تھا کہ فوج کی قیادت ابراہیم یا کوئی اور کرے، لیکن فوج اس کے سوا کسی اور کا جاںنثاری کے ساتھ، ساتھ دینے کے لیے تیار نہ ہوتی تھی۔ ترک سلطنت کی سنگ بنیاد ابھی تک ترک فوج تھی۔ سلیمان کا بھی کبھی یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ اس فوج کو منتشر کر دے جس کا وہ خود سالارِ اعظم تھا۔ بجائے اس کے وہ اس کوشش میں مصروف تھا کہ فوج کی ماہیت اور اس کے فرائض بدل جائیں۔ اب فوج کے قائد فرہاد پاشا جیسے لوگ تھے ابراہیم جو برائے نام عسکر تھا، دراصل سپاہی نہ تھا۔

اپنے روزنامچے میں اس یورش کے متعلق سلطان نے مختصراً لکھا ہے کہ: ''یہ سپین کے بادشاہ کی سرکوبی کے لیے کی گئی۔''

اس خاص فوج کی ہیئت ترکیبی کا تجربہ کیا جائے تو اس معرکہ کا راز حل ہوتا ہے۔ باقاعدہ دستوں یعنی ینی شہریوں، سپاہیوں اور ایشیا اور یورپ کے زمینداروں کے عساکر کی مجموعی تعداد پینتالیس یا اڑتالیس ہزار ہوگی۔ یعنی وی آنا کی جرمنی فوج کے برابر برابر...... لیکن ہلکے سواروں کی تعداد بڑھا کر پچاس ہزار سے اوپر کردی گئی تھی۔ اس کے علاوہ کریمیا کے تاتاری خان نے چراگاہوں سے پندرہ ہزار تاتاری بھیجے تھے۔ یہ تاتاری جو اچانک حملے بڑے مہیب انداز میں کر سکتے تھے قلعوں اور مورچہ بند شہروں کی تسخیر کے عادی نہیں رہے تھے، (حالانکہ چھ ہی سال پہلے انہوں نے گھس کر ماسکو کے دور دراز شہر پر کچھ عرصہ کے لیے قبضہ کرلیا تھا)

اس مرتبہ سلیمان کے ساتھ زیادہ تر ایسی فوجیں تھیں جو تیزی سے چھاپہ مارنے میں مشاق تھیں، لیکن جو محاصرے کرنے کے لیے تیار نہ کی گئی تھیں۔ اس مرتبہ وہ اپنے ساتھ بھاری توپ خانہ بھی نہیں لے گیا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رہوڈس کے واقعے کے بعد اب وہ عرصے تک کسی سنگین قلعے کا محاصرہ کرنے کا قائل نہ رہا تھا۔ جب وی آنا کا تحفظ یوپ کی ایک مختصر سی فوج نے کیا تھا۔ تب ہی وہ وی آنا کے استحکام کی آزمائش کر چکا تھا۔ اس مرتبہ اس نے قطعی ارادہ کرلیا تھا۔ کہ وہ تین سال پہلے کی طرح سرما کے کوچ میں نہ پھنسے گا، اور بیش بہا گھوڑوں کی جانیں نہ تلف ہونے دے گا۔

پھر بھی اہل یورپ نے اس کے خلاف اتنی جسارت تو کی تھی کہ وہ اس کے مقابلے کے لیے وی آنا میں جمع ہوئے تھے۔

یہ ظاہر ہے کہ وہ کیا چاہتا تھا، اور جو وہ چاہتا تھا وہ ہو نہ سکا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ جرمن فوج دی آنا میں اپنے مورچوں سے نکل کر کھلے میدانوں میں آ جائے۔ جب تاتاریوں کے بادپا سوار دستے اور اس کے آتشچی جرمنوں کو آسٹریا کے ملک اور زمین کی حفاظت کے لیے بھڑکا کے وی آنا سے باہر نکلنے پر اکسا نہ سکے۔ تو سلطان سلیمان نے گنز کی طرف پیش قدمی کی۔ گنز سے وی آنا تک اونچی چراگاہوں کا ایک کھلا ہوا تنگ میدان تھا۔ جس کے ایک طرف نوائے زیڈلرزی کی بڑی سی جھیل ہے۔ اور دوسری طرف مشرق میں ناورن کے پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔

اگر جرمن گنز کی کمک کے لیے اس میدان میں جوب کی طرف بڑھتے تو ان کے بندوقچیوں کے دستے چاروں طرف سے ترک سواروں سے گھر جائے۔ ان حالات میں اگر جنگ ہوتی تو پھر دوسری جنگ موہاکس کا نقشہ پیش آ جاتا اس کے بعد ہاپس برگوں کو ہنگری کی طرف نظر اٹھا کے دیکھنے کی ہمت نہ پڑتی۔

یہ چارلس کی بڑی عقلمندی تھی کہ اس نے اس میدان میں جنگ نہ ہونے دی۔

جیسے ہی سلیمان کو یقین ہو گیا کہ جرمن اس کے جال میں نہ آئیں گے، اس نے گنز کے محاصرے کا کھیل ختم کر دیا۔ اور اس پر لطف تماشے کے ختم پر گنز کے قلعے کی کنجیاں قبول کر لیں۔

اس کے روزنامچے کے مختصر اندراجات سے بھی اس معمہ کے ایک اور حل کا پتا چلتا ہے۔

''ہم نے گرائس کے قریب ڈیرے ڈالے یہ سپین کے بادشاہ کی عملداری میں

ایک اور حل کا پتا چلتا ہے۔

''ہم نے گرائس کے قریب ڈیرے ڈالے یہ سپین کے بادشاہ کی عملداری میں ایک بڑا شہر ہے..... دیوسیگا کے قلعے نے ہتھیار ڈالے دیئے..... ہم نے کوباش کے قلعے کے بیرونی حصار کو نذر آتش کر دیا..... گوریانی کا قلعہ جو حاکم جابر کے بیٹے کی ملکیت ہے ہمارا مطیع ہو گیا..... بوزوت ندی کے کنارے الناخ کے قلعے کے سامنے ہم نے اپنے پڑاؤ ڈالے۔ پان کووا کا قلعہ جو فرڈی نینڈ کے قبضے میں تھا تسخیر ہو گیا .....''

سلیمان کی فوج نے چن چن کر ان قلعوں پر قبضہ کیا جو فرڈی نینڈ کی ذاتی جائیداد تھے۔ ان کے علاوہ آسٹریا کے پہاڑوں سے گزرتے ہوئے انہوں نے دوسرے شہروں کو جو راستے میں واقع تھے، بالکل نہیں چھیڑا۔

ایک جرمن تاریخ میں درج ہے: ''حملہ آور اپنے غضب ناک حملے میں لمن سیم تک پہنچ گیا ن جہاں اس زمانے میں فرڈی نینڈ مقیم تھا۔''

فرڈی نینڈ آسٹریا میں ہو یا نہ ہو اس کی سلطنت کو بڑا نقصان پہنچا۔ اس کی حکومت کے طول و عرض میں تہلکہ مچ گیا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ سلیمان کو اس کا افسوس تھا یا نہیں کہ چارلس نے اس کے مقابل میدان میں آنے کی ہمت نہیں کی۔ خمل کے مطابق ابراہیم نے علی الاعلان یہ دعویٰ کیا کہ سلطان نے اس کے مقابلے کے لیے پیش قدمی کی، لیکن شہنشاہ چارلس کا کہیں پتا نہ تھا۔ اس روزنامچہ میں اس جنگ کا ذکر بڑے سرسری اور معمولی طور پر کیا

گیا تھا۔

13 نومبر۔ سابق وزیر اعظم پیری پاشا کی وفات

21۔ نومبر قسطنطنیہ میں سلطان کی محلسرا کو واپسی، پانچ دن تک شہر اور نواح میں ایوب، غلطہ اور سقوطری کے قصبوں میں جشن اور روشنی، راتوں کو بازار کھلے رہے اور سلطان نے بھیس بدل کران کی سیر کی۔

یہ پہلی مرتبہ تھی کہ سلطان ہمت کر کے بھیس بدل کے لوگوں کے ہجوم میں گھل مل گیا تا کہ وہ ان کی باتیں سنے اور معلوم کرے کہ اس لڑائی پر جانے کے بعد سے اس کے متعلق انکی کیا رائے ہے وہ اپنے آہستہ رو لیکن باضابطہ انداز میں ایک مشکل فیصلے پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اس مرتبہ ابراہیم کی مدد کے بغیر۔

☆..........☆..........☆

ڈینیوب کے کناروں پر امن

سلیمان اب یورپ کی بری فتوحات کا سلسلہ ختم کرنا چاہتا تھا۔

ساتھ ہی ساتھ یہ احساس بڑھتا جاتا تھا کہ یورپ والے جن سے وہ دوستی کرنا چاہتا تھا، کبھی اس کے دوست نہ بنیں گے۔ فرانس جس نے اس سے مدد مانگی تھی۔ اسے چارلس کے خلاف اپنی حفاظت کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن جب اس کی ضرورت نہ رہی تو وہ بالکل منحرف ہو گیا۔ قریب ترین ہمسایہ آسٹریا کا فرڈی نینڈ تھا، لیکن اسے سلیمان حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ مغرب کے بادشاہوں کی سمجھ میں نہ آسکا۔ ان کے معاشرے میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ ترک تھا اس لیے اکیلا تھا۔

اس احساس کے ساتھ اسے یقین ہونے لگا کہ اپنے سوا کسی اور پر اعتماد کرنا غلط ہے اب وہ مغرب کی طرف سے منہ موڑ لے گا۔ اب بھی وہ اس کا قائل تھا کہ اس کی سلطنت قرآن اور انجیل کے درمیان ربطہ پیدا کرے گی۔ لیکن اس کی سلطنت ترک ہوگی اور اپنی جگہ اکیلی رہے گی۔ ابراہیم اس کا ہم ذات نہیں بن سکتا۔ گری تی جیسے چالاک آدمی کا اس کی سلطنت میں کوئی مقام نہیں۔ اب خود وہاں کا ارادہ کرے گا جہاں وہ بارہ سال سے نہیں گیا...... ایشیا کا (طرف ایک مرتبہ رہوڈس کو جاتے ہوئے وہ پھر اناطولیہ سے ہو کر گزرا تھا)۔ اپنے باپ کی طرف وہ ایشیا کے ملکوں کا ارادہ کرے گا۔ لیکن سلیم کی طرح فتوحات کے لیے نہیں۔ وہ مسلمان ملکوں کو

دار الامن، دار القرآن دے گا۔

لیکن 1533ء سے 1536ء تک تبدیلی کے ان ایام میں (اسی زمانے میں اس نے روکسے لانا سے نکاح کرلیا تھا) اس نے آل عثمان کے لیے یورپ میں ایک بہت بڑی سلطنت تراش لی تھی۔ اس کی نئی سرحدیں بحیرۂ اڈریاٹک پر وینس سے بہت قریب اور قسطنطنیہ سے نو سو میل دور تھیں۔ شمالی ہنگری میں اس کی سرحدیں قسطنطنیہ سے سات سو میل دور تھیں۔ شمال مشرق میں ان سرحدوں پر کریمیا کے تاتاریوں کے باجگذار علاقے کے اس پار آزاف کا شہر تھا جو دریائے ڈان کے کنارے پر قسطنطنیہ سے آٹھ سے میل دور واقع ہے۔ آزاف سے زارا تک جو بحیرۂ اڈریاٹک پر واقع ہے۔ اس سرحد کا طویل بارہ سو میل تھا۔ ان سمندری سرحدوں سے متصل اس کے دو حلیف تھے، باجگذار اور حلیف تاتاری اور اس کے دوست اہل وینس، یونانیوں سے لے کر ہنگریوں تک تمام اہل بلقان اس کی داخلی رعایا تھے۔ اس کے باہر اجنبی قومیں تھیں، اطالوی جرمن، سلوواک، پول اور ماسکو کے سلاف۔

سلطان کے فیصلے کے مطابق اس خط فاصل پر یورپ میں ترکوں کی فتوحات کا سیلاب ٹھہر گیا۔ یہ شمالی سرحد ڈیڑھ سو سال تک بغیر کسی نمایاں تبدیلی کے قائم رہی۔ سترھویں صدی کے ختم پر ایک اولوالعزم ترک نے سچ مچ وی آنا کا محاصرہ کرنے کی کوشش کی۔ اور نوجوان پیٹرا لکسے ئی وچ (پیٹر اعظم) نے ڈان کے کنارے کنارے ترکوں کے مقابل آزاف پر فوج کشی کی۔

یہ سلطنت جس کی حد بندی اور جس کا تعین سلیمان نے کیا تھا، چند روزہ فتح نہ

تھی اس سلطنت کے استحکام کی اصلی وجہ آل عثمان کا طرز حکومت تھا۔ سلیمان کی زندگی کے آخری دور ہی سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا کہ بھوکے پیاسے یا جنگ کے ستائے ہوئے پناہ گزین روس اور آسٹریا کی سرحدیں پار کر کے عثمانی علاقے میں آ جاتے۔ یہاں انہیں پیٹ بھر کر کھانا ملتا۔ ان کا مذہب کچھ ہی ہوتا ہشرقی کلیسا، یونانی کلیسا آرمنی کلیسا، وہ مسلمان ہوتے یا یہودی یہاں ان سے مذہبی رواداری برتی جاتی۔ یہ سلیمان کا ''ترکی امن'' تھا جس کی وجہ سے ڈینیوب کی وادی میں اس کی سلطنت کو استحکام حاصل تھا۔

جیسے وی آنا کے حملے کے بعد ہوا تھا۔ اس مرتبہ پھر ہاپس برگ بھائیوں نے صلح کی درخواست کی۔ سلیمان کے لیے بھی یہ درخواست خوش آئند تھی کیونکہ وہ ایشیا کا عزم کر رہا تھا اسے خود بھی یورپ سے صلح کرنے کی ضرورت تھی۔ اس نے دل سے سفیروں کا خیر مقدم کیا۔

زندہ دلی سے سلیمان اور ابراہیم نے ہاپس برگ بھائیوں کے لیے القاب تراشے انہیں ؟؟ فرڈی نینڈ اور اسپین کا بادشاہ'' کہنے کے بجائے سلطان نے انہیں اپنے خاندان میں شامل کر لیا۔ اس نے چارلس کو بھائی اور فرڈی نینڈ کو فرزند کہہ کے یاد کیا۔

وی آنا کے سفیر نے ذلت کے احساس کے ساتھ مجبوراً بر سر محفل ان بے تکلف خطابوں کو دہرایا اور اطاعت کے طور پر گران کے شہر کی کنجیاں پیش کیں۔ جو کچھ اسے لکھ کر دیا گیا تھا۔ اس نے پڑھ دیا'' آپ کا فرزند شاہ فرڈی نینڈ یہ سمجھتا ہے کہ

اس کی ساری ملکیت دراصل آپ کی ملکیت ہے۔ کیونکہ آپ اس کے پدر مشفق ہیں ...... اسے اس کا علم نہیں تھا کہ آپ ہنگری کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں، اگر اسے علم ہوتا تو ہرگز جنگ کی جسارت نہ کرتا۔''

چارلس کے پاس سے ایک قاصد آیا جس کا نام کارنے لیس شیپر تھا اور وہ اپنے ساتھ ایک خط لایا۔ سلیمان جو اب یورپ کے شاہی خاندان کا بزرگ بن بیٹھا تھا۔ وی آنا کے سفیر سے بڑی شفقت سے پیش آیا کہ اب فرڈی نینڈ سے صلح کر لی جائے گی۔ ''صلح ہی نہیں، امن بھی، سات سال یا سو سال کے لیے نہیں ...... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ...... جب تک کہ فرڈی نینڈ امن نہ توڑے۔''

سلطان گو فرڈی نینڈ کا مذاق اڑا رہا تھا لیکن کی تہہ میں اس کی دلی خواہش بھی یہی تھی۔

ابراہیم نے بڑے تکلف سے چارلس کا خط اٹھایا اور اپنی پیشانی سے لگایا (سلیمان کے بہب کے پہلے خط کو وہ اہمیت دینا چاہتا تھا) اور کہا: ''چارلس بہت بڑا بادشاہ ہے اور ہم اس کی عزت کرتے ہیں۔''

لیکن اس خط کی وجہ سے آفت پیدا ہو گئی۔ ''یہ خط کسی محتاط یا عقل مند بادشاہ کی تحریر نہیں اس نے اپنے لیے ایسے خطابات کیوں گھڑے ہیں جن کا وہ مستحق نہیں؟ اس کی اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ میرے آقا کو خط لکھے اور اپنے آپ کو یروشلم کا بادشاہ لکھے۔ کیا چارلس کو معلوم نہیں کہ یروشلم اس کے نہیں بلکہ میرے سلطان المعظم کے قبضے میں ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایتھنز کا ڈیوک لکھتا ہے۔ یہ چھوٹا سا قصبہ جس کو ہم

لوگ اشبیلیہ کہتے ہیں اب ہمارے قبضے میں ہے..... میرا آقا دوسروں کے خطابات کا سرقہ نہیں کرتا..... خدا کے فضل سے اس کی خطابات اور مقابات کم نہیں ہیں۔"

پھر ابراہیم نے یورپ کے حالات پر جرمن سفیروں کو اپنے خاص انداز میں درس دینا شروع کیا۔ اس مرتبہ اس کا موضوع چارلس تھا۔ "..... اطالیہ میں اس نے ہمیں جنگ کی دھمکی دی، اور لوتھر کے پیروؤں سے امن کا وعدہ کیا۔ وہ جرمنی آیا لیکن نہ لوتھر کے پیروؤں کو کوئی فائدہ پہنچا سکا، نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکا۔ کوئی جلیل القدر بادشاہ کبھی کوئی ایسا کام شروع نہیں کرتا جسے وہ اتمام تک نہ پہنچا سکے..... اس نے علی الاعلان مجلس میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ لوتھر کے پیروؤں کو پھر پرانے مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرے گا۔ ایک شخص کو بھی وہ اپنے مذہب بدلنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ ہم لوگ یہ نہیں کرتے۔ اگر میں یہ چاہتا تو اسی مجلس کو منعقد کر کے میں لوتھر کو ایک طرف کھڑا کرتا۔ یا پائے روم کو دوسری طرف، اور دونوں میں اتفاق پیدا کر دیتا۔

دونوں ہاپس برگوں میں سے صرف فرڈی نینڈ کے ساتھ صلح کی گئی، اسے ہنگری کے شمالی پہاڑوں کا بادشاہ تسلیم کرلیا گیا جو بہر حال اس کے قبضے میں تھے۔

سلیمان نے چارلس کے ساتھ معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

"جب تک وہ میرے دوست اور حلیف شاہ فرانس سے صلح نہ کر لے، اور اسے وہ علاقے واپس نہ کردے جو اس نے چھینے ہیں....."

کیا سلیمان اس وعدے پر جما ہوا تھا جو اس نے فرانس کو مدد دینے کے لیے کیا تھا؟ یا وہ چارلس کا مذاق اڑا رہا تھا، اور فرانس کی وعدہ خلافی پر طنز استہزا فرما رہا

تھا؟

اس سفارت کے دوران میں ابراہیم نے اہل یورپ کو ایک عجیب وغریب بیان دیا۔ یورپ کے یہ سفیر بھی، اپنے پیش رووں کی طرح وزیر کی طرح خوشامد کرنے کا گر سیکھ گئے تھے، اور چونکہ وہ ترک سلطنت کا اعلیٰ ترین افسر تھا، اس لیے وہ اسے بیش قیمت تحفے دینے لگے تھے۔ ابراہیم نے ان سے کہا: ''یہ واقعہ ہے کہ اس وسیع سلطنت پر میں حکومت کرتا ہوں۔ جو میں چاہتا ہوں وہ ہو کر رہتا ہے۔ میں جس پاشا کو چاہوں سائیس بنا دوں۔ میں جو دینا چاہوں دیتا ہوں، جو میں عطا کرتا ہوں وہ اور کوئی نہیں چھین سکتا۔ میرا آقا کبھی میرے فیصلے کی نفی نہیں کرتا۔ لیکن اگر سلطان کسی کو کوئی چیز عطا کرے اور میں اس کو چھیننا چاہوں تو میں چھین سکتا ہوں۔ جنگ کرنا، صلح کرنا، خزانے کا انتظام...... سب میرے ہاتھوں میں ہے۔ سلطان کا ملبوس مجھ سے بہتر نہیں۔ اس نے اپنے سارے اختیارات مجھے سونپ دیئے ہیں ...... میں یہ سب باتیں محض تفریحاً نہیں کہہ رہا ہوں۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم مجھ سے کھلی بات کر سکو۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابراہیم نید ماغی تھکن کے عالم میں یہ الفاظ کہہ دیئے تھے یا وہ مجنونانہ حد تک برخود غلط ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن ابراہیم جو کچھ کہہ رہا تھا غلط نہیں تھا۔ اسے اتنی ہی طاقت اور ویسے ہی حقوق حاصل تھے جن کا وہ ذکر کر رہا تھا۔ اس کے جانی دشمن اسکندر یہ چلبی نے ہمت کر کے سلطان سے شکایت کی یہ یونانی اور نصرانی نژاد شخص ہر کارروائی میں رشوت حاصل کر رہا ہے۔ سلیمان نے اس کی شکایت کی

طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس نے وعدہ کرلیا تھا کہ جب وہ زندہ ہے یا اس کا وزیر زندہ ہے وہ اسے ذلت کے ساتھ برطرف نہ کرے گا۔ اور مرنے کے بعد ابراہیم کی ساری دولت ضبط ہو کر خزانے میں آ جائے گی۔ ایک لحاظ سے یہ دولت محض ایک طرح کا قرض تھا۔

اب گری تی وزیر کے اس برخود غلط نشے سے پریشان ہونے لگا تھا۔ اس نے کہا: ''اگر سلیمان اپنے کسی باورچی کو ابراہیم کو قتل کرنے بھیجے تو کوئی مزاحمت نہ کرے گا۔''

دوجے کا یہ ہوشیار بیٹا اس کے بعد صرف ایک سال زندہ رہا، سلیمان نے اسے شمالی ہنگری بھیجا تاکہ سرحد کی نشاندہی کا کام انجام دے۔ سلیمان جانتا تھا کہ اس کام میں کئی سال لگ جائیں گے۔ گری تی اپنا توازن کھو بیٹھا۔ اور اس خدمت میں اس نے بڑی دولت کمانا چاہی (سلیمان چاہتا تھا کہ زاپولیا کے علاقہ میں کوئی کمی نہ ہونے پائے لیکن ابراہیم نے اسے کچھ اور ہی ہدائتیں دی تھیں) بہر حال اس نے آسٹر والوں کو یقین دلایا کہ وہ ہنگری کے میدان اعظم کے بڑے بڑے شہر ان کے حوالے کر دے گا۔

لیکن اسی حرکت سے ہنگری کے علاقے کے لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ انہوں نے اس کا تعاقب کر کے اس کا سر قلم کرلیا۔ جب انہوں نے اس کی لاش سے کپڑے اتارے تو اس کی ران پر ایک چھوٹا سا ڈبہ بندھا پایا۔ جس میں جواہرات بھرے تھے۔ جن کی قیمت چار لاکھ اشرفیوں کے لگ بھگ تھی۔

ابراہیم کو پھر بھی کبھی یورپ کے سفیروں سے ملنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ سلطان نے اپنے آگے اسے ایشیا کی طرف روانہ کر دیا۔

اس طرح سلیمان نے المانیہ اور روی آنا کی کتابوں پر تمت بالخیر لکھ دیا وہ کئی سال تک یورپ سے دور رہنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے ہاپس برگوں کی امن پسندی پر کوئی خاص اعتماد نہ تھا وہ چاہتا تھا کہ کوئی اور ایسا مشغلہ ہو جس سے اس کی غیبت میں اہل یورپ الجھے رہیں۔ یہ مشغلہ اسے مل گیا۔ یہ بحری یورش کا سلسلہ تھا۔

ضرورت کے لیے اس نے سمندر کا رخ کیا۔ لیکن اس طرح اس نے آل عثمان کی بلند اقبالی کے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ اس نئے بہانے تیس سال تک وہ یورپ کی سیاسی شطرنج کا نقشہ بدلتا رہا۔

سمندر کا راستہ اسے شاید نہ ملتا۔ یہ راستہ ڈھونڈھنے میں اسے صرف ایک شخص سے مدد ملی۔ جس کا نام خیر الدین باربروسا تھا۔

☆............☆............☆............☆

۳۔ سمندر

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

محرک قوتیں

یہ بڑی عجیب بات تھی کہ وہ سلاطین آل عثمان میں سب سے زیادہ جلیل القدر تھا روز باہر نکل کے باغ کی روش پر ٹہل ٹہل کے ایک ایسے شخص کا انتظار کرتا جو سمندر کے راستے سے آنے والا تھا۔ لیکن بعض غیر مرئی قوتیں ایسی تھیں کہ انہیں باربروسا کو بلانا پڑا۔ اور بعض اور قوتوں کی تحریک ایسی تھی کہ باربروسا (جس کے لفظی معنی سرخ ریش ہیں) کو بھی بددلی ہی سے سہی، لیکن بالآخر مرکز سرائے کا رخ کرنا پڑا۔

وہی ذہین فرانسیسی صحیفہ نگار جس نے بچوں کو ترکوں کے بازار میں گلاس (چیریاں) خریدتے دیکھا) اس نے مرکز سرائے کی اہمیت کا یوں اندازہ کیا ہے ......''یہ حصہ زبان کی طرح زمین سے نکل کر باسفورس میں چلا گیا ہے۔ یہاں سے نصف گھنٹہ میں باسفورس کو عبور کر کے ایشیا کے ساحل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے دائیں طرف بحیرۂ سفید (بحیرۂ مرمر یا بحیرۂ مارمورا) ہے۔ اور یہاں سے مصر اور افریقہ کا بحری راستہ بڑا آسان ہے۔ اس لیے ان علاقوں کا سامان یہاں بکنے آتا ہے۔ بائیں جانب بحیرۂ اسود اور بحیرۂ اوزوف ہے۔ بحیرۂ اوزوف میں بہت سے دریا آن کر گرتے ہیں۔ اس کے کنارے بہت سی قومیں آباد ہیں۔ اور اسی راستے سے اس دارالسلطنت قسطنطنیہ کو شمال کا مال اسباب آتا ہے۔ کوئی ایسی اچھی کام کی ضروری چیز نہیں۔ جو ہر طرف سے کثیر مقدار میں قسطنطنیہ نہ لائی جاتی ہو۔ جب ایک طرف ہوا مخالف ہوتی ہے تو دوسرے رخ سے آنے والی کشتیوں کے لیے موافق

ہوتی ہے......اس بندرگاہ کے داخلہ کا منظر اس قدر حسین ہے کہ ساری دنیا میں اس کا جواب نہیں۔''

اس طرح سلیمان کی سلطنت کے پس پشت وہ بحری راستے ہیں جن سے مشرق قریب کی تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کی سلطنت کے سامنے درۂ دانیال کے سنگین قلعوں کے اس پار بحیرۂ یونان کا خاموش سمندر تھا جو ان جزیروں سے اَٹا تھا۔ جو کبھی یونان کی ملکیت تھے۔ اب ترکی کے قبضے میں تھے۔ ان جزیروں کا سلسلہ رہوڈس تھا۔

میڈی ٹرے نین یا بحیرہ روم، پار کے سمندر بحر اوقیانوس کی طرح جہازوں کے لیے ایک واحد یا مکمل گزرگاہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس میں جابجا جزیروں کی روک تھی۔ اس کے کچھ حصے دور تک خشکی میں گھسے چلے گئے تھے اور ان سب پر کوئی نہ کوئی اپنا قبضہ جتاتا تھا۔ سلیمان کے زمانے سے پہلے سلطان محمد فاتح نے بحیرۂ ینان میں ترکی جہازوں کے لیے راستہ ہموار کیا تھا۔ سلیم نے بحری کشتیوں کے بیڑے بحیرۂ روم کے مشرقی حصے کی حفاظت کے لیے مامور کیے تھے، بنجر تسانتے، اور کورفو کے گلزار جیسے جزیرے کے اس پار اڈریاٹک کے پورے ملوک کو اہل وینس اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ جو راس بونا اور اٹلی کے جنوبی سرے کے درمیان واقع تھی اور جس میں مالٹا اور صقلیہ کے جزیرے سنگ میل کی طرح تھے۔ تنگنائے کی روک کے اس پار بحیرے کا مغربی حصہ تھا۔ جس میں سارڈینیا اور کارسیکا کے پتھریلے جزیرے تھے۔ بیلیارک کے جزیروں کی کڑی تھی، اور ان سب کا، چارلس، مقدس سلطنت روما اور بالخصوص

اور اسپین کی طرف سے دعوے دار تھا، جبل الطارق کی عظیم الشان چٹان تک سارا مغربی بحیرۂ روم ہسپانوی سمندر تھا۔

کسی ترک جہاز کی ہمت نہ ہوئی تھی کہ وہ گھس کر اتنی دور جا سکے۔ یہ تقریباً ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس حصے تک پہنچنے کا ایک بری راستہ بھی تھا۔ جو شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا گزرتا تھا۔ جیسا کہ میسودے تے وے نو نے غور وخوض کے بعد لکھا ہے۔ شاخ زریں سے افریقہ تک جا پہنچنا دشوار نہ تھا۔

اس کے علاقہ افریقہ کے ساحل کے علاقوں میں سمندر کے اس پار کے شمال یورپی باشندوں کیخلاف پرانی دشمنی کی آگ برابر بھڑکتی آ رہی تھی۔ وہ صحرا نورد جو بحیرۂ روم کے اس جنوبی علاقے میں وقتاً فوقتاً آباد ہوتے آئے تھے۔ خواہ وہ فونیقی ہوں یا بربر یا عرب، انہیں سمندر پار کے دشمنوں سے سابقہ پڑتا ہی رہتا تھا۔ خواہ یہ دشمن رومی ہوں خواہ نارمن، ابتدائی زمانے میں جنوبی ساحل تمدن کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ سپو (بونا) کے چھوٹے سے شہر میں سینٹ آگسٹن نے اپنی کتاب ”شہر خداوندی“ لکھی تھی۔ اور اسکندریہ کا کتب خانہ فلسفیوں کا بڑا مرکز تھا۔ پھر عربوں کی موج در موج فتوحات نے قدیم یونانی تہذیب کے اس بہتے ہوئے ساز و برگ کو جزیرہ ہمائے ہسپانیہ میں لا پھینکا۔ عربوں کے ساتھ ارسطو کی کتابیں بھی آئیں اور خلافت بھی آئی ہے۔ ایشیا کے علمی خزانے یورپ کے وحشی کناروں تک پہنچے اور اس طرح تیرھویں صدی عیسوی کے نشاۃ ثانیہ کی تحریک پیدا ہوئی۔

کچھ تو ان علمی خزانوں سے مالا مال ہو کے، اور کچھ محض بحری قزاقی کی خاطر

محاربات صلیبی کے زمانے میں یورپ میں ایک ردعمل شروع ہوا۔ اطالیہ کے شہروں، پی سی۔ متکبر جنیوا اور وینس کی متانت ماب جمہوریت نے جنوب کی طرف اپنے مسلح بحری بیڑے بھیجے سینٹ لوئی نے قرطاجنہ کے کھنڈروں کے پاس تونس کے شہر کا محاصرہ کرتے کرتے وفات پائی۔ مذہبی جنگوں کی تلخی کی وجہ سے نارمنوں اور اطالویوں کی بے رحمی بڑھتی گئی بحیرہ روم قزاقوں کی میراث اور بحری بیڑوں کی گزرگاہ بن گیا۔ جن کا کام لوٹ مار تھا۔ یہ قیدیوں کو پکڑ کے اور زنجیروں میں جکڑ کر اپنی کشتیاں کھینے کے لیے تختوں سے باندھ دیا کرتے۔

پھر کچھ عرصہ امن رہا۔ افریقہ کے ساحل پر ایک افسانوی خاموشی چھا گئی۔ خلافت کا مضبوط محل مسمار ہو گیا۔ اس کی جگہ چھوٹے چھوٹے پر امن بادشاہوں نے ساحل کے کنارے کے سرسبز شہروں میں طوائف الملوکی شروع کردی۔ عرب اور بربر یا تو ساحلوں پر تجارت کرتے یا اہل قبائل کے ساتھ ساتھ، واعظوں کے پیچھے پیچھے، پہاڑوں کے اس پار لق و دق صحرا کا سفر کرتے یا زیارت کے لیے قیروان کے مقدس شہر تک ہو آتے۔

اس تساہل اور تلخ یادوں کے پس منظر میں اہل یورپ نے سمندروں کو عبور کر کے دور دور تک پہنچنا شروع کیا۔ ان کی یہ نقل و حرکت افریقہ کے ساحل سے بہت قریب تھی۔ جس سال جنیوا کا کرستوفورو کولمبو (کرسٹوفر کولمبس) بحر اوقیانوس کے اس پار کے جزیرے دریافت کر کے واپس ہوا، اسی سال فرڈی نینڈ اور ازبیلا (وہ دونوں تاجدار جن کی حکومت سے اسپین کی سلطنت کی بنیاد پڑی) فتح غرناطہ کا جشن منا

رہے تھے۔عرب پناہ گزین سمندر کے اس پار بھاگ کر سیوطہ اور مرث الکبیر میں پناہ لے رہ تھے لیکن ان کے تعاقب میں زرہ پوش ہسپانویوں نے آ کر افریقہ کی قریب ترین بندرگاہوں پر جھنڈے گاڑ دیئے۔کارڈی نل زی مے نس جو ملکہ ازابیلا کا پادری اور معترف تھا، نئی دنیا (امریکہ) کی طرح افریقہ میں بھی ایک ایسی سلطنت کا خواب دیکھنے لگا جس پر عیسائیوں اور ہسپانویوں کی حکومت ہو (اسپین کے ''کون خستے دور'' (فاتح) جہازوں اور کشتیوں سے گھوڑے اور توپ خانے اتار اتار کے افریقہ کی ''کافر'' سرزمین، خصوصاً الجزائر پر اپنے مورچے تیار کرنے لگے۔ان حملہ آوروں کے مقابلہ میں پناہ گزین عرب اور یہاں کے رہنے والے بربر بالکل بے بس تھے۔وہ طیش کھاتے تھے لیکن اس کے پاس صرف چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور ڈونگے تھے۔زیادہ سے زیادہ وہ یہ کر سکتے تھے کہ جب موقع ملتا ہسپانیہ کے قافلوں پر چھاپہ مار کے بھاگ جاتے تھے۔

لیکن پھر شہبازوں کی طرح زمین پر لڑائی کی بو سونگھتے ہوئے، مشرق سے کچھ بحری آوارہ گرد نمودار ہوئے۔یہ بحری قزاق شاہینوں کی طرح سخت دل تھے، کسی قانون کے پابند نہ تھے۔ستم رسیدہ عرب اور بربر رعایا سے ان کا سوائے ہم مذہب ہونے کے اور کوئی تعلق تھا تو بس یہی کہ ان کو بھی دولت مند ہسپانویوں سے اتنی ہی نفرت تھی، جو سر سے پیر تک زرہ بکتر سے مسلح ہوتے تھے، اور جس راستے سے گزرتے تھے بنی نوع انسان کو گولی بارود سے ہلاک کرتے جاتے تھے۔

ان بحری آوارہ گردوں کے پاس جہاز تھے۔اور وہ اتنے ہوشیار تھے کہ

ہسپانویوں سے دو بدو جنگ کر سکتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک خیر الدین بابروسا تھا جسے بربروں نے الجزائر کی مدد کے لیے طلب کیا اور جس نے خود الجزائر پر قبضہ کرلیا۔

(دراصل ان لوگوں کو قزاق، یا ساحل بربر کے بحری ڈاکو کہنا، یا بحری ڈاکوؤں کے اڈے کے الجزائری قزاق قرار دینا بڑی غلطی ہے۔ اس زمانے میں ان کے متعلق اس قسم کے الفاظ نہیں استعمال کیے جاتے تھے۔ یہ الفاظ بعد میں ایجاد کیے گئے تاکہ یورپ میں لکھی ہوئی تاریخوں کی دلیلوں کی خانہ پری ہو سکے۔ صحیح زاویہ نگاہ یہ ہے کہ ان طاقتوں کا تصور باندھیے جو یوں سمندر میں متصادم ہوئیں، دو مذہب کس طرح پھیلے، کس طرح دو براعظموں نے تیسرے براعظم پر یورش کی اور پھر دو عظیم الشان سلطنتوں، مقدس سلطنت روما اور ترکوں کی عثمانی سلطنت کے مابین مقابلے اور مخاصمت کا سلسلہ کس طرح شروع ہوا)

☆..........☆..........☆

خیرالدین باربروسا

سلیمان اس شخص کے طیش وغضب کو اپنی خدمت کے لیے طلب فرما رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ پہلوانوں کی طرح تنومند تھا۔اس کی ناک چونچ کی جیسی نکیلی تھی۔اور نیچے اس کی سرخ حنائی داڑھی ترشی ہوئی تھی۔وہ دل کا برا نہیں تھا۔لیکن جب اسے غصہ آ جاتا تو بڑا سنگدل بن جاتا۔وہ پیدائش ملاح تھا۔اسے پہلے ہی پتا چل جاتا کہ اب شمال سے طوفان کا جھکڑ آنے والا ہے۔وہ سرطہ کی اتھلی ریت سے بھری ہوئی خلیج سے آسانی سے گزر سکتا۔وہ بربا کے پوشیدہ جزیروں میں کسی ایک جزیرے میں اپنے جہاز آسانی سے چھپانا جانتا تھا۔وہ جزیرہ مے لین کے ایک البانوی باشندے یعقوب کا بیٹا تھا۔اس کے تین بھائی اور تھے۔اور بچپن ہی میں اس نے کمہار کی بھٹی چھوڑ کے کشتی کا بادبان سنبھالا تھا۔اس کے ایک بھائی کو یورپ والوں نے ایک سمندری لڑائی میں اڑادیا تھا۔اس کا ایک اور اس سے بڑا بھائی عروج، جس کی داڑھی شعلے کی طرح سرخ تھی، اور جو بڑا فیض طبع تھا،تونس کے مغرب میں بیلیارک کے جزیروں تک ہسپانوی سے لڑتا رہا۔ان لڑائیوں میں پہلے اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ پھر وہ جان سے مارا گیا۔اس کے بعد سب سے چھوٹے بھائی خیرالدین نے اپنے بھائیوں کو کشتیوں کا بیڑا سنبھالا، اور اسی دلیری اور بےخوفی سے مغرب کا رخ کیا۔ اس کے ملاحوں نے اسے بھی وہی لقب دیا۔''سرخ ریش''یا''باربروسا''جس نام سے اسکا بھائی عروج مرحوم یاد کیا جاتا تھا۔

فتح مصر کے دوران میں ایک پڑاؤ یا یاوز سلطان سلیم نے باربروسا کے متعلق بہت سی روائتیں اور حکایتیں سنیں۔ اسے بیلر بے کا خطاب، اوراس کے ساتھ گھوڑے کی دم والا پرچم دیا۔ اسپ اور تلوار عنایت کی۔ نیل سے مشرق کی طرف افریقہ کا سارا علاقہ ترکوں کی نظروں میں وہی حیثیت رکھتا تھا، اور وہ اس کے متعلق اسی طرح تفتیش کر رہے تھے۔ جسے اہل یورپ امریکہ کی کھوج میں لگے ہوئے تھے، لیکن باربروسا کے لیے سلیم کے تحفوں سے زیادہ جو چیزیں کارآمد ہوئیں ان میں ینی چیریوں کی فوج اور وہ بھاری توپ خانہ شامل تھا جو سلیم نے ان تحائف کے ساتھ ساتھ اس کے سپرد کیا تھا۔

یورپ میں باربروسا کی داستانیں پھیلتی گئیں۔ اس کا سراغ ملنا محال تھا، لیکن وہ ہر جگہ آن پہنچتا۔ ہسپانوی جہازوں نے اسے بے وطن اور بے بس عربوں کو، جو ہسپانیہ سے جلاوطن کیے جا رہے تھے، افریقہ پہنچاتے ہوئے دیکھا۔ باربروسا نے یہ ہسپانوی کشتیاں اپنے تصرف میں لا کے، اپنے پینتیس ڈونگوں کے مختصر سے بیڑے میں اضافہ کرلیا۔ اس نے پاپائے روم کی کچھ کشتیوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ اور جہاز رانوں کو مجبور کردیا کہ وہ اس کے حکم کی تعمیل کریں۔

چارلس پنجم نے اپنی تخت نشینی کے وقت یہ قسم کھائی تھی کہ وہ کسی شخص کو ترک مذہب پر مجبور نہ کرے گا۔ لیکن پاپائے روم نے اسے اس سوگند سے آزاد کردیا، اور اس نے ہسپانیہ کے باقی ماندہ عربوں کی صفائی کا حکم دے دیا۔ اس وقت باربروسا نے اس کے ساحل پر حملہ کیا، وہاں کے مسلمانوں نے اسے کلیساؤں اور اندرونی حلقوں کا راستہ دکھلایا وہ مال غنیمت کے ساتھ عربوں کو بھی اپنے جہازوں پر مسافر بنا

کر ساتھ لیتا گیا۔ اس طرح اس نے ستر ہزار جلاوطن عربوں کی جان بچائی۔ ان عربوں کے دل میں بھی غیظ وغضب کی آگ اسی طرح بھڑک رہی تھی جیسے خود اس کے دل میں۔ اس کے ملاحوں میں زیادہ تر تعداد انہیں عربوں کی تھی۔

چارلس کے لیے ان آوارہ گردوں کا وجود مغربی میڈی ٹرے نین میں ناقابل برداشت تھا۔ باربروسا کے ساتھیوں میں ایک یہودی صنعان تھا جو کمان کی زد سے سورج کی بلندی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ ایک شخص '' کا کا دیا بولو'' تھا (یہ شیطان شکار، کا اطالوی ترجمہ ہے) نیل کے کنارے کا ایک فربہ اندام عرب صالح رئیس اس کا جہاز ران تھا۔ چارلس کے لیے بڑی مشکل یہ تھی کہ ان لوگوں کو کس طرح نکال باہر کیا جائے جن کے لیے سمندر ایک بازی گاہ بن گیا تھا۔ ان پر بوغے یا کی بندرگاہ میں آتشبازی کی جاتی تو وہ الجزائر میں نمودار ہوتے۔ الجزائر کے بیرونی جزیرے ''پے نیون دے آلجبر'' پر ہسپانیوں کا قبضہ تھا، اور یہ جزیرہ اسی چھوٹی سی بندرگاہ تک پہنچنے کا دروازہ تھا۔ پہلے تو باربروسا کو اس جزیرے کے پاس سے کترا کے بندرگاہ تک پہنچنا پڑتا۔ بندرگاہ کا نام ہی اس جزیرے کے نام پر الجزائر تھا۔ اکتا کے باربروسا نے اس توپ خانے کی مدد سے جو اس نے دشمنوں ہی سے چھینا تھا۔ اس جزیرے کی فصلوں کو تہس نہس کر دیا۔ پھر یہاں کے ہسپانوی محصورین کو پکڑ کر اس کام پر لگایا کہ بندرگاہ اور جہازوں کے تحفظ کے لیے سمندر میں دور تک روک کے ایک دیوار بنائیں۔

اس کے بعد الجزائر میں جو واقعہ پیش آیا اس پر افریقہ کے ساحلوں پر لوگ عرصہ تک ہنستے رہے۔ جزیرے کے محصورین کی کمک کے لیے ایک ہسپانوی بیڑا

بھیجا گیا۔ لیکن نہ تو وہ اس جزیرے کی بدلی ہوئی ہیئت کو پہچان پایا جس پر اب قلعہ کا نام ونشان نہ تھا، نہ اس نے یہ دیکھا کہ روک کی دیوار کے ساتھ ساتھ شہر سمندر کی جانب پھیل رہا ہے۔ ہسپانوی بیڑا محصورین کی تلاش میں گھس کر اندر آ گیا اور یہاں باربروسا کے جہازوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر اسیر کر لیا۔ اب اس بحری سردار کے بیڑے میں ایک ہسپانوی ''کپتانی'' جہاز بھی شامل کر لیا گیا۔

لوگ کہتے تھے کہ یہ باربروسا کی خوش قسمتی تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے بڑھ کر اور بھی کوئی چیز تھی۔ ایک تو یہ کہ اس نے الجزائر کو اپنا مستقر بنانے کا ارادہ کر لیا، اور چارلس یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ وہاں رہنے پائے۔ کیونکہ یہاں سے آبنائے جبل الطارق بہت قریب تھی جہاں سے ہوکر نئی دنیا کے خزانے اسپین آتے تھے۔ اور خود اسپین کا ساحل یہاں سے بہت قریب تھا لیکن بحری سردار کو یہ قصبہ بہت پسند آ گیا جو سورج سے چمکتی ہوئی پہاڑیوں پر پھیلا ہوا تھا اور جس کی حفاظت کے لیے مضبوط فصیلیں تھیں۔ اس کے پرانے بادشاہ کے محل میں کھجوروں کا ایک بڑا دلپسند باغ تھا، اس ملاح کو یہ محل بہت پسند آیا۔ اس محل کے اطراف اس نے عرب کاریگروں کو بسایا جنہیں وہ اسپین سے زندہ سلامت نکال لایا تھا۔ الجزائر کے اطراف اس نے ان مختلف شیشہ گروں اور آہنگروں کے بہت سے محلے آباد کر دیئے۔ ان کی مدد سے اس نے بڑھتی ہوئی بندرگاہیں اور بھٹیاں اور گودیاں بنوائیں۔ اپنے انداز میں باربروسا ایک نیا اسپین بنا رہا تھا جو بارسیلونا کے اس پار سمندر پار واقع تھا۔

چارلس کے لیے یہ برداشت کرنا ناممکن تھا۔ باربروسا کو افریقہ کو ہسپانوی

بندرگاہوں سے باہر نکالنے کی مہم اس نے اپنے امیر البحر اندریا دوریا کے سپرد کی، جو جنیوا کا باشندہ تھا (لیکن وہ سمندری جنگ سے زیادہ بری سیاست کا ماہر تھا) اگر بار بروسا جیسے بحری سردار کو تن تنہا اسپین کی ایسی طاقتور حکومت کا مقابلہ کرتا تو معلوم نہیں اس کا کیا انجام ہوتا لیکن اس زمانے میں جب 1522ء کے خزاں کے طوفانوں کے بعد جہاز رانی کا موسم ختم ہونے کو آیا تو قسطنطنیہ سے اسے سلطان سلیمان کا پیغام ملا۔ سلطان نے اسے خود قسطنطنیہ حاضر ہونے اور ترکی بیڑے کی کمان سنبھالنے کا حکم دیا۔ اب تک سہولت سے ترک بیڑے کی تنظیم نہ ہو سکی تھی۔

بار بروسا نے اس حکم کی تعمیل میں عجلت نہ کی۔ الجزائر میں وہ خود آقا تھا۔ سمندر میں وہ دوریا کا مد مقابل بن چکا تھا۔ لیکن اسے یاد نہ تھا کہ عروج زیادہ دن تک نہ جی سکا تھا۔ وہ یہ بھی سوچتا تھا کہ آل عثمان کی دولت اور طاقت اس کی پشت پناہ بن جائے تو وہ چارلس اور اندریا دوریا کے مقابل کیسے کیسے کارنمایاں کر دکھائے۔ یہ بہت بڑی ترغیب تھی اور بار بروسا بڑا پکا مسلمان تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ وقت سے پہلے کوئی مر نہیں سکتا۔ اس نے قسطنطنیہ کا رخ کیا۔

مجبوراً اس نے قسطنطنیہ کا رخ کیا کیونکہ صرف سلیمان ہی الجزائر پر اس کے قبضے کی توثیق کر سکتا تھا اور اس کا ضامن بن سکتا تھا۔ جب گرمیاں شروع ہوئیں اور عرشے پر مواقف ہوا چلنے لگی تو اس ہوا سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کے بے فکر ملاحوں سے چپو اٹھائے اور بڑے بڑے بادبان ہوا میں لہرانے لگے۔ اس کے بے فکر ملاح، وینس والوں کے ملاحوں کی طرح قیدی اور غلام نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس

نے اپنے جنگی بیڑے کے اٹھارہ جہازوں کا لنگر اٹھایا، اور قسطنطنیہ کا رخ کیا جہاں قسمت اور ان کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے وہ راستہ چنا جو اور کوئی اختیار نہ کر سکتا تھا، پہلے اس نے شمال کا رخ کیا اور البا کے ہسپانوی جزیرے سے مال غنیمت جمع کیا۔ پھر جنوب مشرق کی جاب جنیوا کے غلہ اور اناج لے جانے والے بحری قافلے کو گرفتار کیا اس نے دور سے مالٹا کا چکر کاٹا اور مستولوں سے اس کے چوکیدار دیکھتے رہے کہ مالٹا کے نائٹوں سے خطرناک جہاز تو کہیں آس پاس نہیں، پھر اس نے یونان کے ساحلوں کا رخ کیا کیونکہ دوریا یہیں کہیں چھپا ہوا تھا۔ دوریا اسے نہ مل سکا (کیونکہ اس کے آنے کی خبر سن کر دوریا برن دی سی کی بندرگاہ میں جا چھپا تھا) لیکن یہاں ٹھہر کے اس نے ایک ترک بیڑے کا معائنہ کیا جو یہاں آن ملا تھا۔ پھر یہ دکھانے کے لیے وہ بہت زیادہ حاجت مند نہیں وہ گیلی پولی کے قریب اپنے جہازوں کو رنگ و روغن سے آراستہ کرنے ٹھہر گیا اور انتظار کرنے لگا کہ اور زیادہ اصرار سے اسے ترک سمندروں میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔

بالآخر سلیمان نے جو بے صبری سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ باربروسا کو مرکز سرائے کا چکر کاٹ کر آتے دیکھا۔ کالے جہازوں پر جھنڈے لہرا رہے تھے۔ جہازوں سے توپیں سلامی دے رہی تھیں۔ اور جنیوا کی اسیر کشتیاں پیچھے پیچھے کھنچی چلی آ رہی تھی۔ جب یہ بحری سردار دیوان عام میں سلیمان کے حضور میں حاضر ہوا تو اس کی اپنی آن بان سمندر کے خودمختار بادشاہ کی سی تھی۔ اس کے جلو میں اٹھارہ کپتان تھے۔ اس کے ساتھ

البا کا مال غنیمت تھا، جو اس نے تحفتاً سلطان کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

ایک لمحہ کے لیے دونوں نے ایک دوسرے کو نظر بھر کر جانچا ہوگا۔ روئے زمین کے سب سے بڑے تاجدار کے سامنے ایک ایسا شخص کھڑا تھا، جس کی داستانیں سمندر سمندر مشہور تھیں۔ سلیمان نے دیکھا کہ اس کا جسم بھاری تھا۔ اس کے انداز میں بے چینی تھی۔ وہ بوڑھا ہوتا جا رہا تھا اور اس کے چہرے کی رنگت تانبے کی سی ہو گئی تھی۔ اس کی ترشی ہوئی داڑھی میں سفید بال جھلک رہے تھے۔ ترک بڑے محتاط ہوا کرتے تھے۔ اور انہیں باربروسا کی بے صبری ذرا ناگوار گزری۔ باربروسا کی شرطیں یہ تھیں کہ جہازوں پر بری فوج کے کوئی دستے تعینات نہ کیے جائیں، کوئی ایسے جہاز اس کی تحویل میں نہ دیئے جائیں جن میں کچی لکڑی لگی ہوئی ہو، ایسے کچھ جہاز اس نے ترک بڑے میں دیکھے تھے۔ اس کو امیر البحر کے پورے اختیارات مطلق العنانی کے ساتھ کیے جائیں۔

سلیمان باربروسا کی کامیابی کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس الجزائری کی کامیابی کا کوئی خاص راز نہیں تھا، وہ جہاز بنانا جانتا تھا اور جہازوں سے لڑنا جانتا تھا۔

دیوان کے جہاندیدہ امراء نے باربروسا کو دیکھ کر سر ہلایا۔

انہوں نے تنہائی میں سلطان کو مشورہ دیا: ''کیا آپ کے پاس تجربہ کار پاشاؤں کی کوئی کمی ہے جو آپ عیسائی کمہار کے اس عاق شدہ فرزند کو نوازنا چاہتے ہیں؟ اس پر آپ اعتبار کیسے کر سکتے ہیں۔''

اس مشورے سے سلیمان مطمئن نہ ہوا اور کوئی تصفیہ نہ کر سکا۔ اس نے ایشیا

میں اندرون ملک باربروسا اور ابراہیم کی ملاقات کا انتظام کیا۔ اس جذباتی طبیعت والے وزیر کو یہ بحری سردار بہت پسند آیا۔ اس نے اپنے آقا کو لکھا بھیجا: ''یہ شخص ہمارے لیے بہت موزوں ہے، بہادر اور محتاط ہے، جنگ میں دوراندیش ہے، کام ہو تو جفاکش، اور اگر مصیبت کا وقت آئے تو ثابت قدم رہ سکتا ہے۔''

سلیمان خود بھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کیونکہ ترکی بیڑا ابھی تک کھلے سمندر میں دوریا کے مقابلے میں نہیں نکل سکا تھا۔ لیکن امیر البحر دوریا خود باربروسا کے مقابلے میں کسی مہم میں کامیاب نہ ہو پایا تھا۔ اسی طرح اس کا اپنا حریف چارلس زمین پر تو اس سے دوبدو مقابلے میں کتراتا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ میڈی ٹرے نین کے اس نصف مغربی حصے میں اپنی طاقت برقرار رکھنے کی دل و جان سے کوشش کرے گا۔ جس میں خود اسپین واقع تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اگر باربروسا کی لڑائیوں کے لیے مطلق العنان بنا کر چھوڑ دیا جائے تو یورپ کے تمام ملکوں کو الجھائے رکھے گا۔ اور اس اثناء میں سلیمان کو ایشیا کی مہمات کا موقع مل جائیگا۔

اس مصمم ارادے کے ساتھ سلیمان نے اس سمندری آوارہ گرد سردار کو اس مہم کے لیے ہر ممکن سہولت اور امداد بہم پہنچائی۔ اسے مرصع تلوار عنائت کی۔ اسے کپتان پاشا کا خطاب دیا، اسلحہ سازی کا کارخانہ اس کے سپرد کیا اور شاخ زریں میں اسے اپنی مرضی کے مطابق ایک نیا بیڑا اتیار کرنے کا حکم دیا۔

اس روز سے باربروسا کی مستعدی اور قوت عمل سے شاخ زریں کی ہیئت بدل گئی۔ جہازوں کی مرمت ہونے لگی۔ نئی نئی کشتیاں بننے لگیں اور ان کے عرشوں

پر نئے نئے افسروں کا تقرر ہونے لگا۔ سلامیوں دی جانے لگیں۔ ترک گڈریوں اور سپاہیوں کی ملاحوں کی رسیوں اور بادبانوں کے استعمال کے گر سکھائے جانے لگے۔ بہت بڑے پیمانے پر وہ ساز و سامان طلب کیا جا رہا۔ لکڑی، پکڑا، تارکول، سن، پیتل کو توپیں، تانبے کے اصطرلاب، اس زمانے میں اور کہیں یہ سب ساز و سامان سے میسر بھی نہ آ سکتا۔ ترک اچھی طرح جانتے تھے کہ اسے ایک بالکل نئے بیڑے کی ضرورت ہے جو کیل کانٹے اور آدمیوں سے لیس ہو۔ سال بھر کے عرصے میں چوراسی جہاز تیار ہو کر سمندر میں چلنے کی قابل ہو گئے۔ اس پر بھی باربروسا کو اطمینان نہیں ہوا۔ اس نے کہا کہ میں مانتا ہوں کہ یہ نیا بیڑا بڑا شاندار لگتا ہے لیکن اصل جنگ میں ناتجربہ کار ملاحوں کی وجہ سے یہ جہاز مصیبت بن جائیں گے۔

شاید سلطان کو یہ شک گزرا ہوا کہ یہ سمندر آوارہ گرد یہ چاہتا ہے کہ پھر سے مغربی سمندر میں چھوٹے موٹے اور چھاپوں پر ہی اکتفا کرے۔ اس کا زیادہ امکان ہے کہ سلطان یہ چاہتا تھا کہ پرجوش اور نڈر باربروسا اس نئے عظیم الشان بیڑے کی ذمہ داری کے ساتھ سرداری کرے گا۔ ایک دن یہی بیڑا مشرقی سمندروں میں ترکوں کی حکومت قائم کرے گا۔ یہ تو بہر حال یقینی ہے کہ اس نے اپنے نئے کپتان پاشا سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ ان چوراسی جہازوں کو ساتھ لیے بغیر سمندر میں کسی طرف کا رخ نہ کرے گا۔ ذہنی روک کے ساتھ باربروسا نے اس کی حامی بھر لی۔

لیکن ان دونوں نے مل کر جنگ کا ایک حیرت انگیز نقشہ تیار کیا۔ جب باربروسا سلطان کے امیر البحر کی حیثیت سے آل عثمان کا سبز پرچم اڑاتا ہوا نکلے گا

تو بہت سے دشمنوں سے مڈ بھیڑ کا امکان ہے۔ جیسے پاپائے روم کے جہاز، ناپولی، جنیوا اور مالٹا کے نائٹوں کی جنگی کشتیاں پرتگالی جہاز اور مقدس سلطنت روما کے بحری جنگی بیڑے معاہدے کی وجہ سے صرف وینس کا بیڑا غیر جانبدار تھا۔ فرانسیسیوں کی غیر جانب داری کا انحصار ان کے آقا فرانسس کی مرضی اور رجحان پر تھا۔

ان حالات میں ان دونوں نے چار منصوبے باندھے۔ پہلے تو یہ کہ ایک ایک کر کے شمالی افریقہ کی ان تمام بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ جو اب اہل یورپ کے تسلط میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسی طرح ان تمام جزیروں پر قبضہ کر لیا جائے جو دوریا کے بحری اڈوں کا کام دیتے ہیں تیسرے یہ کہ ہسپانیہ کے ساحل کے نازک علاقے کی سمندری ناکابندی کی جائے۔ چوتھے یہ کہ جب شمالی افریقہ کے ساحل پر یورپ کی کوئی سلطنت حملہ کرے اس کے جواب میں یورپ کے ساحلوں پر حملہ کیا جائے۔

کسی فرد واحد کے لیے اس کام کا انجام دینا مشکل تھا اس کا احتمال تھا کہ اس میں کئی سال لگ جائیں گے۔ لیکن اس کوشش میں ترکوں کا نیا بیڑا امیڈ ی ٹرے نین میں چارلس کی طاقت اور قوت درہم برہم کرنے کی کوشش کرے گا۔ انجام چاہے جو کچھ ہو الجزائر کی حیثیت بالکل محفوظ ہو جائے گی۔

1535ء کے موسم بہار میں ادھر سلیمان نے ایشیا کا رخ کیا ادھر باربروسا نے پھر سے مرکز سرائے کا چکر کاٹا۔ اس کے جلو میں چوراسی جہازوں کے بادبان لہرا رہے تھے۔

☆..........☆..........☆

چارلس کا سفر افریقہ

اہل یورپ کو اس پر حیرت تھی کہ وہ پھر اسی تیزی اور پابندی سے ان کے مقابلے میں آموجود ہوا۔ اپنے نئے جنگی بیڑے کے زیادہ تر حصہ کو تو اس نے بیکار پا کے بحری قافلوں کی حفاظت کے لیے بحیرۂ ایجن کی بندرگاہوں میں چھوڑا۔ تھوڑے سے کارآمد اور حملے میں تیز جہازوں کو لے کر وہ آبنائے سینا سے ہوکر گزرا۔ جہاں ہمیشہ مدوجزر کا ہیجان رہتا ہے۔ اس نے رتجیو کا شہر فتح کیا۔ اور یہاں کی ساری دولت جمع کرلی۔ پھر ترارو میں اٹھارہ جنگی کشتیوں پر حملہ کیا۔ اطالیہ کے ساحل پر دور تک جہاں موقع ملا اترتا اور دھاوا کرتا ہوا شمال میں فونڈی تک پہنچا۔ یہاں اس نے راتوں رات ایک فوج ساحل پر اتاری تاکہ قلعے کو لوٹ لے اور خوبصورت جولیا گون تسا گا کو پکڑ لائے۔ جولیا گون تسا گا کولونا خاندان کی ایک امیر کی بیوہ، اور اراگون کی جوآنا کی بہن تھی، اطالیہ کے عشق نگار شعراء نے اس کے حسن کی تعریف میں قصیدے کے قصیدے لکھ ڈالے تھے۔ جولیا بھی اسی قدر تحسین کی مستحق ہے کیونکہ جب رات کو اس کے نوکروں نے اسے جگا کے خطرے سے خبردار کیا تو اسے بس اتنا وقت ملا کہ بستر سے اٹھ کر ایک بے زین کے گھوڑے پر سوار ہوگئی۔ اور رات کے اندھیرے میں گھوڑا دوڑاتی ہوئی دور نکل گئی۔ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جولیا صرف شب خوابی کا لباس پہنے تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس کے جسم پر ایک تار بھی نہیں تھا معلوم نہیں کہ اصل واقعہ کیا ہے کیونکہ اس کے ہمرکاب صرف ایک

اسکوائر تھا جسے بعد میں گون تسا گا خاندان نے قتل کروا ڈالا۔

اس سے زیادہ شاید اور کوئی بات یورپ کے شاہی درباروں کو مشتعل کرتی، گویا ان کے کان کھینچے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے بحری بیڑے ساحل پر رومتہ الکبریٰ کی حفاظت کے لیے بھیج دیئے۔ اب باربروسا نے پھر حسب معمول اپنی پرانی جنگی چال چل کے تیزی سے افریقہ کا رخ کیا۔ اور تونس پر قبضہ کر لیا۔ جس کی حفاظت کے لیے ایک بھولا بسرا ہسپانوی دستہ معین تھا۔ الجزائر کی طرح، قبضے کے بعد باربروسا نے تونس میں بھی اپنے عمال مقرر کیے اور اس کو اپنا بحری اڈہ بنا لیا۔

یورپ والوں پر اس کا بھی فوری ردعمل ہوا (اب سلیمان ایشیا میں بہت دور پہنچ چکا تھا) یہی کیا کم مصیبت تھی کہ اس بحری سردار نے الجزائر میں اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا لیکن تونس کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں اس کا قیام اس لیے نا قابل برداشت تھا کہ یہاں سے جزیرہ صقلیہ (سسلی) دور نہیں تھا۔ تونس افریقہ کے اس بری پل کے سرے پر تھا، جہاں سے مغربی بحیرۂ روم جانے والے تجرتی جہازوں کو آسانی سے روکا جا سکتا تھا۔

اگلے موسم گرما میں چارلس نے بنفس نفیس بیس ہزار ہسپانوی اور جرمن تجربہ کار سپاہیوں اور پرتگال کے رضا کاروں کے ساتھ چھ سو جہازوں کے عظیم بیڑے میں افریقہ کا رخ کیا۔ اس بیڑے کی پاسبانی دوریا کر رہا تھا جس کے پاس باسٹھ جنگی کشتیاں تھیں، جو مقدس سلطنت روما نے تونس کی ارتز نوتسخیر کے لیے اسے دی تھیں۔

بری اور بحری جنگ کے ہر آئین اور قاعدے کے لحاظ سے باربروسا کو شہنشاہ چارلس کے آنے سے پہلے ہی اپنے بیڑے سمیت تونس کا تخلیہ کر کے چلا جانا چاہیے تھا۔ یا تو اسے ضد ہو گئی یا سلطان کا یہی حکم تھا کہ وہ اس کے یورپی دشمنوں کو یہاں الجھائے رکھے، یقین سے معلوم نہیں کہ وہ کیا تھی۔ لیکن تونس کے تحفظ کے لیے وہیں ٹھہرا رہا۔

صنعان یہودی اور ''شیطان شکار'' دونوں اس کے ساتھ تھے۔ ملاح برادری کے ان تینوں کار آزمودہ سرداروں کو اس کا خوب اندازہ تھا کہ شہنشاہ کے ہاتھوں انہیں زحمت اٹھانا پڑے گی۔ اس لیے انہوں نے اپنی بارہ پندرہ چھوٹی چھوٹی کام کی جنگی کشتیاں مغرب میں تبسرتا کی بندرگاہ میں چھپا دیں۔ اس بچاؤ کے بیڑے کو اسطرح چھپا دی گئیں تھیں۔

سولہویں صدی کی ان جنگی کشتیوں کی بھی اپنے خصوصیات ایسی ہی تھیں جیسے آجکل کے تباہ کن جہازوں کی۔ ان کے بڑے بڑے تکونے بادبان صرف اس وقت کھولے جاتے جب جہاز سمندر میں رواں ہوتا۔ پچاس یا اور زیادہ چپواروں سے کھے کر جہاز دشمن کو اپنے نرغے میں لیتا، آگے کے عرشے سے بھاری توپیں داغیں جاتیں۔ جہاز کے سرے پر پیتل کے جڑے ہوئے حصے سے مقابل کے جہاز کو ٹکر دی جاتی۔ پھر دو سو یا اس سے زیادہ جنگ جو سپاہی کود کر دشمن کے جہاز پر پہنچ جاتے۔

ان کی ساخت آجکل کی کشتیوں کی سی تھی۔ (لیکن لکڑی کی لمبائی ان کے

آٹھویں حصے سے بھی کم تھی) وہ اتنی تیز ہوتی تھیں کہ بادبان اور چپواروں کی مدد سے وہ ہسپانیہ کے بڑے چوڑے ڈونگوں کے برابر پہنچ کے انہیں زیروزبر کر دیتیں۔ لیکن ان میں اتنی جگہ نہیں ہوتی تھی کہ دو تین دن سے زیادہ کا سامان رسد ان پر لادا جا سکے۔ اور طوفانوں میں ان کو قریب ترین ساحل میں پناہ لینا پڑتی تھیں، یورپ کی جنگی کشتیوں کو غلام کھیتے تھے۔ جو لمبے لمبے چپواروں کے ساتھ زنجیروں سے جکڑ دیئے جاتے، لیکن ان کا بھی ایک مسئلہ درپیش رہتا۔ ان کے لیے غذا مہیا کرنی ہوتی اور ان کی نگرانی کے لیے چوکیدار رکھے ہوتے۔ جب کشتی کے ملاحوں کا عملہ اور سپاہی کسی بندرگاہ میں کشتی سے اترتے تو چپواروں کو بھی کشتی سے اتار لیا جاتا اور الگ بھیج دیا جاتا تاکہ کشتی کھینے والے قیدی غلام کو موقع پا کے کشتی کو سمندر میں نہ لے جائیں۔ جنگ کے دوران میں بھی ان جان سے بیزار کشتی کے غلاموں پر کڑی نگرانی رکھنی پڑتی۔ عیسائی جہازوں پر مسلمان غلام کشتی کھینے کے لیے جکڑے جاتے اور مسلمانوں پر عیسائی قیدی جو ''گیلین جی'' کہلاتے۔

لیکن باربروسا کا یہ قاعدہ تھا کہ اس کی اپنی کمان میں جو جنگی کشتیاں تھیں ان میں کشتیاں کھینے والے صرف بھرتی کیے ہوتے ترک ملاح ہوتے۔ اس کی وجہ سے اس کا بحری بیڑا آسانی سے حرکت کرسکتا، اسے غلاموں کے لیے چوکیدار رکھنے کی ضرورت نہ پڑتی اور جنگ کے موقع پر یہ ملاح بھی سپاہیوں کے ساتھ لڑتے اس طرح اس کی فوجی طاقت دوچند ہو جاتی۔

ترکوں کی طرح اہل وینس بھی ابھی تک چھوٹی چھوٹی کشتیوں ہی کا استعمال

کرتے تھے۔ جن کی ایک اور زیادہ چھوٹی نوع بھی تھی۔ ان کی شاہی کشتیاں بڑی بڑی ہوتی تھیں لیکن پرتگالی اور ہسپانوی جہاز رانوں نے کھلے ہوئے عظیم الشان سمندروں میں سفر کے لیے۔ بڑے بڑے بادبانوں سے چلنے والے جہاز ایجاد کر لیے تھے، جن کے دونوں کنارے بہت اونچے اونچے ہوتے تھے۔ اور جن میں توپ خانہ بازوؤں پر نصب ہوتا تھا۔ اگر ہوا موافق ہوتی تو یہ جنگی جہاز تیز رفتاری میں چھوٹی جنگی کشتیوں کا مقابلہ کر لیتے جن کا چلانا مقابلتاً آسان تھا۔ مگر جہاز کے رخ بدلنے کا ہنر کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا اور اگر سمندر ساکن ہو تو اس طرح کا بڑا بادبانی جہاز محض ایک بہتا ہوا قلعہ بن کے رہ جاتا جس میں بہت آسانی سے آگ لگائی جا سکتی تھی۔ بحیرہ روم میں بڑے جنگی جہاز کو ایک صدی کے بعد کہیں جا کر فوقیت حاصل ہوئی۔

چارلس کے بحری بیڑے میں ایسے کئی جنگی جہاز تھے جن کے توپ خانے بازوؤں میں نصب تھے۔ ایک بڑے جہاز میں رہوڈس کے نائٹ تھے۔ جنہوں نے اب مالٹا کو اپنا اڈہ بنا لیا تھا۔ تونس آتے ہوئے اہل یورپ ان جنگی کشتیوں کو نہ دیکھ سکے جنہیں باربروسا نے جسر تا میں تہہ آب چھپا رکھا تھا۔

تونس پہنچ کر باربروسا نے امکان بھر مقابلہ کی تیاری کی۔ جہازوں سے توپوں کو اتروا کر غلطہ میں نصب کیا گیا۔ حلق کی طرح یہ مقام تونس کی اندرونی بندرگاہ اور بیرونی جزیروں کے درمیان واقع تھا۔ باقی جہازوں کو اس نے اندرونی بندرگاہ میں جمع کیا۔ غلطہ میں اس نے عاقل و فرزانہ صنعان کو حاکم مقرر کیا اور اس کی تحویل میں

بہترین عرب ملاحوں اور نئی چیریوں کے دستے دیئے۔ باربروسا کے پاس کل پانچ ہزار باقاعدہ سپاہی، اور اسی قدر بربر قبائلی تھی۔ اہل تونس سے اس نے پوچھا: ''تمہیں کنارے سے دھمکیاں پہنچی ہوں گی۔ میں تو لڑنے جاتا ہوں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ یہیں شہر میں پڑے رہو گے؟''

''ستغفر اللہ'' انہوں نے جواب دیا۔

اب تک کاہل اور خوابیدہ جزیرہ یربا کی طرح تونس بھی امن وسکون کے دن گزار رہا تھا۔ دریا کے کنارے کے باغوں کے قریب عیسائیوں کے کلیسا اسی طرح ثابت وسالم تھے۔ قیروان جانیوالے زائرین راستے میں تونس کی مسجدوں میں قایم کرتے۔ تونس والوں میں خود اتنی طاقت نہ تھی۔ کہ شہنشاہ چارلس کے پیشہ ور سپاہیوں کا مقابلہ کرسکیں۔

چوبیس روز تک صنعان نے غلطہ کی مدافعت کی اور باربروسا شہر سے باہر نکل نکل کر اہل یورپ پر دھاوے کرتا رہا۔ تب مالٹا کا بڑا جنگی جہاز سینٹ این قلعہ کے مینار کے قریب لایا گیا تا کہ گولہ باری سے فصیل میں رخنہ کرے۔ حملے میں مالٹا کے نائٹوں نے پیش قدمی کی اور صنعان اور اس کے آدمیوں کو باہر نکلنا پڑا۔ باربروسا صنعان سے آملا تا کہ غلطہ اور شہر کے درمیان غنیم کے حملے کو روکے۔ لیکن بربر قبائلی منتشر ہو گئے۔ اور بکتر پوش ہسپانویوں اور جرمنوں کی بندوقوں اور سنگینوں کا مقابلہ کرنے سے انہوں نے انکار کردیا۔ شہر کی طرف پسپا ہوتے ہوئے ترکوں نے تین خندقیں کھودیں، اور مورچہ بنا کے کچھ عرصہ تک اڑے رہے۔ غلطہ میں چالیس توپیں اور

سو سے زیادہ کشتیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں تھی۔

ان کے لیے شہر میں واپس پہنچنا ناممکن تھا۔ ایک قیدی نائٹ کی سرکردگی میں کشتیوں کے عیسائی قیدی قصبہ کے قید خانہ کو توڑ کے باہر نکال آئے تھے اور اسلحہ خانے پر انہوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ ان کی تعداد کئی ہزار تھی اور اب شہروں پر ان کا قبضہ تھا۔

رات کو باقی ماندہ ترک اپنے آخری مورچے سے دفعتاً غائب ہو گئے۔ باربروسا صنعان اور ''شیطان شکار'' بھی ان کے ساتھ نکل گئے۔ تین دن بعد جب ان کی تلاش شروع ہوئی تو ان کا کہیں پتا نہ ملا۔

تین دن تک چارلس نے اپنے سپاہیوں کو لوٹ مار قتل و غارت کی اجازت دے دی۔ پہلے تو مسلح قیدی لوگوں کے مکانوں میں گھس پڑے، اور لوٹ مار میں ان کے درمیان اور نئے آنے والے سپاہیوں کے درمیان لڑائی ہونے لگی۔ اس عرصہ میں قتل و غارت کے بعد تونس کو آگ لگا دی گئی۔ جرمن اور ہسپانیہ کے پیشہ ور سپاہیوں کو اس مسلم سرزمین میں وحشی پن اور بربریت کے بدترین سبق دہرانے کی آزادی دے دی گئی۔ صرف چند مسلمان خاندانوں کے بچے کھچے لوگوں نے بھاگ کر صحرا میں پناہ لی۔ یا عورتوں نے دیواروں سے چھلانگیں لگا کر جان دے دی۔

مولائی حسان جو پہلے تونس کا رئیس تھا جس نے شہنشاہ چارلس سے ترکوں اور باربروسا کے خلاف مدد مانگی تھی، اس قتل و غارت کو روکنے کی کوشش کی۔ ایک شخص نے چشم دید واقعہ قلم بند کیا ہے کہ حسان کے کچھ سپاہیوں کو روکنا چاہا جو ایک نوجوان

عرب لڑکی کو پکڑے لے جا رہے تھے۔تو لڑکی نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور یورپی سپاہی اسے پکڑ کر لے گئے۔

فصیل کے باہر ایک دربار مصور خان کور نے لس ویرمے ین نے اپنا کینوس لگایا اور چارلس کے ظفر نصیب محاصرے کی تصویر بنانا شروع کی۔تونس کی مہم مکمل طور پر کامیاب رہی۔لیکن چارلس نے وہاں توقف نہیں کیا۔اس نے جلدی سے حسان سے معاہدہ کیا جس کی رو سے اس امیر نے چارلس کو سالانہ خراج دینا منظور کر لیا اور غلط اہل یورپ کے حوالے کر دیا۔اس کے بعد اس تباہ و تاراج شہر میں امیر حسان کی حیثیت ہسپانیوں سے متعلق وظیفہ خوار مقرر کی گئی۔قیروان جانے والے زائرین اب کترا کے گزر جاتے تھے۔اور تونس کا رخ نہ کرتے تھے۔کچھ سال بعد حسان کے اپنے بیٹے نے اسے قتل کر دیا۔

زیادہ تعجب اس پر ہے کہ چارلس نے افریقہ کے ساحل پر اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کی کوشش نہ کی۔اس کے بجائے اس نے اپنی اس عظیم بحری مہم کو سسلی کی طرف منتقل کر دیا غالباً چارلس کے اس طرح تخیلہ کرنے کے باعث باربروسا ہی تھا۔

جب یہ بوڑھا امیر البحر غائب ہوا تو غصہ و غضب کے عالم میں اس نے سیدھا تبرتا کی خفیہ پناہ گاہ کا رخ کیا۔یہاں جان پر کھیل کے اس نے چودہ پوشیدہ جنگی کشتیاں پھر سے تیرائیں اور ان کی اسلحہ بندی کی۔دوریا کی گشتی کشتیوں نے ایک جنگی بیڑے کو بھوت کی طرح سمندر کی سطح سے بلند ہوتے دیکھا۔اور اس نے ایک بحری بیڑا بھیجا تاکہ باربروسا کا راستہ کاٹ دے لیکن باربروسا نے اپنی توپوں کی

آتشبازی سے اہل یورپ کو بندرگاہ کے سرے پر اس وقت تک روکے رکھا جب تک اس کے جہاز سمندر میں نکلنے کے قابل ہو گئے اور جب وہ بندگارہ سے باہر کل کر کھلے سمندر میں جانے لگا تو یورپی کپتان اسکا راستہ نہ روک سکے۔ انہوں نے اس کے جانے کے بعد تبرتا میں لوٹ مار کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

باربروسا اپنے دل میں غیض وغضب کو چھکارتا ہوا الجزائر کی پرانی بندرگاہ کو روانہ ہوا اسے پوری توقع تھی کہ حملہ آور بیڑا اس کے پیچھے پیچھے آتا ہوگا۔ لیکن جب الجزائر میں اسے پتا چلا کہ دشمن کا بیڑا آہستہ آہستہ سسلی کے راستے گھر واپس جا رہا ہے تو اس نے اپنے ساتھ الجزائر سے درجن بھر چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور لیں اور پھر کھلے سمندر میں غائب ہو گیا۔

اس کے بعد وہ پھر نمودار ہوا تو ایک ایسے مقام پر جہاں کسی کو اس کے آنے کی توقع نہ تھی۔ مینارکا جزیرے میں ماہون کی بندرگاہ پر چوکیدار شہنشاہی بیڑے کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ چارلس بارسلونا سے جب روانہ ہوا تھا تو اسی جزیرے کے راستے سے گزرا تھا مینارا والوں نے دیکھا کہ کچھ جنگی کشتیاں ہسپانوی پرچم اڑاتی چلی آ رہی ہیں۔ اور عرشے پر سپاہی ہسپانوی وردی پہنے ہیں تو وہ یہ سمجھے کہ یہ واپس ہوتے ہوئے ہسپانوی بیرے کا ہراول دستہ ہے۔ سلامی کے لیے توپیں داغی گئیں بندرگاہ میں بھیڑ لگ گئی۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ آنے والے جہازوں نے پہلے تو ایک پرتگیزی جہاز کو لوٹا جو وہاں لنگر انداز تھا۔ ان بھیس بدلے ہوئے بہروپیوں کے پیچھے پیچھے باربروسا کا باقی ماندہ جنگی بیڑا تھا جس نے شہر کو تہس

نہس کر ڈالا اور سارے جزیرے کو قتل اور آتش زدگی بالکل اسی انداز سے کی جیسے چارلس نے حال ہی میں تیونس میں کی تھی۔

باربروسا کے بحری سپاہی ماہون کی بندرگاہ سے پانچ ہزار سات سو قیدی پکڑ کر لے گئے۔ جزیرے کی صفائی کرنے سے پہلے ہی ان کو ہسپانوی بیڑے کے ہراول کے جہازوں سے مڈبھیڑ ہوئی جو تونس سے لوٹے ہوئے ساز و سامان سے لدے ہوئے تھے۔ باربروسا نے یہ سب جہاز پکڑ لیے اور اپنے بڑھتے ہوئے بیڑے میں شامل کر لیے۔ مسلمان قیدی غلاموں کی زنجیریں کٹوایں اور اس مرتبہ ان کے بجائے عیسائیوں کو ان ہی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔

دوریا کے جنگی بیڑے کے پہنچنے سے پہلے ہی باربروسا وہاں سے غائب ہو گیا۔ الجزائر کے واپسی کے راستے میں بھی اس کا سراغ نہ ملا۔ بجائے اس کے اب وہ خاص ہسپانیہ کے ساحلوں پر چھاپے مار رہا تھا۔ جب امیر البحر دوریا آپے سے باہر ہو کر ہسپانیہ کی جانب واپس ہوا (اسے چارلس نے حکم دیا تھا کہ باربروسا کو زندہ یا مردہ پکڑ کے اس کے پاس حاضر کرے) تو باربروسا اطمینان سے الجزائر میں واپس آ گیا۔ اور اب اس کے پاس اپنے کافی بڑا بیڑا جمع ہو گیا تھا۔

جب چارلس کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے تہیہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح اس شیخ البحر سے نجات حاصل کرے گا۔ اس نے ایک لوانطینی کو بہت سا انعام واکرام دیا کہ وہ الجزائر میں باربروسا کو قتل کر دے۔

"مختصر وقائع عالم" میں درج ہے کہ چارلس فتح یاب ہو کر مال غنیمت کے ساتھ

واپس ہوا۔ یہ ساری مقدس سلطنت روما میں فتح یون کے ڈھنڈورے پیٹے گئے۔شاعروں نے اس پر نظمیں لکھیں۔ویرمے ین کی تصویر کے مقابلے میں اربینو کے ایک ظروف ساز نے ایک جگہ ان پر محاصرہ تونس کا منظر نقش کیا چارلس نے ایک نئے صلیبی بہادر اور کنار کے فاتح کے روپ میں نائٹوں کی ایک جماعت کی بنیاد ڈالی جس کا نشان تونس کی صلیب تھی اور جس پر لفظ بربریہ کندہ تھا۔

لیکن یہ سرکاری اعلان فتح اور نائٹوں کی اس نئی جماعت کے باوجود لوگوں کو اس کی قطعی فتح کا یقین نہیں آیا۔بارسلونا سے کچھ ہی دور منارکا کا جزیرہ سمندر کے سینے پر ایک داغ کی طرح موجود تھا۔

چارلس کو اس کی فتح کی قیمت اتنی زیادہ ادا کرنی پڑی کہ اس کا اندازہ دشوار ہے۔جب دوبارہ اسنے بحیرہ روم کو پار کیا تو اسے پتہ چلا کہ اب اہل افریقہ ان کے مظالم کو برداشت نہ کریں گے جو اس نے تونس پر ڈھائے تھے۔

اور جب سال کے ختم پر سلیمان ترک عسکر کے ساتھ ایشیا سے واپس آیا تو اسے معلوم ہوا کہ مقدس سلطنت روما کے شہنشاہ نے ایک مسلمان شہر کو جلا کے خاکستر کر دیا ہے۔اور یہ شہر ترکوں کی پناہ میں تھا۔سلطان نے فوراً باربروسا کو حکم دیا کہ بیڑے سمیت قسطنطنیہ میں سرائے پر حاضر ہو کے حالات کی تفصیلی اطلاع دے۔

شیخ البحر نے فوراً حکم کی تعمیل کی الجزائر کو اس کے بیٹے اور وفادار خواجہ سرا حسان آغا کی تحویل میں چھوڑا۔اس کے بعد پھر اسے الجزائر آنا نصیب نہ ہوا۔

☆☆☆

باربروسا کی خودفروشی

اس مرتبہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے باربروسا نے تاخیر کا کھیل نہیں کھیلا۔ اس نے محض افواہ پھیلائی کہ وہ شمال کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔ تاکہ مہور کا کے جزیرے پر حملہ کرے...... یہ خبر اس نے یورپی جاسوسوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے پھیلائی۔ اور زیادہ بھٹکانے کے لیے اس نے حسن آغا کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ سارڈینیا پر حملہ کرے۔ لیکن ساحل سے اوجھل ہوتے ہی اس نے راستہ بدل کر مشرق کا رخ کر لیا اور جتنی تیزی سے ہوا اور بادبان لے جا سکتے تھے اتنی سرعت سے اس سفر پر روانہ ہو گیا۔ یہ وسط سرما کا زمانہ تھا۔ اس لیے اسے راستے میں کئی دشمنوں کے بادبان دکھائی نہ دیے۔ وفان کے موسم کے آغاز کے ساتھ ہی وہ ریا ساح سے چپک گیا تھا۔

بارش اور طوفان کے جھکڑوں کو سہتا ہوا یہ معمر بحری آوارہ گرد باربروسا مشرق کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لیے شراب پیتا۔ نشے میں یا سوچ کے عالم میں وہ چارلس کو برا بھلا کہتا۔ کیونکہ پیالی نے اسے بتایا تھا کہ چارلس کے لوگوں نے سونا تقسیم کیا تھا۔ کہ تونس میں باربروسا کا کام تمام کر دیا جائے۔ باربروسا پیالی کو بھی برا بھلا کہتا تھا جو عثمانیوں کا ناتجربہ کار طفل مکتب تھا۔ اور جو ہر اس ساحل کا نقشہ بنانے لگتا تھا جس کے پاس سے ان کی کشتیاں گزرتیں (اسلحہ خانہ میں اس شخص پیالی کو ایک اور ترک پیری کا بنایا ہوا ایک نقشہ مل گیا تھا جو جنیوا کے ایک کافر

نصرانی کرسٹوفر کولمبس نے بنائے ہوئے ایک نقش کی نقل تھا۔ اس نقشے میں بحر اوقیانوس کے اس پاس کا ایک ملک دکھایا گیا تھا۔ جسے اسپین کے جنگی جہازوں نے فتح کیا تھا۔ باربروسا کو بحر اوقیانوس سے بجز اس کے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ خزانے کے جہازوں کے بیڑے اس طرف سے آیا کرتے تھے۔

باربروسا نے کہا: شہنشاہ چارلس بڑا کنجوس ہے۔ میرے قتل کے لیے اس نے اتنا حقیر سا انعام دیا ہے۔

پیالی نے مزاحاً اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ”میں اسکا ذکر کروں گا“۔

باربروسا نے امیر البحر آندریا کو برا بھلا کہا کیونکہ اب اسنے یہ افواہ پھیلا رکھی تھی کہ باربروسا خوف کے مارے کہیں چھپ گیا ہے۔ رنج کے عالم میں اس نے اپنے ماتحتوں سے کہا ”دوریا سیاست کی چال چلتا ہے جاہل ہے کتابیں نہیں پڑھتا دن کو مستول پر میرا پرچم لہراتا ہے۔ رات کو میرے بیڑے کی مشعلیں جلتی ہیں۔ اگر وہ مجھے ڈھونڈ نہیں پاتا تو میں کیا کروں“۔

صفان نے کچھ سوچ کر یہ تجویز پیش کی کہ ”اگر آپ کو ڈھونڈنے میں اس کی مدد کی جائے تو شاید فائدہ ہی پہنچے“۔

”خدا کی قسم چارلس نے اسے کافی انعام دینے کا وعدہ کیا ہوگا۔ کہ کسی طرح مجھے ڈھونڈ کر میرا کام تمام کردے“۔

”آپ اس سے زیادہ انعام دینے کا وعدہ کیجیے اس چکر میں وہ اور پھنس جائے

گا''۔

نشے کے عالم میں بھی باربروسا کو یہ بات یاد رہ گئی۔اس کی عمر پینسٹھ سال کی ہوگئی تھی کچھ سال عمر باقی ہوتگی لیکن اگر یہ چند سال زندہ رہنے کو بھی نہ ملے تو کیا حرج ہے۔اسے الجزائر کو پیچھے چھوڑ آنے کا رنج تھا۔اسے سلیمان سے خوف بھی معلوم ہونے لگا تھا۔سلیمان کے دربار سے رخصت ہوئے اسے ایک سال کا عرصہ ہو اتھا۔باربروسا کو یہ سوچ کر دکھ ہوا کہ اعرصہ میں تونس اسکے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اور اسے چارلس کی فوج کے سامنے بھاگ کھڑا ہونا پڑا ہے۔ یبن باربروسا کو اپنے آقا سلیمان سے خوش آمدید کی دوستانہ تہنیت سننے کی کوئی خاص امید نہ تھی۔ممکن ہے اس کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ وہ درہ دانیال نہ جائے۔کسی اور طرف نکل جائے لیکن کہیں بندرگاہ کو؟

اس کے لیے صرف وینس کے دروازے کھلے ہوئے تھے وینس کی شوکت ماب امارت سے تو اسے کوئی خاص الفت نہ تھی وہ اپنی کشتی کے عقب عرشوں پر خوشبو دار تیل جلاتے تھے تاکہ ان کی کشتیوں کے زنجروں سے بندھے ہوئے غلاموں کے بول و براز کی بدبو رفع ہو۔جب سے ترکوں نے ان کے بحریہ اسود کے گوداموں پر قبضہ کرلیا تھا اورانہیں مجبور کردیا تھا کہ جو ریشم اور مسالے وہ پہلے عدن سے اور مالابار سے براہ راست درآمد کرتے تھے۔اب ترکوں سے خریدیں تب سے وہ برابر واویلا اورفریاد کرتے رہتے تھے۔ان کے مجموع الجزائر ایک زنجیر کی طرح باربروسا کے درہ دانیال جانے والے راستے میں حائل تھے۔باربروسا ان چور تاجروں کے ہاتھ

اپنے آپ کو ہرگز نہ بیچے گا۔ جو اس کے امیر البحر کے لقب کا مذاق اڑاتے تھے۔ نہیں وہ ان کے سمندر میں بھی امیر البحر بن کے رہے گا۔ جس سمندر میں اڈریاٹک سے وہ ہر سال اپنی جمہوریت کی اس طرح شادی کرتے تھے جیسے نئی دلہن سے شادی کی جاتی ہے۔ ہر سال وہ ایک طلائی انگوٹھی سمندر میں پھینکتے تھے۔ نہیں وہ اپنے آپ کو ہرگز نہیں بیچے گا......لیکن شاید وہ بیچ ہی دے۔

سرائے پہنچ کر باربروسا کا فربہ جسم بندرگاہ کی پتھروں کی سیڑھیوں پر اپنا وزن سنبھال کر چڑھنے لگا۔ اس کی تنگ آنکھوں نے دیکھا کہ کوئی عہدہ دار اس کے استقبال کے لیے نہیں آیا تھا صرف باغ کے مالی تھے۔ لیک جن کلاہوں میں پروں کی کلغیاں لگی ہوئی تھیں وہ اسے ایک داروغہ کے پاس لے گئے جس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ جس نے اسے خاموشی سے سلام کیا۔ اور اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ سلطان دربار کے کمرے کی جانب نہیں بلکہ ان محافظوں کی سمت جو مجسموں کی طرح دیوان کے سامنے پہرہ دے رہے تھے۔

باربروسا اندر داخل ہوا۔ اب اس پر پہلی مرتبہ ہراس کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر جا پڑا کہ پاشا یا تیغچی اور کوئی اسے اس الزام میں گرفتار کرنا چاہے گا کہ بحیثیت امیر البحر وہ تونس کو نہ بچا سکا۔ اس پر وہ خود پہلے حملہ کرے گا۔ دیوار سے ملی ہوئی جو چوکی بچھی تھی اس پر تین پاشا اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ ابراہیم جو اس کا دوست تھا وہاں نہیں تھا۔ ابراہیم کی جگہ لطفی تھا جو بڑا ہی آزمودہ کار سپاہی تھا۔

باربروسا ان کی طرف گھور رہا تھا اور یہ انتظار ہی کر رہا تھا کہ اب وہ فرد جرم عائد کریں گے اس کی نظر سلیمان پر پڑی جو ایک کنارے پر تنہا جلوہ افروز تھا۔ سلطان کے چہرے پر شکنیں تھیں اس کی بھوری آنکھیں بھاری معلوم ہو رہی تھیں۔

اس نے حسب عادت آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کی خدا سلطان المشرقین والمغربین پر اپنی عنایات روز افزوں کرے۔

سلطان نے جواب دیا ''خدا میرے بحری بیڑے کو صحت و عافیت عطا کرے''۔

ایک لحظہ کے بعد باربروسا کی سمجھ میں آیا کہ اسے ایک نئے لقب سے مخاطب کیا گیا تھا۔ اس کے معنی اس کی سمجھ میں نہ آئے وہ بے تکے پن سے پوچھ بیٹھا ''کیا ارشاد ہوا؟''

سلیمان نے تحمل کے ساتھ اسے سمجھایا ''بطور امیر البحر کے تم کو پاشا کا خطاب دیا جاتا ہے تم میری سلطنت کے چوتھے سالار ہو گئے'' دفعتاً سلیمان خوش طبعی کے انداز میں مسکرایا۔ سمندر کوئی علاقہ نہیں زمین کی طرح نہیں جس کے ٹکڑے جاگیر میں دیے جاتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم سمندر کا مصرف جانتے ہو۔ شاید اپنے پرچم میں تین گھوڑے کی دمیں لگانے کی بجائے تم اپنے عرشے پر تین قندیلیں لگانا پسند کرو''۔

ان تین قندیلوں کا ذکر کا باربروسا پر اس لیے زیادہ اثر ہوا کہ ابھی ابھی اسے عظیم ترین سپہ سالاروں کے مساوی عہدے پر ترقی دی گئی ہے۔ چونکہ سلیمان کا حکم تھا کہ وہ بحری بیلر بے بنے۔ وہ بن چکا تھا۔ دیوان کے حاضرین سے جو ہمہ تن گوش تھے

سلیمان نے کہا میں نے خیر الدین کو اس لیے یہ رتبہ بخشا ہے کہ ایک سال آٹھ ماہ تک اس نے یورپ کے تمام غنیموں کو الجھائے رکھا۔ تونس کے نقصان کی تلافی کے لیے ا سنے اسپین کی سرزمین پر یورش کی۔

دیوان میں بیٹھے بیٹھے باربروسا کی رگوں میں خون کی حدت بڑھ گئی۔ اسے شراب کی ایسی طلب محسوس ہوئی کہ اس کے بعد جو بحث ہوئی اس کے بہت کم الفاظ اسے سنائی دیے۔ لیکن اس کے حساس ادراک پر اس بحث کا خلاصہ روشن تھا۔

......چارلس کو ایک مسلمان شہر کو غارت اور برباد کرنے کی سزا ملنی چاہیے۔ اس شہر تونس پر اس کا کوئی حق نہ تھا......سوچ کے عالم میں سلیمان نے اس جنگ کا نقشہ پیش کیا جو خشکی اور سمندر دونوں پر لڑی جانے والی تھی......فرانس کا بادشاہ شہنشاہ چارلس پر حملے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اور فرانس کی اعنات کے لیے ترکی عسکر سمندر کو عبور کر کے اٹلی پر فوج کشی کرے گا......باربروسا کا فرض اب یہ تھا کہ وہ ایک اور بھی بیڑے کے ذریعے فوج کو اس پار پہنچائے......اب جزیروں کے اطراف آنکھ مچولی کھیلنے کا دور نہیں رہا تھا۔

اس نے بے ساختہ کہا ”اس مرتبہ اڈریاٹک میں لڑائی ہوگی“۔

سلطان اور دوسرے پاشاؤں کو تعجب ہوا کہ باربروسا کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی۔ باربروسا اہل وینس کے متعلق سوچ رہا تھا اب وہ بیچارے سمندر سے شادی نہ کر پائیں گے۔ اڈریاٹک ترکی سمندر بن جائے گا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد اسے پوری طرح یہ احساس ہوا کہ سلیمان نے پکڑ دھکڑ کر

ایک سو چالیس جہازوں کے بیڑے کا امیر البحر بنا دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ سمندر کو عبور کرنے والی فوج کی حفاظت اس کے سپرد ہے……

جاڑوں کے باقی مہینوں میں اسلحہ خانے کی گودیوں میں رات رات بھر الاؤ جلتے تھے۔ باربروسا شاخ زریں کے پورے طول پر غضب اور غصے کے عالم مین ایک نئے بیڑے کو وجود میں لا رہا تھا۔ جس کی بری بڑی توپوں کے دھانے کا قطر دو دو ہاتھ تھا۔ بحری محافظ کی خدمتوں پر نئی چیریوں کی بھرتی ہو رہی تھی۔

بہار کا موسم آیا اور یہ سن کر کہ باربروسا پر جنون کا عالم طاری ہو گیا ہے کہ دوریا سمندر میں نکل آیا ہے۔ اور کوئی اس کا مزاحم نہیں۔ اس بہانے کہ مصر سے اناج کے جو جہاز آ رہے ہیں ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ باربروسا نے سلطان سے اجازت لے کر چالیس کشتیوں کے ساتھ سمندر میں نکل آیا اور کہا کہ باقی کشتیاں جب تیار ہو جائیں تو وہ بھی آن ملیں۔ وہ احتیاط سے اناج کے جہازوں کو اپنے ساتھ واپس لے آ گیا۔

لیکن ایک جگہ ٹھہر کے انتظار کرنا اس کے لیے محال تھا۔ اس نے ایک بڑے غیر تو قع طریقہ رپ دوریا سے رابطہ قائم کیا۔ یہ نہیں معلوم کہ یہ تجویز کس کی تھی اور کس نے سب سے پہلے ایس عملی شکل دینے کی کوشش کی لیکن اتنا معلوم ہے کہ کسی نہ کسی طرح باربروسا نے یہ افواہ چارسو پھیلادی کہ وہ اپنے آپ کو بیچنے پر آمادہ ہے۔

یورپ کے جاسوسوں نے شاخ زریں کے بیڑے کی تیاری کا صحیح صحیح نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔ رومۃ الکبریٰ وینس ڈی آنا اور رودلد سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب ترکوں کا حملہ

اٹلی کے ساحل سے ہوگا۔ ساتھ ہی یہ افواہیں بھی پھیل گئی تھیں کہ باربروسا استنبول میں ناخوش ہے اوراس سے اور بڑی فوج کے سپہ سالار لطفی پاشا سے ان بن ہے۔

اس مرحلے پر چارلس کوترکی بحری بیلر بے (باربروسا) کا پیغام ملا کہ اگر وہ تخلیہ کر کے تونس کواس کے حوالے کردے تو وہ سلیمان کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ ارامن چین سے افریقہ واپس چلا جائے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ چارلس کواس پر شک ضرور ہوا کہ یہ شخص جس کو وہ قتل کرنے کی سازش کر چکا ہے۔ شاید ہی اس کا رفیق بن سکے۔ پھر بھی اس پیغام پراس نے دوریا سے مشورہ ضرور کیا۔ اس وقت یہ خطرہ بڑا ہی سخت تھا کہ اتنے بڑے ترکی بیڑے کی سپہ سالاری الجزائر کا یہ منجھا ہوا بحری سردار کرے (دوریا اصل میں بڑا سیاس تھا۔ اس کے نزدیک اپنے وطن جنیوا کی حفاظت اور اپنے نام نمود کو اولین اہمیت حاصل تھی۔

چارلس اور دوریا دونوں بحری بیلر بے کے اس ترغیب انگیز پیغام کے امکانات کو فراموش نہ کر سکتے تھے۔ دوریا نے خود اس سے پہلے کئی وفاداریاں بدلی تھیں۔ باربروسا بحری قزاق تو تھا ہی۔ اسے اپنا پرچم بدلنے میں کتنی دیر لگے گی دوریا اگر کسی طرح باربروسا کو محاذ سے ہٹادے اور ترکوں کو نیا بیڑہ تباہ کردے......

کئی ماہ بعد اندریا دوریا اس جھانسے میں آ ہی گیا۔ پارگا کی چھوٹی بندرگاہ میں جو کورفو کے جزیرے کے مقابل واقع ہے وہ باربروسا کے قاصد سے ملا۔ دوریا کے ساتھ سسلی کا نائب السلطنت گون تسا گا تھا جسے شہنشاہ چارلس کی جانب سے گفت و شنید کرنے کا اختیار حاصل ہوا۔ کئی دن تک پارگا میں بات چیت ہوتی رہی۔ شروع

شروع میں چارلس نے تونس کا تخلیہ کرنے سے انکار کیا۔ پھر اس شرط پر مان لیا کہ باربروسا ان ترک جہازوں کو آگ لگا دے جو اس کے سات ترکوں کو دغا دے کر افریقہ جانے سے انکار کریں

باربروسا نے یہ بات نہ مانی لیکن یورپ والے پارگا کی گفتگو سے یہ تاثر لے کر روانہ ہوئے کہ دیر یا سویر سلطان شیخ البحر کو خریدا جا سکتا ہے۔ اس تاخر کا نتیجہ پہلے دوریا اور پھر چارلس کے حق میں بڑا مہلک ثابت ہوا۔

☆☆☆

فرانسیسی قاصد کو ہدایات

یہ بات نہ ہوتی اگر فرانس اول کا معاملہ درمیان میں نہ آ جاتا۔ سلیمان اس زمانے میں ایشیا کے متعلق اس کا ارادہ تھا کہ یہ خشکی اس تنگنائے پر سے کھینچ کے جو بحیرہ قلزم کے درمیاں حاصل ہے۔ مشرقی سمندروں کی چھان بین کرنے کے لیے تیرایا جائے۔

بہر حال فرانس نے جس کے کردار میں دانشمندی اور جھوٹی آن بان کی بڑی آمیزش تھی یہ تجویز سوچی کہ اپنے حریف اعظم کی سرکوبی کے لیے اٹلی کے علاقہ پر حملہ کرے۔ جس کی حیثیت چارلس کے مقبوضات میں سے دل کی سی تھی۔ اور اس حملے کے لیے اس نے سب سے خطرناک حربے استعمال کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ حربہ عثمانی ترک تھے۔

اس مقصد کی تکمیل کے لیے فرانس نے ایک بڑے شائستہ اور قابل سیاس اور ترکوں کے پاس اپنا پہلا سفیر بنا کے باب عالی بھیجا۔ اس شخص کا نام ژان دے لافورے تھا۔ سلطان کا مازج ایک چیستاں تھا۔ اسے معاملہ کرنے کے لیے دے لافورے کو خفیہ ہدایتیں کی گئی تھیں۔ (اس سے کہا گیا تھا کہ پہلے وہ باربروسا سے ملاقات کرے' اور خانگی طور پر اس امیر البحر کو ترغیب دے کہ وہ طرح کے حملوں سے ہسپانیہ کے ساحل کو یورش کے عالم میں مبتلا رکھے۔ اس کے معاوضے میں فرانس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ الجزائر اور تونس پر خیر الدین پاشا کے مستقل قبضے کا ضامن بنے

کو تیار ہے)۔

دے لافورے کو ہدایت کی گئی تھی کہ سلطان سے ایک لاکھ اشرفیاں حاصل کرے۔ یہ سلطان عالی شان کے لیے کوئی ایسی بڑی رقم نہ ہوگی۔ فرانسیسی بادشاہ کی اس مالی امداد کے بعد سلیمان ترک فوج کی پوری قوت کے ساتھ جنوبی اٹلی پر حملہ کرے اور نیپلز پر قبضہ کر لے۔ اس درمیان میں فرانس حسب معمول الپس کے پہاڑوں کے اس پار سے شمالی اٹلی پر یورش کرے گا۔

سلطان سے تو یہ مراعات مانگی گئیں تھیں ان کے معاوضہ میں فرانس کے بیجد عیسائی بادشاہ نے یہ خفیہ پیش کش کی تھی کہ وہ ترکوں کے پاس ایک فرانسیسی سفیر بھیجے گا۔ مساوات کی بنیاد پر معاونت دوستی اور تجارت کا معاہدہ کرے گا۔ فرانس نے اس کا بھی عہد کیا کہ وہ تمام عالم نصرانیت کو خاموش رکھے گا۔ اس کے خلاف کسی کو جنگ نہ کرنے دے گا۔ اور دنیا بھر میں امن قائم رکھنے میں مدد دے گا۔

فرانس جانتا ہوگا کہ اس آخری وعدہ میں سلیمان کو بڑی دلچسپی لے گا۔ اس نے لکھا کہ امن قائم کرنے کی یہی صورت ہے۔ کہ ضدی چارلس کو اس قدر کمزور کر دیا جائے کہ مقاومت کرنے کے قابل نہ رہے۔ اور مجبور ہو کے عالم امن قائم کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

فرانس نے دے لافورے کو یہ خفیہ ہدایات دی تھیں اور سفیر نے ان ہدایات کی بڑی قابلیت سے پابندی کی۔ اس وقت سلیمان کو مشورہ دینے کے لیے ابراہیم موجود نہ تھا۔ جو ایسے نازک موقعوں پر اصل حقیقت کو بڑی آسانی سے بھانپ جاتا تھا۔

سلیمان باہمی معاہدے کا تو حامی تھا لیکن اس کے ساتھ جنگ جوئی میں باہمی امداد کی جو شرط تھی اسے اس نے بڑی شک کی نظر سے دیکھا۔ اس نے دے لافورے سے کہا میں اس پر کیسے اعتبار کروں وہ جو کر نہیں پاتا اس سے زیادہ کا وعدہ کرتا ہے''۔

پھر بھی یہ بڑی ترغیب تھی...... چارلس کو ایسے محاذ جنگ پر کھینچ بلانا جہاں اسے ترک فوج سے مقابلہ کرنا پڑے۔ اور اس طرح یورپ کی سرحدوں پر امن و عافیت حاصل کرنا۔ سلیمان نے تھوڑی بہت ذہنی روک کے ساتھ یہ دعوت منظور کر لی۔ لیکن اس نے یہ دل سے دائمی دوستی اور تجارت کے اس معاہدے پر دستخط کیے جو ترکوں اور فرانسیسیوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا تھا۔

اس معاہدے کے ذریعے اس نے فرانسیسیوں کے تجارتی بیڑوں کو محصول درآمد سے بری کر دیا۔ اور اپنی سلطنت میں انہیں تجارت کی وہی سہولیات عطا کیں جو خود ترکوں کو حاصل تھیں۔ ساتھ ہی انہیں وہ حقوق بھی حاصل رہے جو غیر ملکیوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ یہ رعایت کی گئی کہ ان کے کلیسا ان کی عدالتیں ان کے ذاتی معاملات فرانسیسی پرچم کے تلے رہیں گے۔ اور ترکوں کے قوانین کے پابند نہ ہوں گے (۱)۔

یہ معاہدہ جو بعد میں ''مراعات خصوصی'' کا معاہدہ کہلانے لگا بڑا اہم تھا۔ اس کی وجہ سے فرانسیسی قوم کو ترک سلطنت میں اوروں کے مقابل ترجیحی حقوق حاصل ہو گئے۔ سلیمان کی یہ خواہش پوری ہوگئی کہ یورپ کی بڑی قوموں میں سے ایک سے اس کا عملی ربط قائم ہوگیا لیکن اس سے مشرقی اقوام کے درمیان یورپ والوں کا ایک طرح کا نیا حق بھی مل گیا۔ یہ کہ ان پر مشرقی حکومت یا عدالتوں کا اختیار باقی نہیں رہا

۔اسی صلح کے نمونہ پر بعد میں چین جیسی دور دراز مملکت تک سے معاہدے ہوتے رہے۔

اس کے عمیق اثرات فوراً ہی ظاہر ہوئے۔ترکوں کی سلطنت فرانسیسیوں کے لیے ایک طرح کی شاہی نو آبادی بن گئی۔ اس کی وجہ سے فرانسیسیوں کو مشرقی سمندروں تک پہنچنے کا پہلا موقع ملا۔(اسی زمانے میں ژاک کارتیئے نئی دنیا میں دریائے سینٹ لارنس کے کنارے جدوجہد کررہا تھا کہ اس طرف سے پرانی دنیا میں چین تک پہنچنے کا کوئی بحری راستہ مل جائے)۔

یورپ کے دوسرے ملکوں کے لیے یہ ضروری ہوگیا کہ مراعات خصوصی حاصل کرنے کے لیے فرانسیسی پرچم تلے سفر کریں۔چونکہ فرانسیسیوں کو اپنے کلیساؤں کے تحفظ کا اختیار دیا گیا تھا اس لیے اس معاہدے کی دفعات کی رو سے یروشلم کے مقامات مقدسہ بھی انہیں کے تحفظ میں سمجھے جاتے تھے۔

فرانس کے لیے فروری 1536ء کے اس معاہدے کی محض اتنی ماہیت تھی کہ اس سے خفی فوجی معاہدے کی پردہ داری ہوتی تھی۔لیکن یہ پردہ اتنا ہلکا سا تھا کہ یورپ بھر میں اس ملحدانہ اتحاد پر ملامت کی گئی۔جس نے فرانس کے بے حد عیسائی بادشاہ کو عثمان سلطان کے ساتھ مربوط کردیا۔

وینس پر اس کا اثر یوں ہوا جیسے کوئی سینے میں بھرپور خنجر کھونپ دے۔ترک سمندروں میں بھی فرانسیسی ان سے بازی لے گئے۔اوران کی مشرقی تجارت ایک اور ابھرتی ہوئی قوم کے تصرف میں چلی گئی۔ردعمل کے طور پر وہ جان سے کھیل

گئے۔

فروری 1537ء میں فرانسیسی فوج قطار در قطار پہاڑوں سے ہوتی ہوئی پید مونت پہنچی سلیمان نے وہ ذمہ داری پوری کی جو معاہدے کی رو سے اس پر عائد ہوتی تھی۔ اپنے یورپی عسکر کے ساتھ اس نے بحیرہ اڈریاٹک کے دہانے پر آبنائے اوٹرانتو کا رخ کیا۔ باربروسا نے اپنے نئے جنگی بیڑے کے ساتھ پھر سے سمندر کا راستہ پکڑا تاکہ جس قدر ہو سکے حالات سے فائدہ اٹھائے۔

فٹ نوٹ

ا۔ یہ سلطان سلیمان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس وقت ترکوں کی طاقت انتہائی عروج پر تھی اور ان کے مقابلے میں فرانس ایک کمزور سا ملک تھا۔ لیکن جب ترک اور ایشیا کی دوسری قومیں کمزور ہو گئیں تو ان مراعات کی نظیر ایشیا میں یورپ کی چیرہ دستی کا نمونہ بن گئی۔ مترجم۔

☆☆☆

اٹلی پر دھاوا

اٹلی کے جنوبی حصے کی شکل ایک پاپوش کی سی ہے۔ اس کی ایڑی ایسے ہی ہموار ہے جیسے سمندر آبنا ئے کے اس پار اولونا کی چھوٹی سی ماہی گیروں کی بندرگاہ کے اس پار اس پہاڑ بلدن ہوتے ہیں۔ ان پہاڑوں کے اس پار سے ترکوں نے اولونا پر یورش کی۔ موسم گرما کے ابتدائی ایام میں باربروسا کے جہاز آبنائے میں پہنچ گئے اور چوڑے پیندوں والی بڑی بڑی کشتیوں کو اولونا پہنچا دیا۔

جب باربروسا کا اپنا پرچم بردار جہاز وینس کی ایک کشتی کے قریب سے ہو کر گزرا تو اس نے چلا کے خوش طبعی سے کہا "اب تم سمندر سے شادی رچانا چھوڑ دو یہ سمندر ہمارا ہو چکا"۔

اس نے لشکر کے ہراول کو اس پار پہنچایا یہ لطفی پاشا کے زیر کمان دس ہزار سواروں کا دستہ تھا۔ اٹھاون سال کے عرصے میں پہلی مرتبہ ترکوں نے اٹلی کے جزیرہ نما پر قدم رکھا تھا۔ انہوں نے کاسترو کی چھوٹی سی بندرگاہ کو تاراج کیا۔ اور اپنے اس وعدے کی پابندی نہیں کی کہ محصورین کی آزاردی سے نکل جانے دیں گے۔

تیزی سے وہ اس سرزمین کی ہموار دلدل نما ایڑی پر پھیل گئے۔ اوترانتو اور سنگین برندیسی کے اطراف حفاظتی دستے پھیلا دیے گئے۔ اور اندر کی طرف پہاڑوں اور نیپلز کی سمت بڑھنے لگے۔

لطفی پاشا کے سوار دیہاتیوں کو چھیڑ چھیڑ کر کہتے تھے رومتہ الکبریٰ میں ابلے پاپا

کو ہم منتخب کریں گے"۔ تجویز یہ تھی کہ اصل فوج کے ساتھ تو سلیمان جولائی میں حملہ کرے گا لیکن یورپ کا منظر یکلخت بدل گیا اولونا میں یہ خبر پہنچی کہ فرانس جس کو معاہدے کی رو سے میلان پر حملہ کرنا چاہیے تھا اس ن اپنے دشمن چارلس سے دس سالہ صلح کا معاہدہ کرلیا ہے اور شمال میں لڑائی ختم ہو چکی ہے۔

یہ دوسری مرتبہ تھی کہ سلطان کے ناقابل اعتبار حلیف نے عین معرکہ کے درمیان میں دغا دی تھی اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وینس کے امیر البحر اس کے لیے قطعا آمادہ نہ تھے کہ خاموشی سے یہ نظارہ دیکھتے رہیں کہ اڈریاٹک کے دہانے پر ترکوں کا قبضہ ہو جائے۔ صورت حال بہت نازک ہو گئی اور جا بجا چھوٹی موٹی جھڑپیں ہونے لگیں۔ وینس کے ایک بحری بیڑے نے درجن بھر ترکی جنگی کشتیوں کو جزیروں کے ایک جھنڈ تک تعاقت کر کے اس بہانے تباہ کر ڈالا کہ یہ قزاقوں کی کشتیاں معلوم ہوتی ہیں ای بڑا جہاز جس میں یونس بے سوار تھا۔ جو وینس کے دربار میں باب عالی کا سفیر تھا اس بہانے توپ کے گولوں سے بیکار کر دیا گیا کہ اس نے جوابی سگنل کے ذریعے اپنے آپ کو نہیں پہچاننے دیا تھا۔

فرانسیسی بیڑا نظروں سے اوجھل رہا۔ چند دنوں میں سلیمان نے دیکھا کہ فرانس اسے دغا دے کر اس کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں مقدس سلطنت روما وینس اور پاپائے روم کی پوری متحدہ طاقتیں صف آرا ہیں۔ فرانس نے وعدہ کیا تھا کہ وینس اور پاپائے روم کا ساتھ دیں گے۔

آغاز اگست میں اس نے جلدی سے لطفی پاشا کو واپس بلا بھیجا جو اپنے حملہ آور

اور بہت سارے مال غنیمت اور بہت سے قیدیوں کے ساتھ واپس آ پہنچا۔ اطالعی سر زمین پر ترک صرف سولہ روز رہے۔ جب ترک سواروں کا بیشتر حصہ واپس پہنچ چکا تو سلیمان نے کورفو کے جزیرے پر حملہ کر دیا۔ جو آبنائے کی کلید سمجھا جاتا تھا۔ اور اہل وینس کے قبضے میں تھا۔

وینس کا بیڑا اور دوریا کے جنگی جہاز دونوں طرف سے اس جزیرے کی جانب بڑھ رہے تھے امیر البحر دوریا صرف درجن بھر بار برداری کے ترک جہازوں کو پکڑ سکا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

۱۸ اگست کو باربرسا نے اس مختصری آبی تنگنے پر اپنا اقتدار جمالیا جو بجر ساحل اور اس نیلم جیسے جزیرے کے درمیان واقع تھا ترک عسکر کے محاصرہ شکن دستے اس پار پہنچا دیے گئے۔ ترک سواروں نے تلوار کے زور سے جزیرے کی سرسبز پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔ صرف ایک پہاڑ کی چوٹی پر سان آنجلو کا قلعہ باقی رہ گیا۔

جنگی کشتیوں نے سان آنجلو کی سنگین فصیلوں پر گولہ باری کی مگر انہیں نقصان اٹھا کے پیچھے ہٹنا پڑا۔ محصورین نے غیظ و مایوی کے عالم میں شہر کے ان باشندوں کو نکال باہر کیا جو فصیلوں کی حفاظت کرنے کے قابل نہ تھے ترکوں نے بھاری حصار شکن توپیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر نصب کیں تاکہ فصیلوں میں شگاف کر سکیں رہوڈس کی طرح یہ قلعہ بھی مقاومت کرتا رہا۔ اس کا سردار بھی ایک بڑا تجربہ کار توپچی تھا۔

۶ ستمبر کو سلمان نے ہلہ ختم کر دی اور کورفولیس واپسی کا حکم دیا۔ باربروسا نے بڑی تلخی کے انداز میں بحث اور حجت کی ''جہاں اتنی کوشش کی گئی ہے اتنا صرف

برداشت کیا گیا ہے وہاں تھوڑی دیر اور تحمل فرمایا جائے۔ ہم اس قلعہ پر قبضہ کر لیں گے''۔

سلیمان کو غصہ آ گیا اس نے جھڑک کر کہا ''ایسی جگہ کے لیے میں اپنے ایک سپاہی کی جان بھی ضائع نہ ہونے دوں گا''۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی فوج کا بہترین ترین حصہ اس جزیرے میں پھنسا رہے اور چاروں طرف سے یورپ کے بڑھتے ہوئے بحری بیڑوں کے گھر جائے اور اٹھارہ دن کی لڑائی کے بعد اس نے کورفو کو ایسی ویران حالت میں چھوڑا جیسے باربروسا نے منارکا کی گت بنائی تھی۔

۱۵ ستمبر کو حفاظت کے ساتھ واپسی عمل میں آئی۔ بارش اور طوفان کے باوجود باربروسا نے نصف میل لمبی آبی تنگنائے پر کشتیوں کا ایسا مضبوط متحرک پل سا بنا دیا کہ تمام توپیں گھوڑے، مال اسباب اور قیدیوں کے جتھے کے جتھے اس پار پہنچا دیے گئے۔

کچھ قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا اور جہازوں میں انہیں اطالوی ساحل پر کاسترو پہنچا دیا گیا۔ سلیمان کو علم ہو چکا تھا کہ کاسترو کے محصورین سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ ایفا نہیں کیا گیا۔ اسلیے اسنے انہیں ان کے شہر پہنچا دیا اور جس ترک سردار نے عہد شکنی کی تھی اسے قتل کرا دیا گیا۔

اب تک اہل یورپ پر کوئی خاص مصیبت نازل نہیں ہوئی تھیل۔ لیکن موسم خزاں کے ختم پر جو کچھ پیش آیا وہ بڑا ہولناک تھا۔ جیسے ہی ترک فوج حفاظت سے

ڈالمشیا کے ساحل پر جا اتری باربروسا کو اجازت مل گئی کہ وہ جنگی بیرے کو جہاں چاہے جا سکتا ہے۔

اڈریاٹک کے دہانے میں جزیرہ کورفو سے یونانی جزائر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ۔اور ایک وسیع نیم دائرے میں رہوڈس تک پہنچتا ہے۔ جہاں سے ترکی کی سرزمین کا ساحل نظر آتا ہے۔ یہ جزیرے نیلےمیں سمندر سے پہاڑوں کی چوٹیوں تک اس طرح اس انداز سے بلند ہوتے ہیں گویا اس دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ناموں سے شاعری ٹپکتی ہے اور نظمیں وابستہ ہیں ۔لس بوس اور آندروس...... اے جی نا' اور مٹے لی نی' یہ مٹے لی نی وہ جزیرہ ہے جہاں باربروسا پیدا ہوا تھا۔

وہ ان جزیروں سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ اس سکے سمندر کے لیے ایک طرح کی روک ہیں۔ یہ وینس کے امرا کورنارو اور موسے نی گو خاندانوں کی جاگیریں ہیں۔ جو یہاں ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنی کشتیوں کو کھینے کے لیے طاقتور غلام پکڑتے ہیں۔

اس موسم خزاں مُں وہ ان جزیروں پر سے ایک طوفان کی طرح گزرا۔ اس کی جنگی کشتیوں کی نقل وحمل کے جہازوں پر اس کے رقیب لطفی پاشا کے دستے تھے جو کبھی خشکیوں میں لڑتے کبھی دریاؤں میں' اس نے فالونیا کو تہس نہس کیا یہ جزیرہ خلیج کارنتھ کا محافظ ہے وہ سانتے کے پہاڑی جزیرے کے پاس سے ہوکر گزرا اس نے راس اتاپان کا چکر کاٹا تا کہ اے جی نا پر حملہ کرے۔ وہ مجمع الجزائر میں کشتیوں کے بادبان لہراتا ہوا درانا گھستا چلا گیا۔ بعض بعض حسین جزیرے جہاں کے باشندے

زیتون کے درخت اگاتے تھے۔ اور بھولے بسرے زمانوں کے گیت سنتے تھے۔ جنگ کی طرف بالکل تیار نہ تھے۔ ان کی بندرگاہوں پر اس نے قبضہ کر لیا۔ ان کے پہاڑی قلعے منہدم کر دیے۔ کھیت اور گاؤں اجڑ گئے اور نوجوان تھے وہ غلام بنا کر ساتھ لے گئے۔

باربروسا نے طوفان کی طرح کریٹ کے طاقتور جزیرے پر حملہ کا ی اور اس کے حصن حسین کنیڈیا کے قریب ہو کر نکل گیا۔ یونان کی سرزمین پر وینس کے دو باقی ماندہ بندرگاہوں نوپلیا اور مالویسیا نے اپنی حفاظت کی اور اس طوفان کے مقابلے میں اڑی رہیں۔

دوریا کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی اور شاید اس نے چاہا بھی نہیں کہ مشرقی سمندر میں باربروسا کی اس عظیم لپیٹ کا مقابلہ کرے۔

حاجی خلیفہ جس نے ترکی بحری محاربات کا حال بڑی سادگی اور سچائی سے لکھا تھا یہ بیان کرتا ہے کہ باربروسا نے بارہ جزیروں پر قبضہ کر لیا اور تیرہ اور جزیروں کو تاراج کر دیا ترکوں نے سولہ ہزار قیدی گرفتار کیے جو مال غنیمت اکٹھا ہوا اس کا اندازہ قسطنطنیہ میں کیا گیا کہ اس کی قیمت چار لاکھ اشرفیاں ہین۔ اس مہم میں باربروا نے یونان کے قریب دشمن کے اکثر و بیشتر بحری اڈوں پر قبضہ کر لیا تھا...... اور اپنی دانست میں تونس کا انتقام لے لیا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اب اس کی ضرورت نہں رہی تھی کہ وہ بحیرہ یونان کی حفاظت کرے اس نے اسے ایک ترکی جھیل بنا دیا۔ تھا (ایک صدی تک کسی یورپی بیڑے کی مجال نہیں ہوئی کہ وہ اس سمندر میں قدم رکھ

سکے.....فرانسیسیوں کے سوا جن کو مراعات خصوصی عطا ہوئی تھیں)

حاجی خلیفہ کا بیان ہے جب آخر کار باربروسا شاخ زریں واپس پہنچا تو اس نے سلیمان کی خدمت میں دو سولڑکے پیش کیے جو سرخ لباس پہنتے تھے۔اور جو زر وسیم کا انبار اٹھائے ہوئے تھے اتنے ہی اور کنار اس نے پیش کیے۔جن کے کاندھوں پر زر وسیم کے کیسے لٹک رہے تھے اتنے ہی اور اشخاص جو اعلیٰ پارچہ جات کے تھان اٹھائے ہوئے تھے۔

اس تماشے کا سلطان سے زیادہ دوسرے حاضرین پر اثر ہوا۔لیکن تین سال کے اس مختصر سے عرص میں اسے اپنے بحری بیلر بے پر پورا اعتماد ہو گیا تھا۔عیسائی کمہار کا یہ دانشمند بیٹا جنگ کے بے رحم امتحان میں سچا نکلا تھا۔اور اس نے جو کیا وہ ٹھیک تھا۔ اہل وینس کی کھلم کھلا دشمنی ہی اچھی تھی ان کی دوستی کا کوئی اعتبار نہ تھا۔اس میں کیا شک کہ شہنشاہ چارلس اور وینس کے دوسرے کو اس نے عاجز کر کے مجبور کر دیا تھا کہ اپنی پوری طاقت سے اس کے مقابلے میں نکل آئیں۔ورنہ پھر سارے میڈی ٹرے نین پر باربروسا کی عملداری ہو جائے گی۔

سلیمان کے لیے بھی یہی صورت موزوں تھی کہ جنگ سمندروں میں ہوتی رہے۔اس کی برتری سرحدوں اور اس کی رعایا سے دور۔

بہت جلد اس نے ان نئے جزائری مقبوضات پر باربروسا کو حکم مقرر کیا۔ ساحلوں کے کنارے کی سرزمین اس پیرمرد کے تفیض ہوئی ءاور اسے بحری بیلر بے کا جو خطاب دیا گیا تھا وہ اب اس پر صادق آ گیا تھا۔

ایک فوج کی تباہی ''ایک مقدس انجمن''

اس موسم خزاں کے آخر تک دونوں ہاپس برگ خشکی پر اس کے مقابلے میں یورش کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔

ڈالمیشیا کے ساحل سے پرے جہاں وہ اس زمانے میں جنگ میں مصروف تھا موج در موج پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ان پہاڑوں کی بلند وادیوں میں سربیوں اور بوسنیا والوں کے پتھر کے بنے ہوئے گاؤں پھیلے ہوئے ہیں اس علاقے میں مغرب میں...... اس سرزمین میں جسے اس یوگوسلاویہ کہتے ہیں...... دریائے دراوے پیچ در پیچ بہتا ہوا دریائے ڈینیوب میں جا ملتا ہے۔

اس دریائے دراوے کے کنارے کنارے ایک آسٹروی فوج بہت دور تک ترک علاقے میں در آئی تھی۔

یہ فوج ہاپس برگوں کے حکم سے روانہ ہوئی تھی۔ چارلس نے اپنے بھائی کو ہدایت کی تھی کہ ترکوں کی توجہ ہٹانے کے لیے آسٹریا کی جانب سے بھی ترکوں پر حملہ کیا جائے۔ فرڈی نینڈ نے ترکوں سے اپنا حلفیہ وعدہ توڑ دیا اور ترکوں کے ذرائع رسل و رسائل کو منقطع کرنے کے لیے مقدس سلطنت روما کی مشرقی فوج روانہ کر دی۔ اس نے وہ حرکت کی جس سے چارلس نے اب سے پانچ سال پہلے احتراز کیا تھا۔ جب کہ سلیمان اس کی گھات میں گنز میں مقیم تھا۔ فرڈی نینڈ کی فوج کی تعداد بیس ہزار تھی...... تقریباً اتنی ہی تعداد تھی جتنی ہنگریوں کی موہاکس کے میدان

میں تھی۔ مختصر وقائع عالم میں اس کی تفصیل درج ہے۔ کارنیتھیا اور سکسنی اور تھورنجیا اور آسٹریا اور بوہیمنیا کے سوار۔“

اس فوج کے سپہ سالار جان کاٹ تیانز اور لوودوش لوورون تھے دونوں نے آٹھ سال پہلے وی آن کے تحفظ میں بڑی کارآزمودگی دکھائی تھی۔ یہ فوج درادے کے کنارے کنارے ہوتی ہوئی سلطنت عثمانیہ کے علاقے سے بہت دور الیزک جا پہنچی جہاں درادے پر ایک پل تھا جو اس شاہراہ پر واقع تھا جو بودا سے بلگراڈ جاتی تھی۔ بظاہر اسفوج کے مقابل اور کوئی نہ تھا۔ اس لیے ٹھیک فوجی طور طریق کے مطابق الیزک کا محاصرہ کرنے کے لیے یہفوج ٹھہرگئی۔

بہت جلد اس فوج کو اندازہ ہوگیا کہ یہ چاروں طرف سے ترک سواروں میں گھری ہوئی ہے۔ جو بلگراڈ کی طرف آ پہنچے تھے۔ یہاں سے ماہاکس کا میدان مشکل سے ایک منزل کی مسافت پر تھا۔ کاٹ تیانز کی فوج کو پہلی صعوبت یہ پیش آئی کہ اس کا سامان رسد ختم ہونے لگا۔ اور سامان رسد فراہم کرنے کے لیے جو دستے بھیجے گئے تھے وہ خالی ہاتھ واپس آئے کیوں کہ ترکوں کی فوج جو نظر سے اوجھل تھی پہلے ہی غلے اور مویشی کے سارے ذخیروں پر قبضہ کر چکی تھی۔

نومبر کے آخر میں کاٹ تسانس اور لوودروں نے درادے کے جنگلوں میں پیچھے ہٹنا شروع کیا یہ پسپائی دہشت ناک فرار میں بدل گئی۔ سڑک وک درختوں کے تنے کاٹ کر روک دیا گیا اس لیے تمام گاڑیوں کو پیچھے چھوڑنا پڑا رات کو ہنگری کے ہزار دغادے کے بھاگ گئے۔ توپ خانہ پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ اور بارود کے کیسے جلا دیے

گئے۔

پسپا ہوتی ہوئی فوج کو بھوک نے کمزور کر دیا تھا۔ گھنے جنگل میں ہر ساعت سپاہیوں کی جانیں تلف ہوتی تھیں۔ ڈھلوانوں پر سے تیروں کی بارش ہوتی۔ ترک شہسوار بار بار اس فوج پر گھس گھس کر حملے کرتے۔

ایک رات اس فوج پر بڑی سخت دہشت طاری ہوگئی کاٹ تسیانزا اپنے خیمے میں چاندی کے ظروف اور نوکروں کو چھوڑ کے چپکے سے اکیلا بھاگ نکلا۔ ایک بوڑھے جرمن نیزہ باز نے لودرون کو طعنہ دیا ''مجھے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے تیز گھوڑے پر نہ نکل بھاگو گے'' لودرون گھوڑے سے اترا اپنے گھوڑے کی رگیں تلوار سے کاٹ ڈالیں اور کہنے لگا ''اب تم دیکھ لوگے کہ میں تمہارے ساتھ ہی ٹھہروں گا''۔

مختصر وقائع می ں مذکور ہے ''اس کے بعد کا منظر بڑا حسرت ناک ہے۔ ہر وہ شخص جو میدان جنگ سے نکل کر بھاگا نہیں تھا خواہ پیادہ ہو یا سوار دشمن کے ہاتھوں مارا گیا''۔

یہ رائگاں فوج والپو کے قلعے تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی جہاں ایک تنگ درے پر یہ تعاقب کرنے والے ترکوں کا جم کر مقابلہ کر سکتی تھی۔ ساری مقدس سلطنت روما میں والپو کی ہزیمت کی خبر پھیل گئی۔

اس شکست کی یاد رچرڈ نولس کی تصنیف کے زمانہ تک تازی تھی۔ اس نے لکھا ہے ''ایزک کی یہ شرمناک شکست ان سب افسوسناک شکستوں سے بدتر تھی۔ جو عیسائیوں کو اس سے پہلے کے زمانہ میں نصیب ہوئی تھیں...... یہاں بہترین سوار اور

بہترین گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ کئی صدیوں پر رنج والم طاری رہا۔ اب تک کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ بلا کوئی نقصان اٹھائے ترکوں کو ایسی فتح نصیب ہوئی ہو''۔

بدنصیب کاٹ تسیانز قریب قریب اکیلا ہی زندہ بچا تھا جو فرڈی نینڈ کے دربار تک پہنچ سکا۔ اس کے آقا نے بزدلی کے الزام میں اسے قید کر دیا وہاں سے بچ کر یہ ترکوں سے جا ملا۔ جنہوں نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور اسے حقارت کی نظروں سے دیکھا۔ کئی سال بعد جب انہوں نے آسٹرویوں سے ایک عجیب طرح کی بہت بڑی توپ چھینی تو معمول کے مطابق اسے ایک غیر متوقع نام دیا۔ اسے وہ کاٹ تسیانز کی توپ کہنے لگے۔

اس مرتبہ 38-1537ء کے موسم سرما میں مغرب کے درباروں پر از سر نو ہیبت طاری ہونے لگی۔ وی نہیں جانتا تھا کہ اگلی گرمیوں میں ترک زمین کے راستے پیش قدمی کریں گے۔ یا سمندر کے راستے۔ وی آنا کی حفاظت کے لیے کوئی فوج نہ تھی۔ اس شہر نے امداد مانگی اور پاپائے روم پال سوم نے یورپ کو بچانے کے لیے مسیحی جہاد کا اعلان کیا۔ چارلس نے نیپلز کی دفاع کے انتظامات مکمل کیے۔ وینس نے مایوسی کے عالم میں تمام تاجروں کے گھرانوں کے سارے اثاثے پر بقدر نصف قیمت کے محصول عائد کیا۔ اس باہمی احتجاج پر مقدس عیسائی انجمن قائم ہوئی جس کے عہدنامے پر پاپائے روم شہنشاہ چارلس اور وینس کے دوجے نے دستخط کیے فرڈی نینڈ بھی اس انجمن کا ممبر تھا۔

ممکن ہے کہ اس عہدنامے پر دستخط کرنے والے یہ امید باندھے ہوں کہ ایک

بڑے طاقتور بیڑے کے ذریعے ان کی گلو خلاصی ہو سکتی ہے۔ جنگ سے پہلے ہی انہوں نے فتح کے علاقے آپس میں بانٹنے کے منصوبے تیار کر لیے۔ وینس کو اس کے سارے کھوئے ہوئے جزیرے' اور ان کے علاوہ ڈالمیشیا کے ساحل پر کاستل نوو اور اولونا واپس ملنے والے تھے۔ شہنشاہ چارلس کو یورپ کا وہ تمام علاقہ واپس ملنے والا تھا جو ایک زمانے میں مشرقی سلطنت روما کے قبضے میں تھا۔ پاپائے روم کو اس کا حق تھا کہ وہ جو علاقہ چاہے اپنے تصرف میں لائے۔

یہ بڑے مزے کی بات تھی یہ مقدس انجمن جو اس قدر عجلت سے اس لیے وجود میں آئی تھی کہ اپنے ارکان کو تحفظ کرے۔ عمل سے پہلے ہی مفتوحہ علاقوں کی باہمی تقسیم کے خیالی پلاؤ پکانے لگی۔ فتح کے بعد سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہونے والے تھے۔ اہل وینس درہ دانیال تک وہ سارا علاقہ دوبارہ حاصل کر لیں گے جو انتہائی عروج کے زمانے میں ان کے قبضے میں تھا۔ مقدس سلطنت روما نئے سرے سے قدیم رومتہ الکبریٰ کی ساری عظمت قسطنطنیہ سمیت واپس حاصل کرنے والی تھی۔ اور ترک درہ دانیال اور باسفورس کے اس پار ایشیا میں واپس دھکیل دیے جائیں گے۔ وہیں جہاں سے ایک صدی پہلے نمودار ہوئے تھے۔

مان لیجیے کہ اس انجمن کو اپنے بحری بیڑے کے زیادہ طاقتور ہونے کی وجہ سے فتح کی امید تھی۔ یہ بھی مان لیجیے کہ عین اس زمانے میں دوریا کو اس کی توقع تھی کہ باربروسا کو خریدا جا سکتا ہے۔ پھر بھی جنگی فتح کے بعد اس سارے علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے کا تصور حد درجہ مضحکہ خیز تھا۔ لطف یہ ہے کہ چارلس جس کا زور اس

زمانے میں شباب پر تھا اور جو تخت وتاج شاہی شادیوں] اور جاگیروں کے دعووں کے متعلق سازباز، جوڑتوڑ کرنے میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ کس زاویے سے احمق نہیں تھا۔ اور وینس کی شوکت ماب سینوری کے پریشان حال امرا تو اور بھی زیادہ ہوشیار تھے۔

اس طرح کے شیخ چلی کے خوابوں کی تہ میں حسد، اور باہمی بے اعتباری جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ اب یہ سمجھ لیجیے کہ امرائے وینس جن کی دھاک ایک زمانے میں سارے سمندر پر تھی اس سارے علاقے پر قبضے کا دعویٰ کر رہے تھے جہاں ایک اطالوی بولی بولی جاتی تھی۔ کھوئے ہوئے جزیروں، اور تجارتی بندرگاہوں پر ان کا یہ دعویٰ سن کر مقدس سلطنت روما کے بے صبر نمائندوں نے باقی ساری خشکی پر اپنا دعویٰ پیش کر دیا۔

لمحہ بھر کے لیے وینس کی سینٹ کے اراکین کی بحث سنیے۔ کونارو خاندان کا ایک فرد مارکوانتونیوکورنارو کہہ رہا ہے "آپ نے انجمن کے قیام پر اتفاق کیا ہے...... آپ نے محسوس کیا ہے کہ عیسائیوں سے اتحاد میں اپنی حفاظت کا اپنی فتح وظفر کا زیادہ امکان ہے ترکوں سے صلح کرنے مین اہ امکان پیدا نہیں ہوتا۔

آج چار مہینے ہو گئے ہماری فوجوں نے سلطان کی سلطنت کے بعض حصوں کو تاخت وتاراج کیا تھا...... اب ہم سلطان سے دوبارہ صلح کی گفت وشنید کیسے کر سکتے ہیں، اس امن کا سلسلہ ہم نے ہی منقطع کیا تھا ایسے وقت میں اگر ہم نے ذرا بھی تامل کیا تو کیا ہم بچ سکیں گے؟ صرف ہمت اور دلیری سے اس طرح کے خطرے پر قابو

پایا جا سکتا ہے''۔

سینٹ کا ایک اور ممبر اتھ کراس رائے کی تردید کرتا ہے ''یہ فرانسس فوسکار ہے ضعیف العمر ہے اور زمانے کی صعوبتوں سے خوب آگاہ ہے'' نہ میں یہ رائے ماننے کو یار ہوں اور نہ اس راہ پر چلنے میں ہمارے لیے امید کی کوئی صورت ہے آج...... میں حالات کو صرف اسی طرح جانچوں گا جیسے کہ وہ ہیں' اس طرح نہیں جیسے وہ ہمیں اپنے تخیلات یا اپنے عہدو پیان کے مطابق نظر آتے ہیں...... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کو اپنے آپ یکلخت اس قدر اعتماد کیسے پیدا ہو گیا ہے ہم آنکھیں بند کر کے ان بادشاہوں کے وعدوں پر کیوں تکیہ کرنے لگے ہیں۔ جنہوں نے ہمیں ہمیشہ دھوکا دیا ہے۔ ان حالات میں اگر ہ سے کوئی غلطی ہوئی تو وہ بڑی شرمناک ثابت ہو گی۔ اور اسکے نتائج بڑے ستم ڈھائیں گے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری توقع بندی ایک بڑی خطرناک سی چیز ہے۔ جو ہمیں تباہی کی طرف دھکیل رہی ہے...... ہم یہ بھولنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ دو دن ہوئے ہماری فوج کے ایک کپتان نے شکایت کی تھی کہ اس کے سپاہیوں کو تنخواہ ملنے میں بڑی دیر لگ رہی ہے۔ اس کپتان نے ہم سے بری کھری کھڑی بات کہ دی تھی کہ اگر ہم جنگ کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تو پھر صلح کر لینا ہی مناسب ہے۔ روز ہمیں اپنے عوام پر محصول بڑھانے پڑتے ہیں۔ یہ سمجھنا غلطی کی بات ہے کہ ایسی جنگ میں جس کا خرچ ماہانہ دو لاکھ اشرفیاں ہیں۔ شہر کی مزید مالی قربانیوں سے جاری رکھی جا سکتی ہے۔

رہ گئی ''مقدس انجمن'' تو اس کے متعلق کونسلر فوسکاری نے کہا ''جب تک شاہ فرانس اور شہنشاہ چارلس کے درمیان اس بغیر اعلان کی جنگ کا سلسلہ جاری ہے یہ پنپ نہیں سکتی پھر اسنے بتایا کہ ترکوں سے صلح کرنے میں کیا فائدے ہیں۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو اس صلح کا کوئی یقین ہے اور نہ اس سے ہماری قومی عزت برقرار رہ سکتی ہے۔ میں اس بات کی ضمانت تو نہیں دے سکتا کہ صلح سے ہماری ساری مرادیں بر آئیں گی۔ لیکن مجھے اس کا یقین ہے کہ اس سے موجودہ خطرہ ٹل جائے گا۔ یہ صلح دشوار نہیں ہے۔ وزیر اعظم نے بار بار صلح کی پیش کش کی ہے اور صلح کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اس سے اور بار بروسا سے نہیں بنتی اور جنگ کی فتوحات کی وجہ سے بار بروسا کا رسوخ بہت بڑھ گیا ہے۔ بار بروسا خود صلح کا خواہاں ہے تا کہ اطمینان سے الجزائر واپس پہنچ کر حکومت کرے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ سلیمان کو ہماری دوستی کا اعتبار نہیں...... مجھے تو اس مفروضہ میں کوئی صداقت نظر نہیں آتی۔ اس نے تیس سال تک ہم سے صلح کے معاہدے کی پابندی کی ہے اور اب بھی وہ اس معاہدے کی توسیع پر آمادہ ہے۔ اگر اس نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ہماری طرف سے چھیڑ خوانی شروع ہوئی ہم کو اس سے جتنی شکایت ہے کہ اس سے زیادہ اسے ہم سے شکایت کرنی چاہیے۔

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ ترکوں نے ہماری جمہوریت کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو انہیں اس سے بہتر موقع کون سا مل سکتا ہے۔ جب چند سال پہلے یورپ کے تمام بادشاہوں نے ہمیں مٹانے کا وعدہ کیا (۱) تھا اس

وقت نہ ہمارے پاس کوئی خاص ذرائع تھے نہ باہر سے مدد ملنے کی توقع تھی؟

"ترکوں کی سلطنت بےحد وسیع ہے۔ جنگ کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس بڑے وافر ذرائع ہیں۔ ان کا عسکری نظم وضبط ایسا لاجواب ہے کہ عیسائیوں کو ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ایسے دشمن کے خلاف کیا کیا جاسکتا ہے؟"

پھر بھی وینس کی سینٹ نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ طے ہوا کہ شہنشاہ چارلس عظیم الشان بیڑے کا نصف خرچ برداشت کرے گا۔ پاپائے روم خرچ کا چھٹا حصہ برداشت کرے گا۔ وینس ایک سو دس کشتیاں فراہم کرے گا۔ مالٹا کے نائٹ دس کشتیاں فراہم کریں گے۔ آہستہ آہستہ سونا اور جہاز فراہم ہونے لگے۔ لیکن فصلوں کی کٹائی کے بعد سپین کی بندرگاہوں سے انہیں اناج نہیں آنے پایا۔ متانب ماب جمہوریت وینس کا سپہ سالار اعظم مطالبہ کرتا ہے کہ بحری بیڑا فوراً ہی سمندر کا رخ کرے۔ لیکن دوریا اس وقت تک حرکت کرنے کو تیار نہیں ہے جب تک بیڑے کی باقی ماندہ کشتیاں اسے نہ مل جائیں۔ لیکن یہ کشتیاں سسلی میں اس توقع میں نظر انداز ہیں کہ اسپین سے فوج آ کر ان میں سوار ہوگی۔

پھر اندریا دوریا ساحل کے قریب ہی پارگا جا کے باربروسا کو خریدنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ امید باندھ کر واپس آ جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ باربروسا ترکوں کو دغا دے جائے۔

۷ ستمبر کو جب کہ جہاز رانی کا موسم ختم ہونے کے قریب ہے یہ عظیم الشان بیڑا جزیرہ کورفو کی پناہ گاہ سے باہر نکلتا ہے۔ اس سے پہلے کبھی بحیرہ روم میں ایسی فوجی

طاقت دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ دو سو لمبی کشتیاں ہیں سو مضبوط سواری کے جہاز ہیں جن پر دو ہزار توپیں لدی ہیں ان جہازوں پر بیس ہزار اطالوی بیس ہزار جرمن اور دس ہزار بکتر بند ہسپانوی سپاہ سوار ہے۔ پانچ بڑے بڑے جنگی جہاز ہیں جو ایک بالکل نئی بحری طاقت ہیں جن کے چوبی بازو اس قدر مضبوط ہیں کہ انہیں کشتیوں کے آہنے سرے سے دھکے دے کر توڑا نہیں جا سکتا۔ ان بازوؤں پر بھاری توپیں لگی ہوئی ہیں کہ ترکوں کی ہلکی ہلکی کشتیوں کو تتر بتر کر سکیں۔

ان جہازوں پر سات پرچم لہرا رہے ہیں۔ کسی پر مقدس سلطنت روما کے عقاب ہیں۔ کسی پر پاپائے روم کی سات کنجیاں کسی پر وینس کے سان مارکو کا شیر ببر کسی پر جنیوا کا قلعہ کسی پر مالٹا کی صلیب کسی پر ہسپانیہ کی ڈھال کسی پر پرتگالی کا تاج۔

وینس کی ہراول کشتیوں کو آنے والے ترک بیڑے کا سراغ مل گیا ہے۔ یہ بیڑہ سانتا ماروا کے جزیرے کے آگے ماتا پان کے قریب ہے۔ اور خلیج ارتا کی جانب مڑ رہا ہے۔ جس کے تین طرف خشکی ہے۔ یہ صرف نصف روز کی مسافت پر ہے۔

اور یہاں باربروسا پھنس گیا۔

فٹ نوٹ

ا۔ اتحاد کامبرے 158ء جس کی رو سے شاہ فرانس میکسی میلین اور پاپائے روم جولیس ثانی نے وینس کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لینے کا معاہدہ کیا تھا'۔

جنگ پری ویزا

کم سے کم اس مرتبہ باربروسا نے احتیاط برتی ۔اس نے خلیج میں پناہ لی تھی ۔ جہاز کے تختوں کو تیل پلا کے مرمت کی تھی ۔اور یہاں وہ صالح رئیس کا انتظار کر رہا تھا جو قسطنطنیہ سے ترکی بیڑے کے بنے ہوئے بیس جہازوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ان جہازوں کے آنے کے بد اس کے بیڑے کی مجموعی طاقت ایک سو بیس جنگی کشتیوں اور کچھ رسد کے جہازوں پر مشتمل تھی اس کے پاس ہسپانوی طرز کے بھاری جہاز نہیں تھے جن کو ترک تیرتے ہوئے قلعے کہتے تھے اس کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ اس کی ہر دو کشتیوں کے مقابلے میں دشمن کے تین جہاز تھے ۔توپ خانے اور فوج کے لحاظ سے دشمن کی تعداد دگنی تھی ۔

ترک کشتیوں کے مستولوں سے پاسبانوں نے خود اپنی آنکھوں سے اس بیان کی تصدیق کر لی کیونکہ اب یورپ کا جنگی بیڑی آگے پیچھے تیرتا ہوا نظروں کے سامنے آ گیا اور ہر طرح کے پرچم اس کے مستولوں پر لہرا رہے تھے ۔

ارتا کی پیچ در پیچ خلیج کے اندر ایک اندرونی سمندر کی طرح وسیع ہوتی جا رہی تھی ۔اس کے چاروں طرف پہاڑوں کی فصیلیں کھڑی تھیں ۔صرف ایک طرف اندر آنے کا تنگ سا راستہ ہے ۔جہاں اگر جوار بھاٹے کا زور ہو تو آسانی سے راستہ روکا جا سکتا ہے ۔اس کے سرے پر پری ویزا کا قصبہ ہے جس کی مدافعت اور مدد ملتی ہے ۔

(اہل روما کے زمانے میں پری ویزا ہی سے مارک انٹونی اور کلیوپٹرا کا وہ جنگی بیڑہ

روانہ ہوا تھا جس نے ایکٹم میں شکست کھائی تھی......

باربروسا نے اس خلیجا وراس قصبے پر قبضہ کرلیا تھا۔

سمندر کا بیلر بے اس بڑی سی خلیج میں گھس کرتاک لگائے بیٹھا تھا کہ دیکھیں اس مقدس انجمن کا امیر البرح اس خلیج کے دہانے میں ااان پھنستا ہے یا نہیں۔ دوریا کے پانچ جنگی جہاز تو دھانے کی رکاوٹوں کو پار ہی نہیں کر سکتے تھے۔اوراس کی کشتیاں اگر اس تنگ نائے کو عبور کرتیں تو بے ترتیبی سے ایک جگہ جمع ہو جاتیں ادھر ان کے مقابلے میں دور دور تک ترکی کشتیاں خلیج کے ساکن پانی پر جنگ کے لیے قطار باندھے کھڑی تھیں۔لیکن دوریا نے یہ حماقت نہیں کی۔

جب خلیج کے دھانے کے اس پار سمندر خالی محسوس ہوا تو پریشانی اور بے صبری کے عالم میں باربروسا نے اپنے بیڑے کی کچھ کشتیاں باہر نکالیں ان پر وینس کے بیڑے نے دور سے سخت گولا باری کی۔ باربروسا اطمینان سے واپس آ گیا۔ اگر یہ چال اس نے اس لیے چلی تھی کہ اس کے لیے تعاقت میں دشمن اندر آنے کی کوشش کرے تو یہ اس کی یہ چال کامیاب نہ ہو سکی۔ دوریا وہیں ٹھہرا رہا اور ٹکٹکی لگائے ساحل کو دیکھتا رہا۔

اب اڈریاٹک میں خزاں کے طوفانی جھکڑوں کا موسم شروع ہونے والا تھا۔ باربروسا ہچکچانے لگا۔ اس کے ساتھ ایک بہت بڑا جنگی بیڑا تھا۔ اوراس کی وجہ سے وہ آسانی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس کے چھوٹے موٹے بارہ جنگی کشتیوں کے بیڑے سے بہت مختلف تھا جس کی مدد سے وہ افریقہ کے ساحل سے

نکل کر ادھر ادھر بڑی تیزی سے چھاپے مار سکتا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

اس کے سر پر بڑی بھاری ذمہ داری تھی۔ کورفو کی ناکامی کے بعد لطفی پاشا کو برطرف کر دیا گیا تھا۔ جس انداز سے یورپ کی جنگ کی جا رہی تھی اس سے متنفر ہو کر سلیمان اس خاصے کی فوج کے ساتھ گرمیاں گزارنے اور بحیرہ اسود کے شمال مشرق کے سبزہ زاروں میں کریمیا کے خان سے ملنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس وقت باربروسا تن تنہا یورپ کے ساتھ پرچموں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی سمندر میں اتنی بڑی بحری قوت کا اجتماع نہیں دیکھا تھا اور وہ یقیناً ان کو بہتے ہوئے قلعوں کی طاقت پر غور کر رہا تھا۔

اس کے ساتھ جو فوجی افسر تھے ان کی رائے یہ تھی کہ سپاہیوں کو کشتیوں سے اتار کر خلیج کے دہانے پر زمین کی مورچہ بندی کی جائے اور وہاں توپ خانہ لگا دیا جائے ان کا کہنا تھا کہ ہم اب دآلا باد تک پری وہزا اور اطراف کے پہاڑوں کی مدافعت کر سکتے ہیں۔ لیکن باربروسا جانتا تھا کہ دوریا اپنی فوج کو ساحل پر نہ اتارے گا۔

اس کے پرانے بحری آوارہ گرد ساتھی اس کی خوشامد کر رہے تھے کہ انہیں خلیج سے باہر نکلنے کی اجازت دی جائے۔ دشمن کی تعداد زیادہ سہی لیکن انہیں اپنی کشتیوں کی زیادہ تیز اور زیادہ آسانی سے متحرک ہونے پر اعتماد تھا۔ صالح رئیس صنعان شیطان شکار سب باہر سمندر میں نکلنے کی درخواست کر رہے تھے۔ ایک نو وارد تورگوت تھا جو اناطولیہ کے ایک کسان کا بیٹا تھا۔ یہ بھی باربروسا کے قریب کھڑا ہو کے بار بار سمندر

کی طرف اشارہ کرتا جاتا تھا (اہل یورپ اسے دراگوت کہتے تھے) اور کچھ عرصے کے بعد وہ اس نام سے بہت ہی اچھی طرح واقف ہو گئے۔

یہ نوجوان سرداروں کی رائے تھی لیکن باربروسا نے سر ہلایا باہر وہ کیا تیرتے ہوئے قلعے بھی کھڑے تھے۔وہ ان کی توپوں کی تعداد گن چکا تھا۔ان کے اطراف دوریا کی جنگی کشتیاں جمع ہو جائیں گی جیسے کسی حصار پر کوئی فوج ان سمندری قلعوں کی چوڑی چوڑی توپیں بڑی آسانی سے نیچی نیچی کشتیوں پر گولے برسا سکتی ہیں۔ دوریا یہی تو چاہتا تھا...... یہ ترک نکل کر اس جہازی قلعے پر حملہ کریں۔باربروسا ترکوں کے جنگی بیڑے کو ہلاکت میں کیسے ڈال سکتا تھا؟

ایک خواجہ سرا نے جو سلیمان کا قاصد تھا عرض کی "یہ آپ نے کیا فرمایا آپ سمندر کے بیلر بے ہیں آپ نے جتنی توپیں اور جتنے سپاہی طلب کیے ہمارے آقا نے اس سے زیادہ آپ کو عطا فرمائے۔وہ کیا ہمارے آقا کا دشمن وہاں کھڑا ہے۔ اور آپ یہاں خواب کے عالم میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اس طعنہ سے باربروسا کے دل پر سخت چوٹ لگی ہو گی جیسے ہی موقع ملا وہ لڑنے کے لیے باہر نکل آیا۔

ترکوں کو پھانس بلانے کے لیے دوریا خود تو اصل بیڑے کے ساتھ جنوب میں سانتا ماورا کی جانب بیس میل پیچھے ہٹ گیا تھا اور پری ویزا پر نگاہ رکھنے کے لیے اس نے کشتیوں کی صرف ایک ہلکی سی تعداد باقی رہنے دی تھی۔

لیکن باربروسا کا بحری بیڑا دہانے سے آدھی رات کو نکلا اور اس نے جنگی

کشتیوں کی اس ہلکی سی طاقت کو تتر بتر کر دیا۔ ۲۸ ستمبر کی صبح کی دھندلی سجھکو دن نکلنے سے پہلے ہی اس کا بیڑا خلیج سے بہ حفاظت باہر نکل آیا اور ساحل کے کنارے کنارے صف آرا ہو گیا۔

اس کے بعد پری ویزا کے قریب جو کچھ پیش آیا اس کا ذکر یورپ کی تاریخوں میں بڑی دبی زبان سے کیا جاتا ہے۔ دوریا کے مبہم سے عذر اہل وینس کے کینہ اور غصہ ان مورخوں کی خاموشی جنہوں نے یورپ کے عظیم الشان بحری بیڑے کے کروفر کا اور عیسائیوں کی ہونے والی فتح کا بڑے طنطنہ سے ذکر کیا تھا مالٹا کے سینٹ جان کے نائٹوں کے گرینڈ ماسٹر کے نائب کی کم سخنی ...... ان سب سے تین الگ الگ لڑائیوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یا پھر یہ گمان ہوتا ہے کہ کوئی لڑائی ہوئی ہی نہیں۔ ان ساری کہانیوں کے گورکھ دھندے سے جدید بحری مورخین نے صرف ایک نمایاں واقع کو چنا ہے...... وینس کے توپخانے کے جہازوں کی ترکوں کی جنگی کشتیوں سے لڑائی۔ اس طرح انہوں نے ایک چوتھی جنگ کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

لیکن اصل میں جو کچھ پیش آیا وہ بالکل واضح اور صاف ہے۔

اندریا دوریا کا بیان ہے اور یہ ٹھیک بھی ہے۔ کہ صبح کو وہ ساحل سے پرے ہٹتا جا رہا تھا کہ ترکوں کو اس نا قابل تسخیر خلیج سے باہر کھینچ لائے جب اسے اطلاع ملی کی پورا ترک بیڑا باہر نکل آیا ہے اور وہ ساحل سے چپکا ہوا ہے۔ تو اس نے بھی اپنا مظاہرہ جاری رکھا کہ ترک دھوکا کھا کے کھلے سمندر میں نکل آئیں۔

مغرب سے ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور گھڑی گھڑی تیز یا سست ہو جاتی

ہوا کا رخ باربروسا کے لیے مخالف تھا۔ یورپ کے بڑے جنگی جہاز یا تو آسانی سے ساحل سے نہیں ہٹ سکتے تھے یا نہیں دوریا نے ترکی جنگی کشتیوں کے لیے عمداً وہاں چھوڑا تھا پیچھے رہ گئے۔ اور صبح کی ابتدائی گھڑیوں کے بعد جب ہوا دھیمی پڑی تو وہ خاموش سمندر میں ساکن ہو گئے۔

ترک جہازوں کے مستولوں سے چوکیداروں نے صبح ہونے کے کچھ ہی دیر بعد سانتا ماڈرا کے جزیرے کے قریب دوریا کے بیڑے کے بے شمار مستولوں کا جنگل دیکھ لیا تھا۔ باربروسا نے اپنے کپتانوں کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کا حکم دیا اور خود یورپ والوں کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے تیرتے ہوئے قلعوں پر حملہ کیا۔ جن کی تعداد اس مقام پر پانچ تھی۔

کوندولی ایرو کے بڑے جہاز کے اطراف لڑائی کا آغاز ہوا اس جہاز کے طاقت ور توپ خانے کے بھاری گولوں سے ترک جنگی کشتیوں کی پہلی موج تتر بتر ہو گئی۔ ایک کشتی پر پچھتر سیر کا گولا پڑا جس کی وجہ سے کشتی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

باربروسا پیچھے ہٹ گیا۔ اور اس نے اپنی زیادہ تر کشتیوں کو آگے بھیجا کہ وہ اپنے سامنے کی توپوں سے مسلسل گولہ باری کریں۔ اور اس آتش بازی کے دھوئیں کے چکر کاٹ لیں۔ چاشت کے وقت کوندولی نی ایرو کے جنگی جہاز کو آگ لگ گئی۔ ہوا بالکل ساکت تھی دھوئیں اور کہر کی آڑ میں ترکوں کی جنگی کشتیوں کو اور زیادہ قریب آنے کا موقع مل گیا۔

کوندولی نی ایرو کے جہاز کا مستول ٹوٹ کر گر پڑا۔ اور جہاز تیرتا ہوا تختہ بن کے

رہ گیا۔ اس کا توپ خانہ اب بھی کام کر رہا تھا۔ اور سمندر میں اس ک گولے جنگی کشتیوں کے درمیان ادھر ادھر منتشر ہو رہے تھے۔ دو اور سمندری قطعے سطح سمندر پر جل اٹھے اور ان کا تخلیہ کرنا پڑا۔ ایک اور کو مستول توڑ ڈالا گیا۔ اور وہ کہر میں بہتا ہوا غائب ہو گیا شروع سہ پہر مں یورپ کے جنگی جہازوں کا خاتمہ ہو گیا۔

کئی میل دور روما اور وینس کے بیڑوں کے امیر البحر کوریمز و اور گری مانی طیش کے عالم میں امیر البحر دوریا کے پرچم بردار جہاز پر پہنچے اور مطالبہ کیا کہ دشمن کو فوراً چاروں طرف سے نرغے میں لیا جاے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس وقت شکستہ جنگی جہازوں کے اطراف دشمن کی کشتیاں منتشر حالت میں ہیں اور یہ موقع اچھا ہے۔ انہوں نے کہا۔

''اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم بزدل ہیں تو ہمیں حملے کا حکم دیجیے۔ ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم پہلے ہی حملے کا حکم دے چکے ہوتے''۔

دوریا نے درشتی سے جواب دیا کہ اور سب بیڑوں کو اس کے بیڑے کے ساتھ ساتھ رہنا چاہیے اور جب وہ دیکھے گا کہ حملے کا موقع ہے تو وہ حملے کا حکم دے گا۔ اگر وہ اس کے حکم کی تعمیل کریں گے تو ترکوں کا پورا ساز و سامان اور توپ خانہ ہاتھ میں آ جائے گا''۔

باربروسا اپنی زخم خوردہ جنگی کشتیوں کو لیے ہوئے یورپ کے جمے ہوئے بحری بیڑے کی طرف مقابلہ کے لیے بڑھ رہا تھا کہر بڑھتا جا رہا تھا وہ سانتا ماورا کے قریب پہنچ گیا مگر دوریا پیچھے ہی ہٹتا گیا اور اپنے بیڑے کی صفوں کے میمنے اور

میسرے سے اس کا تعلق کہر میں منقطع ہو گیا۔

باربروسا کے راستے میں دشمن کے جو بحری دستے آئے وہ ترکوں کی پیش قدمی سے پسپا ہوتے گئے۔ اور ایک دوسرے سے الگ ہوتے گئے۔ وہ عیسائی جنگی کشتیاں جو اپنے اپنے بحری سرداروں کی جانب پہنچنا چاہ رہی تھیں ترکوں کے بیڑے کے درمیان پھنس گئیں اور انہوں نے پرچم اتار دیے۔

اب اسے سمندر کا بھید کہیے یا نہ کہیے کہ دوریا سٹھیا گیا تھا وہ اپنے منادرے کے جال میں خود پھنس گیا یا یوں کہیے کہ اہل یورپ پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اب جو چاہے سمجھے سہ پہر کے ختم پر اڈریاٹک پر ہوا کا طوفان ٹوٹ پڑا اور کہر دھوئیں کی طرح غائب ہو گئی۔ یورپ کے سب امیر البحر کوریز و اور کوندو لی نی ایرواور گری مانی کی یہ حالت تھی کہ وہ صالح رئیس شیطان شکار صنعان اور بے درد تو رگوت کے آگے آگے بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے۔

بارش کے پہلے جھکڑ کے ساتھ ہی دوریا نے پسپائی کا حکم دیا۔ اور ہوا کے ساتھ ساتھ شمال کے رخ بھاگ نکلا۔ یورپی امیر البحر کے نشان کے چراغوں کو بارش کے جھکڑوں نے بجھا دیا۔

باربروسا پھرتی سے دوریا کا تعاقب کر رہا تھا اس نے ان چراغوں کو بجھتے دیکھا اور اندریا اوریا کا مزاق اڑانے لگا کہ امیر البحر نے اپنی جان بچا کے بھاگنے کے لیے چراغ بجھا دیے ہیں۔

اور پھر طوفان اور تاریکی میں جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

پھر بالآخران دونوں بیڑوں کی مڈبھیڑ پری ویزا سے چار سو میل اوپر کورفو سے بھی کافی شمال مین بحرہ ایڈریاٹک میں ہوئی۔ اڈریاٹک پر باربروسا کی عملداری تھی۔ اور دوریا کے باقی ماند جہاز خلیج کتارو میں پناہ گزیں تھے۔ جو کاسٹل نووو کے قریب واقع ہے۔اور یہ جہاز یہیں ٹھہرے رہے۔

عین اسی زمانے میں شمال مغرب کے طوفانی جھکڑ نے اڈریاٹک پر دھاوا بول دای۔ اس ہوا کو اطالوی بورد کہتے ہیں۔ اس طوفان میں باربروسا کے تیس جہاز ڈوب گئے اور دوریا کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ اس کا اپنا بیڑا تو صحیح سلامت رہااور ترکوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

لیکن جب الطارق سے گیلی پولی تک ایک جہاز سے دوسرے جہاز اور ماہی گیروں کے گاؤں سے بندرگاہ تک یہ خبر پھیل گئی کہ میڈی ٹرے نین کی جنگ میں باربروسا جیت گیا۔ اب اس وسیع سمندر پر اس کا قبضہ ہے۔ مقدس سلطنت روما پاپائے روم اور اہل وینس نے اپنی پوری طاقت کی بازی لگادی اور ہار گئے۔

جب مشرق میں یوکرین کے گیاہ زاروں میں پری ویزا کی فتح کی خبر سلطان سلیمان کو پنچائی گئی تو وہ خیمے کے پہلے جملے سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔اورتمام حاضرین دربار نے کھڑے کھڑے فتح کی تہنیت سنی۔ پوری خبر سننے کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ خیمہ وخرگاہ میں فتح کی خوشی میں چراغاں کیا جائے۔

فوسکاری کی پیشن گوئی صحیح نکلی۔ سب سے زیادہ اہل وینس کو اس کا احساس ہوا کہ پری ویزا کی ہزیمت کا ان کے حق میں کیا انجام ہوگا۔انہوں نے فوراً صلح کی

درخواست کی یہ صلح اہل وینس کے درارکان شوریٰ کو بہت مہنگی پڑی...... انہیں تین لاکھ اشرفیاں ترکوں کو بطور تاوان جنگ ادا کرنی پڑیں۔ یونان کے ساحل پر صرف دو بندرگاہیں توپلیا اور مالویزیا ان کے قبضے میں باقی رہنے دی گئیں۔ کہنہ سال دوجے اندریا گری تی (جولوئی جی گری تی کا باپ تھا) اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا اور اس نے اپنے ہاتھ سے اس معاہدے پر دستخط نہ کیے' جس کی رو سے وینس کی بحری طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔

☆☆☆

چارلس والی ہوا

پری ویزا کی جنگ کے بعد سلیمان یہ سمجھتا تھا کہ اب ہاپس برگ بھائیوں سے جنگ میں اسے فتح حاصل ہوگئی۔ بری سرحدوں پر صلح ہوچکی تھی۔ بحری جنگ میں فتح حاصل ہوچکی تھی اور اب اہل یورپ میں اسکی دھاک مقدس سلطنت روما کے شہنشاہ سے کم نہیں تھی، جس کا بھائی اس قدر نا قابل اعتبار تھا لیکن تھوڑے دن کے بعد ان دونوں ہاپس برگ بھائیوں ک جدا جدا طریقے پر نیت بدل گئی۔

ہنگری میں جان ژاپولیا کا انتقال ہوگیا۔ جس کی سرپرستی سلطان سلیمان کررہا تھا۔ فرڈی نینڈ نے اپنی فوجیں جمع کرکے ژاپولیا کی بیوہ کو بودا میں گھیر لیا۔ یہ عورت جس کا نام ازابیلا تھا پولینڈ کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ 1541ء کے اس موسم گرما میں اس کا شیر خوار بچہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ بیچاری اس قدر بے بس تھی کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کرے بجز اس کے کہ آسٹرویوں کے آگے ہتھیار ڈال دے اور اس جنگ وجدل سے پارہ پارہ ملک سے ہجرت کرکے کہیں اور چلی جائے۔

قبل اس کے کہ فرڈی نینڈ کی فوج شہر میں داخل ہوسکے یا ازخود ازابیلا خود کوئی فیصلہ کرے ہنگری کے ملک کی عملداری خود سلیمان نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور ترکی عسکر کے ساتھ وہ تیزی سے جنوب میں کوچ کرتا ہوا آن پہنچا۔ حسب معمول رومیوں کے بادشاہ نے اپنی سرحد کے اپار جائے پناہ لی اور سلیمان کی فوج کی سرکوبی کرکے بھگا دیا لیکن فرڈی نینڈ کا تعاقب نہیں کیا۔

عثمان سلطان نے ازابیلا کے متعلق بھی قطعی فیصلہ کرنا چاہا جو ملکہ بھی تھی اور ایک نوجوان ماں تھی۔ اس کے قاصد ازابیلا کے پاس تحفے لے کر آئے اور پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ جان زاپولیا کا یہ بیٹا اس کے اپنے بطن سے ہے۔ اس کے جواب میں ازابیلا نے گریبان کھول کر بچے کو دودھ پلانا شروع کیا۔ ترکوں نے خوش اخلاقی سے اسے سمجھایا کہ اسلامی شریعت کی رو سے وہ اسے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ انہوں نے کہا کہ سلطان کی خواہش یہ ہے کہ اس بچے کو اس کے حضور میں ملاحظے کے لیے بھیجا جاء۔

وہ نکار نہ کر سکی۔ ازابیلا نے دائیوں اور وزیروں کے ساتھ اپنے بچے کو اس کے گھوارے میں سلیمان کے خیمے میں بھیج دیا۔ ساتھ اتھ ینی چیریوں کا پہرہ تھا۔ سلطان نے اپنے بیٹے بایزید کو حکم دیا کہ وہ اس بچے کو گود میں اٹھائے اور پیار کرے۔ شام سے پہلے ازابیلا کا بچہ واپس کر دیا گیا۔ اور اس سے وعدہ کیا گیا کہ جب یہ لڑکا سن بلوغت کو پہنچے گا تو ہنگری کا بادشاہ بنایا جائے گا۔ اس رات فتح کے جشن کے دوران ینی چیری خاموشی سے شہر میں داخل ہو گئے۔

ازابیلا کو بودا کے برباد و خستہ شہر سے مشرقی ہنگری کے ایک قلعہ میں منتقل کر دیا گیا اسے ایک فرمان عطا کیا گیا جس کا غذ اودا تھا اور جس پر طلائی حروف میں یہ وعدہ تحریر تھا ''ترک بادشاہ اپنے ایمان کی اور اپنی تلوار کی قسم کھا کے یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تمہارا بیٹا سن بلوغ کو پہنچے گا تو وہ ہنگری کا بادشاہ بنا دیا جائے گا''۔

اسنے اپنے مشیروں سے کہا ''یہ محض ایک وعدہ ہی تو ہے ایک کاغذ پر چند

سطریں"۔

انہوں نے اسے یقین دلایا "اسے ایک سلطنت کے عطیے کا فرمان سمجھیے"۔

بودا کی حفاظت کے لیے سلطان نے ایک ترک دستہ تعینات کیا۔رفتہ رفتہ سرحد کے مشرق میں ہنگری کے پورے صوبے کو اسنے سنجقوں میں تقسیم کردیا۔لیکن اس بار اس نے پہلی بار سختی اور تنبیہی کا مظاہرہ کیا۔آسٹروی قیدیوں کو سزائے موت دی گئی۔ اب اسے بیس برس پہلے اس نے رہوڈس میں فیاضی دکھائی تھی اس مرتبہ اس نے دیکھا کہ سختی میں ہی مصلحت ہے(کیونکہ بار بار اس نے اہل آسٹریا کو صلح کا موقع دیا تھا اور ہر بار انہوں نے پھر سے عہد شکنی کی تھی) یہی وجہ تھی کہ ازابیلا کا خوف ایک حد تک حق بجانب تھا۔کہ سلیمان کا وعدہ کہیں محض کاغذ کا ایک پرزہ تو نہیں۔لیکن اہل رہوڈس کو اب بھی وہی آزادی کے حقوق حاصل تھے جو اس نے انہیں عطا کیے تھے۔ اب اس نے ہنگری میں سرحد کا جو خطہ متعین کیا وہ ڈیڑھ صدی سے اسی طرح قائم رہا۔وہی آنا عیسائی مغرب کی سرحدی چوکی بن گیا اور بودا (بوداپست) مشرق کی۔ اٰاج بھی وی آنا کا رخ مغرب کی طرف ہے اور بوداپست کا مشرق کی طرف۔

ادھر فرڈی نینڈ کو وسط یورپ میں ہاپس برگوں کے حصار کو پھر سے تسخیر کرنے میں ناکامی ہو رہی تھی۔ادھر 1541ء کے اسی واقعہ خیز موسم گرما میں اس کے مقابلتاً زیادہ باہنر بھائی چارلس نے پھر جہاز پر قدم رکھا اور میڈی ٹرے نین میں ہسپانیہ کی کھوئی ہوئی سطوت پھر سے حاصل کرے۔کم سے کم بحیرہ روم کے نصف مغربی حصے پر وہ اقتدار پھر سے جمانا چاہتا تھا کیونکہ پریویزا میں عیسائیوں کی بحری طاقت کے

خاتمے کے بعد مغربی حصے کو بھی بڑا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ چارلس چاہتا تھا کہ باربروسا کے نام کا طلسمی اثر ٹوٹ جائے۔ بارہ سال تک اپنی سلطنت میں چکر کاٹتے کاٹتے اب ہمہ صفت موصوف چارلس تھک گیا تھا۔ وہ اپنی جاذبیت سے یورپ کے درباروں کو متاثر کر سکتا تھا۔ لیکن اسے مزے مزے کے کھانوں اور نادر شرابوں کے شوق نے گٹھیا کے مرض میں مبتلا کر دیا تھا۔ ساری عمر مارٹن لوتھر کا مقابلہ کرتے کرتے وہ مذہبی بدعتوں سے بہت بے مزہ ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی وہ کسی خانقاہ میں جا گزیں ہونے کا ارادہ ظاہر کرتا تھا۔ کہ خانقاہ کی دلاسا دلانے والی چاردیواری میں اپنے مذہبی ملال کا مداوا کر سکے۔

لیکن اب بھی اس کی ہستی میں زوال آمادہ مقدس سلطنت روما کی عیسائی اور فرنگی عظمت مجسم تھی۔ اس کے متعلق ایک عجیب وغریب قسم کے انگریز جان مارگن نے کچھ عرصے کے بعد لکھا ''مجھے مدت العمر کوئی ایسا ہسپانوی نہیں ملا کہ اگر میں اس کے سامنے اس مفروضہ پر ایمان نہ لاتا کہ چارلس پنجم سارے کرہ ارض کو چوبیس گھنٹے میں حلقہ زنجیر میں باندھے رہا اور جب وہ مر گیا تو یہ زنجیر ٹوٹ گئی تو اس مفروضے پر ایمان نہ لانے کے جرم میں وہ مجھے چالیس کوڑے نہ لگاتا''۔

یہ تاجدار ایسا نہیں تھا کہ کسی ترکی بحری بیلر بے کی مزاحمت برداشت کر لیتا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ جنگی کشتیوں کے ایک چھوٹے سے بیڑے نے جو اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ جبل الطارق پر حملہ کا ی۔ ایک اور بیڑے نے بیلیارک کے جزیروں میں ایک ہسپانوی بحری کاروان پر حملہ کیا۔ ایک چھوٹی سی کشتی نے کسی جگہ بہت

ساری پرتگیزی باربرداری کشتیاں دیکھ کے آواز لگائی چلو تمہیں باربروسا نے طلب کیا ہے......''اور فرمانبرداری کے ساتھ پرتگیزی کشتیاں ساتھ ہولیں۔

بڑے ہی پراسرار طریقے پر باربروسا ہر جگہ موجود ہو جاتا تھا۔وہ ایک کمہار کا بیٹا تھا موٹا تھا شراب خوب پیتا تھا۔ساٹھ سال کا تھا مگر قلعوں پر حملہ کر کے پرتمثال لڑکوں کو اٹھالے جاتا......اس نے افریقہ افریقہ میں ہسپانوی دستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔پورے براعظم کو وہ اپنے آقا سلطان سلیمان کی ملکیت قرار دینے پر تلا ہوا تھا۔زمین پر چارلس چاہیجو کارہائے نمایاں کر دکھائے اس کے ساحل باربروسا کے نام سے لرزتے تھے۔

ان گرمیوں میں باربروسا کی مرضی کے خلاف سلیمان نے اسے مشرقی بحیرہ روم میں روکے رکھا۔غصہ کے عالم میں اس نے پھر آپ کو بک جانے کے لیے پیش کیا۔اس مرتبہ اس نے افواہ پھیلائی کہ وہ چارلس سے معاملہ کرنے کو تیار ہے۔غالباً دانشمند ہاپس برگ شہنشاہ کو اس پیش کش پر اعتبار نہ آیا۔وہ جانتا تھا کہ باربروسا کو سلطان سلیمان سے بیس ہزار اشرفیاں سالانہ تنخواہ ملتی ہے اسے یہ یاد تھا کہ اسی قسم کی ایک پیش کش کا انجام پری ویزا کی قیامت عظمیٰ کی صورت میں پیش آیا۔لیکن اندریا دوریا کی طرح اس نے بھی اس امکان پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ایک ور پیش کش کی گئی تو اسے یقین آ گیا۔اس مرتبہ یہ پیش کش باربراسا کے ایک پرانے خادم حسان آغا کی طرف سے ہوئی تھی۔اسے باربروا نے الجزائر کا قلعہ دار مقرر کیا تھا حسان نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس شرط پر الجزائر کو شہنشاہ چارلس کے

حوالے کردے گا کہ ''وہ اتنی طاقت ور فوج بھیجے کہ یہ سمجھا جائے کہ یہ شہر مجبوراً اس کے حوالے کر دینا پڑا غداری سے نہیں''۔

چارلس کا اپنا عزم اس وقت یہی تھا۔ الجزائر باربروسا کی ذاتی ملکیت تھی۔ اس کے علاوہ ہسپانیہ کے ساحل کے قریب ہی ایک اسلامی بندرگاہ تھی جو مضبوط اور مسلح تھی۔ اور اس بات کا چارلس کو بڑا احساس تھا۔ الجزائر پر قبضہ ہو جائے تو پھر وہ ترکوں کو مغربی بحیرہ روم کے عسکری حصار میں داخل ہونے سے روک سکتا تھا۔ یہیں اس نے رہوڈس کے نائٹوں کو سمندر کی حفاظت کے لیے مالٹا کا پتھریلا جزیرہ دیا تھا۔

سلیمان اس وقت بودا میں پھنسا ہوا تھا۔ باربروسا دور تھا۔ اس کا سب سے خطرناک نائب دراگوت عارضی طور پر قید تھا۔ حسان آغا الجزائر کو فروخت کرنا چاہتا تھا اور چارلس نے ارادہ کیا کہ وہ الجزائر کو لے ہی لے گا۔ وہ ثابت قدمی سے اس مقصد پر تلا رہا۔ اسنے کج بحثی کرنے والے فرقے سے رعایت برتنی مناسب سمجھی تو لوتھر کا پیرو تھا کتاب رنگین برک کی اشاعت کی منظوری دے دی اور خود تیزی سے بحیرہ روم کی طرف روانہ ہوا۔

اس کا بحری بیڑہ اتنا طاقت ور تھا جتنا کہ حسان آغا نے طلب کیا تھا۔ دوریا کے جنگی بیڑے کے زیر حفاظت چار سو مسافر بردار جہاز تھا۔ جن میں بیس ہزار آزمودہ کار ہسپانویوں جرمنوں اور اطالویوں کی فوج تھی۔ ان کا سپہ سالار الوا کا ڈیوک تھا۔ جس کا نام ہالینڈ کی خونریزی سے ہمیشہ وابستہ رہے گا۔ تین ہزار رضا کاروں میں سلطنت کے اور بہت سے امرا شامل تھے۔ ان میں سے بعض اپنے ساتھ اپنی

بیویوں کو لیتے آئے کہ وہ جنگ کا تماشہ دیکھیں۔ سمندر میں ان کے ساتھ مالٹا کی کشتیاں بھی شریک ہوگئیں۔ جن میں مالٹا کے پانچ سو نائٹ اور ان کے سپاہی تھے بطور مہمان کے ان کے ساتھ ہرنا ندر کورٹز حتات جو تھا تو نیچی نسل سے لیکن اس نے میکسیکو کو فتح کیا تھا۔

جب بیڑے کو خزاں کے تھپیڑوں نے پناہ کی بندرگاہوں میں منتشر کر دیا تو محتاط دریا نے ضدی چارلس کو سمجھایا کہ طوفانوں کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ شہنشاہ کو اب اس مہم پر روانہ ہو چکنے کے بعد واپس لوٹنا فعل عبث معلوم ہا۔ وہ اس وقت منارکا کی بندرگاہ میں تھا۔ جہاں سے الجزائر تھوڑی دوری پر تھا۔ توقع تھی کہ چند ہی دن میں اسلامی غار کی ہلکی ہلکی دیواریں تہس نہس کر دی جائیں گی۔ بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ بوڑھا خواجہ سرا احسان آغا اس شہر کو حوالے نہ کرے گا تب بھی حسان آغا کے ساتھ صرف نو سو ترک ینی چیری اور چند ہزار ملاح اور عرب تھے۔ نہیں طوفان آئے یا نہ آئے شہنشاہ چارلس اس مہم سے پیچھے ہٹنے والا نہیں۔

کچھ تو دوریا کے تذبذب کی وجہ سے اور کچھ چارلس کی ضد کی وجہ سے مگر زیادہ تر اس وجہ سے کہ بیڑے کی کمان بٹ گئی تھی۔ اور بحری بیڑا گویا کئی تماشا دیکھنے جا رہا تھا۔ برخلاف توقع انجام پیش آیا۔ افریقہ کے سیاہ ساحل پر بڑا غیظ و غضب بڑا اشتعال اسکے بیڑے کے انتظار میں تاک لگائے بیٹھا تھا۔ ان چند دنوں میں ہسپانوی بیڑا ایک ایسے خشمناک ساحل پر پہنچا جہاں بربر اور عرب قبیلے جوق در جوق پہاڑوں سے بھر بھر کر اس کے استقبال کے لیے آموجود ہوئے چارلس کے کار

آزمودہ سپاہیوں کو ان سے کوئی ڈر معلوم نہیں ہوا۔ آسانی سے ہسپانوی فوج مسطح ساحل پر راس ماتافو کے پیچھے اترنے لگی۔ آسانی سے انہوں نے شوریدہ سر قبائلیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ہسپانوی بہادروں نے اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ غذا کے ذخیرے جہازوں سے اتار لیے جائیں۔ انہوں نے زمین کے راستے اس چٹانی علاقے کی طرف کوچ کیا جہاں الجزائر کا شہر تھا۔ جس کی فصیل پردے کی طرح تنی تھی۔ اور جہاں بلندی پر ایک گول مینار تھا۔ اکتوبر کا مہینہ تھا اس لیے گرمی کی بھی کوئی تکلیف نہ ہونے پائی۔

حملہ آور فوج نے اس چھوٹے سے قصبے کے اطراف خندقیں کھودیں اور اپنا توپ خانہ نصب کیا۔ فوج کے سالاروں کی توقع تھی کہ وہ تین دن کے اندر آسانی سے فتح حاصل کرلیں گے حسان آغا نے شہر ان کے حوالے نہیں کیا تھا۔

مغرب سے ہوا کے جھکڑ چلنے شروع ہوئے اور اس کا پورا زور راس اتھلی سی خلیج پر ٹوٹ پڑا جو متافو کے پیچھے واقع ہے۔ موسلادھار بارش شروع ہوئی سپاہی بھیگ گئے ان کے خیمے آندھی میں اڑ گئے۔ سردی سے وہ یخ ہو گئے کنارے سے سامان رسد نہ آ سکا۔ کیونکہ وہاں سمندر طغیانی کے عالم میں تھا۔ جب ہوا تھمی تو بھوکے سپاہیوں کو یہ انتظار رہا کہ کھانے پینے کا سامان آ جائے گا۔ لیکن ہوا نے پھر زور پکڑا اور بھونچال بن گئی۔ سارا بارود بھیگ کر بیکار ہو گیا۔

اب حسان آغا نے شہر کی فصیل سے نکل کر حملہ کیا۔ ینی چیری بارش میں بھی اپنے تیر کمان چلا سکتے تھے۔ اسکے عربی سپاہی جنہیں اندلس سے جلاوطن کیا گیا تھا۔ اپنے

پرانے آقاؤں یعنی ہسپانیوں سے سخت متنفر تھے۔ انکی تلواروں کی دھار میں یہی نفرت رچی تھی اس چھوٹی سی فوج کے خشمناک حملے سے محاصرین کی فوج میں ہیبت پیدا ہوگئی۔

چارلس نے اپنی سرکردگی میں جرمنوں نے حملہ کیا۔اور بہت دور تک آگے بڑھ گئے۔فصیل کے قریب اس حملے کو توپوں کی گولہ باری سے روک کر پیچھے ہٹا دیا گیا۔

اس کا نتیجہ ایسا برا نکلا کہ اگر سپاہی بھوک سے بے حال نہ ہوتے اور ساحلوں پر ایسی مصیبت نازل نہ آتی۔امیر البحر دوریا اپنی زیادہ تر کشتیاں دور سمندر میں لے گیا تا کہ ساحل سے دور طوفان کا مقابلہ کر سکے۔باربردار کشتیوں کے کپتانوں نے اس کی پیروی کرنے کے بجائے اپنی کشتیوں کو ساحل پر ٹھہرانا چاہا یہ کشتیاں ان کے قابو سے نکل گیں۔ایک سو پینتالیس کشتیاں جنگی اور باربردار ساحل پر تلف ہوگئیں۔ ان کے ملاحوں میں سے جو زندہ بچ کے ساحل پر پہنچ سکے انہیں قبائیلیوں نے تہ تیغ کر ڈالا۔قبائلی جوق در جوق جمع ہو گئے انہوں نے محافظ سپاہیوں پر قابو پالیا۔اور رسد کا جتنا کچھ سامان اتارا گیا تھا وہ سارا کا سارا لے کر چل دیے۔تین دن کے طوفان میں سارا ساحل ان حملہ آوروں سے بھر گیا جو پہلے نظر سے اوجھل تھے۔

الجزائر کی آدھی کھدی ہوئی خندقوں میں چارلس اور اس کے امراء اور مالٹا کے نائٹ الجزائر کے شہریوں کے حملوں کو روکتے رہے جو فتح کے نشے میں چور تھے۔ یہاں تک کہ سپہ سالاروں کی رائے ہوئی کہ پسپا ہوکر پندرہ میل پیچھے ہٹنا چاہیے۔اور رسد کا سامان حاصل کرنا چاہیے۔دو دن تک بھوکے رہنے کی وجہ سے سپاہی نڈھال

ہو گئے تھے۔

منجنیقیں اور توپ خانے ویسے ہی چھوڑ دیے گئے بار برداری کے جانور مار کے کھا لیے گئے۔اور کیچڑ پانی میں پسپائی شروع ہوئی۔ مالٹا کے نائٹ عقب سنبھالے ہوئے تھے صرف کورتز نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

ایک مرتبہ پسپائی شروع ہوئی تو اس عظیم حملہ آور اور فوج کی ہمت ٹوٹ گئی۔ خاص طور پر جرمن فاقہ کش کے عالم میں بہت کمزور ہو گئے تھے۔ان کی بندوقیں بے کار ہو گئیں تھیں۔ اہل قبائل تیز گھوڑوں پر سوار چکر کاٹتے۔اور کیچڑ اور پانی کے نالوں میں بھاری بکتر بند جرمنوں کی پسپائی کا مذاق اڑاتے تھے۔اس مصیبت زدہ فوج کے عقب کو مذہبی نائٹوں کا طاقت ور دستہ سنبھالے ہوئے تھا۔ایک ٹیلہ جہاں ترکوں کے ان جانی دشمنوں نے ٹھہر کر مقابلہ کیا اس کا نام مقامی بربروں نے نائٹوں کا قبرستان رکھ دیا۔

جب پسپا ہوتی ہوئی فوج ساحل پر پہنچی تو رسد کا صرف ایک ذرا حصہ ٹوٹی ہوئی کشتیوں اور مقتولین کی لاشوں کے پاس دستیاب ہو سکا۔چارلس نے یوں تو مجلس جنگ منعقد کی تا کہ یہ غور کیا جائے کہ یورپ سے سامان رسد آنے تک جم کر ساحلوں پر مقابلہ کیا جائے۔لیکن پسپائی کسی طرح رکنے میں نہ آتی تھی یہ اکتوبر کی آخری تاریخ تھی۔غصے کے عالم میں دوریا نے عرض کی کہ جاڑوں میں ان کی مدد کے لیے رسد کا قافلہ نہیں آ سکے گا۔اور اگر کہیں باربروسا اپنے بحری بیڑے سمیت ادھر آ نکلا تو عیسائی فوج کا قطعی طور پر خاتمہ ہو جائے گا......سپاہیوں کو یہی آرزو تھی کہ کسی طرح

باقی ماندہ جہازوں پر سوار ہو کے چل دیں۔

اس طرح یہ عظیم الشان مہم پسپا ہو کے سمندر میں واپس ہوئی۔ اب پھر قسمت نے دغا دی ایک تہائی جہاز تو تباہ ہو ہی چلے تھے۔ اس لیے باقی ماندہ سپاہیوں کو ایسے جہازوں میں اوپر تلے ٹھونس دیا گیا جو سمندر میں سفر کے قابل رہ گئے تھے۔ اس مہم کے لیے جو اعلیٰ نسل کے ہسپانوی گھوڑے لائے گئے تھے ان کے لیے جگہ نہیں بچتی تھی۔ مختصر وقائع عالم میں مذکور ہے ''قیصر (شہنشاہ چارلس) نے حکم دیا کہ گھوڑوں کی وجہ سے سپاہیوں کی جانیں تلف نہ ہونے پائیں۔ اس نے حکم دیا کہ گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ گھوڑوں کو اس طرح ہلاک ہوتے دیکھ کر ان کے سواروں کا دل بھر آیا''۔

سمندر میں انہیں اس سے بھی زیادہ مصیبت برداشت کرنا پڑی۔ ہوا نے پھر زور پکڑا اور طوفان بن گئی۔ شکستہ جہاز بکھر گئے اور کچھ جہاز لوٹ کر الجزائر کی بندرگاہ پہنچ گئے۔ جہاں حسان آغا نے انہیں پکڑ لیا۔ دوریا حفاظت سے چارلس کو بوجے یا کی چھوٹی سی بندرگاہ تک لے آیا جہاں ایک چھوٹا سا ہسپانوی دستہ حفاظت پر مامور تھا۔ اس دستے کے پاس غذا کی اتنی قلت تھی کہ پناہ گزین فوج کے کھانے پینے کا انتظام نہ ہو سکا۔ کشتیوں کے ملاح اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ وہ کشتیوں کو ہوا کے مخالف رخ چلا نہ پاتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد فرانسیسی بادشاہ کے ایک جاسوس نے اپنے آقا فرانس کو بوجے یا سے اس باقی ماندہ فوج کی بدقسمتی کی سرگزشت لکھ بھیجی۔ صرف ایک جہاز بوجے یا کی

اس مذکورہ بندرگاہ تک پہنچ سکا۔ اور یہاں پہنچ کر ڈوب گیا۔ جہاز مذکورہ بالا شہنشاہ کی موجودگی میں ڈوبا لیکن اس جہاز پر سے کوئی چیز بچائی نہ جا سکی۔ اس مقام پر انہوں نے جیسی بھوک سہی ویسی پہلے نہ سہی تھی۔ کیونکہ یہاں کتوں بلیوں اور جڑی بوٹیوں کے سوا کھانے کی اور کوئی چیز باقی نہ تھی...... شہنشاہ کا داماد اس طرح بچا کہ اس کے جسم پر قمیض اور پاجامہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کے ساتھ اسپین کے جو امراء تھے ان میں سے زیادہ تر ہلاک ہو گئے''۔

صقلیہ سے امداد کے جہاز آئے اور چارلس اور اس کے ساتھیوں کو اس بدنصیب بندرگاہ سے نکال لے گئے۔ سسلی کے کپتان یہ خبر لائے کہ ڈیڑھ سو جہازوں کے ساتھ باربروسا سمندر میں نکل چکا ہے (جوں ہی قسطنطنیہ پہنچ کر سلیمان کو یہ خبر ملی کہ شہنشاہ چارلس افریقہ کے ارادے سے اپنے بیڑے سمیت نکل چکا ہے اس نے باربروسا کو اجازت دی کہ تیزی سے الجزائر کا راستہ لے۔)

جن طوفانوں نے چارلس کے بیڑے کی یہ گت بنائی تھی بالآخر اسے ان سے فائدہ بھی پہنچا کیونکہ نومبر کے پورے مہینے باربروسا یونان کے جزیروں سے باہر نہ نکل سکا۔ ہسپانوی بیڑے کا کچھ کچھ حصہ سسلی میں تراپالی سے لے کر اسپین میں قرطاجنہ تک جابجا ساحل سے آن لگا۔ فرانس کے جاسوسوں نے اسے یقین دلایا کہ ''لوگوں کو جتنا کچھ معلوم ہے یہ اس سے کہیں زیادہ مہیب حادثہ تھا۔ میں حضور کے سامنے اس کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ شہنشاہ چارلس اس کو عمر بھر یاد رکھے گا''۔

چارلس نے اپنے آٹھ ہزار سپاہیوں کی ہلاکت یا اپنے نصف جنگی بیڑے کی

تباہی کی اہمیت اتنی زیادہ نہیں تھی جتنی مقدس سلطنت روما کے تین سو امراء کی موت اس سپاہی نے ایک بات بڑے پتے کی کہی تھی چارلس مدت العمر اس لمحے کو نہ بھول سکے گا جب اسے سسلی کے ایک تجارتی جہاز کے عرشے پر ایک پناہ گزین کی حیثیت سے یہ وحشت ناک خبر سنی تھی کہ ''باربروسا پھر ترکوں کے بحری بیڑے سمیت نکل آیا ہے''اس کے بعد چارلس سترہ سال اور زندہ رہا لیکن کبھی بھی اسکی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ سمندر میں نکل کر جنگ کر سکے۔

الجزائر میں جہاں بوڑھا حسان آغا' پھر سے نیابت کے فرائض سرانجام دینے لگا۔ مغرب کے بھونچال کو ایک نیا نام دیا گیا جو عرصے تک زبان زد رہا ''چارلس والی ہوا''۔

الجزائر کی شکست فاش کا بڑی دبی زبان سے ذکر کیا جاتا ہے لیکن اس کا یورپ کے سیاسی نقشے پر فوری اثر ہوا اپنے جاسوسوں کی اطلاع کو باوثوق پا کر فرانس کے متلون مزاج بادشاہ نے اسے مدت العمر کے حریف شہنشاہ چارلس سے اپنا معاہدہ فسخ کر دیا۔ ہاپس برگوں اور تنہا عثمانی سلطان سے جنگ کے نازک ترین دور سے گزرنا پڑا۔ عین اسی وقت بیلر بے مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا مدت سے اسے اس سخت سفر کرنے کا اشتیاق تھا تاکہ اطالیہ اور سپین کے ساحلوں پر چھا جائے۔ اس نے نیس کا محاصرہ کیا طولوں میں موسم سرما گزارا اور فرانسیسی بادشاہ کا مہمان بنا۔

اور چاہے جو پیش آیا ہو لیکن خیر الدین باربروسا یورپ سے جنگ جیت گیا اور یہ جنگ جیت کر اس نے سلطان سلیمان کو میڈی ٹرے نین کا مالک بنا دیا۔ چاہے کوئی

مانے یا نہ مانے۔

ایک پشت بعد ہسپانوی ناول نگار میخویل دے تھروانتس جس نے اپنے ہیرو ڈان کخوٹے کی لازوال شخصیت میں اپنے زمانے کے بکتر پوش ہسپانوی فاتحین (کون خس تے دروس کا چربہ اتارا ہے) لکھتا ہے کہ ساری دنیا مان گئی کہ سمندر میں ترکوں کا مد مقابل کوئی نہیں۔

☆☆☆

اختتام ---------------- حصہ اول

۴۔ ایشیاء میں جستجو

IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006

نظم کا راز

اب سات سال واپس چلیے۔ جون 1534ء ابھی سلیمان اہل یورپ کی جانب سے بددل نہیں ہونے پایا تھا۔ ابھی اس کا مقصد نہیں بدلا تھا۔ ایشیا میں کوئی بات ایسی ہے جو اسے اپنی جانب کھینچ کر بلاتی ہے۔ اور اسے پکا شرقی بنانے والی ہے۔

یورپ میں چودہ سال جنگ کرنے کے بعد سلیمان عالی شان اپنے باپ یاوُز سلطان سلیم کے نقش قدم پر پہلی مرتبہ اپنی آبائی زمین کا عزم کرتا ہے۔ اس نے ابھی ابھی یورپ کی جنگ بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس مقصد کے لیے اسنے ہاپس برگوں سے صلح کر ڈالی ہے۔ اس کے اپنے محل سرا میں سلطانوالدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور گل بہار غریب الوطن ہے۔ روکسے لانا سے اس کا نکاح ہو چکا ہے۔ وہ اپنے دل میں اچھی طرح سمجھ چکا ہے کہ یورپ کی انجمن میں اس کے لیے کوئی مقام نہیں۔ وہ ایک ترک ہے اور اسے ترک ہی رہنا ہے اکیلا رہنا ہے۔

اب اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ اپنا مقصد بیان کرنے کے لیے خاموشی کا سلسلہ نہیں توڑتا۔ وہ یورپ کا سب سے طاقتور تاجدار ہے۔ لیکن وہ اپنی مجلس وزراء سے روپوش ہو کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اس نے ابراہیم کو عسکر بنا کے اپنے آگے بھیج دیا ہے۔ کہ یہ متمرد یونانی میدان جنگ میں فتح حاصل کرے۔ وہ اپنے پیچھے اپنا بحری بیڑا چھوڑ آیا ہے جس پر خود اس نے کبھی قدم نہیں رکھا۔ اور جس کا بیلر بے ایک یونانی جزیرے کے ایک کسان کا فرزند ہے۔

کیا یہ سلیمان کی کمزوری تھی ممکن ہے کہ یہ بات ہو۔اسی مہینے میں دانیلو وے لدو دی زی نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ طبیعتاً وہ خاموش اور مغموم رہتا ہے۔ کام کاج سے زیادہ آرام کا جویا ہے۔کہا جاتا ہے کہ جو ایسے جلیل القدر بادشاہ کے لیے ازبس ضروری ہے ؟ کیونکہ اس نے اپنی سلطنت کی حکومت اپنے وزیر اعظم ابراہیم کے سپرد کر رکھی ہے۔جس کے بگیر نہ تو وہ خود کوئی فیصلہ کر سکتا ہے وار نہ اس کے امرائے دربار اور ابراہیم جو چاہے سلطان عالی شان سے پوچھے بغیر کر گزرتا ہے"

یہ رائے نئی نہیں۔واقعہ تو یہ ہے کہ خود ابراہی نے اسی قسم کے الفاظ کہے تھے۔ لدو دی زی کا بیان صرف ایک حد تک صحیح ہے۔اور یہ بیانان افواہوں پر مشتمل ہے جو سفیروں کے حلقے میں مشہور تھیں۔سمندر پر باربروسا بالکل خودمختار دکھائی دیتا ہے لیکن دراصل ایک ریشم کا دھاگہ جس کا ایک سرا سلیمان کے ہاتھ مں ہے اسے جس طرح چاہتا ہے نچاتا ہے دراصل اب تک ابراہیم نے جو کچھ کیا سلیمان ہی کی مرض سے کیا۔سلیمان کی طاقت فولادی تلوار کی سی ہے یہ تلوار لاکھ نیام میں سہی شاید سب سے زیادہ سلیمان اپنی طبیعت کے وحشی پن سے خائف ہے اور اسے دبائے رکھنا چاہتا ہے۔

پھر وہ ایشیا کیوں جا رہا ہے؟ اس نے روکسے لانا کو بہت سے راز بتا دیے ہیں۔ لیکن روکسے لانا گپ شپ کرنے والی نہیں۔اس طویل سفر پر اس نے اسے اپنے ساتھ بھی نہیں لیا ہے۔اسی کے بعض لفظوں سے اس حقیقت کی تہ تک پہنچنے میں کوئی نہ کوئی مدد تو ملے۔اس کے مختصر روزنامچے سے نہیں بلکہ اس کی ایک بھونڈی سی نظم سے

جس میں اس نے اپنا تخلص طالب باندھا ہے۔

ایک غزل میں اس آرزو کا اظہار کیا ہے۔

''جس نے قلندری پسند کی اسے محلسرا کی حاجت نہیں''

''اسے فقر و غنا کی حاجت نہیں وہ صرف درد دل کا طالب ہے''۔

ان دو بیتوں مٰں ایک طرح کا احساس عقوبت ہے۔مزید دو بیتوں میں یہی رنگ اور گہرا ہے ''جس کا دل داغ داغ ہے اسے سیر باغ سے حظ حاصل نہیں ہو سکتا'' ایک جگہ تو سلیمان صاف لکھ جاتا ہے:

''وہ چیز جو سلطنت کہلاتی ہے عالم گیر جنگ اور مسلسل جدال کے سوا کچھ نہیں'' سارے عالم میں اگر کہیں راحت ہے تو صرف فقیر کے تکیے میں۔

یہ ایک خواہش و آرزو تھی جس کو سلیمان نے ذرا بھونڈے پن سے ادا کیاہ۔ دراصل وہ ایسی سلطنت کا خواہاں نہیں تھا جس کی بنیاد جنگ و جدال کی قوت محض پر ہو۔لیکن درد دل کی بنیاد ایک عالم گیر اخوت پر ہے اور وہ خود صاحبدلوں کے حلقوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔وہ جانتا تھا کہ یہ طلب بیکار ہے۔کیونکہ جس قناعت وفقر کا اس نے ذکر کیا ہے جو حوادث و افکار سے پاک تھی وہ اس کے لی یا یک ناممکن الحصول شے تھی۔

اپنی ساری قوت استقلال کے ساتھ اس نے نصب العینی طرز حکومت کی تلاش ایشیاء میں شروع کی۔یورپ میں تو وہ ناکام ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اوگیر بوزبک نے کیا دیکھا

ترکی دربار میں حکومت آسٹریا کا آخری سفیر ایک مہربان طبیعت کا امیر تھا جو بلجیم کا رہنے والا تھا اور چونہ وہ ایک طرح کی نظر بندی کے عالم میں رہتا تھا۔ اسے اس آزمائش امتحان کے سخت ترین دور میں سلیمان کی طبیعت کا مطالعہ کرنے کا بڑا نادر موقع حاصل تھا۔ اوگیر گیزلین دے بوزبک فلسفی بھی تھا اور اسے علم حیاتیات کا بھی چسکا تھا۔ سلطان کے ساتھ ایشیا کے سفر کے دوران میں اس نے بہت سے عجیب عجیب جانور اکٹھے کر لیے تھے جن مٰں ایک سیاہ خرگوش بھی شامل تھا۔ اور ایک مادہ کلنگ تھی جو سپاہیوں سے بہت مانوس ہو گئی تھی۔ اور انہیں کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ اور ایک آدھ مرتبہ اس نے انڈے بھی دیے تھے۔ ایک سدھایا ہوا سور بھی تھا۔ جس سے ایک خاص کام لیا جاتا تھا۔ بلجیم کا رہنے والا یہ قاصد اس کے گلے میں ایک تھیلی باندھ دیتا جس میں اس کے خفیہ پیغامات ہوتے۔ مذہب کے پابند ترک سور کو ناپاک سمجھ کر اسے ہاتھ نہ لگاتا اور اس سے معترض نہ ہوتے تھے۔

بوزبک کی طبیعت میں غائت درجہ کا تجسس تھا۔ شاید ہی کسی اور اجنبی نے سلطان اور اس کی رعایا کا ایسا غائر مطالعہ کیا ہو۔ اس نے کسی نہ کسی طرح اسکا بھی بندوبست کر لیا کہ عید بیرام کی ضیافت کو دیکھنے کا اسے موقع مل جائے۔

''میں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایک سپاہی کو انعام دینے کا وعدہ کریں اور وہ مجھے اپنے خیمے سے جو ایک پہاڑی کی بلندی پر واقع تھا۔ سلطان کے

شامیانے کا منظر دیکھنے کا موق دے۔ میں صبح تڑکے اس کے خیمے میں پہنچا۔ میں نے وہاں بہت بڑا مجمع دیکھا۔ سارے لوگ عمامے باندھے تھے وہ ایک امام کی قیادت میں نماز ادا کر رہے تھے۔ جماعت میں صفوں میں بڑا نظم وضبط تھا اور وہ مقام جہاں سلطان کھڑا تھا اسے نزدیک اور دور صفیں صاف صاف نظر آتی تھیں۔

''یہ بڑا دلکش منظر تھا برف کی طرح سفید عمامے اور فوجیوں کی زرق برق وردیاں، کہیں کھانسی تک کی آواز نہ سنائی دیتی کسی کی گردن تک اور سمت جنبش نہ کرتی۔ ترکوں کا قول ہے کہ جب پاشاؤں سے بات چیت کرنے میں ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے تو خدا کی عبادت میں جس قدر ادب و تعظیم ہو کم ہے۔

''نماز کے بعد صفیں منتشر ہو گئیں اور پورا میدان رواں دواں مجمع سے بھر گیا۔ سلطان کے ملازمین ناشتہ کا خوان لے کر حاضر ہوئے۔ اور دیکھیے ادھر ینی چیری زندہ دلی سے کھانے کے طبقوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ پرانی رسم ہے۔ عید کے دن ہر ایک کو بڑی آزادی حاصل ہوتی ہے''۔

بوزبک بڑا محتاط آدمی تھا لیکن چونکہ اس کا خیمہ خاصہ کے ینی چیریوں کے خیمہ گاہ کے قریب تھا۔ اس لیے اس نے ہمت کر کے بھیس بدلا تاکہ اچھی طرح گھوم پھر کے وہ اس خیمہ گاہ کو دیکھ سکے۔ اریورپ کے عسکر سے ان کا مقابلہ ان الفاظ سے کرتا ہے:

''میں نے دیسی عیسائیوں کا لباس پہنا اور ایک دو ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل کھڑا ہوا۔ پہلی چیز جسے میں نے خاص طور پر محسوس کیا یہ تھی کہ ہر رسالہ اپنے خاص حصے میں رہتا ہے۔ اور سپاہیوں کو اس حصے سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ ہر جگہ

انتہائی نظم وضبط تھا خاموشی چھائی رہتی تھی۔ کہیں لڑائی جھگڑے یا زبردستی چھین جھپٹ نہ تھی۔ ہر جگہ صفائی تھی کہیں بول و براز کی گندگی نہ تھی۔ بول و براز کیلیے گڑھے کھودے جاتے تھے۔اور پھر انہیں تازہ مٹی سے بھر دیا جاتا تھا۔

''پھر یہ کہ میں نے کہیں شراب نوشی اور قمار بازی نہیں دیکھی۔ یہ دونوں ہمارے یورپ کے سپاہیوں کی لعنتیں ہیں۔ترکوں کو تاش کھیلنے میں پیسے کھونے کا ہنر نہیں آتا۔

''میرے من میں بھی یہ سمایا کہ میں ان جھاڑیوں کی بھی سیر کر آؤں جہاں قصائی بھیڑیں ذبح کرتے ہیں۔چار یا پانچ ہزار ینی چیریوں کے لیے کل چار یا پانچ بھیڑیں ذبح کی گئیں تھیں میں نے ایک ینی چیری کو دیکھا جو ایک چوبی مشقاب میں کھانا کھا رہا تھا۔جس میں شلجم پیاز لہسن اور ککڑی کا ایک مرکب سالن تھا جس میں ذائقے کیلیے نمک اور سرکہ ڈالا گیا تھا۔یہ سپاہی ترکاریاں اتنے مزے لے لے کر کھا رہا تھا کہ گویا وہ تیتر کھا رہا ہے۔یہ لوگ پانی کے سوا اور کچھ نہیں پیتے تھے۔

''میں نے روزے کا افطار سے ذرا قبل ان سپاہیوں کے خیمے اور ان کا طرز عمل دیکھا تو اور بھی متحیر ہوا۔عیسائی سرزمینوں میں روزوں کے زمانے میں باقاعدہ شہروں میں بڑا ہنگامہ 'لہو ولعب شراب نوشی اور بے اعتدالی ہوتی ہے۔لیکن ترک رمضان کے مہینے میں پہلے کھانے پینے کی کوئی خاص افراط نہیں برتتے۔ بلکہ رمضان سے پہلے ہی وہ اپنی غذا ذرا کم کر دیتے ہیں تا کہ آسانی سے روزہ رکھنے کی عادت پڑ جائے۔

''یہ سب فوجی نظم وضبط کا اور اس سخت قانون کا کرشمہ ہے جو انہیں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ ترک کوئی جرم معاف نہیں کرتے۔ جو سزائیں ان کے ہاں ہیں یہ ہیں۔ تنزل، برطرفی، ضبطی جائیداد، تازیانہ اور سزائے موت، ینی چیریوں پر بھی سزائے تازیانہ عام لوگوں کی طرح عائد ہوتی ہے۔ اگر جرم سنگین ہوتا ہے تو تازیانے کی حد عائد کی جاتی ہے۔ اگر جرم سنگین ہو تو انہیں خدمت سے موقوف کر دیا جاتا ہے۔ یا ان کا تبادلہ کسی اور رسالے میں کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ ان سزاؤں کو موت سے بدتر سمجھتے ہیں''۔

اور گیر بوز بک کو حیرت ہوتی تھی کہ کس تحمل سے یہ لوگ سزا یا تکلیف پا کر برداشت کرتے تھے۔ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ ینی چیری اس پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہ تازیانہ کی مار سے بے ہوش ہو جائیں تاکہ وہ اپنے ساتھیوں سے ہٹا کے اور کہیں تبادلہ کر کے نہ بھیج دیے جائیں۔ اتفاق سے ترکوں کی ایک بڑی بنیادی کمزوری کا بھی وہ ذکر کر گیا ہے۔ جب وہ تجربہ کار ینی چیریوں کا ذکر کرتے کرتے لکھتا ہے کہ وہ اپنی کلغیوں پر بڑا فخر کرتے ہیں تو وہ ترکوں کی عام کمزوری بیان کرتا ہے۔ اپنے ملبوس کو زرق برق بنانے اور سج دھج کا ترکوں کو بڑا شوق تھا۔

ینی چیریوں کے آغا اپنی سال بھر کی تنخواہ چاندی کے کام کی زین خریدنے میں صرف کر دیتے تھے۔ سنجق بے زرتار خریدنے میں مصروف ہو جاتے تھے رکن الدولہ ابراہیم اور خود سلطان نے اس ذاتی کروفر اور نمود کی نظیر قائم کی تھی۔

☆☆☆

ایشیائی غنیم

سلیمان دریائے نیل کے کنارے کے متمول شہروں کی سیر کو نہیں نکلا تھا۔ نہ اس کا ارادہ مکہ مکرمہ اور بیت المقدس کی زیارت کا تھا۔ ان مقامات مقدسہ کی زیارت وہ کبھی نہ کر سکا۔ وہ شمال مشرق کے سنگلاخ علاقے کی سمت جارہا تھا۔ جہاں سے اس کی سلطنت کے لیے خطرہ پیدا ہو رہا تھا۔ وہ اسی راستے سے جارہا تھا جس راستے سے عثمانی قبائل کے قافلے مغرب کی سمت میں آتے تھے۔ اور جو مسئلہ اسے درپیش تھا اس کا حل تقریباً ناممکن تھا۔

سرزمین فارس کی طاقت بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اس کا دباؤ اس کی مشرقی سرحدوں پر پڑ رہا تھا۔ لیکن وہ فارس کے صفوی بادشاہوں سے کوئی کنگ عظیم کرنے کا خواہاں نہیں تھا۔ اور نہ ہی بڑی جنگ اس کے لیے اس وقت ممکن تھی۔ یہاں مشرق میں سلطان سلیم یاوز اور اسی کے جیسے تشدد پسند شاہ اسماعیل میں بڑی خونریز لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ جس سے ترکوں اور ایرانیوں دونوں قوموں کو بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ اس تصادم کی تلخی دونوں نے محسوس کی تھی اور کہا جاتا ہے کہ اس جنگ کے بعد شاہ اسماعیل کے ہونٹوں پر کبھی ہنسی نہ آئی۔

اس چودہ سال کے عرصے میں جب سلیمان یورپ کے معاملات میں مصروف تھا اس نے مشرق قریب میں اس اصول پر عمل کیا کہ خود بھی آرام کرے اور دوسروں کو بھی آرام سے بسر کرنے دے۔ دریائے ڈان میں اس کے جہاز ماسکو کے عظیم

شہزادوں کی سرحدی چوکیوں سے تجارت کرتے تھے۔ اسنے ہندوستان کے مغل شہنشاہوں اور سمرقند کے ازبک ترکوں کو تحفتاً ینی چیری سپاہی اور توپ خانے بھیجے تھے تاکہ وہ اپنی طاقت کو استعمال کیے بغیر اپنی طاقت کی نمائش کر سکے۔

تبریز میں جو ایران کا پایۂ تخت تھا۔ شاہ اسماعیل صفعی جو اثنا عشری مذہب کا پیروکار اور صوفی منش بادشاہ جب تک زندہ رہا پہلی خونریز جنگ کے بعد ترکوں سے امن قائم رکھے رہا۔ حالانکہ اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کا بیٹا طماسب جب تخت نشین ہوا تو اس نے زیادہ حقیقت پسندی دکھائی۔ جس زمانے میں سلطان سلیمان مشرق سے دور تھا اس نے ترک علاقے میں بطلیس پر قبضہ کرلیا جو جھیل وان کے علاقے میں ایک بڑا مستحکم قلعہ تھا۔ ایرانی شہسوار دریائے دجلہ پر بغداد کے قریب نمودار ہو چکے تھے۔ اس کے دربار میں اہل وینس کے جو سفیر تھے وہ اسے اسی طرح کے حملوں پر اکسا رہے تھے۔ اور بڑی ہوشیاری سے اس کی کوشش کررہے تھے کہ ترکوں کے عقبی محاذ پر شاہ ایران پوری قوت سے یورش کرے انہیں توقع تھی کہ اس جنگ کی وجہ سے وی آنا اور بحیرہ روم پر ترکوں کا دباؤ کم ہو جائے گا۔ کاش یہ ہو سکے (کچھ عرصہ بعد بوزبک یہی لکھنے والا تھا ''ہمارے اور بربادی کے درمیان صرف ایرانی حائل ہیں)۔

اس محاذ پر سلیمان کی کمزوری یہ تھی کہ اس کی سرحد بہت دور تک پھیلی ہوئی تھی اگر آسٹریا کی سرحد شمال مغرب میں قسطنطنیہ سے ہزار میل دور تھی تو مشرق میں ایران کی سرحد بھی ہزار میل دور تھی چونکہ ترک فوج نقل وحرکت کا دارومدار گھوڑوں کے لیے گھا

س چارے کی فراہمی پر تھا اس لیے یہ ناممکن تھا کہ ایک ہی سال میں ترک فوج دونوں محاذوں پر پیش قدمی کر سکے۔ فوج کا تقاضا یہ تھا کہ ہر محاذ پر سلطان ہی اس کی قیادت کرے، اور سلطان کے ساتھ ساتھ حکومت کا سارا نظم ونسق سفر کرتا تھا۔ ابراہیم نے اسے بڑی ترغیب دلائی کہ وہ ایران کو کچل ڈالے اور اس مہم کو اتمام کو پہنچائے۔ ج کا آغاز سلطان سلیم نے کیا تھا۔

سلطان جو حرمین اور شریفین اور تمام مقامات مقدمہ میں امین سمجھا جاتا تھا یہ گوارا نہ کر سکتا تھا کہ بغداد شریف اس کے قبضے سے نکل جائے۔ شاعروں نیاس کی مدح میں قصیدے لکھے اسے شہریار دشمن کش کے لقب سے یاد کیا۔ وہ سلطنت عثمانیہ کا سرتاج تھا جس کی پیدائش ہی جنگ کے میدانوں میں ہوئی تھی۔ اور وہ یہ گوارا نہ کر سکتا تھا کہ پرانے ترک قلعوں پر غیروں کا قبضہ ہو جائے۔ اور وہ چپ رہے اس کے آغازوں نے اسے یاد دلایا کہ اگر یاوز سلیم زندہ ہوتا تو وہ سارے فارس کو تہ تیغ اور نذر آتش کر ڈالتا۔

اس مسئلے کو بھی سلطان سلیمان نے اپنے ہی خاص انداز میں حل کر لیا۔ وہ خود قسطنطنیہ میں ٹھہرا رہا ارو حالات کا مشاہدہ کرتا رہا یورپ والوں کا دل بہلانے کے لیے باربروسا کو استعمال کرتا رہا۔ اور اس نے اپنی بیشتر فوج کو ابراہیم کی سرکردگی میں بغدار کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔

لیکن ابراہیم نے اس کے احکا کی خلاف ورزی کی۔ بجائے بغداد کو دوبارہ تسخیر کرنے کے وہ جھیل وان کے اطراف کے پہاڑوں میں گھس گیا۔ بڑی سیاسی سے

اس کے سرحد کی چوکیوں پر قبضہ کیا۔ پھر بلندی سے میدانوں میں اتر کو وہ شاہ طماسب کے پایہ تخت تبریز میں گھس گیا جہاں کے گنبد نیلمیں مینا کاری کام کی وجہ سے مشہور تھے۔ کوئی معرکے کی لڑائی نہ ہونے پائی کیونکہ ایرانی اپنی اصلی ایرانی فوج کو ینی چیریوں اور ترک توپ خانے کے مقابل نہ لانا چاہتے تھے۔ وہ پیش قدمی کرتے ہوئے ترک عسکر پر ادھر ادھر سے چھاپے مارتے رہے۔ ان ایرانی سواروں کے تعاقب میں جو دستے بھیجے جاتے انہیں گھیر کر تہ تیغ کر ڈالا جاتا۔ ترکوں کی اصلی فوج کو تبریز میں سرما گزارنے پر مجبور ہو جانا پڑا کیونکہ پہاڑوں پر برفباری ہو رہی تھی۔ مزید برآں ترک فوج کو سلطان کے موجود نہ ہونے کی بڑی سخت شکایت تھی۔

قاصدوں نے سلطان کو یہ پیغام پہنچایا "تبریز میں وزیر اعظم کا یہ حال ہے کہ وہ فتح کے نشے میں چور ہے۔ وہ قسمیں کھاتا ہے کہ فتح و ظفر اس کا نصیب ہے۔ اور ایسی فتوحات حاصل کرنا سلطان المشرقین والمغربین کے بس کی بات نہیں"۔

اور پھر ایک قاصد نے سلیمان کو فوج کے نام جاری کیا ہوا ایک فرمان دکھلایا جس میں ابراہم نے اپنا لقب سر عسکر سلطان تحریر کیا تھا۔

در یک اقلیم دو سلطان نہ گنجد ابراہیم کے دستخط اور یہ تحریر دیکھتے ہے سلطان نے فوج کی قیادت خود سنبھالنے کے لیے مشرق کا رخ کیا۔

☆☆☆

اس سفر میں اس کا راستہ انوکھا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ اہل ایشیا کے سے ان کے گھروں میں ملتا جا رہا تھا۔ وہ ایک ایسی طاقت کے مقابلے کے لیے بڑھ رہا تھا جسے توپ خانے یا ینی چیریوں کے ذریعے نہ روکا جا سکتا تھا۔

ایران کے نئے شاہان صفعی خرقہ پوش صوفی تھے۔ اور وہ طرح طرح کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کا اپنا اثنا عشری مشرب سارے ایران کا مذہب بن چکا تھا۔ وہ سلطنت عثمانیہ کے زاہدوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور یہ زاہد انہیں بدعتی کہتے تھے۔ اہل ایران کی نظر میں شاہ اسماعیل کو ولی اللہ کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ وہ اس کے معجزوں کے قائل تھے یہ تحریک اناطولیہ میں پھیلنے لگی تھی اور بیک تاشی درویش اس سے متاثر ہو چلے تھے۔ اس علاقے میں سفر کرنے میں سلطان سلیمان ایک نئی مذہبی تحریک کے مقابل روانہ ہو رہا تھا جس کا زور و شور طوفان کا سا تھا۔

اپنے علاقے میں اس مذہبی بے چینی سے دوچار ہونے کا اس نے یہ طریقہ سوچا کہ ایک حاجی کا بھیس بدل کے اور محض چند ساتھیوں کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے۔ جنوب کے علاقے میں وہ کچھ عرصہ کے لیے قونیہ میں ٹھہرا جو سلجوقی سلاطین کا پائی تخت تھا۔ یہاں اس نے فخر اولیاء و شعرا مولانا جلال الدین رومیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کی ل اس روضہ اقدس کے مینار آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ یہاں مولوی حلقے کے درویشوں کو اس کی آمد سے بڑی مسرت ہوئی اور وہ جوق در جوق اس کے

گرد جمع ہو گئے۔ وہ عود و سرود کے ساتھ عالم حال میں اس کے سامنے رقص و وجد کرتے تھے۔ اور جب عالم بسط سے حالت کشف میں واپس آتے تو سلطان کو روحانی بشارت دیتے کہ اسے فتح وظفر نصیب ہو گی۔

مشرق میں وہ جتنا آگے بڑھتا گیا قسطنطنیہ سے زنجیر کی کڑیاں ڈھیلی ہوتی گئیں اب اسکے اطراف میں جو انسان تھے وہ تعلیم اور خود دونوں سے بے بہرہ تھے۔

تنگ کلاہیں پہنے ہوئے درویش بیک تاشی عصا بند قلندر اس سے ملنے سراؤں میں جمع ہوتے یا اسکے خیمے پر پہرہ دیتے۔ دبلے پتلے سانولے لوگ صدا لگاتے سلطان سلیمان قانونی' سلطان سلیمان فاتح وہ خوش طبعی سے کہتے ''خدا کا شکر ہے کہ آپ زندہ سلامت ہیں آپ اب محض ایک نام نہیں ہیں۔ ہم اپنی آنکھوں سے آپ کو زندہ سلامت دیکھ رہے ہیں۔ آپ خود تو مزعفر کھا رہے ہیں آپ ہم فقیروں کا یا عطا کریں گے۔

کسان جو ٹانگیں پھیلا پھیلا کر چلنے کو آتے تھے اس کے آگے پھلوں کی ٹوکریاں پیش کرتے اور لڑکے چلا چلا کر کہتے ''دچلپی بزا اونوت ما'' (آقا ہمیں بھول نہ جانا)۔

سلطان سلیمان سرخ مٹی کے میدانوں سے ہوتا ہوا پہاڑوں کی سنگلاخ بلندیوں تک پہنچا۔ بیک تاشی بابا اس کے سپاہیوں کے ساتھ دوڑتے جاتے اور رات کو الاؤ کے گرد چھوٹے چھوٹے معجزے دکھاتے جاتے۔ اس کی طرف دیکھ کر وہ اس سے پوچھتا سلطان خاں اس دور دراز شہر میں آپ کیا کرتے ہیں؟''

''میں پانی لانے کے لیے نہریں کھدواتا ہوں''

''وہی پانی پاک ہے جو خدا کی بنائی ہوئی ندیوں اور چشموں سے بہتا ہے۔ایسی فصیلوں کے بنانے کا کیا فائدہ جو مسمار ہو کے ایک دن ویران کھنڈر بن جائیں گی؟''

سلطان بازنطینی محلوں کے کھنڈروں کا تصور کرنے لگا۔ رومیوں کے بنائے ہوئے ستون اب سیاہ پڑ گئے تھے اس نے پوچھا ''اور کیا؟''

سلطان المشرقین والمغربین کے ساتھ جو لاؤ لشکر ہے اور مال و دولت کے خزانے ہیں۔آپ یہ خزانے ساتھ کیوں لائے ہیں۔فرنگی کافر دولت کو خوردونوش کے لیے استعمال کرتے ہیں۔مگر آپ کو کھانے پینے کی جس چیز کی ضرورت ہو آپ کے فرمائش کرنے کی دیر ہے ہم اسے خود بخود حاضر کر دیں گے۔آپ فوج کو ساتھ لائے ہیں لیکن شاہ ایران نے ہمیں صرف غزلیں لکھ لکھ کر بھیجیں جن میں بغاوت کی ترغیب دلائی۔نہیں ہم نے بغاوت نہیں کی۔لیکن اس کی غزلیں بڑی پیاری ہیں وہ لکھتا ہے کہ ابر و باراں کے ساتھ آیا اور آفتاب عالم تاب کے ساتھ چمکا اور بہت جلد میں روم کا شہریار بن جاؤں گا''۔

ایرانی ترک علاقے کو روم کہا کرتے تھے۔جہلا اسی سر زمین کو رومۃ الکبریٰ سمجھتے تھے۔یہاں آبادی کا بڑا حصہ ایسا تھا کہ جس کے دماغ کھیتوں اور جنگلوں کی طرح اب بھی ویسے ہی تھے جیسے ہزارہا سال پہلے۔سلیمان صندل کے دھوئیں اور بادیہ کی خشک خوشبو سے بہت متاثر ہے۔

''یہ اشعار شراب ارغوانی کی طرح ہیں اس کے دل میں بھی آرزو تھی کہ اس کا اپنا

کلام بھی اسی طرح درد واثر میں ڈوبا ہوا ہو۔ یا بیک تاشی باباؤں کی طرح وہ بھی اپنے ترنم سے سامعین کو محو کر سکے"۔

"شراب ارغوانی نہیں شراب طہور"۔

سلیمان نے منبع کے قریب دریائے فرات کو پار کیا۔ وہ پرانے پتھریلے مکانوں والے دیہاتوں سے ہوتا ہوا گزرا جہاں پرانی وضع کے مطابق عورتیں نقاب نہیں پہنتی تھیں۔ گندم کے کھیتوں سے محبت کرتی تھیں۔ یہاں بھی لوگ دوزانوں ہو کے اس سے دانش و برہان سیکھنا چاہتے اور زندگی کے رموز سربستہ کے متعلق اس سے دریافت کرتے "یہ زمانہ برا ہے کیا خدا نے بدی کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ بنی نوع انسان گمراہ ہو جائے"۔

تعز من تشاء وتذل من تشاء

"یہ کیونکر خدا کی ہدایت کی کیا پہچان ہے۔ سلطان المشرقین والمغربین یہ فرمائیے کہ کس برہان کے مطاق آپ نے مشرق کی جانب عنان پھیری ہے؟"

"کون سی برہان؟" یہی نا کہ گستاخ ابراہیم کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

اوپر پہاڑیوں میں آرمینیوں کے کلیساؤں کے گنبدوں میں گھنٹے بج رہے ہیں۔ سیاہ جنگل کے اس پار پہاڑوں کی سفید پوش چوٹیاں اس کے راستے کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ کئی دن تک وہ ایک چوٹی کو دیکھتا رہا جو دور نگہبانی کر رہی تھی جو دھوپ سے چمکنے لگتی اور جب دن ڈوبتا اور رات کے پہلے تارے نکلتے تو وہ ایک نئے روپ میں نظر آتی جب وہ اخلت پہنچا تو گھوڑے سے اتر کے اپنے خانوادے کے بانی دس

پشت پہلے کے سلطان عثمان کے مزار پر حاضر ہوا۔اور یہاں اس نے سوال کرنے والوں کو جواب دیا ’’اس برہان کے مطابق میں نے اپنی عنان مشرق کی طرف پھیری ہے‘‘۔

اس کے اطراف چٹانوں کی بلندیوں پر وحشی کرد قبیلوں کے الاؤ سے آگ کے نوکدار شعلے نکلتے نظر آتے تھے۔کرد سردار بڑا زرق برق لباس پہنے پہاڑوں سے اتر اتر کر سلطان کے دیدار کو حاضر ہوتے ابھی تک انہوں نے محض اس کا نام ہی سنا تھا۔

سلطان انہیں مرحبا کہتا اور دل میں سوچتا ابراہیم آسانی سے اپنے عہدے کا ذمہ داری سے سبکدوش نہ ہوگا۔اور نہ میں سبکدوش ہو سکتا ہوں۔اس کے ذہین میں لمحہ بھر کے لیے یہ خیال بھی آیا کہ کیوں نہ کمر سے تلوار کھول دوں اور اپنے دربار اور سلطنت کے افکار کو ہمیشہ کے لیے خیر بار کہہ کے بیک تاشی درویشوں کے تکیے کا سہارا راستہ لوں اور وہاں باقی عمر اللہ کی یاد اور مراقبے میں گزار دوں۔لیکن اس کا دادا بایزید اسی ارادے سے قسطنطنیہ سے نکلا تھا۔اور راستے میں مارا گیا تھا......

اوائل خزاں میں وہ ترک عسکر تک پہنچ گیا تھا جو تبریز کے پہاڑوں میں اس کا منتظر تھا۔اس نے فوج کی کمان ابراہیم کے بجائے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔بہت سے افسروں نے اس کی رکاب پکڑنے کی عرض کی کہ عسکری سرما کی شدت سے فاقہ کرر ہے ہیں۔لیکن اسنے ان کی بات نہیں سنی۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ جوں ہی فوجیوں نے سلطان سلیمان کا پرچم دیکھا جس پر سات سفید گھوڑوں کی دمیں آویزاں تھیں ان کی ہمت پھر عود کر آئی تھی۔وہ کیچڑ اور

برف سے گزرتا ہوا انہیں دجلہ وفرات کے صحرا میں نکال لایا۔ راستے میں قافلے سے باربرداری کے گھوڑے مر گئے اور بھاری توپ خانے کو پیچھے کیچڑ میں دفن کرنا پڑا۔ جہاں چھاپہ مار اس کا سراغ نہ لگا سکیں۔

صحرا میں پہنچ کر ترک فوج سرما کی شدت اور ایرانی چھاپہ ماروں کے حملے سے محفوظ ہو گئی۔ سلیمان نے دجلہ کے کنارے کنارے بغداد کا رخ کیا۔ اور اس شہر کو فتح کرنے کے لیے یہیں موسم سرما گزارنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ خلفائے عباسیہ کے اس پرانے دارالسلطنت میں پہنچا تو اس نے سختی سے فوجوں کو منع کر دیا کہ قطعاً لوٹ مار نہ ہونے پائے۔ اور یہاں کے باشندوں کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ لیکن یہ شہر اب محض اپنی گزشتہ عظمت اور ہارون الرشید کی یادکا ایک ڈھانچہ ہو کر رہ گیا تھا۔

بغداد پہنچ کر فوج کی ہمت کئی گنا بڑھ گئی سلطان ہی کے طفیل میں فوج بغداد خدا داد تک پہنچ پائی تھی۔ یہاں سلطان نے درحقیقت خلفائے عباسیہ کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ اب قبائے خلافت سچ مچ اس کی قامت پر راست آئی۔

درگاہ حضرت غوث الاعظم کے ایک مجاور نے سلطان سلیمان کے متعلق یہ تقریر کی: ”کہ مجھے سلطان میں ایک ایسی صفت نظر آئی ہے جو اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملی ہے۔ یہ صفت علم اور حلم کی آمیزش ہے۔ میری نظروں نے آج یہ منظر دیکھا ہے کہ ید بیضا نے تلوار کھینچی ہے میں بوستان معرفت میں خلیفہ دوراں کو دیکھ رہا ہوں“۔

☆☆☆

اسکندر چلپی کا مقدمہ

ان سردیوں میں سلطان کو ابراہیم کے مقدمے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جس کی حیثیت اس کے ہمزاد کی سی تھی۔ یہ بات ٹلنے والی نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ تھا جس پر اسکندر چلپی کے جانے پہچانے خط میں چند الفاظ درج تھے یہ الفاظ ایسے تھے کہ سلطان کو بنفس نفیس مجبوراً ابراہیم کے مقدمے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ کیونکہ ابراہیم اپنی حقیقت بھول گیا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اپنی مدت کے لمحے میں قسم کھا کے اقرار کرتا ہوں کہ اسکندر چلپی دفتر دار اس جرم کا گناہ گار ہوں کہ میں نے فوجوں کے سامان کی رسد کی رقم سے کچھ غبن کیا ہے۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مجھ غدار نے ایرانیوں کے ساتھ مل کر اپنے آقا سلطان کو شکست دینے کی سازش تیار کی تھی۔ میں یہ بھی قسم کھاتا ہوں کہ وزیر اعظم ابراہیم اس جرم و غداری میں میرا شریک تھا۔ مزید برآں اسنے کچھ قاتلوں کو رقم بھی دی تھی کہ وہ سلطان کو قتل کر ڈالیں"۔

سلطان جانتا تھا کہ یہ سب کذب و افترا ہے لیکن بہت سے لوگوں کو اس کا علم تھا کہ اسکندر چلپی کی یہ تحریر سلطان تک پہنچ گئی ہے' اور مرنے سے پہلے جھوٹی قسمیں نہیں کھایا کرتا۔

سلیمان نے بڑی احتیاط سے وزیر خزانہ کے مقدمے پر غور کیا۔ اسکندر چلپی ترک تھا' پرانی روایات کا پابند تھا اور ذہین طبع ابراہیم سے اس کی رقابت سالہا سال

سے چلی آتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر خدم و حشم اور شان و شوکت دکھانے کی کوشش کرتے رہتے۔ بدقسمتی سے سلطان نے سکندر چلپی کو ابراہیم کا نائب بنا کر اس مہم پر روانہ کیا تھا۔

اس کے بعد ان کی رقابت جان لیوا عناد تک پہنچ گئی۔ ایک دن جب کہ سکندر چلپی نے کوچ کے لیے خزانے کے صندوقوں پر مہر لگوائی تو ابراہیم کے محافظ دستے کے سپاہیوں نے اس کے ماتحتوں پر چوری کا الزام لگا کر انہیں گرفتار کر لیا۔ یہ بڑی بے وقوفی کی حرکت تھی۔ غالباً اس کا بدلہ لینے کے لیے چلپی نے ابراہیم کو تبریز پر حملہ کرنے اور نام و نمود حاصل کرنے کا سبز باغ دکھلایا۔ وزیر اعظم نے اپنی نادانی سے یہ حماقت بھی کی۔ اور یہ الزام لگایا کہ فوج کو ایرانیوں کے مقابل اس لیے کامیابی نہیں ہوئی کہ اسکندر چلپی نے رسد کا اچھی طرح انتظام نہیں کیا......

یہ الزام عائد کر کے ابراہیم نے اس بوڑھے ترک اسکندر چلپی کو قتل کرا دیا۔ چلپی کو ابراہیم سے اس قدر نفرت تھی کہ اس نے مرتے وقت اس اقرار نامے کو تحریر کیا جس میں ابراہیم پر اس نے سازش اور غداری کا الزام عائد کیا۔

نہیں اس کے الفاظ میں کوئی صداقت نہیں۔ صرف بین السطور یہ حقیقت واضح ہوتی تھی کہ وہ اتنا ہی بے قصور تھا جتنا کہ وزیر ابراہیم۔ جس نے اسے بے وجہ قتل کرا دیا تھا۔ ابراہیم ہی نے سلیمان کو ایرانیوں سے جنگ پر اکسایا تھا۔ اپنے آپے سے باہر ہو کے ابراہیم نے اسی جگہ سلطان کے لقب کے سامنے دستخط کیے تھے۔ وہ سلیمان کو قتل تو نہیں کرانا چاہتا تھا مگر اپنے آپ کو محسن سے بڑا آدمی سمجھنے لگا تھا......

اس شام کو تیرہ سال ہو گئے تھے جب سلطان نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے دوست ابراہیم کو کبھی بے عزت کر کے وزارت کے عہدے سے برطرف نہیں کرے گا......

اس دوران کتنی ہی بار ابراہیم نے اپنے ترک آقا کو کند ذہن ظاہر کرنے کے لیے تحقیر کا اظہار کیا تھا...... پھر بھی اگر اس کی کوئی ایسی خطا تھی جو کسی طرح معاف نہیں کی جا سکتی تھی تو وہ اسکندر ہی چلپی کا قتل تھا۔

سلیمان نے طے کر لیا کہ قسطنطنیہ پہنچنے پر ابراہیم کا بھی وہی حشر ہو گا جو اسکندر چلپی کا ہو چکا ہے۔

لیکن وہ اپنے حریف شاہ ایران کے مقابلے میں پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔ شاہ طماسپ نے اس زمانے میں جب سلیمان بغداد میں تھا تبریز کو اور پہاڑی دروں کو دوبارہ فتح کر لیا تھا۔ غیظ و غضب کے عالم میں سلیمان ترکوں کو پھر پہاڑوں پر چڑھا کر لے گیا۔ دور تک ایران میں گھس گیا اور تیل کے چشموں والے بحریہ خزر تک پہنچ گیا۔ اس نے اردبیل کے قصبے کو جو شاہان ایران کا پرانا وطن تھا فتح کر کے تاخت و تاراج کر دیا۔ دشمن پھر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن ساری زمین ویران ہو گئی۔ سارے مرغزار جلا دیے گئے۔

جہاں سلیمان اپنی فوج سے کچھ دستے الگ کر کے لڑنے کے لیے بھیجتا ایرانی انہیں گھیر کے ان کا کام تمام کر دیتے۔ سلطان نے یہ فیصلہ کیا کہ ان حالات میں ایران کے کسی علاقے پر قبضہ قائم رکھنے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ واپس پلٹ کے اس نے تبریز کو لوٹنے اور شاہی محلوں کو نظر آتش کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے فوج کو

وطن کی جانب واپسی کا حکم دیا جہاں چراگاہیں سرسبز تھیں اور کوئی فصلوں کو چھیڑنے والا نہ تھا۔

ابراہیم اور اپنے ذاتی محافظ دستے کو ساتھ لے کر وہ سرعت سے قسطنطنیہ واپس پہنچ گیا۔

یہاں اب اس نے پابندی سے دیوان کے مقدمات کی سماعت شروع کی کوہ ابراہیم کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتا۔ اس زمانے میں اسے نیند بھی نہ آتی تھی۔ جب مقدمہ کے تمام کاغذات مثل میں شامل ہو چکے تو ایک شام اس نے حکم دیا کہ اس کے اور ابراہیم دونوں کے لیے دیوان خاص میں کھانا چنا جائے۔ ابراہیم کی وزارت کے زمانے میں اکثر دونوں رات کا کھانا یہیں کھاتے تھے۔ اس رات کو بھی سلطان کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ ہونے میں ابراہیم کو کوئی انوکھی بات نہ معلوم ہوئی۔ اسے یہ ضرور معلوم تھا کہ اسے اپنے گھر واپس جانے کی اجازت نہیں ملی۔ گھر جا کے وہ دن بھر کی کمائی ہوئی رشوت کا حساب کرنا چاہتا تھا۔

یہ دیکھ کر حسب معمول سلطان سوچ رہا تھا کہ اس نے لاپرواہی سے کہا ''آپ نے ایرانیوں کی خوب گت بنائی وہ بہت دن تک اپنے زخم سینکتے رہیں گے''۔

سلیمان نے کہا ہاں اور پھر وہ دفعتاً کہنے لگا ''یہ جنگ عاقبت اندیشی کے خلاف تھی''۔

جب سلطان اپنی خواب گاہ میں جانے لگا تو اس نے ابراہیم کو دیوان خانے میں ٹھہرنے کا حکم دیا حسب معمول ابراہیم کے لیے طاقچے سے نکال کر بستر بچھا دیا گیا۔

صبح کو طاقچے کی دیواروں پر خون کے دھبے تھے۔ دیوان خاص کے باہر ابراہیم کی لاش پڑی تھی جو سلیمان کا منظور نظر ہوا کرتا تھا۔ جلاد نے کمان کی گرہ درازہ سے اس کا گلا گھونٹا تھا۔ اور یہ زرہ ابھی تک اس کی گردن کے گرد تھے۔

ابراہیم کے متعلق مورخوں نے لکھا ہے کہ ''وہ حرص و آز کے خواب دیکھتے دیکھتے اپنے جال میں خود پھنس گیا'' اہل وینس نے اس کے متعلق لکھا ہے ''وہ اپنے آقا سے زیادہ اپنے آپ کو محبوب رکھتا تھا''۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

جاہ و جلال

ابراہیم کے خون کے دھبے اسی طرح دیوار و طاق پر رہنے دیے گئے دوسرے دن جب عجم اوغلان نے......غیر قوموں سے چنے ہوئے وہ لڑکے جو محل کے باغ والے مکتب میں زیر تعلیم تھے ان داغوں کو دھونا چاہا تو سلطان نے انہیں منع کر دیا۔ کئی برس بعد خدام قسم کھا کھا کے کہتے تھے کہ یہ دھبے تنبیا باقی رہنے دیے گئے ہیں لیکن کس کی تنبیہہ کے لیے؟

یہ سلیمان نے کبھی نہ بتایا اب اس کی خاموشی اور نمایاں ہو گئی تھی۔ بوڑھے خدام کو یہ شبہ ہونے لگا کہ اس کی آنکھیں اور اس کا دھانہ دن بدن اس کے والد یاوُز سلطان مرحوم سے مشابہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ کہنے لگے "یہ ذمہ داریوں کی زحمت ہے؟ اس سے نیند کی گھڑی تک چھٹکارا نہیں"۔

ابراہیم کو قتل کرنے کے بعد سلطنت کا سارا نظم ونسق سلیمان کو خود سنبھالنا پڑا۔ جب خزانچیوں نے وزیر اعظم کے مال و دولت کا سارا ذخیرہ اکٹھا کر کے خزانے میں داخل کر دیا تو سلطان بنفس نفیس خزانہ عامرہ میں تشریف لے گئے۔ اسنے سنگ لاجورد کا وہ جام ملاحظہ کیا جو اسنے خود ابراہیم کو بخشا تھا۔ اور اس کے ساتھ فرانسیسی بادشاہ فرانسس کی یاقوت کی مہر والی انگوٹھی تھی......موہاکس کی لڑائی کے بعد سے سلیمان اپنے اور ابراہیم دونوں کے کارناموں کی ساری تحسین و آفرین صرف ابراہیم کے لیے وقف کرتا آیا تھا۔

اب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ بحیثیت وزیر اعظم کے اس نے ایک بوڑھے ترک ایاز پاشا کا تقرر فرمایا جو پرخور اور فربہ تھا۔ اور جس کی اولاد بے شمار تھی۔ ایاز پاشا اس لطیفہ پر ہنسا کرتا تھا۔ کہ اس کے حرم میں بچوں کے چالیس گھوارے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں۔ اس وفادار خادم کو عسکر کا لقب نہیں دیا گیا۔ اسے دیوان عام میں مقدمات کے فیصلے سے زیادہ مزہ آتا تھا کہ سہ پہر کو کشتی میں باسفورس کی سیر کا لطف اٹھائے۔ ایاز پاشا صرف الا ماشاء اللہ کہا کرتا تھا۔ سلیمان کو خود عرضیاں پڑھ کر فیصلے صادر کرنے ہوتے تھے۔ لیکن اس بوڑھے ترک کی زندہ دلی کی وجہ سے سلطان کا غم غلط ہو جاتا تھا۔

1536ء میں ابراہیم کی موت کے پانچ سال بعد کے عرصے میں اس سلطان عثمان کی فکر و تدبر کی بدولت ترک قوم انتہائی عروج و کمال پر پہنچ گئی۔ (فرانسیسیوں کے ساتھ پہلے عہدنامے پر تو دستخط ہو ہی چکے تھے۔ اس کے بعد اطالیہ پھر دھاوے کی مہم پیش آئی تھی۔ پری ویزا کی جنگ میں مقدس انجمن کو شکست فاش دی جا چکی تھی۔ ازابیلا کے شیر خوار بچے کو ہنگری کا بادشاہ بنانے کا قول دیا جا چکا تھا۔ چارلس کو الجزائر میں بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور ہنگری کی سدا کی لڑائیوں میں آسٹرویوں کے مقابلہ نئی فتوحات کی جا چکی تھیں۔)

سلیمان اب بنفس نفیس عسکر کی قیادت کرتا نہ امراء کے جمع کیے ہوئے دستے' نہ اس کے اپنے ینی چیری اور سپاہی ایاز پاشا کی سپہ سالاری میں کسی مہم پر جانے کی حامی بھرتے تھے۔ اس معاملے میں سلطان کے حکم کے مقابل پرانی رسم و روایت کو زیادہ

تقویت حاصل تھی۔ سلیمان نے ایک نیا تجربہ کیا کہ ینی چیریوں کی تعداد بڑھادی جو اس کے ذاتی حکم کے تابع رہتے۔

ینی چیریوں کی تعداد بارہ ہزار سے بڑھا کر اٹھارہ ہزار ہوگئی۔ اور شہسواروں کی تعداد میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوگیا۔ ان دونوں فوجی جمیعتوں کی تعداد بڑھا کے جو محض اس کے حکم کی تابع تھیں سلیمان نے اپنے لیے خطرہ مول نہ لیا کیونکہ اگر یہ ذاتی سپاہی بغاوت پر آمادہ ہو جاتے تو خطرہ ہی خطرہ تھا۔

اس وقت جب کہ سلطان کی سطوت وشوکت اپنے معراج پر تھی اس قسم کے خطرے کا امکان بڑی مشکل سے نظر آتا تھا۔ مزید برآں آخری طاقت سلطان کی نہیں تھی۔ مفتی اعظم جو شریعت کا قاضی القضاۃ بھی تھا اگر یہ فتویٰ دے دیتا کہ باب عالی کا سلطان شریعت سے منحرف ہوگیا ہے وسلطان کا تاج خطرے میں پڑ جاتا۔ کم سے کم روایتاً اس کا امکان تھا۔

لیکن حقیقت میں اس کا قطعاً امکان نہ تھا۔ قضاۃ جانتے تھے کہ ان تھک سلیمان کے بعد اس کا مقبول عام فرزند مصطفےٰ تخت نشین ہوگا۔ شریعت کا کوئی سمجھ دار قاضی ایسے مبارک اور قابل تعریف خاندان سے انحراف کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔

تاہم سلطان کو اس کا بڑا احساس تھا کہ نظم ونسق اور قانون شریعت کے مابین تفاوت بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ بالکل وہی بات تھی جیسے یورپ کی قوموں میں کلیسا اور سلطنت کے مابین اختلافات تقویت پکڑ رہا تھا۔ اسلامی قانون الارض فی اللہ پر مبنی تھا۔ جس میں سلیمان کی حیثیت سلطنت عثمانیہ کے نگہبان خلیفۃ اللہ فی الارض کی

تھی اس کے مکتب میں نئے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وزیر اعظم سے لے کر کم سن سے کم سن عجم اوغلانون تک جو پھولوں کے پودوں کو پانی دیتے تھے۔ اور محاسی کے معمولی دفتریوں تک سبھی اللہ تعالیٰ کی رضائے باقی کے جویا اور خادم تھے۔ شریعت دام و باقی تھی۔ لیکن سلطان کی سلطنت جبھی تک رہتی جب تک ان کا آخری مقررہ وقت نہ آجاتا۔ قانون شریعت اپنے اصول و اوقات کا پابند رہا۔ قا و رفقہ حدیث پر قائم رہا۔ ترکوں نے اسے تہ دل سے قبول کر ک اپنا لیا تھا۔ اس شریعت کے محکم کے قضاۃ اپنے کتب خانوں اپنے عقائد اور اپنی ملکیتوں کا بڑی احتیاط سے تحفظ کرتے آئے تھے۔ اس لیے ترک قانون جو شریعت پر مبنی تھا اپنی جگہ قائم رہا اسی اثناء میں نظم ونسق حکومت جو عیسائی نسل کے غیر ملکوں سے لائے ہوئے نوجوان کے ہاتھ میں تھی اپنی جگہ ترقی کرتا رہا۔

اب تک سلیمان نے اپنے نظم ونسق حکومت کی مدد کی تھی اور اس میں اکثر اس نے بعض بعض قاضیوں کے فتووں کو مسترد کر دیا تھا۔ اس وقت کی رائے یہ تھی کہ سلطان سلیمان پر یورپ کے خیالات کا قرآن پاک سے زیادہ اثر ہے۔ لیکن اب ایشیاء کی درگاہوں اور خانقاہوں کی زیارت کے بعد سلطان سلیمان پر قرآنی تعلیمات کا اثر بہت زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔

اس لیے کچھ عرصہ تک تعلیم یافتہ عہدہ داران نظم ونسق اور شریعت کے قضاۃ کے درمیان توازن قائم رہا۔ لیکن ایسا توازن ایک بڑھتی ہوئی سلطنت میں زیادہ دیر تک مشکل ہی سے قائم رہ سکتا ہے۔

ابراہیم کے زوال کے بعد بارہ سال کے عرصے میں سلطان نے صرف دوبار فوج کشی کی تھی بڑی شان وشوکت سے سلطنت کی سرحدوں کو پھر سے مستحکم کرنے کے لیے اور ایک مرتبہ اس موقع پر جب اس نے ازابیلا سے عہد کیا کہ ایک دن اس کا بیٹا ہنگری کا بادشاہ بنا دیا جائے گا۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

ایشیا کے مرغزاروں میں

سلیمان کو مرغزار بہت پسند تھے۔ ہنگری کے میدان کو وہ اعراف سمجھتا تھا۔ جو کارپتھین پہاڑوں کے عظیم حلقے کے مشرق میں ہیں دلاخ (دلاچیا) کی چراگاہیں اس کے لیے فردوس بریں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

وہ بڑے اطمینان سے ان گھاس سے ہرے بھرے میدانوں کے درمیان سیر کرتا ہوا چلا جارہا تھا یہ سرزمین اس سمندر (بحیرہ اسود) کے اطراف ایک حلقہ سا بناتی تھی جو ایک ترکی جھیل بن کے رہ گیا تھا (اور سلیمان کا ارادہ تھا کہ یہ سمندر ترکی جھیل بنا رہا ہے) بحیرہ اسد جس کو ترک قرار ولینز کہتے تھے۔ ان کے یے ایسی ہی اہمیت رکھتا تھا جیسے بحیرہ روم۔ سلطان کا ایک خطاب سلطان البحرین بھی تھا (بحرین سے بحیرہ اسود اور بحیرہ ابیض یعنی مامورا) مراد تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ تاتاران زریں خیل کے زمانے سے یہ سمندر اطالوی جہازوں کے لیے وقف ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں پولو خاندان کے دونوں بھائی یہاں کی حسین بندرگاہوں اور ترابزوں میں تجارت کیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ تمام بندرگاہیں اوران کے خندق ترکوں کے قبضے میں آئے تھے...... سمندر کے ختم پر اس کنارے تک جہاں دور سے کوہ قاف کی دھندلی دھندلی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ کوہ قاف کے علاقوں سے بھی اگر سلطان کے فرمان کی ہر جگہ تعمیل نہیں کی جاتی تھی تو کم سے کم اس کی وقعت بہت کی جاتی تھی۔

وینس کے سوداگر جن کے ہاتھ میں بحیرہ اسود کی بیشتر تجارت میں مجبوراً سلطان

سلیمان کے حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے۔عثمانی ترکوں کی مطلق صلاحیت نہ تھی کہ اور وہ سان مارکو (وینس) کے تاجروں کو تجارت کی اجازت دے کر مطمئن تھے۔ان تاجروں کو اس خاموش سمندر سے شرابیں موم مویشی اور غلہ برآمد کرنے کے معاوضے میں محاصل ادا کرنے پڑتے تھے۔

سمندری تجارت کا اتنی سہولت سے انتظام کرنے کے بعد سلیمان نے اپنی توجہ اس پر مبذول کی کہ اس سمندر کے ساحلوں پر امن و امان قائم رہے اور یہ اس کے لیے نہایت پسندیدہ کام تھا۔وہ دل سے اس کی طرف مائل تھے کیونکہ اس نے اپنی خوابوں بھری جوانی کے دن کافا کے علاقے میں گزارے تھے۔اس کی ماں اور اس کی بڑی بیوی گل بہار انہیں ساحلوں کی رہنے والیاں تھیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ایک لحاظ سے سلطان سلیم کا فرزند یہاں اپنے گھر واپس آ رہا تھا۔ یہاں دیہاتوں میں ترکی زبان بولی جاتی تھی۔اچھی نسل کے گھوڑے پروان چڑھتے تھے۔اور یہاں کے لوگ سلطان کو اپنی تقدیر کا مالک جانتے تھے۔وہ تحفتہً اس کی خدمت میں دودھ اور گھوڑا اور وہ سونا پیش کرتے تھے جسے جپسیوں نے تیز بہتی ہوئی ندیوں سے کھنگال کر نکالا تھا۔وہ جب اس کے حضور سے رخصت ہوتے تو خوش خوش جاتے۔

یہاں وہ سلطان کم تھا اور سلیمان خاں زیادہ۔سب سے بڑھ کر یہ کہ یہاں وہ خانہ بدوشوں کا بادشاہ تھا جو شہروں کی زندگی پر قدرت حاصل کر چکا تھا۔لیکن اب بڑی شان و شوکت سے پھر خیمہ و خرگاہ کے ساتھ واپس آیا تھا۔اور اس کا خیمہ اتنا

شاندار تھا کہ خواب کی چیز معلوم ہوتا تھا۔ اس کے دست و زبان کو وہ طاقت وقوت حاصل تھی جو کانہ بدوش سرداروں کو کبھی خواب وخیال میں بھی نصیب نہ ہوسکی تھی۔ اس کی جنبش لب سے محاصرے کا توپ خانہ گرجنے لگتا۔ اور صف بہ صف ینی چیریوں کی قطاریں کوچ کرنے لگتیں۔

جب تک سلیمان زندہ رہا اس نے اس توپ خانے یا ان ینی چیری سپاہیوں کو بحیرہ اسود کے کناروں پر کبھی استعمال نہیں کیا۔

مرغزروں سے ہو کر جو جانی پہچانی ہوئی سڑک جاتی تھی وہ خود سلطان کے لیے خوشی اور راحت کا موجب تھی (روکسے لانا اس کے ساتھ نہ تھی) یہ بڑے بڑے دریاؤں پر سے ہو کر گزرتی تھی دریائے ڈینیوب جس کے کنارے والاخوں کے مکان خوشبودار بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے یہاں مویشیوں کے نیلوں میں عیسائی رعایا سرخ وسفید شرابیں پیتی اور جپسیوں کی سریلی بانسری بجاتی اور ناچتی۔ اس کے آگے ٹرانسلے وینیا کے سرو وصنوبر کے جنگل تھے۔ یہاں کارپتھین پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی تھیں۔ اور آگے اہل رومتہ الکبریٰ کے حماموں کے کھنڈر تھے اور چمکتی ہوئی ریت کے پاس دریائے پروتھ بہتا تھا...... یہاں اسنے پری ویزا کی فتح کی خبر سنی تھی۔ اس کے آگے دریائے نیسٹر کی وادی کی چراگاہیں تھیں۔ یہاں کی عیسائی رعایا ابھی تک رومتہ الکبریٰ کے افسانوں کو سینے سے لگائے ہوئے تھی۔ اپنے آپ کو رومانی اور اپنے ملک کو رومانیہ کہتی تھی۔ اہل ٹرانسلوے نیا کی طرح یہاں کے لوگ تھی ترک سنجق بے کے محکوم نہیں تھے بلکہ محض

معمولی سا خراج ادا کرتے تھے۔

اس کی سلطنت کی اس سمندر کے کنارے والی عیسائی رعایا کے درمیان کچھ یونانی کاریگر رہتے تھے۔جنہوں نے اہل وینس سے شیشہ سازی اور شیشہ کے ظروف بنانے کا ہنر سیکھا تھا۔انہوں نے طباعت کے لیے سیسے کے حروف بنانے کا ہنر سیکھا تھا۔اور کھردری کتابیں شائع کرتے تھے۔

ان چراگاہوں کے اس پار جن میں کہیں پتھر نظر نہ آتے تھے گھاس کا اصلی میدان شروع ہوتا تھا۔ جہاں سوکھی گھاس اتنی اونچی اونچی اگتی تھی کہ سوار کی کمر تک پہنچتی تھی۔اس سوکھے خشک گھاس کے میدان میں جہاں سے ہوکر دریائے نیپر جوش کھاتا ہوا سمندر کی طرف جاتا تھا' رہنے والے لوگ خانہ بدوش تھے'اور پانی کے رخ ہجرت کرتے جاتے تھے۔اس میدان میں اونچی اونچی گھاس کے درمیان سے مسلمانوں کے مقبروں اور مسجدوں کی مدد سے چھتیں بلند رہوتی تھیں۔یہاں سب نے سلطان سلیمان کو خلیفۃ المسلمین مان کراس کے آگے سر جھکایا۔ان چراگاہوں کے رہنے والے جب مسجدوں اور درگاہوں کے سامنے اپنے گھوڑے سے اتر کر پیادہ پا ہو جاتے تو سلیمان میں ایک خاص عظمت کا جذبہ محسوس کرتے۔ایک ایک ماہ کی مسافت تک ہر طرف سلیمان کا لفظ سب کے لیے اٹل قانون تھا۔

سلیمان نے وہاں منزل کی جہاں نمک کی دلدلیں ستاروں کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ بہت دور شمال میں دو عیسائی بادشاہوں کے علاقے تھے۔اور دونوں اس کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔پولینڈ کا بادشاہ اس لیے سلطان سے خوش تھا کہ اس کے

دشمن سلطان کے دشمن تھے۔اور ماسکو کا امیر اعظم سموروں کے تحفے سے اسے خوش رکھنا چاہتا تھا۔کیونکہ اس کے پرانے دشمن تاتاریوں کے خان سلطان کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

لیکن عین اس زمانے میں پولینڈ اور ماسکو کی زمینوں سے آئے ہوئے کچھ پناہ گزین دریاؤں کے راستے ان چراگاہوں کی زمینوں میں گھستے چلے آرہے تھے۔ سلطان نے انہیں توجہ اور اعتنا کے قابل نہ سمجھا۔ان پناہ گزینوں کے مکانات دریائے نیپر کے جزیروں میں دریائی گھاس سے چھپے رہتے تھے۔لمبی لمبی کشتیوں میں یہ دریاؤں کے دھارے کے ساتھ ساتھ نیچے کی طرف بڑھتے جاتے۔ چراگاہون میں بھی ان کے گاؤں ماسکو کی سرحد کی چوکیوں اور تاتاریوں کی سڑکوں اور راستوں کے درمیان تعمیر اور نمودار ہونے لگے تھے۔یہ لوگ کبھی آوارہ گرد بنتے کبھی آباد ہو جاتے اور لڑتے پھرتے ان چراگاہون کے پرانے باشندے انہیں چرکسک یا قزاق کہتے دریائے ڈان کے کنارے جس کا پانی آہستہ آہستہ بہا کرتا تھا۔زرخیز کالی زمین کے علاقوں مُں یہ کا ساک بڑھنے اور پروان چڑھنے لگے۔

لیکن سلیمان بحیرہ اسود کے کنارے بہت سی قوموں کی ایک اور پناہ گاہ سے واقف تھا۔یہ کریمیا کا جزیرہ نما تھا جو شال کے وسیع میدان سے صرف ایک تنگ سی خاکنائے سے جڑا ہوا ہے۔اس راہ سے بہت سی قومیں گزری تھیں۔اور اپنی کچھ نہ کچھ نشانیاں چھوڑ گئی تھیں۔یہاں گاتھ قوم کی نسل کے لوگ باقی تھے جو جرمانی زبان بولتے تھے اور مان کوپ قلعہ کی سنگلاخ چٹان کی بلندیوں پر رہتے تھے۔یہاں یونانی

کاریگر تھے۔ یہودی تھے جو مرغزاروں اور چراگاہوں کے اس پار سے آئے تھے لیکن زیادہ تر باشندے تاتاری تھے جن پر ابھی تک چنگیز خان کے نام لیواؤں کی حکومت تھی۔ یہ تاتاری خان جو کہ یم خیل کے سردار تھے۔ باغچہ سرائے میں بھدی نیلی اینٹوں کے محلوں میں رہتے تھے۔

اس مرتبہ سلطان نے کریمیا کے قلعہ بند علاقے کا رخ کرنے کی جرات نہیں کی۔ پہلے وہ یہاں رہ چکا تھا اور کریمیا کے خانوں سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ شاید اسی لیے اس نے کریمیا کا رخ نہیں کیا۔ وہ اپنے پیچھے ایشیائے کوچک اور یورپ میں جتنے ترک خاندان چھوڑ آیا تھا ان کے مقابلے میں اس کے تاتار حلیفوں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ ان کے یورت (تاتاری خیمے) ایک طرف استراخان تک پھیلے ہوئے تھے (جو بحیرہ خزر کے شمال میں واقع تھا اس سمندر کی جھلک سلیمان نے شمالی ایران کے پہاڑوں سے دیکھی تھی) دوسری طرف قازان تک کا سارا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ یہ شہر دریائے دولگا کی اس موڑ پر واقع ہے۔ جہاں سے یہ دریا جنوب کی طرف مڑتا ہے۔ اس علاقے میں تاتاریوں کے تینوں خیل بھیڑ بکریوں کیطرح اپنے سواروں کا شمار ہزار در ہزار کی تعداد میں کرتے تھے۔ وہ عثمان سلطان کی سیاحت کو ان نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے کتے اکیلے بھیڑیے کو اپنے میدان میں گزرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ کسی وجہ سے اس کے خزانے میں مد کریمیا کے خانوں کے وظیفے کے متعلق تھی وہ سگ بندوں کا وظیفہ کہلاتی تھی۔

ان تاتاری خانوں کے بیٹے قسطنطنیہ میں رہتے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت ترکی

انداز میں ہوتی تھی ۔ ترکی حکومت کا پر امن نظم ونسق باقی ماندہ کانہ بدوشوں کو بڑا حیرت ناک معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ سلیمان کی طاقت وحشمت کو ایک معجزہ سمجھتے تھے ۔ اور اس کی تعظیم کرتے تھے جب یورپ کی عیسائی طاقتوں سے جنگ ہوتی تو وہ سلیمان کے ساتھ مل کر یلغار کرنے پر فوراً تیار ہو جاتے چنانچہ انہیں شاہسواروں نے آسٹریا کو پامال کیا تھا۔

کریمیا کے خانوں پر سلیمان کا اثر بڑی غیر متوقع صورتوں میں نمودار ہوتا۔ ایک خان نے قسطنطنیہ کے سفر کے بعد یہ حکم دیا کہ اس کے علاقے میں جتنے کبت کا (ایسی گاڑیاں جن پر خیمے لگے ہوتے تھے اور جنہیں کئی کئی بیل کھینچتے تھے۔ اور جن میں ایک ایک خاندان آباد ہوتا تھا) ہیں سب کے سب توڑ ڈالے جائیں۔ اسے امید تھی کہ اس کے قبیلے کے تاتاری خوشحال عثمانی ترکوں کی طرح شہروں میں رہنے لگیں گے۔ ایک اور خان نے باغچہ سرائے میں اپنے وظیفے حمام حام نہریں ارو چھوٹے چھوٹے محل ترکی انداز میں تعمیر کرانے شروع کیے ۔ اس عرصے میں سلیمان نے تاتاری خانوں کے جانشینوں کو نامزد کیا اور ان کے لیے ینی چیری کے چھوٹے موٹے دستے فراہم کیے...... اس نے ان تاتاریوں کو بھاری توپ خانے بھی مرحمت فرمائے۔

کریمیا کے تاتار فوراً ہی ان توپ خانوں کو اپنی بڑی بڑی گاڑیوں میں چڑھا کے چراگاہوں کے اس پار لے گئے تاکہ ان ماسکو کے کریملن پر گولہ باری کریں جو باندی پر واقع تھا۔ یہ تجویز صاحب غرئی کی تھی جس نے اپنے ساتھ ینی چیریوں کا

ایک دستہ بھیج دیا تا کہ توپوں کی نگہداشت اور پرداخت ہو سکے۔ بعد میں اس نے ماسکو کے امیر اعظم ویسلی کو خط لکھا کہ حملہ غلطی سے ہو گیا ہے۔ اصل میں اس نے اپنے دشمنوں کو لتھوانیا پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن وہ اتفاق سے ماسکو کی سڑک پر ہو لیے۔ اور انہوں نے یہ شکایت لکھ کر بھیجی کہ رومیوں سے صلح کرنے کا کیا فائدہ؟ صلح میں فی کس مشکل سے ایک سمور ملتا ہے اور جنگ میں ہمیں ہزاروں سمور ملتے ہیں''۔

صاحب غرئی نے اپنے خط میں اور آگے لکھا ''اسد لیل کی وجہ سے میں خاموش ہو گیا اب آپ فیصلہ کریں کہ آپ صلح کرنا چاہتے ہیں یا جنگ لیکن اگر آپ دوستی برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اتنے تحفے بھیجیں جن کی قیمت تین چار سو جنگی قیدیوں کے برابر ہو۔ اس کے علاوہ آپ سونے یا چاندی کے سکوں میں ایک کثیر رقم بھی بھیجیں سدھے ہوئے شہباز بھیجیں اور ایک سانا نبائی بھیجیں جو نان بنا سکے اور کھانا بھی اچھا پکا سکے''۔

اس بے فکری کے انداز میں ترکوں کی روسیوں سے پہلی مڈبھیڑ ہوئی جو نسلاً بعد نسلاً ان کے سب سے بڑے دشمن اور حریف بننے والے تھے۔ سلیمان خود ان چراگاہوں کے حملوں میں دخل نہ دیتا۔ جن کا انداز برق و رعد کے سے طوفانوں کا تھا کہ آئے اور گزر گئے۔

اس نے دوسرے علاقوں میں اپنی فتوحات کا فرمان تحریر کر کے کریمیا کے خانوں کی عزت افزائی کی۔ اس قسم کے فرمان وہ اپنے حلیفوں اور باز گزاروں کے

نام جاری کیا کرتے تھے۔ جیسے وینس کے دوجے مصر کے مملوک سرداراور گوسا کے آزاد شہر کی مجلس۔

یہ تاتاری ہر طرف سے روسی علاقے کے حاشیوں پر آباد تھے۔ان پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے سلیمان نے ایک تجویز سوچی۔اس نے اعلان کیا کہ جس طرح اس نے کریمیا کے خانوں کے جانشینوں کو بنفس نفیس نامزد فرمایا اسی طرح وہ قازان اور استراخان کے تاتاروں کے خانوں کا انتخاب کرے گا۔تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اس فیصلے کے چند ہی سال بعد ماسکو کے تخت پر ایک ایسا لڑکا بیٹھا جس کے ذہن میں عجیب و غریب طرح کے خیالات کا ہجوم تھا۔یہ اوان چہارم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔اور اس نے ضد کر کے اپنے لیے زار (قیصر) کا لقب تجویز کیا۔دور دور تک یہ اوان خونخوار کے نام سے مشہور ہو گیا۔اس نے جب اور زیادہ طاقت حاصل کرنا چاہی تو قریب قریب کی پہلی مہم جو اس نے سوچی وہ قازان اور استراخان کے انہیں مسلمان تاتاریوں کے خلاف تھی۔

لیکن اس درمیان میں 1543ء میں سلطان سلیمان نے صاحب غرجئی کے بیٹے کو ہنگری کے پار کی مہم میں ہمرکابی کا حکم دیا۔اس وقت بحیرہ روم بازی گاہ میں بھی ایک ڈراما ہو رہا تھا جس کا سب سے اہم کریکٹر خیر الدین باربروسا تھا۔

☆☆☆

بار بروسا کا آخری مذاق

ادھر کئی سال سے سلیمان نے بحری بیلر بے خیر الدین بار بروسا کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ بحیرہ روم میں جو چاہے کرے۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ بار بروسا کے جنگی معجزوں کا بار خزانہ عامرہ پر نہیں پڑ رہا تھا۔ بلکہ مال غنیمت سے خزانے کی آمدنی میں اضافہ ہو رہا تھا اس مقصد کے لیے بار بروسا کو بہت تھوڑے سامان کی ضرورت تھی۔ بس لکڑی' بادبانوں کے لیے کپڑا' بارود اور بیس تیس ہزار سپاہی جن میں نصف کے قریب یوروپین قیدی تھے جو چپوار کھینچنے کے کام آتے تھے۔ یہ سارا ساز و سامان سلیمان کے پاس بڑی وافر مقدار میں موجود تھا اور بار بروسا کی عادت تھی کہ وہ جتنا ساز و سامان لے جاتا ہر مہم سے اس سے زیادہ سامان واپس لے کر لوٹتا۔ مزید برآں اس بوڑھے شیخ البحر کی یہ قوت عمل سلطان کے اس نئے ارادے میں بڑی متمد و معاون ثابت ہو رہی تھی کہ وہ ترکوں کی سرحد کے باہر ایک ینی چیری کی جان بھی خطرے میں نہ ڈالے اور ساتھ ہی ساتھ عیسائی بادشاہوں کو سمندر میں ہراساں کرتے رہے۔

1543ء کے موسم بہار میں بار بروا نے ایک بہت بڑی عنایت کی درخواست کی۔ یہ کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے امیر البحر کی حیثیت سے ترکی بیڑے کو جنوبی فرانس لے جائے۔

یورپی درباروں کا نقشہ الجزائر میں چارلس کی شکست کے بعد پھر بدل گیا تھا۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم نے فرانسیسیوں کا ساتھ چھوڑ کے شہنشاہ چارلس کی حمایت شروع کر دی تھی۔ اسی زمانے میں شاہ فرانس فرانسس نے جواب بوڑھا ہوتا جا رہا تھا پھر سے شمالہ اطالیہ پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ اس کی جوانی کا خواب تھا اور اس کے بڑھاپے کی آرزو، ممکن ہے کہ اس کی بہو کیتھرائن نے اسے اس مہم پر اکسایا ہو جو میدی چی خاندان سے تھی' اس نے پھر اپنے حلیفوں یعنی ترکوں (جن کو وہ کھلم کھلا اپنا حلیف تسلیم نہیں کرتا تھا) سے استدعا کی کہ ترک بھی ساتھ ہی ساتھ مقدس سلطنت روما پر حملہ کریں۔ سلیمان خشکی کے راستے اور باربروسا فرانسیسی بیڑے کے ساتھ مل کر بحری راستے سے۔

فرانسس کا خیال تھا کہ یہ حملہ بڑا سخت ہوگا' اور چارلس اس کی وجہ سے پریشان تھا۔ لیکن دراصل اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔ سلیمان کو یورپ کی گٹھ بندیوں میں دوست یا دشمن کی حیثیت سے شریک ہونے کی کوئی خاص خواہش نہ تھی۔ اس لیے اس نے محض ہنگری کے میدانوں کا ایک گشت لگایا جہاں والپو کی ہزیمت کے بعد چارلس یا فرڈی نینڈ کسی نے اس کے مقابلے میں آنے کی فکر نہ کی۔ اس گشت کے بعد اس نے پھر سے ان تمام قصبوں پر قبضہ کر لیا جن پر اس کی ایشیا کی مہم کے زمانے میں فرڈی نینڈ نے قبضہ کر لیا تھا لیکن باربروسا کا عمل اس سے بہت مختلف تھا۔

اس نے مغرب کی جانب سفر کرنے کی اجازت طلب کی تا کہ وہ دوریا اور شہنشاہ چارلس کے خلاف اپنی لڑائی کو فرانس کے خالص ترین عیسائی بادشاہ کا مہمان بن کر تمام کو پہنچا سکے۔ بہت پس و پیش کے بعد سلطان نے اپنے امیر البحر کو کوچ کر جانے

کی اجازت دی اس کی اصلی طاقت ایک سو دس جنگی کشتیوں پر مشتمل تھی جس کے ساتھ چالیس اور جہاز تھے۔ان جہازوں پر تیس ہزار کے قریب آدمی تھے۔پورے ترکی بیڑے کو اس طرح خطرے میں ڈالنا بڑی ہمت کا کام تھا۔لیکن سلیمان کو پری ویزا کی فتح یاد تھی۔اس نے بوڑھے شیخ البحر کو اس مہم کی اجازت دے دی۔

باربروسا خوشی خوشی گیلی پولی سے روانہ ہوا۔اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا یورپ کی تاریخیں اس کا ذکر کرنے سے کتراتی ہیں کہیں باربروسا کے نقطہ نظر سے یہ کہانی بیان کرنے کے لائق ہے۔

باربروسا آبنائے سینا میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں کا مدوجذر خطرناک ہے۔ یہاں اس کے جہازوں پر ریجیو کے قلعے سے آتش بازی کی جاتی ہے۔قلعہ والوں کی توقع کے جواب میں وہ بھی گولہ باری کرتا ہے۔اور قلعہ پر قبضہ کر لیتا ہے۔ جہاں اسے ایک بڑی حسین لڑکی ملتی ہے جو قلعہ کے کمانڈر کی بیٹی ہے۔وہ اس لڑکی کو حاصل کر کے اپنے نئے خسر کو تر کی خطاب عنایت کرتا ہے

اٹلی کے ساحل پر وہ چی دے تا و یکیا کے قریب لنگر انداز ہوتا ہے' اور اس ساحلی شہر کے لوگوں کو حملہ کے ڈر سے ہراساں کر دیتا ہے۔لیکن ساتھ کے فوجی اس کی خوشامد کرتے ہیں کہ اس بندرگاہ کو نہ چھیڑے کیونکہ یہ پاپائے روم کے علاقے میں ہے جو اب فرانس کا حلیف ہے۔کوئی باربروسا کو نہیں چھیڑتا اور وہ لی آں کی خلیج میں داخل ہوتا ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں فرانسیسی بیڑا اس سے آن ملنے والا ہے۔یہاں اس کا ساتھی امیر البحر فرانسوآ بوربوں دوک دآ نگیاں پورے آداب و رسوم کے ساتھ

اسے سلامی دیتا ہے۔ لیکن دانگیاں کے ساتھ بڑی مختصر سی بحری قوت ہے۔ بس کوئی بائیس جنگی کشتیاں اور کوئی درجن بھر جنگی جہاز بار بروسا اس وقت تک خوش نہیں ہوتا جب تک کہ فرانس کا امیر البحر جو اس سے رتبے میں کم ہے اور جس کی طاقت کم ہے اپنا پرچم اتار کے ترکی پرچم ...... سبز جھنڈا اور ہلال ...... بلند نہیں کرتا۔

ترکوں کے مقابلے میں فرانسیسیوں کو بحری لڑائی کی بہت کم خواہش تھی۔ لیکن بار بروسا کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ دو سو جنگی کشتیوں کو بیکار لیے بیٹھے رہنے سے کیا حاصل ہے۔ وہ یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ جینوا پر قبضہ کر لیا جائے۔ جہاں دوریا اپنے باقی ماندہ بیڑے کے ساتھ پناہ گزیں ہے۔ فرانسیسی یہ نہیں مانتے۔ دانگیاں کہتا ہے کہ اس کے پاس بارود نہیں۔ بار بروسا غصے کے عالم میں کہتا ہے کہ "تم کیسے سپاہی ہو تم نے بارود کے ڈبوں میں بجائے بارود کے شراب بھر رکھی ہے"۔

وہ فرانسیسیوں کو عاریتاً بارود دیتا ہے۔ جو اسے ونیس پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ترک قصبے پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ لیکن قلعہ میں مالٹا کا ایک نائٹ جم کر مقابلہ کرتا ہے۔ قلعہ پر ترکوں کا قبضہ ہونے سے پہلے ہی یہ اطلاع ملتی ہے کہ شہنشاہ چارلس کا ایک لشکر نی کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔ ترک شہر کو لوٹ اور جلا کے پھر سے اپنی جنگی کشتیوں پر سوار ہو جاتے ہیں۔

اب بحری سرگرمی کا موسم ختم ہو رہا ہے۔ فرانس اپنے ترک مہمانوں کو طولوں کی بندرگاہ میں موسم سرما گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ پروونس کے صوبہ دار کو حکم بھیجتا ہے کہ "لارڈ بار بروسا جس کو ترک اعظم نے ہمارے پاس بھیجا ہے اور اس کی ترک

فوج اور امرائے عالیشان جن کو مجموعی طور پر تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ سرما کے دوران میں طولوں کے قصبے اور بندرگاہ میں اپنا مہمان بناؤ تا کہ انہیں رہنے کے لیے جگہ ملے اور اس پورے ساحل کی حفاظت ہو سکے۔ یہ مناسب نہیں ہوگا کہ طولوں کے باشندے شہر ہی میں رہیں اور ترکوں سے ملیں جلیں، کیونکہ اس سے دونوں کے درمیان اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے''۔

جب صوبہ دار نے طولون کی آبادی کے بیشتر حصے کو مارسی منتقل کیا تو احتیاطاً توپ خانہ بھی یہاں سے اپنے ساتھ لے گیا بہر حال جب یہ ترک جن کے نام سے سب کو لرزہ آتا تھا شہر طولوں میں داخل ہوئے تو انہوں نے صرف غذا کی فراہمی کے لیے کہا اور یہ فرمائش کی کہ کلیسا کی گھنٹیاں نہ بجائی جائیں۔

لیکن یہ بے کاری ترکوں کی بحری برادری کو مطلق نہ بھاتی۔ جاڑے کے طوفانوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی صالح رئیس نے نکل کے سپین کے ساحل پر دھاوے شروع کر دیے۔ ترکوں کی جنگی کشتیاں بیلیارک جزیروں کو چھاننے لگیں۔ وہاں سے جو قیدی پکڑ کر لائے گئے انہیں مارسئی کے بازاروں میں فروخت کیا گیا۔ فرانس کو یہ ڈر معلوم ہونے لگا کہ کہیں باربروسا طولون ہی کو چارلس کے ہاتھوں فروخت نہ کر دے۔

جب باربروسا سے کہا جاتا کہ اب جنگ ختم ہو چکی ہے اور پھر جہاز رانی کا موسم آ گیا ہے اب اپنے گھر کا راستہ لو تو وہ بہرا بن جاتا۔ طولون کو اس نے بڑی شاندار بحری اڈہ بنا لیا۔ یہ شہنشاہ چارلس کے وطن اسپین سے قریب قریب ملحق ہی تھا۔

دوسری طرف یہ دوریا کے اپنے شہر جنیوا سے اور بھی قریب ہے اس اڈہ سے وہ اطمینان سے ادھر ادھر حملے کر سکتا تھا اور سارا خرچ شاہ فرانس کو اٹھانا پڑتا تھا۔ صوبہ دار نے شکایت لکھ کر بھیجی کہ وہ تو اطمینان سے اپنا وقت گزار رہا ہے۔ اور فرانس کا خزانہ خالی ہو رہا ہے۔

اگر فرانسیسی بحری لڑائی کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکلنے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ حالانکہ انہوں نے باربروسا کو اسی لیے دعوت دی تھی تو باربروسا کو ان کے اس رجحان سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ کیوں لڑائی نہ کرے؟ اس کے سپاہی سپین پر دھاوا نہیں کر رہے تھے ان میں سے اکثر اندلسی تھے اور وہ سپین سے جلاوطن کیے گئے تھے اب وہ اپنے وطن واپس ہو رہے تھے۔ انہیں چارلس نے اپنے وطن لیس باہر نکالا تھا۔ ترکی کے سلطان المعظم کے امیر البحر ہونے کی حیثیت سے اور فرانس کا حلیف ہونے کی حیثیت سے کیا یہ اس کا فرض نہیں تھا کہ شہنشاہ چارلس کی سلطنت کے ساحلوں کی ناکہ بندی کرے اور جو تجارتی جہاز اس کے ہاتھ آئیں انہیں گرفتار کر لے

اب ترکی بڑے کے سوا کسی اور بیڑے کی مجال نہ تھی کہ مغربی بحیرہ روم میں کھلے سمندر میں نکل آئے۔ باربروسا نے طولون کی بندرگاہ میں اپنے جہازوں کے شاہ فرانس کے کرچ پر مرمت کی اور صوبہ دار کے محل سے وہ وسیع نیلے سمندر کو دیکھتا رہا جس کے ایک پار الجزائر کی بندرگاہ تھی اس کی اپنی بندرگاہ جس کے متعلق اسے یقین تھا کہ اب یہ بالکل محفوظ ہے۔

فرانسیسیوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح اسے چلتا کریں معلوم ہوتا ہے سلیمان نے اسے واپس بلانے سے انکار کر دیا ہے۔

باربروسا کی عمر اب ستر سال کی تھی اس کی جوان کے زمانے کی طاقت عمل اور سرگرمی دھیمی پڑ گئی تھی جس کا اظہار وہ افریقہ کے حملوں کے زمانے میں کیا کرتا تھا لیکن اس کی موجودگی ہی اس کے لیے کافی تھی کہ پھر سے فرانس اور دوریا کے درمیان خفیہ عہد و پیان کا سلسلہ شروع کیا جائے اور شہنشاہ چارلس کے ساتھ ایک نیا معاہدہ ہو جائے جو امن نامہ کریپی کے نام سے مشہور ہے۔

جب یہ معاہدہ ہو چکا تو باربروسا نے طولون کو فرانس کے سپرد کیا اس کا ایک بڑا معتمد بحری سردار دوریا کے پاس قید تھا۔ اس کی آزادی کا پروانہ حاصل کر لیا چار سو اور مسلمان قیدی دوریا کے قبضے سے چھڑا لیے۔ اپنے سارے سپاہیوں کے لیے روزینہ اور خورد و طعام کا خرچ وصول کر لیا۔ اس وقت تک کے لیے جب تک کہ وہ شاخ زریں واپس نہ پہنچ جائیں۔ فرانس نے خود اسے خلعتیں اور جواہرات انعام میں دیے۔

گھر جاتے ہوئے چارلس کی سلطنت کے ساحلوں کو اس نے دہشت سے لرزا لرزا دیا۔ وہ بڑی شان سے اپنے پرچم اڑاتا ہوا دوریا کے وطن جنیوا کے قریب سے ہو کر گزرا البا پر چھا گیا اور اٹلی میں ٹسکنی کے ساحل پر اس نے جی لیو کا جزیرہ فتح کیا اور پورا تو ار کو لے کر تاخت و تاراج کیا۔ پاپائے روم کی سرزمین کے اطراف میں گھومتا ہوا اس کا بحری بیڑا خلیج نیپلز میں آ پہنچا۔ یہاں کے جزیروں کا اس نے صفایا

کر دیا۔ پوتسوولی میں اترا اور نیپلز کے شہر کے دروازوں تک پیش قدمی کی۔ مسلینا کی آبنائے سے گزرنے سے پہلے اس نے لپاری کے جزیروں کا صفایا کیا۔

جب وہ مرکز سرائے کا چکر لگاتا ہوا قسطنطنیہ میں داخل ہوا تو جتنے جہاز اور جتنا سامان جتنے آدمی وہ لے کر گیا تھا اس سے زیادہ جہاز سونے سے بھرے ہوئے صندوق آدمی اور قیدی لے کر واپس پہنچا۔

کہا جاتا ہے کہ سلیمان باغیچہ سرائے کی کوشک سے نکل کر اس کے استقبال کے لیے اس مقام تک آ گیا جہاں اس کی کشتی ٹھہری ہوئی تھی۔ اس کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا کہ باربروسا نے کن الفاظ میں سلطان سے شاہ فران کے یہاں اپنے مہمان بن کر رہنے کی داستان بیان کی۔

اس کے بعد باربروسا نے پھر سمندر میں پیش قدمی نہیں کی۔ دو سال بعد اس کا انتقال ہو گیا سلیمان نے اس کے لیے ایسا ہی مقبرہ بنایا جیسی اس کو تمنا تھی۔ چھوٹا سادہ سا مقبرہ سنگ اسود کا بنا ہوا باسفورس کے پانی کے اس قدر قریب کہ گزرتے ہوئے جہازوں کو آسانی سے نظر آ سکے۔ کئی پشتوں تک یہ دستور رہا کہ کوئی بحری بیڑا ایسا نہ تھا جو مرکز سرائے سے ہو کر گزرے اور خیرالدین باربروسا کی آرام گاہ کو سلامی نہ دیتے۔

اس مقبرے پر یہ کتبہ کندہ تھا ''مات امیر البحر''۔

☆☆☆

دراگوت

مرنے سے پہلے باربروسا سمندر کے گردوں کی ایک نئی پود اپنے آقا سلطان سلیمان کے سپرد کر گیا۔ بحیرہ روم میں طوفان برپا کرتے اور ترکی پرچم کو سب سے اونچا کرنے کا جو کام اس نے شروع کیا تھا اسے اس کے ان وارثوں نے اتمام کو پہنچایا۔

اگرچہ کہ چالاک صفان بوڑھا ہوتا جارہا تھا لیکن اب وہ کپتان پاشا تھا' اور اپنا زیادہ تر وقت ساحل پر اسلحہ خانہ میں گزارتا تھا۔ دریائے نیل کی وادی کا رہنے والا یہ فربہ اندام عرب صالح رئیس اس برادری سے غائب ہوگیا لیکن پیالی پاشا جس نے محل کے فوجی مکتب میں تعلیم پائی تھی بحری سردار مقرر رہوا۔ سلطان اسے پسند کرتا تھا اور اس پر اعتبار کرتا تھا۔

تارگوت جسے اہل ہسپانیہ دراگوت کے نام سے خوب اچھی طرح جانتے تھے باربروسا کی طرح شکست کھانے کے بعد پھر سے بچ نکلنے اور بظاہر ناممکن کارنامے دکھانے کا بڑا ماہر تھا۔ دراگوت کو ہمیشہ سے کشتی بانی کی تمنا تھی۔ پہلے وہ پہلوان تھا اور اس پیشے میں اس نے جو پیسہ کمایا اور بچایا اس سے ایک چھوٹی سی کشتی خرید لی۔ باربروسا کو بحیثیت ملاح اس کی ہوشیاری پسند آگئی۔

دراگوت طبعاً فیاض اور رنڈ رتھا اور اسی لیے ان مواقع پر اسے زیادہ کامیابی ہوتی جب اس کے پاس صرف تھوڑے سے جہاز ہوتے۔ اور وہ تن تنہا اسکی کمانڈری

کرتا۔ طبیعتاً وہ ضدی تھا۔ آسانی سے احکام کی تکمیل نہ کرتا تھا اور باربروسا نے کبھی اسے بہت زیادہ کشتیوں کا سردار نہیں بنایا تھا۔ دراگوت کو ایک مشہور امیر البحر دوریا کے بھتیجے جووانیتو دوریا نے سارڈینیا کے ساحل سے گرفتار کیا تھا جہاں وہ مال غنیمت کے ساتھ افسروں میں تقسیم کر رہا تھا۔

دراگوت کو ایک اطالوی کشتی کھینے کے لیے زنجیر سے جکڑ دیا گیا۔ اس حالت میں اسے مالٹے کے ایک نائٹ دے لاویلت ن دیکھ کے پہچان لیا۔ یہ نائٹ اس سے پہلے گرفتار ہو کر اسی طرح مسلمانوں کی ایک کشتی میں زنجیر سے بندھا ہوا چپوار چلایا کرتا تھا۔ اس نائٹ نے بے اختیار اس سے کہا "سینور دراگوت اسانزا دے گویرا" (جناب دراگوت جنگ میں یہ کچھ ہوتا ہے)۔

دراگوت کو بھی وہ زمانہ یاد تھا جب دے لاویلت اسی طرح زنجیر بند قیدی تھا اس نے بڑے ہشاش بشاش لہجے میں کہا "ای مدانتھا دے فورتونا" (کبھی ایک قسمت کبھی دوسرے کی قسمت)۔

باربروسا نے اس وقت تک چین سے سانس نہیں لی جب تک اس نے اپنے بیباک نائٹ اور سردار کو تاوان ادا کر کے دوریا کے پنجے سے چھڑا نہیں لیا۔ اس مقصد کے لیے اسے تین ہزار اشرفیوں کی خطیر رقم ادا کرنی پڑی' اس سودے پر دوریا کو بعد میں بہت پچھتانا پڑا۔

کیونکہ اب محروم ترکی امیر البحر کی روح کی طرح دراگوت وسط مینڈی ٹرے نین پر منڈلاتا پھرتا تھا۔ قیدی کی حیثیت سے اس نے یورپی کاروبار کا طریقہ سیکھ

لیا تھا۔ اور اب وہ یورپ کی تجارت س کافی حصہ وصول کر لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ مالٹا کی طرف جانے والے ایک خزانے کے جہاز کو اس نے پکڑ لیا جس پر ستر ہزار اشرفیاں لدی ہوئی تھیں۔ ایک مرتبہ اسنے سسلی پر چڑھائی کر دی اور جزیرے بھر پر چھا گیا۔ اور وہاں کا امیر السلطنت دیکھتا رہ گیا۔ دراگوت کی ناکامیاں بھی آخر اسے فائدہ ہی پہنچا کر جاتی تھیں۔

وہ جنیوا کے قریب اپنی کشتیاں لیے گھوم رہا تھا کہ افریقہ میں اس کے محبوب قلعے مہدیہ پر گارسیا دے تولیدو نے قبضہ کر لیا جو سسلی کے اس امیر السلطنت کا بیٹا تھا جس کی عملداری میں اس نے سسلی پر یورش کی تھی۔ سلیمان کو یہ بہت ناگوار گزرا کیونکہ اس زمانے میں وہ یورپی طاقتوں سے آخری بار صلح کر چکا تھا۔ اس کے جواب میں چارلس نے لکھ بھیجا کہ یہ جنگ نہیں یہ تو محض بحری قزاقوں کا حملہ تھا۔ سلیمان نے غصہ کے عالم میں جواب دیا کہ اس کی نظر میں بحری قزاقوں اور چارلس کی سلطنت کے قزاقوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اور انعام کے طور پر انے دراگوت کو بیس جنگی کشتیاں سپاہیوں سے لیس انعام میں عطا کیں

اس کی بحری قوت تو بڑھ گئی تھی لیکن دراگوت اپنی حماقت سے اندریا دوریا جیسے طاقتور امیر البحر کے چنگل میں پھنس گیا۔ لیکن اس مرتبہ پھر اس کی بے احتیاطی اس کے کام آ گئی۔ وہ مہدیہ سے تو نکالا جا چکا تھا۔ اب اس نے ربہ کے زرخیز لیکن دلدلوں سے بھرے ہوئے جزیرے کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ جزیرہ عیش طلبوں کا بڑا پرانا مرکز تھا۔ یہاں اس نے ایک ایسے قلعے پر قبضہ کر لیا جسے دوریا کے اجداد میں سے کسی نے

پرانے زمانے میں تعمیر کیا تھا اور اس نے اپنا بیڑا یہاں کے اتھلے پانی کی جھیل میں لنگر انداز کر دیا۔ وہ اپنی کشتیوں کے تختوں پر روغن لگوا رہا تھا کہ اتنے میں زندہ سلامت دوریا چھوٹے سے طاقتور بحری بیڑے کے ساتھ نمودار ہوا اور اس تنگ سی آبنائے پر قابض ہو گیا جو اس تنگ سی جھیل کو سمندر سے ملاتی تھی۔

جنیوا کے اس امیر البحر کو اب اس کا یقین ہو گیا کہ بس دراگوت سمیت سارا بیڑا اس کے قبضے میں آ ہی چکا ہے۔ اس نے ایک جہاز کو یہ پیغام پہنچانے کے لیے کہ نیپلز بھیجا کہ دراگوت یربہ میں پھنس گیا ہے اب اس کے بچ کے نکلنے کی کوئی صورت نہیں"۔

جیسے دوریا نے اس سے قبل پری ویزا کے اس پر پس و پیش کیا تھا اس مرتبہ بھی اس نے آبنائے کو پار کر کے جھیل میں پہنچنے میں بہت دیر کر دی۔ ترکوں نے اس تنگ آبنائے کے دونوں جانب تیزی سے مورچہ بندی کر لی، اور چارلس کے بیڑے پر گولہ باری شروع کی جس سے کوئی اور نتیجہ تو نہ نکلا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ دوریا کی ہچکچاہٹ میں اور اضافہ ہو گیا۔

بالآخر جب دوریا نے دیکھا کہ دہانے پر ترکوں کی جو توپیں نصب تھیں وہ غائب ہیں تو وہ جھیل میں داخل ہوا۔ وہ یہاں پہنچا تو دیکھا کہ دراگوت اپنے بیڑے سمیت غائب ہے۔ یہ ترک اس آبنائے سے ہو کر بھی نہیں گزرے تھے اور جھیل میں بھی ان کا پتہ نشان نہ تھا۔

بہت عرصہ کے بعد عیسائی اس معمے کو حل کر پائے انہوں نے اتنی دیر کر دی کہ اس

اثنا میں دوسری جانب نیچی زمین پر ترکوں نے ایک نہر کھود کر سمندر سے ربط پیدا کر لیا تھا اور یہاں سے وہ اپنی کشتیوں کو دلدلوں کے راستے نکال کر کھلے سمندر میں لے گئے تھے۔

اب یہ دراگوت کی خوش قسمتی تھی کہ اسے فوراً ہی سسلی سے آتی ہوئی ایک کشتی کو پکڑنے کا موقع مل گیا۔ جو یہ خبر لے کر آ رہی تھی کہ دوریا کے لیے ایک اور کمک آ رہی ہے تا کہ وہ آسانی سے ان ترکوں کو گرفتار کر لے۔

ترک مورخ جب دراگوت کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اسلام کی شمشیر برہنہ تھا۔

سلیمان کے یہ بحری کپتان لاکھ عجیب وغریب سہی وہ باربروسا کی تجویز کی تکمیل کر رہے تھے۔ بحیرہ روم کے شمالی یعنی یورپی ساحل کی انہوں نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اور جنوب میں افریقہ کے ساحل کی تمام قلعہ بند بندرگاہوں کی وہ اسپین کے دستوں کو باہر نکال کیے دے رہے تھے۔ مہدیہ کے بعد بوخیا پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ بڑے بڑے مشہور امیر البحر جیسے فران کا دوک دے بوربوں اور انگلستان کا ہنری آف بوفورٹ افریقہ کی جنگ کے لے بڑے ولولے کے ساتھ روانہ ہوئے اور بے نیل ومرام واپس آئے۔

ایک بڑی اہم تاریخی صورت حال وقوع میں آ رہی تھی۔ افریقہ پر اپنی عمل داری پھیلانے میں سپین کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا حالانکہ اٹلانٹک کے اس پار امریکہ میں ان کی فتوحات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بحیرہ کریبین کے برعکس بحیرہ میڈی ٹرینین کبھی ہسپانوی سمندر نہ بننے پایا۔

اس کا انتظام سلیمان نے کر دیا تھا۔ وہ بوڑھا ہوتا جا رہا تھا اور ہر شب عشاء کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتا۔ اور یہ امید اس کے دل میں تقویت پکڑتی جاتی تھی کہ اسلامی افریقہ سے ہر ایک عیسائی دستہ اس کی زندگی میں ہی باہر نکال دیا جائے گا۔

اس زمانے میں اسپین میں چارلس کا بیٹا فلپ ثانی کے نام سے تخت نشین ہو چکا تھا وہ تولید د کے شاہی قصر میں جس کی دیواریں تصویروں سے مزین تھیں کچھ اور ہی آس لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے مقدس سلطنت روما کی شہنشاہی کی عظمت و جبروت کے دامن میں پرورش پائی تھی۔ وہ خود جنگجو نہیں تھا۔ اور سلیمان میں اور اس میں صرف ایک بات مشترک تھی۔ وہ بھی اپنے امرا اور عمال سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ اور جو کچھ کرتا تھا اس کا انجام سوچ لیا کرتا تھا۔

جب ڈان فلپ شہزادہ تھا تو وہ پہلی مرتبہ اپنی شادی کی برات میں اندریا دوریا کی امیر البحر والی کشتی میں سوار ہوا۔ جس پر قالین چنے ہوئے تھے۔ پرچم لہرا رہے تھے۔ اور جس کے چاروں طرف ہسپانوی بجرے تھے (اس سفر میں یہ جنیوا کے ساحل کے ساتھ ہی ساتھ لگا رہا اور ترکی بیڑوں کی آماجگاہ سے بچتا ہوا چلا) اس وقت نوجوان فلپ کو بحری طاقت کی حقیقت اور شہنشاہی دربار کی شان و شوکت کا اندازہ ہوا۔ لیکن جب مقدس سلطنت روما کا شہنشاہ بننے کے لیے اس کے بجائے اس کے چچا آسٹریا کے ہاپس برگ فرڈی نینڈ کا انتخاب کیا تب فلپ دنیا بھر پر حکومت کرنے کے خواب سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو صرف اسپین کا مالک پایا۔ لیکن اب

بھی اس کے دل میں یہی ولولہ تھا کہ اسپین سب ملکوں پر بھاری ہے۔اب بھی وہ اپنے آپ کو اپنے باپ کا حقیقی جانشین سمجھتا تھا۔

فلپ کیتھولک عقیدے کا بڑا پکا پیرو کار تھا۔اور اس نے طے کرلیا کہ اپنی سلطنت میں رہے سہے مسلمان عربوں کا قطعی خاتمہ کردے۔اس سے بھی بڑھ کر اس نے یہ عہد کیا کہ شمالی افریقہ کے ساحل پر پھر سے اہل ہسپانیہ کا تسلط قائم کرے۔

اس ضدی لیکن با اصول بادشاہ کا حریف اب اس ارادے سے کوئی تھا تو دار گوت تھا جو نہ کسی طرح گرفتار ہوتا تھا اور نہ اسے شکست دی جا سکتی تھی۔معلوم ہوتا تھا کہ باربروسا دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔

دراگوت کی کامیابی قسمت کی بات تھی۔ایک مرتبہ وہ اور صفان دونوں پہلے مالٹا میں لنگر انداز ہوئے۔لیکن یہ تصفیہ کیا کہ اس قلعے کا محاصرہ بیکار ہے تو یہاں سے پلٹ کر وہ طرابلس پہنچے۔اگر وہ سلیمان کو مالٹا کی فتح کے تحائف نہیں پیش کر سکے تو نہ سہی لیکن وہ مالٹا کے نائٹوں کے قبضے سے طرابلس ضرور چھین لیں گے۔اس میں انہیں کامیابی ہوئی۔صفان نے اسلام کے ان جانی دشمنوں کے ساتھ اتنی رعایت نہیں کی جتنی سلیمان نے رہوڈس میں کی تھی۔انہیں پا بہ زنجیر کر کے قیدیوں کی طرح سرائے میں گشت کرایا گیا

کئی سال بعد جب فلپ نے افریقہ پر پہلی یورش کی تو اس کے بیڑے نے طرابلس ہی کا رخ کیا۔حسب معمول یہ بیڑا بھی بہت طاقتور تھا۔اس پر یورپ کے بہت سے ملکوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔اس کے سراروں میں میدینا چیلی کا ڈیوک

اور جوونی دوریا (جو اندریا دوریا کے بھائی کا پوتا تھا) شامل تھے۔ لیکن چونکہ ان کشتیوں پر زیادہ ہی بری سپاہی سوار تھے اس کا برا حشر ہوا پہلے تو طوفان اور طاعون نے بہت پریشان کیا۔ بالآخر جب وہ طرابلس کے قریب پہنچا تو اس کے سرداروں نے طے کیا کہ اس سنگین قلعہ کے فتح کرنے کی طاقت اب بیڑے میں نہیں جو بیماری اور طوفان کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے۔

اس کی بجائے انہوں نے طے کیا کہ دراگوت کے محبوب جزیرے یربہ پر قبضہ کر لیں جو یہاں سے اسی ساحل پر محض چند روز کی مسافت پر تھا۔ دراگوت کی غیر موجودگی میں بڑی آسانی سے انہوں نے یربہ پر قبضہ کر لیا۔ اس علاقے میں افیونی کسان آبادی نے زرہ پوش ہسپانویوں سے لڑنے بھڑنے کی زحمت گوارا ہی نہیں کی۔

لیکن اس جزیرے کی عیش طلبی کا اثر اسپین کے صلیبی سپاہیوں پر بھی بہت جلد ہونے لگا۔ وہ یہیں ٹھہرے رہے اور کھجور اور خربوزوں سے شکم سیر ہوتے رہے۔ جب چونک پڑتے تو ایک نیا قلعہ بنانے لگتے تاکہ اس موقعہ کی بندرگاہ کی حفاظت کر سکیں۔ اس قلعے کو تعمیر کرنے کے لیے وہ ٹھہرے رہے۔

لیکن وہ بہت دیر تک ٹھہرے رہے۔ سرما کے طوفان شروع ہوئے اور ان طوفانوں کے زمانے میں یربہ کے ساکن جھیل اچھی بندرگارہ بن جاتی تھی۔ اب دراگوت کے بادبان لوٹتے ہوئے نظر آئے۔ ایک دن کے اندر اندر اس جھیل کا انداز بدل گیا۔ اس کا تنگ اتھلا سا دہانہ ایک پنجرہ بن گیا میدینا چیلی اور نوجوان

دوریا اپنی فوجوں کو جہازوں پر سوار کرانے کی کوشش کی خوف کے مارے جھیل بھر میں کشتیاں اور جنگی جہاز ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ساحل میں دھنسنے لگے۔

اس افراتفری کے عالم میں دراگوت اور پیالی پاشا اپنے بیڑے لیے آن پہنچے یربہ کے اتھلے پانی کا انہیں عرصہ سے تجربہ تھا۔اوران کے چست سپاہی مہینوں سے سمندر میں جہازرانی کر رہے تھے لیکن ہسپانوی فوج آرام طلبی کے عالم میں ساحل پر ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔

فلپ کے دونوں امیر البحر تو بچ نکلے۔لیکن باقی ماندہ جنگی بیڑا وہیں پھنس گیا اور اس نے ترکوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔چھپن جہاز اور چودہ ہزار جنگی قیدی دراگوت کے ہاتھ آئے۔اسے مفت میں وہ نیا مضبوط قلعہ بھی مل گیا جسے ہسپانویوں نے بندرگاہ کی حفاظت کے لیے تعمیر کیا تھا۔

اسے دراگوت کی خوش قسمتی پر محمول کیا گیا۔جنیوا میں جب اس شکست کی خبر اندریا دوریا کو پہنچی تو اس نے درخواست کی کہ اسے گرجا لے جایا جائے۔یہاں آخری بار عبادت کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

جب فلپ کے بیڑے کی اس آخری ناکامی کی خبر آئی ہے تو ادگیر بوزبیک قسطنطنیہ ہی میں تھا۔

☆☆☆

اہل یورپ جبل الطارق کے اس پار کے سارے علاقے میں پسپا ہو چکے تو ان کے قبضے میں بحیرہ روم کا صرف ایک بڑا بحری مرکز رہ گیا۔یہ مالٹا کا چھوٹا سا جزیرہ تھا

جس کی قلعہ بندی نائٹوں نے کی تھی۔ عیسائی مذہب سلیمان کے مقابلے میں پسپا ہونے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ یہاں دراگوت اور دے لا دیت کی آخری لڑائی ہوئی۔

جب بحیرہ روم پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا تو اسپین اور پرتگال کے بحری کپتانوں کو ایشیا پہنچنے کے لیے کیپ آف گڈ ہوپ کا چکر لگانا پڑا افریقہ میں ان تاجروں نے جنوب کا رخ کیا اور سونے کی تلاش اور ہاتھی دانت اور حبشی غلاموں کی تجارت شروع کی۔

سلیمان کو ان جنگی قیدیوں سے ان دور دراز بحری سیاحتوں کی اطلاع ملتی جو ہندوستان کے ساحل کے قریب چکر لگا کر آتے۔ پیری رئیس نے بیرونی دنیا کے نقشے بنائے تھے اور یہ دکھایا تھا کہ افریقہ کا چکر لگا کے پرتگالی مشرق بعید کی ساری دولت کھینچے لیے جا رہے ہیں۔ سلیمان مصر کا مالک تھا۔ اور اس تجارت میں اس کا بھی حصہ تھا اس کے علاوہ ہندوستان پر اسلامی حکومت تھی اور وہ یہاں کے ساحلوں کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

اس کا یہ ارادہ عجیب و غریب تھا...... یہ کہ وہ ان دور دراز سمندروں میں جہاں اس کے قبضے میں کوئی کشتیاں نہ تھیں پرتگال کے بحری بیڑے کو شکست دے جائے گا۔ لیکن اس کے ملاحوں نے پھر اعجاز کر دکھایا۔ اور سلیمان نے جو ارادہ کیا تھا اس پر عمل ہونے لگا۔ خاکنائے سویز پر سے خشکی کے راستے کشتیوں کے لیے شہتیر اور توپیں اس پار بحیرہ قلزم میں منتقل کی گئیں۔ اور یہاں کشتیاں بننے لگیں۔ اس طرح

ستر کشتیاں تیار ہوئیں جن کی امیر البحری ایک بوڑھے لیکن ہمہ صفت موصوف خواجہ سرا سلیمان پاشا کے سپرد کی گئی۔

اس غیر معمولی امیر البحر نے اپنے اس بے قاعدہ بیڑے کو لے کر بحیرہ قلزم کے جنوب کا رخ کیا۔ عدن کو سلطان کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اور حبش کے پہاڑوں میں مساوا پر قبضہ کر لیا۔ یمن کے ساحل کے ساتھ ساتھ وہ بحر ہند کی گرم ہواؤں میں سے کسی نہ کسی طرح گزرتا ہوا دیو کی بندرگاہ تک جا پہنچا جو ہندوستان میں ایک ندی کے دہانے پر واقع ہے۔ یہاں اسنے متکبر پرتگالیوں کے بحری راستے نہیں بلکہ زمین سے حملہ کیا۔ اس میں اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی اس لیے وہ اپنے بیڑے سمیت واپس ہوا۔ واپسی میں حج بیت اللہ کیا اور بجائے ہندوستان کے ساحل پر فتح کا ظفر نامہ سنانے کے سلیمان سے اپنے حج و زیارت کا احوال بیان کیا۔ اپر سلیمان نے حکم دیا کہ بحیرہ قلزم میں کشتیاں بنائی جائیں تاکہ زائروں کو جدہ پہنچ کر حج کا فریضہ ادا کرنے میں سہولت ہو۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد تنومند اور زندہ دل ایاز پاشا نے طاعون میں مبتلا ہو کر وفات پائی جب اکی اولاد کا شمار کیا گیا تو ایک سو بیس نکلی۔ سلیمان نے وزارت کے عہدے پر اس بوڑھے امیر البحر سلیمان پاشا کو فائز کیا جو بحر ہند کا چکر لگا آیا تھا۔

☆☆☆

صلح ہوگئی

اس زمانے میں سلیمان اپنے وزیروں سے صرف اتنی سی بات کا خواہاں تھا کہ وہ وفادار رہیں۔ اب بھی اس کا یہی ارادہ تھا کہ تن تنہا نظم ونسق کا بار سنبھالے اب وہ مدد کے لیے پرانے سادہ مزاج ترکوں یا فوجی مکتب کے پڑھے ہوئے پرانے ساتھیوں کو زیادہ قابل اعتبار سمجھتا تھا۔ تین شخص جواب اس کے معتبر ساتھی اور کام کاج کے شریک بنے وہ تینوں کے تینوں ابراہیم سے بہت مختلف تھے لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ بڑی خداداد اہلیت رکھتا تھا۔

صفان آغا...... جسے عرف عام میں معمار کہتے تھے......بھرتی کیے ہوئے لڑکوں میں سے تھا۔ یہ بلگراڈ سے وی آنا کی جانب کوچ کی لڑائیوں میں شریک تھا اور یہاں اس نے انجینئرنگ کا معجزہ کر دکھایا۔ اس میں بڑی عجیب صلاحیت اس بات کی تھی کہ جس طرح کی تعمیر کی ضرورت پیش آجاتی وہ اسے مکمل کر دیتا۔ اس کے علاوہ اکو اس بات کا بڑا کاص ملکہ تھا...... اور سلیمان کے زمانے میں ترکوں کی خصوصیت تھی۔ کہ مشکل سے مشکل کام کو تیزی سے کر گزرتا یہاں تک کہ جو کام بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا اسے ہی معمار کچھ عرصہ میں کر کے دکھا دیتا تھا۔ اس نے سلیمان کی خوب گاہ سے متصل سنگ اسود کے حمام کی تعمیر مکمل کر لی اور فوراً ہی ریگستان کے آر پار ایک نہر بنانے لگے جس سے ملہ مکرمہ تک پانی پہنچایا جا سکے۔

رستم......البانوی نسل سے تھا ارو نظم ونسق حکومت میں ترقی کرتے کرتے بلند

ترین منصب پر پہنچادیا تھا۔ اسے حسن انتظام کا خاص ملکہ تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسے کبھی ہنسی نہ آتی تھی۔ اوراس کے منہ سے اگر کبھی بات نکلتی تو محض حکم دینے کے لیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان کواس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں کیونکہ ا نے اپنی چہیتی لڑکی مہر ماہ کی شادی اس سے کردی تھی۔

ان میں سے تیسرا ابن سعود تھا۔ یہ نسلاً کرد اور پیدائشی مسلمان تھا۔ شریعت کا عالم تھا اور اچھا شاعر تھا ایک بچے کا مرثیہ اس نے خوب لکھا ہے۔ ابن سعود سلیمان کا ایک ایسا مشیر قانون تھا جو ذات وصفات کو قانون سے بالاتر سمجھتا تھا۔ چنانچہ سلطان نے ابن سعود کو مفتی اعظم مقرر کیا۔

اپنی عمر کے بقیہ بیس سال کے عرصے میں سلیمان ان تین میں سے دو پر بڑا اعتماد کرتا رہا اور ان میں سے ایک نے سلیمان کی موت کے بعد بھی اس کی تجاویز کو عمل میں لانے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن تینوں میں سے کسی کو اسنے وہ غیر معمولی حقوق اور مراعات نہیں عطا کیے۔ جو اسنے ابراہیم کو بخشے تھے۔ اور جو ابراہیم کے زوال کا باعث ہوئے۔ گویا ان لوگوں سے اس کا کہنا یہ تھا ''ذمہ داریوں میں تم میرے شریک ہو۔ لیکن انعام کسی کو نہیں ملے گا'' لیکن یہ عثمانی سلطان ہمیشہ کی طرح اب بھی کم سخن اور خاموش تھا۔ اسے جو کچھ کہنا ہوتا وہ اپنے عمل کے ذریعے مثلاً کسی مقدمے کے تصفیے کے وقت واضح کردیتا۔ وہ اپنی حسین مہر ماہ کو بہت چاہتا تھا۔ لیکن اکی لڑکی کو اس سے نفرت ہوگئی۔ اوراس نے بہت عرصہ بعد جب اس کے مرنے کی خبر سنی تو بڑی سنسان خاموشی کے عالم میں۔

اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ پچاس سال کی عمر میں بھی سلیمان اہل یورپ کے لیے ایک معمہ تھا۔ وہ اس کی شبہ سے خوب واپس تھے کیونکہ مشہور مصور دیورر نے بھی اس کا شبیہ کا خاکہ بنایا تھا۔ اس کی شہرت تمام درباروں میں پھیل چکی تھی۔ اپنی مشہور تصویر ''ایکوہوہو'' میں مشہور رنت سیانو نے اس کی شبیہ کو حضرت عیسیٰ کے دشمنوں کے زمرے میں شامل کیا تھا۔ ایک اور مصور پاولویر نے زے نے اس کی شبیہ کو چارلس پنجم اور فرانس اول کی تصویروں کے ساتھ اپنے ایک شاہکار'' کانا میں شادی'' میں شامل کیا تھا۔ پاؤ لو جودو جو ایک بوڑھا مورخ تھا اور جس نے اپنی تصنیف ''تفسیر واحوال ترکاں میں ترک خطرے کا بار بار ذکر کیا تھا۔ اپنی کتاب کا ایک نسخہ سلیمان کی خدمت میں تحفتاً بھیجا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلیمان نے اسے تحفتاً اپنی ایک چھوٹی سی تصویر انعام میں بھیجی تھی۔

ایک اطالوی تذکرہ نگار ناداجبر نے اس کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے''وہ طویل قامت اور اکہرے بدن کا تھا اور اس کے بشرے سے حلم وعظمت کا اظہار ہوتا تھا کہا جاتا ہے کہ ابراہیم کے زمانے میں وہ کبھی کبھی شراب پی لیتا تھا' لیکن اب اس نے شراب بالکل ترک کر دی تھی۔ قریب قریب روز وہ اپنی کشتی پر سوار ہو کے ایشیا کے ساحل پر جاتا ہے جہاں یا تو وہ اپنے باغوں کی سیر کرتا ہے یا شکار کھیلتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ بڑا منصف مزاج ہے۔ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا۔ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔

1544-47ء کے عرصے میں سلیمان کو یورپ کی دولتوں سے اس طرح صلح

کرنے میں کامیابی ہوگئی جس کے لیے وہ بارہ سال سے اپنی پوری قوت ارادی کے ساتھ کوشش کر رہا تھا۔ ممکن ہے 1543ء مین باربروسا سے بحیرہ روم پر جو آخری حملہ کیا تھا اس کی وجہ سے اس صلح کا راستہ خود بخود کھل گیا ہو۔ شاید سلیمان نے ہاپس برگوں پر اچھی طرح واضح کر دیا ہو کہ اس کا ارادہ صرف ہنگری کے میدانوں پر قابض رہنے کا ہے اور اس کے پار کے علاقوں کو فتح کرنے کی اسے کوئی خواہش نہیں۔ باعث چاہے کچھ ہو اس فرد واحد کی کوشش سے دنیا کو تر کی امن میسر ہو سکا ایک تان ایک مقصد۔

جب آسٹریا سے نئے قاصد آئے تو اپنے ساتھ ایک نیا تحفہ لائے۔ یہ ایک بڑی سی گھڑی تھی جس پر سورج چاند تارے سب وقت کی رفتار کے ساتھ حرکت کرتے تھے۔ یہ تحفہ سلیمان کو بہت پسند آیا یہ قاصد اپنے ساتھ تشریح کے لیے جو کتابچہ لائے تھے اسے پڑھنے کی سلیمان کو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس نے رسدگاہ میں بہت وقت صرف کیا تھا۔ اور اصطرلابوں اور دوربینوں سے خود ستاروں کی طلوع وغروب کا مقابلہ کیا تھا۔ لیکن جب سفیروں نے پھر وہ پرانی تجویز دہرائی کہ سلطان ایک لاکھ اشرفیوں کے بدلے بودا کا شہر آسٹریوں کے حوالے کر دی تو اپنے وزری کی زبانی سلطان نے انہیں خوب کھری کھری سنائیں ''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کا دماغ چل گیا ہے؟ جو شہر سلطان نے دو بار بزور شمشیر فتح کیا ہے کیا وہ اسے چند سکوں کے عوض فروخت کر دے گا؟''

ان میں سے ایک قاصد سگمنڈ بیرن خان ہربرشتائن تھا جس نے ماسکو کے دربار

میں تجربہ حاصل کیا تھا وہ بہت غور وفکر کے عالم میں ترکوں کی سرحد کے پار گیا۔اس نے لکھا ہے ''میں نے ایک بڑے جلیل القدر بادشاہ کی عظمت وشان وشوکت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے''۔

1547ء کی صلح کے دو بڑے اہم نتیجے نکلے اگر چہ کہ یہ صلح ہاپس برگوں ہی سے کی گئی تھی لیکن فرانس کا بادشاہ پاپائے روم اور وینس کی سینوری سب اس صلح نامے میں شامل تھے یہاں عثمانی سلطان نے یہ امر واضح کر دیا کہ اس کا مقام یورپ کے بادشاہوں سے الگ تھلگ تھا۔اوران سب سے صلح برقرار رکھنے کے لیے اسے اپنی تلوار کوآب پر پورا پورا اعتماد تھا۔

لیکن اس نے ایک اور بات بھی واضح کر دی کہ اس کے بحری کپتان اس معاہدے کے پابند نہیں رہیں گے۔(وہ پھر ایشیا کا سفر کرنا چاہتا تھا اور بار بروسا نے اسے سکھا دیا تھا کہ بحیرہ روم میں اس کے بیڑے تولدو سے لیکر وی آنا تک کے تمام درباروں کو مخمصے میں ڈالے رکھ سکتے ہیں۔اور رداگوت نے اس کی کوشش کر دکھائی کہ وہ اسی طرح مخمصے میں الجھے رہیں''۔

سلیمان نے ایک اور بات پر اصرار کیا۔فرڈی نینڈ شالی ہنگری کے پہاڑوں پر قبضہ قائم رکھنے کے معاوضے میں تیس ہزار سالہ بطور اخراج ادا کرتا رہے۔آسٹروی اس کو اعزازی وظیفہ کہتے تھے۔لیکن سلیمان یہ سمجھتا تھا کہ وہ ہاپس برگوں سے باج اور خراج وصول کر رہا ہے۔

اس رقم کی اسے ضرورت نہیں تھی۔جس طرح وہ اہل وینس سے برائے نام

خراج وصول کرتا تھا' یہ بھی ایک قابل فخر بات تھی کہ آسٹریا بھی اسے خراج دے۔

اور پھر اپنی عظمت و دبدبہ کے عین معراج کے زمانے میں اس پر ایک طرح کا خوف طاری ہوا۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

حرم سرا کی پہلی سازش

یہ سازش اس کی اپنی حرم سرا میں آہستہ آہستہ شروع ہوئی کہ پہل پہل تو وہ اس سے واقف بھی نہ ہو سکا۔ مگر جب آگ لگی تو اس کا آغاز ہو گیا۔

روکسے لانا!...... باقاعدہ طور پر اس کی بیوی بن چکی تھی۔ اور ابراہیم کے زوال کی امید لگائے بیٹھی تھی یہ تیز وطرار یونانی وزیر تیسرا شخص تھا جو حرم میں اس کے اقتدار کل کے راستے میں حائل تھا۔ وہ ابراہیم کی خود پرستی سے خوب واقف تھی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے منظور نظر عورت خرم نے بھی سلطان کو ابراہیم کے خلاف متاثر کیا ہو۔ لیکن اس کو ضرورت ہی نہ تھی۔

ابراہیم کی موت کے بعد اپنے وزیروں اور مشیروں پر سلطان کی بے اعتنائی بڑھتی گئی۔ اور یہ بے اعتباری خرم کے بڑے کام آئی۔ اور کوئی عورت ایسی نہ تھی جو اس کی رقیب بنتی۔ لیکن سلطان اپنے فرائض سلطنت میں اتنا منہمک رہتا کہ اس کے لیے بہت کم وقت نکال سکتا۔ وہ خود پرانی حرم سرا میں بند رہتی اور سلطان لشکر کے مرکز والی سرا میں کام کرتا' اور اکثر وہیں سو رہتا۔ جب روکسے لانا نے اسے اس کے سرا میں رہنے کی منت کی تاکہ وہ اس کے قریب رہے تو سلطان نے انکار کر دیا۔ سلطان محمد فاتح کا فرمان تھا کہ کوئی عورت اس سرا میں رات نہ گزارے جہاں دیوان خاص سلطنت کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتا تھا۔

قسطنطنیہ میں بڑے زور کی آگ لگی اور اس کی وجہ سے روکسے لانا عارضی طور پر

مرکز والی سرا میں منتقل ہوگئی۔ یہ آگ ساحل کے کنارے کنارے پھیلتی ہوئی پرانے محلات تک پہنچ گئی۔ اس میں حرم سرا کا اندرونی حصہ اور عورتوں کے ملبوسات اور زیورات کے صندوق جل گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کی منظور نظر بیوی کو فوراً وہاں سے نکال لیا گیا اور سلطان نے اپنے حجروں کے پیچھے نئی سرا کے تیسرے صحن میں اس کے رہنے کے لیے کمرے عنایت فرمائے۔

سلطان محمد فاتح کے زمانے میں یہ سرا محض کام کاج کے لیے مخصوص تھی۔ سلیمان خود یہیں کھانا کھاتا یہیں آرام کرتا یہیں تنگ حجرے میں اپنے نقیب خاص کے حجرے کے قریب اپنے بے تکلف مہمانوں سے ملتا۔ نقیب خاص کا نام رستم تھا۔ دوسری طرف فوجی مکتب کا اسپتال تھا۔

سلطان کو اس کی توقع نہ تھی کہ روکسے لانا اپنے ساتھ اتنا بڑا کارخانہ لے کر آئے گی اس کے ساتھ کوئی سو کنیزیں مغلانیاں حبشی خواجہ سرا اور قاصد تھے۔ روکسے لانا کا کہنا تھا کہ اس خدم وحشم کے بغیر اس کا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ سلیمان نے قافلے کو بھی سرا کے اندرونی صحن کے اطراف کے حجروں میں ٹھہرا دیا۔

اس کا یہ حرم یہاں ٹھہر رہا۔ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ پرانے محل کی مرمت میں دیر ہی ہوتی گئی۔ روکسے لانا سوچتی تھی کہ پرانا محل بنے ہی نہیں تو اچھا ہے۔ گل بہار تو مر چکی تھی اب اس کے سوا اس پرانے محل میں رہنے والی کون تھی؟ چند وظیفہ خوار بوڑھیاں جواب اپنے عزیزوں کے پاس پناہ گزیں تھی وہیں خوش تھیں۔

اس طرح روکسے لانا نظم و نسق حکومت والی سرا میں سلطان کی واحد بیوی کی

حیثیت سے رہنے لگی۔ اس طرح اس نے سلطان محمد فاتح کا بنایا ہوا قانون توڑ دیا۔ چونکہ حرم کے پرانے رم و رواج پر اب بھی پہلے کی طرح عمل ہوتا تھا۔ اس لیے جس حصہ میں وہ اور اس کے خدام تھے اس میں کسی اور باہر والے کا گزر نہ ہو سکتا تھا۔ اس حصے میں روکسے لانا اسی طرح حکومت کرتی تھی کہ جیسے سلطان والدہ پرانے محل سرا میں حکومت کرتی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ بظاہر خرم کے سلطان والدہ بننے کے کوئی آثار نہ تھے۔

اس کے بیچ در بیچ کمروں اور سلطان کے دونوں چھوٹے سے حجروں کے درمیان دیوار توڑ کر ایک پوشیدہ دروازہ بنایا گیا۔ اندریا باہر سرائے کا کوئی حصہ بہت زیادہ آراستہ یا پیراستہ نہ تھا لیکن اب خدام اس کے کمرے کو جو باغ کے کنارے واقع تھا جس میں جالیاں لگی تھیں اور چھت پر ایک خوش نما گنبد تھا۔ اب اندرون حرم کی تخت گاہ کہنے لگے تھے۔ سلیمان یہاں آ کے اپنی فرصت کا زیادہ تر وقت گزارتا تھا۔

نہ اس نے یہ حکم دیا اور نہ شاید وہ یہ حکم دے پاتا کہ اس کی بیوی کو زبردست اس کی نئی سرا سے نکال باہر کیا جائے۔ وہ جاتی تو کہاں جاتی؟ اب اس کے پاس ایک طرح گھس کر یہ روسی عورت جب چاہتی نقاب پہن کر اس گلیاری سے ہو کر جو راہ زریں کہلاتا تھا گزرتی اس کے دوسرے سرے پر وزراء کا دیوان تھا۔ کس کی مجال تھی کہ بادشاہ کی منظور نظر بیوی کو دیوان کی طرف آنے سے روکتا "راہ زریں" کے پار ایک اور گلیاری تھی جس سے اس چھوٹے سے برج کے زینے کو راستہ جاتا تھا جہاں پوشیدہ کھڑکی کے پیچھے بیٹھ کے سلیمان اکثر دیوان کی ان پیشیوں اور بحثوں کو سنا کرتا

تھا جو کبھی ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔ روکسے لانا کی اتنی مجال تو نہیں تھی کہ اس کھڑکی تک پہنچ جائے مگر خواجہ سرا وغیرہ جو اس کھڑکی تک پہنچ سکتے تھے اسے بات بات کی خبر دیتے۔

بے چینی اور اضطراب کے عالم میں وہ اپنے جاسوسوں کے ایک ایک لفظ کو تولتی اس کی بے چینی اور اضطراب کا باعث آل عثمان کا یہ دستور تھا کہ بادشاہ کے بھائیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ گل باہر تو مر چکی تھی لیکن اس چرکس خاتون کا بیٹا مصطفے وی عہد سلطنت تھا اسکا امکان تھا کہ مصطفے پر پرانے قانون پر عمل کرے۔ اپنے سوتیلے بھائیوں خرم کے اپنے بیٹوں سلیم بایزید اور جہانگیر کو قتل کرا دے۔ بڑی جرات اور اضطراب کے عالم میں یہ روسی عورت بار بار سلطان سلیمان سے اس خطرے کا ذکر کرتی۔ اور بار بار وہ اطمینان سے اسے یقین دلاتا کہ وہ بار بار یہی دہراتا کہ مصطفے ولی عہد ہے۔ اب برادر کشی کی یہ پرانی رسم ختم ہو چکی ہے۔ مصطفے بہت اچھی طبیعت کا لڑکا ہے۔ اس کے مزاج میں شک نہیں ہے وہ ہرگز اپنے چھوٹے بھائیوں کی جان کا دشمن نہیں بنے گا۔ سلطان اسے اس بات کا یقین دلاتا۔

لیکن روکسے لانا کی نظر کسان لڑکیوں کی طرح صاف تھی۔ اور حقیقت کو دیکھ اور پہچان سکتی تھی۔ یہ کسان لڑکی اس انوکھے دربار میں قید تھی۔ چونکہ وہ ہمت والی تھی اس لیے وہ جب بحث کرتی تو اپنا ذکر نہ کرتی حالانکہ سلیمان کے مرنے کے بعد مصطفے اگر بادشاہ بنے تو وہ بیچاری سے کس بیوہ ہو کے باقی دن گزارے گی۔ لیکن شدت جذبات میں وہ سلطان سے یہ کہہ کر فریاد کرتی "میری جان کے مالک آپ کے

وعدے سے میرے دل کو اطمینان ہے۔ مصطفٰے کی محنت اورعنایت میں فرق نہیں آئے گا۔ مجھے اوروں سے ڈر لگتا ہے۔ اس کا وزیر کیا سوچے گا؟ تمہارے خواجہ سرا وزیر جیسا بوڑھا بندر بھلا بیچارے جہانگیر پر ترس کھائے گا؟ رصدگاہ کے لعمال بھی یہ نہیں بتا سکتے کہ اس وقت ینی چیریوں کے آغا کے دل میں کیا کیا منصوبے پیدا ہوں گے اور ینی چیر برادری ہمارے بچوں سے کیا سلوک کرے گی۔ ابھی سے ینی چیری وفادار کتوں کی طرح مصطفٰے کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں نوکروں کے دل کا حال آپ کو معلوم ہے؟''

سلیمان اس کے خوف کا ازالہ کرسکتا تھا۔ اس کے مرنے کے لمحے بھر کیا پیش آئے گا اس کا کچھ انتظام کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔

صرف روکسے لانا کی محبت ہی اسے نہیں ستا رہی تھی۔ وہ اپنے بچوں میں جہانگیر کو بہت چاہتا تھا۔ جو مفلوج تھا اور اپنی لڑکی مہر ماہ کو بہت چاہتا تھا جو بہت خوش شکل بچی تھی۔ روکسے لانا اسکی اس چاہت سے فائدہ اٹھاتی تھی۔ اور اگر مہر ماہ کے شوہر رستم کو اور زیادہ اختیارات دے دیے جائیں۔ رستم بڑا قومی ہمت اور منصف مزاج تھا وہ سارے خاندان کی حفاظت کرسکے گا اس کو وزیر بنا دینا چاہیے۔

یہ بات سلیمان کی سمجھ میں آتی تھی۔ اسے اپنی موت کا تو کوئی ڈر نہ تھا...... اگرچہ کہ روکسے لانا نے ہمت کرکے اس امکان کا بھی ذکر کیا تھا......لیکن وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس طرح اس کے بچوں کی جان بچ جائے گی۔ مصطفٰے اس وقت زرخیز مینگیشیا کا گورنر تھا۔ اس صوبے میں ولی عہدوں کی تربیت ہوتی تھی۔ اسے دارالسلطنت

سے دور مشرق میں ایک صوبے کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اور رستم کو اور زیادہ مشرق میں دیار بکر کا بیلر بے بنا کر بھیج دیا گیا۔

رستم بھی اپنے خسر سلطان سلیمان کی طرح خاموش اور ان تھک محنت کرنے والا تھا۔ مالیات کے کاروبار میں وہ ابراہیم سے بھی زیادہ فرلیس تھا۔ وہ البانوی نژاد تھا۔ اس کی دیانت پر کسی کو شک نہ تھا لیکن کسی کو پتا نہ تھا کہ وہ اتنا کنجوس بن جائے گا۔ اور روکسے لانا اپنا کام نکالنے کے لیے اسے کس طرح استعمال کرے گی۔

سلطان سلیمان کا خواجہ سرا وزیر نا اہل تھا۔ اور دیوان میں فرزین شطرنج کی طرح بیٹھے رہنے کے علاوہ اور کسی کام کا نہ تھا۔ اس کی نا اہلی کی وجہ سے روکسے لانا کو موقع مل گیا۔ سلیمان نے اسے وظیفہ پر الگ کر دیا اور اس کی جگہ رستم کو وزیر مقرر کیا۔ اس طرح اس نے سلطان فاتح کے ایک اور قانون کی خلاف ورزی کی۔ کہ اس عہدے پر صرف قابلیت کی بنیاد پر تقرر ہونا چاہیے۔ اور سلطان کے کسی عزیز کو اسکی قربت کا کوئی ممتاز منصب نہ ملنا چاہیے۔

شہزادہ مصطفےٰ کو سلطان سلیمان کے حکم کے بغیر قتل نہ کیا جا سکتا تھا۔ اور سلیمان اپنے بیٹے کے قتل کا خواب بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ایک معمولی سے واقعے سے روکسے لانا کو موقع مل گیا۔ دور دراز سرحد پر مصطفےٰ اپنے سپاہیوں میں ہر دل عزیز ہوتا جا رہا تھا۔ روکسے لانا کے جاسوسوں نے اس کا تو ثبوت فراہم کر دیا لیکن وہ اس کا کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکتے تھے کہ مصطفےٰ اپنے باپ سے غداری کرنے والا ہے۔ وہ صرف خیمہ گاہ کی گپ شپ دہرا سکتے تھے۔ نوجوان مصطفےٰ شہسواری کے لیے پیدا ہوا

ہے اب بھی وہ بادشاہ کے مقابل زیادہ تیزی سے کوچ کر کے اپنا پرچم اڑاتا ہوا دارالحرب میں جہاد کر سکتا ہے..... جب وہ انعام دیتا ہے تو مٹھیاں بھر بھر کے دیتا ہے.....خدا اس کی عمر میں ترقی کرے اور اسے ایک دن ہمارا بادشاہ بنائے۔

اس قسم کی تھوڑی تھوڑی باتیں بڑی احتیاط سے روکسے لانا نے سلطان کے کان تک پہنچائیں۔ روکسے لانا جانتی تھی کہ سلطان کو اپنے دادا کے خلاف اپنے باپ کی حمایت میں نوجوان ینی چیریوں کی بغاوت اچھی طرح یاد تھی اور وہ اکثر اسکے متعلق سوچا کرتا تھا۔ اگر اس محبوب عورت نے سلطان نے اس واقعہ کا ذکر نہ کیا ہوتا اور اپنی سوچ کا اظہار نہ کیا ہوتا تو اسے اپنی خباثت میں کامیابی نہ ہوتی۔

اس تجویز کو کامیاب ہوتے کئی برس لگ گئے۔

روکسے لانا اپنے شوہر کی طبیعت کا ان تھک مطالعہ کرتی رہی۔ وہ اس پار سے سکول کی چار دیواری سے لڑکوں کو آنکھوں پر پٹیاں بندھوا کر اندرونی تخت گاہ میں بلواتی اور ان سے گیت گواتی اور غور سے دیکھتی کہ سلطان کے چہرے پر ان کے گانے کا کیا اثر ہو رہا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ کوئی چیز اندر ہی اندر سلطان کو اس سے الگ کر رہی ہے' اور یہ اس کی دسترس سے باہر ہے۔ یہ سلطان کی طبیعت کی گہرائی میں ظلم کا شائبہ تھا' اسکے ساتھ ہر اس شے پر بے اعتباری تھی جس کو وہ اچھی طرح نہ سمجھ سکتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ایک امنگ اور خواہش بھی اس قسم کی کہ جس کو خاصگی باوجود اپنی ساری فہم وفراست کے سمجھ اور پہچان نہ سکتی تھی۔

سلطان کے خلاف سازش کرنا بہت خطرناک تھا۔ بر خود ظلم ابراہیم میں بھی اتنی

جسارت نہ ہو سکی۔ وہ یہی کر سکتی تھی کہ اس کے دل میں شکوک وشبہات پیدا کرتی جائے...... اب جب سلطان ینی چیریوں کی بارکوں کے پاس سے سوار ہو کر نکلتا تو ان کی کڑاہیوں کو ضرور دیکھ لیتا کہ کہیں وہ تو الٹی ہوئی نہیں تھیں۔ اب یہ سلطان کی عادت ثانیہ بنتی جا رہی تھی اس کا شک اس کے لیے یہ عادت ثانیہ بنتا جا رہا تھا۔

روکسے لانا بار بار گل بہار کے فرزند کی ہمت کا مردانہ ذکر کرتی۔ وہ کہتی کہ ایشیائی عسکر کے ساتھ بہت جلد مصطفےٰ مشرق میں ایرانیوں کو شورش فرو کر دے گا۔ ینی چیری بھی اس کی اطاعت کریں گے۔ حالانکہ عموماً وہ سلطان البرین والبحرین کے علاوہ کسی اور کو اپنا سپہ سالار بنانا پسند نہیں کرتے۔ اب سلیمان کو مشرق کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

لیکن یورپ والوں سے صلح کرنے کے بعد سلیمان نے مشرق کا رخ کیا۔ شاید اسے امید تھی کہ اب وہ خود ایران کے قضیے کا فیصلہ کر دے گا۔ کیونکہ شاہ طماسپ کے ایک بھائی نے بھاگ کر اس کے دربار میں پناہ لی تھی۔ اگر ایران کی حکومت وہ شاہ طماسپ اور اس کے باغی بھائی کے درمیان تقسیم کر پائے تو اس کی اپنی سرحد ہنگاموں سے پاک ہو جائے گی۔

سلیمان سارے لشکر سمیت 1548-49 کے موسم زمستان میں ایران روانہ ہو روکسے لانا نے سنا کہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی کیونکہ ایرانی اس کے مقابل لڑنے کو نہ نکلے اور پیچھے ہٹتے گئے۔ روکسے لانا نے کسی نہ کسی طرح اس کا روزنامچہ پڑھ لیا جس ک اندراجات بھی زیادہ مختصر تھے۔ اس نے پہاڑوں کو عبور کیا' اور اس کے شہسوار

اصفہان کے دروازوں تک پہنچ گئے لیکن روزنامچے میں اس نے صرف مقامات کے نام درج کیے تھے اگر چہ اب بھی پہلے کی طرح اس نے ایک امیر البحر پیری رئیس کو مشرق کی طرف بھیجا تھا۔ جس نے پرتگیزوں سے مسقط چھین لیا تھا اور خلیج فارس پر اقتدار حاصل کرلیا تھا لیکن سلیمان نے اس کارنامے پر فخر کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس نے سرف اتنا لکھا کہ جب پیری رئیس کا بیڑا بحرین کے جزیروں میں چٹانوں سے ٹکرا کر ڈوب گیا تو وہ کشتیوں سے بچ کر نکل آیا۔ مصر میں پیری رئیس پر اپنا بیڑا ضائع کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور موت کی سزا دی گئی۔

اب تک سلیمان اپنا غصہ پی رہا تھا' اب اس کا اظہار ہونے لگا۔ روکسے لانا نے یہ دیکھ کر بڑی احتیاط کی اور وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ رستم صرف خزانہ عامرہ کے کام میں مصروف رہتا ہے' اور ابراہیم کی طرح سیاسی طاقت کا بے جا استعمال نہیں کر رہا ہے۔ رستم بھی سلطان سے کانپتا تھا۔

پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی ایشیا سے واپس ہونے کے بعد سلطان کا مذہبی غلو بڑھ گیا اکثر وہ مفتی اعظم کی لکھی ہوئی تفاسیر پڑھتا تھا۔ روکسے لانا نے اسے اس طرح مائل کرنا چاہا کہ اپنے دماغ کو آرام دینے کے لیے زیادہ تر امور کے لیے مفتی اعظم سے فتوے دلوایا کرے۔

اس تجویز پر سلیمان نے عمل نہیں کیا اس نے کہا ''شرعی معاملات میں بے شک کیوں کہ ان میں شریعت کا حکم محکم ہے۔ لیکن جہاں تک اطاعت اور وفاداری کے امور کا تعلق ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کیسے معلوم کی جا سکتی ہے؟ ایسے

مقدمات میں تو حالات وشواہد کی بنا پر فیصلہ کرنا چاہیے تھا''۔

اس کا دل بہت ٹھنڈا تھا۔ اور بضد ہو کر واقعات و حالات کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ یہ روسی عورت سلطان کی فطرت کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ اب بھی دراز قد تھا لیکن اس کے قد میں خم پیدا ہو چلا تھا' اس کی بھاری آنکھ نیند کی کمی کی وجہ سے بوجھل رہتی تھی' اب بھی وہ لاکھوں انسانوں کی ضرورتوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔ اور یہ فکر اس کے دل پر زخم کی طرح گہرا تھا کہ اب اس میں اتنی طاقت نہیں رہی۔ اس نے بڑبڑا کے کہا ''پیری رئیس کو اپنے ملاحوں کو اس حالت میں نہ چھوڑنا چاہیے تھا''

یہ عورت بڑے استعجاب سے دیکھ رہی تھی کہ سلطان کو جامعہ سلیمانیہ تعمیر کرانے کی کتنی تمنا ہے۔ اپنی کھڑکی سے شہر کے پیچ وخم کے اس پار و سرو کے درختوں کی اس بلندی کو دیکھتی جس کے پیچھے شاخ زریں کے مستولوں اور بادبانوں کا ہجوم تھا۔ پرانے محل کی تعمیر کے بجائے سلیمان نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس بلندی پر وہ خود ایک نئی بستی اپنے نام سے آباد کرے۔ اس میں محل نہیں تھے۔ مسافروں کے لیے ایک سرائے تھی۔ مدرسے تھے ایک خیراتی طعام خانہ تھا ایک دار الضعفاء تھا۔ ایک دار المجانین تھا۔ اس کے وسط میں ایک عالیشان مسجد تھی۔ جو جامع ایا صوفیہ سے بھی زیادہ خوبصورت اور شاندار بننے والی تھی۔

اب اسے ایک معمار بھی اس کام کے لیے مل گیا تھا۔ یہ رستم کا بھائی صفان آغا تھا۔ جس نے بغداد کی مرمت کی تھی۔ صفان نے ایک ایسے گنبد کا خاکہ بنالیا تھا جو شہر کے ہر گنبد سے زیادہ شاندار تھا۔ اور اسے یقین تھا کہ یہ گنبد چار ستونوں پر قائم رہ

سکے گا۔ حالانہ بادی النظر میں یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

روکسے لانا کو یقین نہیں آتا تھا کہ کس طرح سلیمان اپنے اطراف ذہین دماغوں سے ہر طرح کا کام لے رہا تھا۔ صفان کا دماغ پتھر کے پل' اور سر راہ خانقاہیں تعمیر کرنے میں مصروف تھا۔ رستم کا دماغ اس دائمی کوشش میں مبتلا تھا کہ اتنا محصول وصول تعمیر کیا جائے کہ رعایا پر بار نہ ہو اور بیرونی ملکوں سے زیادہ خراج لیا جائے۔ سوکولی کا دماغ ان جہازوں کی حفاظت میں مصروف تھا کہ باربروسا کے ورثے میں جو بحری بیڑا ملا ہے اس کی کس طرح نگہداشت کی جائے۔ سلیمان کی طرح ان لوگوں کی خوشنودی بھی نہیں خریدی جا سکتی تھی نہ ان کی توجہ روزمرہ کے کام کاج اور فرائض سے ہٹائی جا سکتی تھی۔

☆☆☆

کمان کی تانت اور تین گھونگے

لیکن مصطفےٰ کی جان اتنی ہی محفوظ تھی جتنی کہ مفتی اعظم کی۔تاوقتیکہ 1553ء کے موسم گرما میں مشرقی سرحد پر بدقسمتی سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ سب اس طرف توجہ ہو گئے۔مشرق میں ایرانیوں نے پہاڑوں سے نکل کر ارض روم پر قبضہ کر لیا۔یہ ترکوں کا وہ قلعہ تھا جہاں سے مشرق اور مغرب کے درمیان پہاڑی دروں کی نگہداشت کی جاتی تھی۔سلیمان کی عمر اب ساٹھ سال کے قریب ہونے والی تھی۔ اس نے بجائے خود مشرق کا رخ کرنے کے فوج کو رستم کی سپہ سالاری میں روانہ کیا۔

بہت جلد سرائے کو تشویشناک خبریں موصول ہونے لگیں۔فوج کے تجربہ کار سپاہی رستم کو اس لیے ستا رہے تھے کہ سلطان نے خود اس فوج کی قیادت نہیں کی تھی۔ معلوم نہیں کیا بات تھی کہ جب فوج اماسیہ میں مصطفےٰ کی زیر تحویل صوبے سے ہو کر گزر رہی تھی تو اس کی رفتار بھی بہت سست ہو گئی تھی سپاہیوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ اگر سلطان اتنا ضعیف ہو گیا ہے کہ بنفس نفیس ان کی قیادت نہیں کر سکتا تو پھر شہزاد مصطفےٰ کو ان کی سپہ سالاری کرنی چاہیے۔ان کا کہنا تھا ''یہی ہونا چاہیے صرف وزیر اعظم یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بجائے ولی عہد فوج کی سپہ سالاری کرے۔یہ رستم عثمانی النسا کا نہیں۔اگر ہم اس کو قتل کر ڈالیں اور سلیمان کو معزول کر دیں تو ہمارا سلطان بن جائے گا اور جنگ میں ہماری سپہ سالاری کرے گا''۔

اس سے پہلے بھی لوگ ایسی باتیں کیا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ میدان جنگ

میں ساری ترک فوج میں یہی چرچا تھا۔ رستم نے خفیہ طور پر اطلاع بھیجی کہ اس سے سلیمان کے دل میں شک پیدا ہوا۔ اور اس نے فوراً اس پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وزیراعظم نے یہ الزام لگایا کہ مصطفےٰ نے باغیوں کی ہمت افزائی کی ہے۔ اب سلیمان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو وہ تیزی سے مشرق کی جانب سفر کرے یا تخت و تاراج سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔

رستم کی اطلاع پر اسے بھروسہ تھا' پہلے تو اس نے فوراً کوچ کی تیاری کی مگر پھر ہچکچانے لگا۔ وہ جب فوج میں پہنچ جائے گا تو کیا ہوگا۔ وہ جبراً کس طرح ساری فوج کو اپنا تابعدار بنا سکتا ہے کچھ لوگ مخالفت کریں گے۔ اور مخالفین قتل کیے جائیں گے۔ ان حالات میں آل عثمان کا قانون یہ تھا کہ ایک جان کی قربانی اچھی ہے تاکہ ہزاروں کا کشت و خون نہ ہو۔

سلیمان کو غالباً بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس کے بیٹے کا کیا قصور ہے؟ کس طرح اسے ملزم ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ وہ خود کوئی فیصلہ نہ کرسکا اور ناموں کا اظہار کیے بغیر اس نے یہ مقدمہ قاضی القضاۃ کے سامنے ان الفاظ میں پیش کیا:

''اس شہر میں ایک تاجر رہتا تھا' وہ خود تو سفر پر روانہ ہوگیا اور اپنا سارا مال اسباب اپنے ایک منظور نظر غلام کی تحویل میں چھوڑ گیا۔ اپنے مالک کے غیبت میں اس غلام نے مال اسباب کی چوری کی اور اس کو قتل کرنے کے منصوبے باندھنے شروع کیے۔ ان حالات میں قانون کے بموجب غلام پر کیا سزا عائد ہوتی ہے''۔

یہ مسئلہ بلا کسی کی اظہار رائے کے مفتی اعظم ابن سعود کے سامنے رکھا گیا۔ لیکن

اس قاصد کے پیچھے پیچھے حرم سرا روکسے لانا کا بھیجا ہوا ایک اور قاصد بھی پہنچا جس نے مفتی اعظم کو یہ بتا دیا کہ اس مسئلے کا سلطان کی ذات سے تعلق ہے۔

مفتی اعظم نے کھرے پن سے جواب دیا ''میرے خیال میں اس غلام کی سزا یہ ہے کہ اسے طرح طرح کے عذاب دے کر قتل کر دیا جائے''۔

یہ ساری کی ساری سازش روکسے لانا کی تھی۔ ابن سعود کا فتویٰ رستم کا خفیہ معروضہ سلیمان کے دربار کاص اور دیوان میں سرگوشیاں یہ سب اسی عورت کی سازش تھی۔

سلیمان نے رستم کو سپہ سالاروں سے سبکدوش کر کے واپس بلا بھیجا شہر کی سرداری اس نے اپنے تیسرے بیٹے بایزید کے سپرد کی جو اس کا منظور نظر تھا۔ اور اپنے خانگی محافظ دستوں کے ساتھ باسفورس پار کر کے وہ سقوطری پہنچا اور یہاں سے مشرق کے پہاڑوں کی جانب طور طویل سفر پر روانہ ہوا۔ اس نے مصطفےٰ کو حکم نامہ بھیجا کہ حاضر ہو کے بالمشافہ اپنی صفائی اور بریت کا ثبوت فراہم کرے۔

روکسے لانا اس کا انتظار کر رہی تھی کہ سلیمان کا حکم نامہ فوج کے پڑاؤ تک پہنچ جائے اسے یقین تھا کہ گل بہار کا بیٹا مصطفےٰ اتنا بے وقوف نہیں کہ اپنے باپ کے حکم کی تعمیل کرے لیکن مصطفےٰ اگر بھاگ نکلتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس پر جو الزام لگایا جا رہا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ جب روکسے لانا کو یہ اطلاع ملی کہ باوجود اسکے کہ مصطفےٰ کے رفیقوں نے اس کو سلطان کے پاس نہ جانے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو چکا تھا تو اس عورت کو یقین نہ آیا۔ اس

کے جاسوسوں نے کہا کہ مصطفے نے چلتے چلتے یہ کہا کہ اگر اس کی قسمت میں موت ہی لکھی ہے تو اس سے زیادہ اور کیا خوش قسمتی ہوگی کہ وہ اپنے باپ کے ہاتھوں قتل ہو۔

لیکن مصطفے بڑی شان سے اپنے راہرو پر سلطان کے خیمہ گاہ پہنچا۔ اس نے سلطان کے خیمے کے قریب ہی اپنا خیمہ نصب کرایا۔

اور اپنے خیمے سے وہ سلطان کے خیمے کی طرف صرف دو ساتھیوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ سلطان کے خیمے کے دروازے پر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھہر گیا کیونکہ ینی چیری اس کے اطراف میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ اپنے باپ سے ملنے کے لیے اکیلا آگے بڑھا۔ بارگاہ میں تین گونگے بہرے شخص اپنے ہاتھ میں تیر کمان کی تانت لیے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

جاسوسوں کا بیان تھا کہ سلیمان باریک چلمن کے پیچھے مصطفے کے قتل کا منظر دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اس کے دونوں ساتھیوں کو خیمے کے دروازے پر قتل کیا گیا مصطفے کی لاش قالین پر لٹا دی گئی اور فوج کے سپاہیوں کو اس کے قریب سے کوچ کر جانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ اس کی لاش نہ دیکھ سکیں۔

اس کے بعد خبریں آئیں ان کی طرف روکسے لانا نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ یہ کہ ینی چیریوں نے کس شد و مد سے شہزادہ مصطفے کا ماتم کیا۔ اور کسی کو سزا نہیں دی گئی۔ لیکن تمام روز ینی چیریوں نے کھانا نہیں کھایا۔ انہوں نے رستم کو قتل کر دینے کا مطالبہ کیا جو حفاظت سے شہر کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔

بروسہ کے قدیم شہر میں اس سے بدتر واقعات پیش آئے۔ وہاں مصطفے کی بیوہ کو اندیشہ تھا کہ اس کے چار سالہ فرزند کی جان خطرے میں ہے، لیکن حرم سرا سے ایک

خواجہ سرا یہ پیغام لے کر آیا کہ اسے حرم سرا میں طلب کیا گیا ہے اس خواجہ سرا نے کسی نہ کسی طرح بچے کو ماں سے جدا کر کے قتل کر دیا۔ جب اہل بروسہ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو شہریوں نے دوڑ کر قاتل کا تعاقب کرنا چاہا لیکن وہ بچ نکلا۔

مصطفے کا دامن ہر طرح کی غداری سے پاک تھا۔ ایسے نازک موقع پر اس نے بڑی عالی ہمتی سے کام لیا تھا اور وہ اس سازش کا شکار ہو گیا جس کی ذمہ داری اس روسی عورت پر تھی۔

یہ بڑی آسان بات معلوم ہوتی تھی کہ وہ اپنے بیٹوں کے راستے سے اپنے سوتیلے بیٹے کو ہٹا دے لیکن اس کا انجام ایسا شدید ہوا کہ خود اسے اس کی کوئی توقع نہ تھی۔ اس واقعہ کا آل عثمان کے مستقبل پر بڑا فیصلہ کن اثر پڑا۔ سلیمان نے سلطنت کو جس راستہ پر لگایا تھا اس پر آگے بڑھنے کے لیے اگر عثمانیوں کو مصطفے جیسے راہبر مل جاتے تو یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ ترکوں کا مستقبل کتنا شاندار ہوتا۔

پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ سلیمان کے خلاف نہیں کیونکہ ان کی رائے میں جس نوجوان کو اتنی بے دردی سے قتل کیا گیا وہ اسی کا تو بیٹا تھا نہیں بلکہ رستم اور روکسے لانا کے خلاف۔ چونکہ کھلم کھلا سلطان کی منکوحہ کا نام نہ لیا جا سکتا تھا' نہ کوئی اسے ہاتھ لگا سکتا تھا۔ اس لیے سارا غصہ وزیر اعظم کی طرف پلٹ گیا جو اس عورت کا داماد تھا۔ ایک شاعر یحیی نے نوجوان عثمانی شہزادے کے ماتم میں ایک مرثیہ لکھا جو بہت جلد مقبول عام ہو گیا۔ یحیی البانوی نژاد تھا۔ پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہو گیا عقوبت سے قطعاً نہ ڈرتا تھا۔

رستم جانتا تھا کہ عوام میں اس کے خلاف کس قدر نفرت ہے۔ اس نے دیوان میں یحیی کو پکڑ بلایا اور پوچھا ''تم نے یہ جرات کس کیسے کی کہ میرے متعلق لکھا کہ شیطان کی طرح میری رسی بھی دراز ہے اور سلیمان کا تخت مصطفی سے محروم ہو گیا۔

حاضر دماغ شاعر نے جواب دیا ''سب کی طرح میں نے سلطان کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا سب کی طرح اس کے انجام پر میں بھی روتا ہوں''۔

غصہ کے عالم میں رستم نے یحیی کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن سلیمان نے شاعر کو سزا دینے کی اجازت نہ دی۔ اس نے رستم اور وزارت عظمی کے عہدے سے معزول کر دیا۔ سلطان کا قاصد جو سلطنت کا دفتر دار اور خزانچی تھا۔ دیوان میں رستم کے آگے بڑھا اور سلطان کے حکم کے مطابق اس سے آل عثمان کی مہر طلب کی۔ رستم کو اپنے گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور مہر سلطنت کے وزیر ثانی کے سپرد کر دی گئی۔

اتنے میں جہانگیر کا قتل ہو گیا۔ یہ مفلوج اور بیمار لڑکا سلیمان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور ہمیشہ سلیمان کے ساتھ رہتا۔ اس کو مصطفی کی موت کا ایسا شدید صدمہ ہوا کہ وہ خود جانبر نہ ہو سکا۔ شاہی طبیب اس کی جان نہ بچا سکے۔

روکسے لانا کی چالاکی کی طرح اب اس رقابت کو فرو نہ کر پاتی تھی۔ جواب اس کے اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان سلگنے لگی تھی۔ وہ خود سلیم کو زیادہ چاہتی تھی اور جسے اور کوئی پسند نہ کرتا تھا۔ سلیم کو اعصابی دورے پڑا کرتے تھے جن میں اس پر بڑی دہشت طاری ہو جاتی تھی اور وہ اپنے آپکو سنبھالنے کے لیے شراب پینے لگا۔ اور کنیزوں میں بہت وقت گزارتا تھا۔ اس کی ماں نے سلیمان کو یہ سمجھانا چاہا کہ سلیم کو

اپنا ولی عہد بنائے لیکن اس نے یہ بات نہ مانی۔سلیمان بایزید کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ جس میں مصطفے کی سی تمام صفات تھیں جو بڑا احساس اور بڑا دور اندیش تھا۔

ان حالات میں سیاہ بالوں اور بھوری آنکھوں والا بایزید بلا کسی خوف اور تشویش کے تعلیم اور فوجی تربیت حاصل کرتا رہا۔ادھر رنگیلے سلیم نے اپنے درباریوں کے ساتھ اپنے بھائی کے خلاف سازشیں شروع کردیں

سلیمان روکسے لانا کے بیٹوں کو اچھی طرح قابو میں رکھ سکتا تھا لیکن اس کی راہ میں مصطفے کی روح حائل تھی اور وہ روح نے ایک جعلی شخص کی صورت اختیار کی۔اور مردہ شہزادے کا بھیس بدل کر وسط اناطولیہ کے قبیلوں کو بھڑکا کے درویشوں کی مدد سے اچھی خاصی جمعیت اکٹھی کرلی۔یہ شخص مصطفے سے اس قدر مشابہ تھا کہ وہ فوجی افسر جو مصطفے کو اس کی زندگی میں اچھی طرح جانتے تھے قسمیں کھا کے کہتے تھے کہ یہ بالکل جیتا جاگتا مصطفے ہے۔

بہت جلد اس جعلی مصطفے کا بھرم کھل گیا یہ گرفتار ہو گیا لیکن اس نے جو فتنہ کھڑا کیا حتا اس کی لو سلیمان کے دونوں زندہ بیٹوں کی خیمہ گاہوں تک پہنچ گئی۔یہ ایک ذراسی چنگاری تھی جسے ڈرپوک سلیم نے ہوا دے کے بھڑکایا تھا۔

سلطان جب اکیلا ہوتا جب وہ اکیلا باب عالی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گزرتا۔جب عشاء کی نماز کے بعد اس کا خادم کپڑے تبدیل کروا کے آداب بجالاتا اور رخصت ہو جاتا وہ اکیلا لچی کاری کے فرش پر اپنے بچھونے کی توشک پر جالیٹتا اور تنگ دریچے سے سرو و صنوبر کے درختوں کے درمیان ستاروں کے نقشے دیکھتا۔تو

اکیلے میں سلیمان کو اپنے بیٹے کا چہرہ نظر آتا۔ وہ کبھی اس کا ذکر نہ کرتا۔ اب وہ رات کو چراغ جلتا رہنے دیتا۔ اور اس طرح چراغ کی روشنی میں البانوی یحییٰ کا لکھا ہوا مرثیہ پڑھتا کیونکہ یحییٰ کو بھی مصطفےٰ سے محبت تھی۔

جھوٹے سازشی نے کیا چھپی ہوئی نفرت دکھائی......جس کی وجہ سے ہمارے آنسو تھمنے نہیں پاتے......اور موت مصطفےٰ کے لیے کیا تحفہ لائی۔ اجنبیوں کی طرح وہ ایک منزل کی طرف چل پڑا''۔

اب سلیمان کی ٹانگوں میں گٹھیا کی تکلیف تھی' جب وہ تھک جاتا تو اس کی سانس رکنے لگتی جہاں کوئی ہنگامہ ہوتا اگر وہ خود موقع پر پہنچ کر تحقیقات نہ کر پاتا تو صحیح واقعات اس کے علم میں نہ آتے اب وہ ساٹھ سال کا تھا اور اس کے لیے زیادہ چلنا پھرنا اسان نہ تھا

پہلے وہ ابراہیم کو قضیے چکانے کے لیے مصر بھیج دیا کرتا۔ اس مرتبہ مصر کے صوبہ دار اور نئے وزیر احمد کے درمیان تنازیہ شروع ہوا تو وہ خود مصر نہ جاسکا۔ سلیمان احمد کو بڑا ایماندار سمجھتا تھا صوبیدار کو بھی ایماندار سمجھتا تھا۔ لیکن اس جھگڑے کی بنیاد یہ تھی کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بد دیانتی سے دولت کمانے کے لیے محاصل میں اضافہ کر رہا ہے۔ سلیمان کے ہاتھ میں احمد کا لکھا ہوا ایک خط پہنچ گیا۔ جس مُں اس نے اپنے نمائندوں کو محض صوبیدار کو ذلیل کرنے کے لیے محاصل میں اضافہ کرنے کی تاکید کی تھی۔

اس خط کو پڑھ کر سلطان غصے کے عالم میں احمد کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ قتل

کے بعد اسے اطلاع ملی کہ احمد مصر کے محاصل بڑھانے سے ہچکچاتا تھا۔لیکن رستم اپنی قابلیت سے وہاں سے بہت زیادہ محاصل وصول کیا کرتا تھا۔روکسے لانا نے احمد کے خلاف مواد اکٹھا کر دیا تھا۔

حرم سرائے مس اس کی اپنی بیٹی مہر ماہ اس کی خوشامد کرتی اور روکسے لانا اصرار کرتی کہ وزارت کے منصب پر رستم کو بحال کر دیا جائے۔رستم ہی اعتماد کے قابل ہے۔ایک سال بعد سلطان نے ان کی بات مان لی۔

رستم نے ایک معاملے میں بڑی احتیاط سے محاصل اور خزانے کے معاملات کے علاوہ سلطان کے اور کسی فرض و اختیار کو ہاتھ نہ لگایا۔اب سلیمان اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ ان اختیارات کو سنبھالنے میں اور کوئی اس کا ہاتھ نہیں بٹا سکتا تھا۔مفتی اعظم لاکھ فتوے دیتے رہیں فتووں کے متعلق فیصلہ اسی کے اپنے اختیار کی بات تھی۔اس کے گھرانے مُس جو دیمک لگ چکی تھی اس کا مداوا اس کے سوا اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔

وہ اب تک یہ دیکھ نہیں پایا تھا کہ اس کی اپنی حرم سرا میں روکسے لانا اور مہر ماہ کی سازشوں کی وجہ سے نظم و نسق سلطنت میں ایک بڑی مہلک کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔اگر پردہ نشین عورتیں دیوان پر حاوی ہو جائیں تو رفتہ رفتہ وہ سلطنت کے سارے امور پر چھا جائیں گی کیونکہ وہ خود تو نظر سے اوجھل رہتی ہیں۔اور اندرونی بارگاہ سے باہر کوئی ان کی آواز تک نہیں سن سکتا۔

رستم ان بے شمار عثمانی وزیروں میں سے پہلا وزیر تھا جس کا تقرر حرم سرا نے کیا تھا۔

پہاڑی پر خانقاہ

سلیمان کی ایک کمزوری تھی ۔ کہ وہ کبھی کبھی ایسی تجویزیں سوچتا تھا جن کو عمل میں لانا انسان کی طاقت سے باہر تھا۔ اس کا تصور یہ تھا کہ تقاضائے انصاف ایک اٹل قانون ہے وہ جو وعدہ کر لیتا پورا کر کے رہتا خواہ اسے کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔ اس پر اسے بڑا فخر تھا اپنی تلوار کے لعل و جواہر سے مرصع قبضے پر نہیں کیونکہ عثمانی تلوار محض عثمانی طاقت کی نشانی تھی۔ اس طرح اس کا جگمگاتا ہوا ملبوس اس کی زندگی کی ضرورتوں کا محض ایک حصہ تھا۔شاذونادر ہی وہ کسی چیز کو پسند کرنے لگتا جیسے اس کے اصطبل کے اعلیٰ نسل کے گھوڑے اطالوی صناع چیلینی کے ہاتھ کا بنا ہوا مرصع زریں جام یا کوئی نادر گھڑی۔

اوگیر بوزبک یہ قصہ بیان کرتا ہے کہ کسی شخص نے اعتراض کیا کہ چاندی کے ظروف میں کھانا کھانا حروم ہے۔اس دن سے اس نے مٹی کے برتنوں میں کھانا کھانا شروع کر دیا۔ترکوں اوران کے سلطان کے کردار کے یہ دونوں رخ ان فرنگیوں کو بہت حیران کرتے۔ جواب عالی میں حاضر ہوتے۔انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ترک بےرحم بھی ہیں اور صوفی منش بھی۔ایک فرنگی کی یہ رائے تھی کہ بڑے معاملات میں رئیسوں کی سی عالی ظرفی دکھاتے ہیں۔چھوٹے چھوٹے معاملات میں ان کی عادتیں ڈاکوؤں کی سی ہیں''۔بوزبک دیکھا کرتا تھا کہ یہ عجیب وغریب ترک زمین سے کاغذ کے ایسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھا لیتے ہیں جن پر اللہ رسول

کا نام لکھا ہوتا ہے اور ان کو جھاڑیوں یا مسجدوں میں چھپا کے رکھ دیتے ہیں تا کہ پیروں کے نیچے یہ مقدس نام کچلنے نہ پائیں

عام طور پر اہل یورپ اپنے تصورات اور خواہشات کے مطابق ترمیم کر لیتے تھے۔ سلیمان یہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے پیش رووں کی طرح خلیفۃ المسلمین ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ اس کے برعکس اور براعظموں کے نقطہ اتصال قسطنطنیہ کو اس نے ایک بین الاقوامی پناہ گاہ بنایا۔ اگر اس میں اسے پوری کامیابی نہیں ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس عظیم الشان شہر کو وہ اس طرح زندگی میں نہیں بخش سکتا تھا۔ جیسے سمندر پار رومتہ الکبریٰ کو حاصل تھی۔ جہاں مقدس کلیساؤں کی زیارت کے لیے زائرین جمع ہوتے تھے وہاں کے مناعوں کی کاریگروں کی دکانوں' بازاروں اور خاص کر بازار حسن کی سیر کرتے

قسطنطنیہ اب بھی پہلے کی طرح پناہ گزینوں کا شہر رہا۔ اس میں جا بجا اقلیتوں کے بازار اور محلے تھے یونانی کلیسا اور یہودیوں کے معبد تھے۔ ترکوں کے بے شمار حمام اور مقبرے تھے اس شہر کی حالت ایک عظیم الشان کاروان سرا کی تھی' جہاں لوگ ادھر ادھر سے جوق در جوق آ کے جمع ہوتے اور پھر اپنا اپنا راستہ لیتے۔

سلیمان اگر کسی کام کا قصد کر لیتا تو پھر مشکل سے اپنا ارادہ بدلتا۔ یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے پایۂ تخت کو دنیا کا سب سے بڑا مرکزی شہر نہ بنا سکا تھا اس نے صفان معمار کر حکم دیا کہ پرانے محلوں کے کھنڈر کے پیچھے ایک خانقاہ سلطانی تعمیر کرے۔ اگر قسطنطنیہ مشرق کا رومتہ الکبریٰ ثانی نہیں بن سکتا تو نہ سہی۔ استنبول کے شہریوں کو شہر

کے اندر ایک اور چھوٹا سا شہر بنوا دے گا۔ اس نے ارادہ کیا کہ جس طرح رومتہ الکبریٰ میں واتی کا نو کا چھوٹا سا شہر ہے۔ جو پاپائے روم کا مستقر ہے اسی طرح کا مکمل اندرونی شہر اس نے قسطنطنیہ میں بنوانا چاہا۔

چھ سال کی کوشش کے بعد اس کو اور اس کے ان تھک معمار اعظم نے سنگ مرمر اور سنگ سلیمانی کی سلیں ویران کلیساؤں اور بیلی ساریس کے محل سے اکھڑوا کے لگوائیں۔ اس زمانے میں بیلی ساریس کا محل منہدم نہیں ہونے پایا تھا۔ اس زمانے میں عبادت گاہوں کی تعمیر اور آرائش کا عجیب کارنامہ تھا یہ وہی زمانہ تھا کہ رومتہ الکبریٰ میں بوڑھا میکا ئیل آنچلو کلیسائے سان پطرس کا گنبد تعمیر کرنے کی کوشش میں منہمک تھا۔ اس گنبد کا خاکہ براما نتے نے بنایا تھا' اس کی سرپرستی کرتے تھے۔ سلیمان نے منشاء کے مطابق جامع سلیمانیہ کے کاریگروں نے بھی ایسی ہی پھرتی دکھائی کہ جس پھرتی سے دوسرے کاریگروں نے ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں خیر الدین باربروسا کے لیے بحری بیڑا تیار کیا تھا۔

جامع سلیمانیہ شہر کی ساری آبادی کے لیے عبادت گاہ تھی۔ یہ نہ سلطان کا اپنا گھر تھا نہ مفتی اعظم کا یہ خانہ خدا تھا۔ لیکن اس زمانے میں پیرس میں فرانس اول لودر کی دوبارہ تعمیر کرا رہا تھا۔ تا کہ اسے اپنے رہائشی قصر کے طور پر استعمال کر سکے۔ اور کچھ ہی عرصے کے بعد کیتھرین دے میدی چی پیرس میں تیری کا قصر بنوانے والی تھی۔ پانی کا ایک حوض تھا جو کے فواروں کے ذریعے پینے کا صاف پانی حماموں میں آتا تھا۔ یہاں متبدیوں کے لیے ایک مکتب تھا جہاں چھوٹے چھوٹے بچوں کو

قرآن خوانی اور آسان ریاضی کی تعلیم دی جاتی۔ اس کے علاوہ یہاں چار اعلیٰ قسم کے مکاتب تھے جن میں علوم طبعی کی تعلیم دی جاتی اور ساتھ ہی مابعد الطبیعات موسیقی اور ہیئت جیسے غیر معمولی علوم بھی پڑھائے جاتے۔ رصد گاہ میں ماہرین نجوم ستاروں کی گردش کا حساب رکھتے۔ درسگاہ میں ملا باری باری سے تلاوت قرآن کا سلسلہ شام و سحر جاری رکھتے۔

بیماروں کے لیے ایک شفاخانہ تھا۔ جس کے ساتھ ایک طبی مدرسہ وابستہ تھا۔ غیر مسلموں کے لیے ایک اور چھوٹا سا شفاخانہ تھا۔ جہاں ان کے مذاہب کے اصول کی بنا پر ان کا معالجہ ہو سکتا تھا۔ مقامی اور باہر سے آئے ہوئے عیسائیوں کے لیے ایک سرائے مخصوص تھی جس میں وہ تین دن تک مہمان ٹھہر سکتے تھے۔ اور انہیں شوربہ جو اور گوشت مفت کھانے کو دیا جاتا تھا۔

طالب علموں کے لیے مسجد کی وسیع بارہ دری میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا یہ کتابیں زیادہ تر مسودات کی شکل میں تھیں۔ جنہیں خطاطوں نے لکھا تھا اور تصویروں کو مطلا اور مذہب حاشیوں سے آراستہ کیا تھا۔ ابھی تک ترکوں نے یورپ کا نیا علم طباعت نہیں سیکھا تھا۔ کتب خانہ کی زیادہ تر کتابیں فقہ اور حدیث کے متعلق تھیں لیکن علم کے متلاشی کے لیے جغرافیہ حکایات لقمان اور اخوان الصفا سے لے کر جامی اور رومی جیسے شعرا کے دواوین تک ہر طرح کی کتابیں جمع کر دی گئی تھیں۔ اوپری بارہ دری میں ایک مخزن تھا جہاں جو چاہتا مہر لگا کے اپنی امانت محفوظ رکھوا سکتا تھا۔ نقد و جواہر زر و زیور ہو یا کوئی اور معمولی سے محفوظ رکھنے کے قابل چیز جو چاہتا وہ

اپنی امانت جامع سلیمانیہ کے اس خزانہ عام کے نگہبانوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ یہاں چوروں اور محصول وصول کرنے والوں سے یہ مال محفوظ رہتا تھا۔

یہ عظیم الشان مسجد جامع سلیمانیہ بلندی پر واقع تھی باہر سے یہ بھی اور ترک مسجدوں کی طرح جامع ایا صوفیہ کی شان وشوکت کی نقل معلوم ہوتی۔ لیکن باہر سے بھی یہ فرق نظر آتا تھا کہ اس کا صحن بڑے بڑے باغات کی طرح وسیع تھا۔ اندر سے صفان نے اسے ایک بڑی مختلف شے بنا دیا تھا۔

آج بھی جب کوئی جامع سلیمانیہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس کی وسعت اور خاموشی روشنی اور تاریکی کے باہمی تناسب کے اثر سے ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دیواروں کے رنگ اور چاروں چوکور بنیادی ستون جن پر رنگ برنگی مرمر کی سلیں جڑی ہوئی ہیں اسے محسور کر دیتی ہیں۔ لیکن اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں کلیساؤں کی طرح کوئی مجسمہ نہیں، کوئی آگے کی طرف نکلا ہوا حصہ نہیں کہ سطحوں کے اس وسیع تصور میں خلل انداز ہو سکے۔

منقش شیشوں کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آتی ہوئی روشنی۔ ان شیشوں پر نقاشی ابراہیم شرابی نے کی تھی۔ مسجد کے اوپر عظیم الشان گنبد کی گولائی ہے۔

یہ گنبد جامع ایا صوفیہ کے گنبد سے چوڑائی میں پانچ میٹر زیادہ ہے اور کلیسائے سینٹ پیٹر کے گنبد سے پانچ میٹر کم چوڑا ہے۔

لیکن شاید ہی دنیا میں کوئی عمارت ایسی ہو جو اندر سے عمارت نہ معلوم ہوتی ہو بلکہ جس کے اندر اس قسم کا احساس پیدا ہو کہ جیسے کوئی شام کے وقت کھلے آسمان کے

نیچے کھڑا ہے۔

سلیمان بوڑھا ہوتا جا رہا تھا لیکن اس کا عزم ابھی جوان تھا۔ اور اس عزم کی وجہ سے ملک بھر میں جا بجا مساجد سلیمانیہ کی تعمیر کی جانے لگی۔ یہ صرف صفان اور اس کے ہوشیار کاریگروں کا ہی کام تھا کہ سلیمان کی مرضی کے مطابق ان تمام مساجد کے خاکے تیار کرے اور انہیں تعمیر کرائے۔

سلیمان کے زمانے میں جو عمارتیں اس کے حکم سے تعمیر ہوئیں ان میں سے ایک ثلث سے کم ایسی تھیں جن کا تعلق ذاتی تعمیر سے وان میں ستائیس محل تھے اٹھارہ حجرے اور پانچ خزانے کی عمارتیں۔ رفاہ عامہ کے لیے ایک ثلث کے قریب عمارتیں تعمیر ہوئی ں ان میں سے اٹھارہ سرائیں تھیں جو شاہراہوں پر مسافروں کے لیے تعمیر کرائی گئیں تھیں اکتیس حمام تھے سات پل' اور سات گزرگاہیں سترہ باورچی خانے تھے اور تین اسپتال تھے۔

ایک ثلث سے زیادہ عمارتیں مساجد اور مکاتب پر مشتمل تھیں۔ سلطان نے اپنی رعایا کے لیے پچھتر بڑی مسجدیں انچاس چھوٹی مسجدیں بنوائیں۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک مکتب تھا قسطنطنیہ کے قریب قریب ایک ایک گاؤں میں ایک ایک مسجد بن گئی جو گاؤں میں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں اور فقہ کے اعلیٰ تدریس کے لیے سات اور مکاتب کی تعمیر ہوئی۔

ان میں سے زیادہ تر عمارتیں پتھر کی تھیں یا پتھر اور اینٹوں سے ملا جلا کر بنائی گئی تھیں ہر عمارت کے اطراف مں ایک باغ اور باغ کے اطراف چاردیوای تھی۔

یروشلم میں آج بھی سلطان سلیمان کے آثار باقی ہیں۔ پرانے شہر کے اطراف جو فصیل ہے وہ سلیمان ہی نے بنوائی تھی اور اس کا صدر سنگین روازہ اب بھی برج داؤد کہلاتا ہے۔ یروشلم کے مشرقی حصے میں سلیمان نے پرانی عبادت گاہوں کی مرمت کرائی جو کلیسائے حجر اور مسجد اقصیٰ کے اطراف واقع تھیں۔ اس سارے مقدس علاقے کو اہل اسلام بیت الحرام کہتے ہیں۔ سلیمان نے فرانسکن راہبوں کو بیت الحرام کے احاطے سے منتقل کر دیا اور اس کے معاوضے میں اس عیسائی برادری کو بسانے کے لیے عیسائی ضریح مقدس کے قریب ہی کچھ زمین عطا کر ڈالی

یہ تعجب کی بات نہیں کہ سلیمان اپنی روز افزوں دولت کو عمارتوں کی تعمیر پر اس فراخدلی سے خرچ کیا۔ وہ اس دولت کو اپنی ذاتی دولت نہیں سمجھتا تھا وہ الملک اللہ کی طرح اس نظریہ کا قائل تھا کہ یہ سارا مال بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کی سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ اسے خدا کے نام پر صرف کیا جائے۔

اپنے استعمال کے لیے اس نے صرف ایک قصر بنایا۔ یہ وہ محل تھا جو گرمیاں گزارنے کے لیے اس نے باسفورس کے اس پار تعمیر کیا اور جیسے جیسے اس کی عمر گزرتی گئی وہ زیادہ تر کشتی پر سوار ہو کے اسی محل کا رخ کرتا اور آرام لیتا۔

زیادہ تر عمارتیں اور زمینیں اس نے شریعت اسلام کے لیے وقف کر دیں اور یہ تمام تر جائیداد اوقاف میں شامل کر دی۔ اس طرح آہستہ آہستہ سلیمان خود علمائے شریعت کا پایہ مضبوط کرتا جا رہا تھا۔ اور حکام نظم ونسق کی حیثیت کو کمزور کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود نظم ونسق حکومت کا اعلیٰ ترین عامل تھا۔ وہ رفتہ رفتہ عیسائی یورپ کے

جدت پسندوں اور طرز فکر سے منحرف ہو رہا تھا۔ ارو مذہب کے غیر متزلزل سائے میں پناہ لے رہا تھا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اسے امید تھی کہ صرف اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہی مصطفے کے بے گناہ خون کے جرم کو معاف کر سکتا ہے۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

امن و دولت کا خطرہ

معلوم ہوتا تھا کہ سلیمان کے خاندان پر خدا کا عذاب نازل ہو رہا تھا روکسے لانا بیمار رہنے لگی تھی۔ اس کے ان دونوں بیٹوں کے درمیان جو زندہ بچے تھے کھلم کھلا جنگ کے آثار تھے۔ روکسے لانا اب بھی اس کی منت کرتی تھی کہ ذہین اور قابل بایزید کے مقابلے میں کمزور سلیم کی حمایت کرے۔ لیکن اس زمانے میں سلیمان کا قطعی ارادہ یہی تھا کہ بایزید کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اس کے سوا اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ترک قوم کی سرداری کی اہلیت رکھتا ہو۔

پھر اندرونی تخت گاہ کے قریب ہی اپنے حجرے میں روکسے لانا نے وفات پائی۔ چونہ وہ عورت تھی اس لیے محل سرا سے باہر اسکی موت کا زیادہ چرچا نہیں ہوا۔

سلیمان نے اپنا غم ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اپنی زندگی کا نصف حصہ اس نے اس عورت سے عشق کی حالت میں گزارا تھا۔ اس کا اثر بہت زیادہ قبول کرلیا تھا اور کم از کم دو مرتبہ اسکے ہاتھوں سے دھوکہ کھایا تھا۔ لیکن سلطنت کی لگام اس کے ہاتھوں میں نہ جانے دی تھی۔ ابراہیم کے بعد اور کسی کو پھر سلطنت کے امور میں اتنا اقتدار حاصل نہ ہو سکا۔

اس لیے اس کی موت کا خارجی حالات پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چند سال پہلے شرع کے پابند ترک اس سے اس لیے نفرت کرتے تھے کہ وہ روسی تھی اور اس کا اثر بہت بڑھ گیا تھا۔ اس اس کے خلاف کسی طرح کا جذبہ باقی نہ رہا تھا۔ جامع سلیمانیہ میں

جو لوگ نماز پڑھنے کے لیے جمع ہوتے ان کے لیے تعجب کی بات نہ تھی کہ مسجد کے عقب میں روکسے لانا کی قبر بنائی گئی تھی یا یہ کہ سلطان نے عورتوں کے بازار کے قریب خاصگی خرم کے نام پر ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تھا اور مسجد کے ساتھ وقف کی آمدنی سے ایک مدرسہ اور ایک دارالمجانین وابستہ کر دیا تھا۔ دارالمجانین میں علمائے دین دیوانوں کی ڈھارس بنانے کی کوشش کرتے۔

روکسے لانا بس اتنی ہی یادگار باقی رہ گئی جو وہ اپنی زندگی میں اپنی نسوانی قوت ارادی کے زور سے سلطان کے مزاج پر حاوی تھی۔ اور جو چیز حاصل کر لیتی تھی اسے پھر اپنے چنگل سے نکلنے نہ دیتی تھی۔ سلیمان کبھی اس کا ذکر نہ کرتا شاید وہ سوچتا ہو کہ اگر بجائے روکسے لانا کے وہ خود بیمار ہو جاتا اور روکسے لانا زندہ رہ جاتی اور سلطان کی والدہ کی حیثیت سے سلیم کو کس دھڑے پر چلاتی۔ سلیمان یہ جانتا ہو گا کہ اگر یہ صورت حال ہوتی تو کچھ عرصہ کے لیے سلطنت کی تقدیر زوال پذیر ہو جاتی۔

دراصل اس کی رعایا نئے مصائب میں مبتلا ہو رہی تھی۔

اپنی قوت کے ادراک سے وہ جان جاتا تھا کہ قوم پر کیا مصیبت پڑنے والی ہے۔ رستم جو خود اپنی جیب گرم کرنے میں مصروف تھا یہ سمجھتا تھا کہ جیسے جیسے عثمانوں کی طاقت اور دولت بڑھتی جائے گی ویسے ویسے عثمانیوں کی سلطنت کی مدت اور اقتدار میں اضافہ ہوتا جائے گا اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ رستم کی نظروں کے سامنے کوئی طاقت ایسی نہ تھی کہ جو ترکوں کی بری یا بحری طاقت کو شکست دے سکے کسی طرح کا قحط ترکوں کی زراعت یا مویشیوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس لیے

ترکوں کو ڈر کس بات کا تھا۔

حسب معمول سلطان اکیلا سوچا کرتا۔ وہ سمجھ نہ پاتا کہ کس طرح اپنے اندیشے کا اظہار کرے اس نے اپنا مافی الضمیر ان الفاظ میں بیان کیا۔ ''لکڑی کا مکان جل سکتا ہے کچی اینٹوں کا مکان طوفان میں کمزور ہو جاتا ہے یا زلزلے کے جھٹکے سے گر جاتا ہے پتھر کا مکان باقی رہ جاتا ہے''۔

رستم نے جواب دیا ''آپ پتھر کی بہت سی پختہ عمارتیں بنو چکے ہیں باوجود اس کے کہ ان پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی''۔

رستم کا ذہن اس طرح حساب لگاتا کہ سال بھر کے خرچ سے زیادہ آمدنی خزانے میں وصول ہو جائے جب اس نے سلیمان کو یہ بتایا کہ مصر سے جہاں غلہ پیدا ہوتا ہے محصول میں دوگنی آمدنی وصول ہوئی ہے تو سلطان کو غصہ آ گیا اس قدر محصول عائد کرنے کی وجہ سے مصر کے کسانوں کو بڑی مصیبت برداشت کرنی پڑی ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسان طبقہ آئندہ سال اس مقدار میں چاول دالیں اور اناج نہ اگا سکے گا۔

اس نے حکم دیا ''مصر کا محصول کم کر کے پھر اتنا ہی کر دو جتنا پہلے تھا''۔

رستم بھی مسکرا دیا ایک مرتبہ جو محصول مقرر کر دیا جائے اس میں کمی کیونکر کی جا سکتی ہے؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ رستم کی وزارت کے زمانے میں سلطان کے صرف خاص کی آمدنی بیس لاکھ اشرفیاں تھیں۔ اور خزانہ عامر میں اکہتر لاکھ اشرفیاں داخل کی جاتی تھیں۔ لیکن اخراجات اس قدر زیادہ بڑھتے جا رہے تھے وہ اس سے زیادہ

آمدنی کی ضرورت تھی چونکہ عرصہ سے کوئی اضافہ نہ ہونے پایا تھا چونکہ اجنبی تاجروں سے چنگی وصول نہ کی جاتی تھی۔ اور خاص طور پر فرانسیسی اس سے مستثنیٰ تھے اس لیے اس طرف سے بھی آمدنی میں اضافہ کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ سوائے اس کے اور کیا ذریعہ آمدنی باقی رہ گیا تھا کہ کھیتوں اور مویشیوں، معدنیات اور نمک کی کانوں کو محصول وصول کیا جاتا رہے...... اور پھر زیادہ تفصیل بتائے بغیر رستم نے کہا...... سوا اس کے کہ نظم و نسق کے نئے عہدہ داروں پر شرح محصول بڑھا دی جائے اب اگر ان محاصل میں اضافہ نہ کیا جائے تو خزانے کی سالانہ آمدنی کیسے ہو؟

سلیمان نے رستم کو یہ اجازت تو نہیں دی تھی کہ عام رعایا پر پہلے سے زیادہ محصول وصول کیا جائے۔ لیکن اس نے رستم کو یہ اجازت دے دی کہ نئے عہدہ داروں پر محصول عائد کر دیا جائے۔ بہت جلد یہ محصول ایک طرح کی بھاری رشوت بن گیا جو زیادہ تر وزیر کی جیب میں جاتا تھا لیکن جس کا کچھ حصہ اور سب کے یہاں تک کہ دربانوں کے حصے میں بھی پہنچتا تھا۔

بہت جلد یہ رشوت ستانی کھلے بندوں ہونے لگی۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ وہی شخص جو رشوت دے سکتا عہدے پر مامور رہ سکتا تھا اور یہ نیا عہدہ دار اپنے تقرر کے بعد اپنی جیبیں اپنے ماتحتوں کو لوٹ کھسوٹ کے پر کرتا اور اپنی کسر نکال لیتا۔

نظم و نسق کے عہدہ داروں میں یہ عام کمزوری جاگزیں ہو گئی تھی کہ جو رقم ان کے ہاتھوں سے ہو کر گزرتی تھی اس میں سے وہ اپنا تھوڑا بہت حصہ ضرور نکال لیتے تھے بیلر بے جو باب عالی سے فاصلے پر متعین تھے ان کی کڑی نگرانی تو نہ کی جاسکتی تھی

اپنے منظور نظر ماتحتوں جو جاگیریں بخشنے لگے۔ سلیمان نے اس کی روک تھام کے لیے یہ قانون نافذ کیا کہ جاگیر عطا کرنے سے پہلے ہر بیلر بے پر لازم ہے کہ وہ وزیر کے دفتر کی منظوری حاصل کرے لیکن باب عالی میں اس کا تخمینہ کرنا بہت دشوار تھا۔ کہ کس کو کس قدر صوبے میں کس مالیت کی اور کس طرح کی جائیداد دی گئی ہے اس کے علاوہ رشوت کے زور پر وزیر کے دفتر سے اجازت نامے آسانی سے مل جائیں گے۔ جب ایک مرتبہ پرانے ترکوں کی دیانت داری ختم ہونے لگی تو پھر نئے قانونوں سے یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا۔

سلیمان نے تمام زمینوں اور زمینداروں کا حساب کتاب رکھنے کی کوشش کی لیکن یہ کام کئی سال تک جاری رہا اور تمام کو نہ پہنچنے پایا۔

پرانا عثمانی طرز قانون بڑا اطمینان بخش تھا۔ ترک رعایا کھیتی باڑی یا صنعت و حرفت کرتی تھی اور تھوڑا سا محصول ادا کرتی تھی۔ نظم و نسق کے عہدہ دار جو حکومت کے عہدے پر فائز ہوتے تھے یا مستقل فوج میں افسر تھے محاصل سے مستثنیٰ تھے۔ سلطان محمد فاتح کے زمانے سے یہی دستور چلا آرہا تھا۔ اس زمانے میں سلطنت اتنی وسیع نہ تھی، اور ترک کسان، اور مکتب کے پڑھے ہوئے عہدہ دار یا مسلسل لڑائیوں میں منہمک رہتے۔ یا پھر تعمیر کے کاموں میں۔ اب اس صلح کے دور میں کھانے پینے کی تو افراط تھی مگر نظم و نسق کے عہدہ داروں کی تنخواہ قلیل ہوگئی تھی۔ کسانوں کے مویشیوں، اور ان کے مال اسباب اور گھر بار میں اضافہ ہو گیا تھا۔ نظم و نسق کے بلا تنخواہ سپاہی ان کسانوں سے ان کی ملکیت کی چیزیں چھیننے چرانے لگے تھے۔ ذی اثر عہدہ

داروں کو جو تحفے دیے جانے لگے تھے ان میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا۔

اجنبی اب کہنے لگے تھے اگر تمہارے ہاتھ میں کوئی تحفہ نہیں تو یہ لوگ تمہاری بات تک نہ سنیں گے۔

سلیمان خود بھی کبھی کبھی چینی کا کوئی نادر تحفہ ظرف یا کوئی جگمگاتا ہوا ہیرا تحفتاً قبول کر لیا کرتا تھا۔ اس عرب نسل کے گھوڑوں اور ٹھنڈے ریشمی ملبوسات کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ اب وہ اپنے آباؤ اجداد کے خزانے میں لٹکی ہوئی کھالوں کے متعلق زیادہ سوچ بچار نہ کرتا تھا۔

جب بالآخر رستم کی املاک کا حساب لگایا گیا تو طرح طرح کے ذخیرے برآمد ہوئے زمینوں مویشیوں پن چکیوں غلاموں اور بے شمار روپیہ کے علاوہ وزیر کے قبضے سے قرآن پاک کے آٹھ سو نو نسخے برآمد ہوئے جن میں سے اکثر کی جلدیں جواہرات سے مرصع تھیں۔ زربفت کی گیارہ سو کلاہیں نکلیں چھ سو زینیں نکلیں جو چاندی کے کام سے مزین تھیں اگرچہ کہ رستم نے ابراہیم اور اسکندر چلپی کی طرح نجی فوج ملازم نہیں رکھی تھی لیکن اس کے ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ دو ہزار نو سو سدھے ہوئے جنگی گھوڑے تھے اتنی ہی زرہیں تھیں سونے سے مرصع خود تھے اور بیسیوں رکاب کے جوڑے ایسے تھے جن پر سونے کا کام بنا ہوا تھا۔ یہ تمام بیش قیمت چیزیں آسانی سے بک گئیں۔ بڑے بڑے جواہرات موتی اور زمرد جو تعداد میں بتیس تھے' اس قدر مالیت کے تھے کہ غریب آدمی امیر بن جائے۔

اوگیر بوزبیک کا کہنا ہے کہ منحوس اور لالچی رستم سرائے کے باغوں کی ترکاریاں

تک پہنچ کھاتا تھا۔

ان زوال آمادہ قوتوں اور اس لالچ اور لوٹ کے مقابلے میں سلیمان نے مکتب کے تعلیم یافتہ عہدہ داروں میں بے نفسی اور دیانت داری کا میلان پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بوزبک اقرار کرتا ہے کہ ''یہ ترک اپنے لوگوں کو بھی محض ان کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر جانچتے ہیں اور کسی بنیاد پر نہیں''۔

ترک اگر ان اجنبیوں پر شک کرتے ہیں جن کو ترکوں کے قوانین کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا تو سلیمان انہیں سمجھاتا کہ ان اجنبیوں سے سلطنت کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ ترکوں کو ان کے ہنر سیکھنے کی ترغیب دیتا۔ کبھی کبھی ترک رعایا میں یہ جذبہ پیدا ہوتا کہ محکوم قومیں مثلاً آرمینیوں، یہودیوں، یونانیوں اور سربیوں کو اتنی مراعات کیوں دی گئی ہیں۔ سلیمان اس کے جواب میں یہ دلیل پیش کرتا کہ پرانے معاہدوں کے لحاظ سے ان اقلیتوں اور قوموں کو اجازت دی جا چکی ہے وہ یہ اپنے رسم ورواج پر قائم رہیں، لیکن ترکوں کے معاملات میں دخل نہ دینے پائیں مفتی اعظم بن سعود اس معاملے میں سلطان کی تائید کرتا ہے اگر کوئی کافر خراج ادا کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے حقوق کا تحفظ سلطنت پر واجب ہو جاتا ہے''۔

رستم بھی اس کا قائل ہو گیا تھا کہ ممکن ہے کہ روحانی طور پر عیسائی مسلمانوں کے ہمسر ہوں۔ وہ بھی اس عقیدے کو مانتا تھا کہ:

کافر بیدار دل پیش صنم

بہ ز دیندار رے کہ خفتہ در حرم

کچھ عرصہ کے لیے سلیمان کو اس میں کامیابی ہو گئی تھی کہ قانون شریعت اور مکتب کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے آئین نظم ونسق میں ہم آہنگی باقی رہے۔ وہ بنفس نفیس فارغ التحصیل نوجوانوں کو خدا حافظ کہنے باب فرحت کے باہر جاتا۔ ایک مرتبہ جو نوجوان فارغ التحصیل ہو کے اس دروازے سے باہر نکلتا' پھر اندر نہ آنے پاتا۔ سلیمان کو ہر فارغ التحصیل نوجوان کو اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا عطا کرتا خلعت اور زاد سفر عنایت کرتا۔ ایک اطالوی نے یہ دیکھ کر اس کے متعلق لکھا ''اس طرح سلطان طرح طرح کے آدمیوں میں وفاداری اور انعام واکرام کے بیج بوتا ہے''۔

☆☆☆

اوان خونخوار کی آمد آمد

سلیمان تیزی سے سفر کر رہا تھا لیکن بایک وقت دو جگہ موجود ہونا ناممکن تھا۔ عثمانیوں کے طرز حکومت کی بڑی کمزوری یہ تھی کہ صرف ایک فرد واحد یعنی سلطان مصیبت کے وقت قوم کی رہنمائی کرسکتا تھا۔

ادھر کچھ عرصہ سے بحیرہ اسود کے کنارے کی چراگاہوں کے شمال میں' اس علاقے سے جہاں خان کریمیا صاحب غیرئی جو سلطان کا باجگزار تھا۔ حکومت کرتا تھا' ایک اور شخص بڑے وحشی پن سے جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ چراگاہوں سے اس دور دراز کے علاقے پر سلطان کی حکومت برائے نام تھی۔ تاتاری اور روسی دونوں اس سے ڈرتے تھے۔ روسی اس وجہ سے ڈرتے تھے کہ سلطان نے ان کے معاملات میں مداخلت کے لیے فوج روانہ نہیں کی۔

جب اوان خونخوار نے اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی کر کے قازان کا رخ کیا جو اوپری دونگا پر مسلمانوں اور تاتاریوں کا ایک قلعہ ایسا تھا جو ماسکو سے بہت قریب واقع تھا تو سلیمان نے صرف اتنی مزاحمت کی کہ صاحب غرئی کو مشورہ دیا کہ وہ ادیگر خاں جیسے جنگ آزمودہ سردار کو قازان کی حفاظت کے لیے تعینات کرے۔

1552ء میں روسیوں نے قازان کا محاصرہ کر کے یہ شہر فتح کر لیا۔ یہ روسیوں کی تاریخ میں ایک بڑا یادگار سال ہے کیونکہ اس سال سے ہیبت ناک تاتاریوں کے تسلط سے روسیوں نے آزادی کا آغاز ہوتا ہے۔

سلیمان نے ایک نوجوان تاتاری کو قسطنطنیہ روانہ کیا تا کہ وہ دریائے دولگا کے دہانے پر دوردراز استراخان کی حفاظت اور مورچہ بندی کر سکے۔

لیکن اس عرصے میں بحیرہ اسود کے جنوبی کنارے پر سلطان کو اپنی توجہ منعطف کرنی پڑی اور اس مہم کا انجام یہ ہوا کہ شہزادہ مصطفےٰ کو قتل اور رستم کو برطرف کرادیا۔

کریمیا پر بھی اس کا اثر پڑا۔ کریمیا کے خان صاحب غرئی اور رستم میں پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔ ترک سپاہی اور ینی چیری جو روسیوں کے مقابل صاحب غیرئی کی مدد کے لیے بھیجے گئے تھے اور روس کے بڑے بڑے دریاؤں کے کنارے کنارے یلغار کر رہے تھے۔ صاحب غیرئی سے جھگڑ بیٹھے کہ ''ہم تمہاری دی ہوئی روٹی نہیں کھاتے ہم تو سلطان کے نوکر ہیں'' اس جھگڑے کا انجام یہ ہوا کہ کریمیا میں صاحب غیرئی کو قتل کر دیا گیا جو روسی علاقے میں چنگیز خان کی نسل کا آخری سردار تھا۔ وہ سلیمان کا دوست اور حلیف تھا' لیکن سلطان بحیرہ اسود کے شمالی کنارے پر اس کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکا۔ 1553ء سے 1554ء تک دو سال جو روسیوں کی پیش قدمی کی وجہ سے بہت نازک ہے۔ سلطان کو بحیرہ اسود کے جنوبی ساحل پر ایران کے قریب گزارنے پڑے۔

اوان کی فوجوں نے تیزی سے استراخان پر قبضہ کرلیا یہ شہر دریائے دولگا اور بحیرہ خوارزم میں کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔

روسیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور وہ بے روک ٹوک جنوب کی طرف دریائے ڈان کی زرخیز وادی اور بحیرہ اسود اور بحیرہ خزر کی طرف پیش قدمی کر

رہے تھے سلیمان کو ان دونوں مشہور اسلامی شہروں قازان اور استراخان کے قبضے سے نکل جانے کی خبر سن کر بڑا رنج ہوا۔ جب ایک نئی روسی فوج 1555ء میں کریمیا کے شمال میں نمودار ہوئی تو سلیمان نے صاف صاف کہلا بھیجا کہ کریمیا کے تاتاریوں کے وطن پر وہ روسیوں کے حملے کو ہرگز برداشت نہ کر سکے گا۔

یہاں پر روسی تھک گئے۔ ان کے کچھ سردار تو اس پر آمادہ تھے کہ تاتاری خانوں کی اس آخری سرزمین پر بھی قبضہ کر لیا جائے۔ دوسروں کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ وہ کریمیا کے سواروں، ریگستان کے قلعوں اور ترکوں سے ڈرتے تھے۔ بحیرہ اسود کی تمام بندرگاہوں پر روسیوں کا قبضہ تھا۔ ان میں سے ایک بندرگاہ کافا کریمیا میں واقع تھی۔ بالآخر اوان شمال کی طرف بحیرہ بالٹک کی جانب لپکا۔ اس زمانے میں روسیوں کی کوشش کا آغاز ہو چکا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اطراف کے سمندروں تک پہنچ جائیں۔

اس پر سلطان نے اوان کے نام ایک فرمان بھیجا جو لاجوردی کاغذ پر سنہرے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ اس میں معلوم نہیں طنزیا دھمکی کس وجہ سے سلطان نے اسے خوش نصیب زار اور عاقل سردار......'' کے لقب سے یاد کیا تھا۔

کچھ عرصہ کے لیے چارلس پنجم اور اس کے حلیفوں نے اس وحشی ماسکو والے کی بڑھتی ہوئی طاقت کی طرف دھیان دیا۔ کیا یہ طاقت ایسی ہوتی جا رہی تھی کہ اسے سلیمان کے خلاف استعمال کیا جا سکے؟ یا کم سے کم جرمن اور ڈینی توپچیوں کی یہی رائے تھی جنہوں نے اوان کے لیے قازان کا قلعہ سر کرنے کے لیے توپیں بنائی تھیں

لیکن بالآخر چارلس نے یہ فیصلہ کیا کہ اوان کو مزید مدد نہ دی جائے۔ اور اس نے جرمن کاریگروں کو ماسکو جانے سے روک دیا۔

سلیمان جو کسی ارادے کو ترک کرنے کا عادی نہیں تھا قازان اور استرا کو نہیں بھولا تھا۔ اس نے ان شہروں کے لیے جنگ نہیں شروع کی تھی۔ نہ وہ خود ان دور دراز شمالی قلعوں کو پھر سے چھیننے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اتنی دور کا رخ کرنا چاہتا تھا بہت عرصہ بعد اس نے ان مسلمانوں قلعوں کو دوبارہ تسخیر کرنے کی ایک تجویز سوچی ...... جہازوں کے ذریعے۔

اس کی تجویز یہ تھی کہ ترک بیڑے دریائے ڈان میں اوزوف سے اوپر کی طرف بڑھتے جائیں۔ اس مقام پر جہاں دریائے ڈان مشرق کی طرف اور دریائے دولگا مغرب کی طرف مڑتا ہے۔ اور دونوں دریا ایک دوسرے کے بہت قریب آجاتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک نہر کھودی جائے۔ اس طرح یہ بیڑا عظیم الشان دریائے دولگا میں پہنچ جائے گا۔ اور شمال میں قازان اور جنوب میں استرا خان دونون اکی زد میں آجائیں گے (ترکوں کی پرانی بحری ترکیب یہی تھی کہ جہازوں کو خشکی پر سے دوسری طرف سمندر میں پہنچایا جائے)۔

لیکن اس کے پاس کوئی ایسا افسر نہیں بچا تھا جو اس مہم کو سرانجام دے سکتا۔ صفان معمار بھی روسی چراگاہ میں ان دونوں دریاؤں کو نہر کے ذریعے نہ ملا سکتا تھا۔ اسکے علاوہ کریمیا کے نئے خان کو یہ اندیشہ تھا کہ بحیرہ اسود میں ترکوں کی بحری قوت انہیں چراگاہوں میں منتقل ہو جائے گی اس نے سلیمان کے راستے میں روڑے اٹکانے

شروع کیے اور خفیہ طور پر اوان کو ڈان اور دولگا کے درمیان نہر بنانے کے ترکی منصوبے سے آگاہ کردیا

یہ کوسا کون کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ ڈان اور دولگا کے درمیان کی سرزمین پر سے اپنی کشتیاں ادھر سے ادھر منتقل کریں۔ روسیوں نے اس علاقے میں قلعے بنائے اور بالآخر وہ نہر بنائی جس کی تجویز سلیمان کے ذہن میں سب سے پہلے آئی تھی۔

اگر مشرق میں بھی اس کے پاباربروسا کا سا امیر البحر ہوتا تو اسے اپنے اس منصوبے میں کامیابی ہو جاتی۔

اندرون سلطنت تین بے حد قابل آدمی متزلزل نظام حکومت کو آسانی سے سنبھالے ہوئے تھے۔ ابن سعود جو فقہ اور شریعت کا دل سے پابند تھا۔ رستم کو ذطرتا بڑا کنجوس تھا اور سوکولی جو بڑی بے رحمی اور بے دردی سے ہر معاملے میں پیش قدمی کرنے کا قائل تھا۔ لیکن سلیمان کی خدمت کرتے کرتے ان تینوں میں ایک طرح کی درگزر کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ جو ان تینوں کی جداگانہ قابلیت کے لحاظ سے ہر ایک میں مختلف طور پر ظاہر ہوئی۔

ایسے آدمیوں پر حکومت کرنا آسان نہیں تھا۔ سمندروں میں ضدی دراگوت باب عالی کے فرامین کی تعمیل جب ہی کرتا جب خود اس کا جی چاہتا۔ جب یورپ کے درباروں کے اس کے پکے دشمن نے وینس کی تجارتی شاہراہوں پر حملے شروع کیے تو اس کے اور رستم ک درمیان بڑی کڑی مخالفت شروع ہو گئی کیونکہ رستم یہ نہیں چاہتا تھا

کہ اہل وینس کو نقصان پہنچے جب دراگوت اور اس کے ساتھی بحری سرداروں نے مالٹا کے نائٹوں کے آہنی چنگل سے طرابلس کا شہر چھڑا لیا تو رستم نے یہ شہر صفان رئیس کو بطور جائداد کے عطا کیا۔ اس کے غصہ کے عالم میں دراگوت نے اپنے جہازوں پر خود اپنا سرخ اور سفید پرچم لہرایا اور مغرب کی طرف اپنی طاقت کے بل پر زور آزمائی کرنے لگا۔ اور عثمانی بیڑے کا زیادہ تر حصہ اس کے ساتھ ہو گیا۔

سرائے میں رستم نے دراگوت کی سرکوبی کے لیے ایک بیڑا تیار کیا لیکن سلیمان نے اسس جھگڑے میں مداخلت کی اور بیش قیمت تلواروں اور قرآن پاک کا ایک نسخہ اور اس کے ساتھ معافی کا پروانہ دراگوت کے پاس روانہ کیا جو بلا حکم غائب ہو گیا تھا۔

رستم کے بحری سردار اپنے بیڑے پر سوار کرنے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ انہیں دراگوت ملا جو تن تنہا واپس آ رہا تھا۔ وہ سیدھا سلطان سلیمان کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس کا قصور معاف کر دیا گیا اور طرابلس کا شہر اسے جاگیر میں عطا کیا گیا۔

☆☆☆

بھٹکا ہوا امیر البحر

دراگوت نے جس اعتماد کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنا مقدمہ سلیمان کی خدمت میں پیش کیا تھا یہ محض اعتماد و فاداری یا خلیفہ المسلمین کی اطاعت کے مذہبی غلو یا نظم و ضبط پر مبنی نہیں تھا۔ بوزیک نے بڑی فراست سے اس اعتماد کی وجہ ایک طرح کی امید بتائی ہے۔ دراگوت ایک کسان کے گھر پیدا ہوا تھا۔ اور کھیتی باڑی چھوڑ کے اپنی قوت بازو سے ترکی بیڑے کا امیر البحر بنا تھا۔ یہ مرتبہ اس نے کسی کے اثر یا سفارش سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی قابلیت سے حاصل کیا تھا۔ اسی لیے اسے امیر البحری کا حق پہنچتا تھا۔ جب تک وہ سمندری لڑائیاں لڑتے رہے اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اسے کپتان پاشا کا اعزاز ضرور ملے گا۔ اگر وہ بحری لڑائیوں میں ناکام رہے تو سلطان کا داماد رستم اسے برطرف کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن جب تک فتح وظفر اس کے ہم رکاب تھی اسکی آزادی اس کے مرتبے کو کوئی اور ہاتھ نہیں لگا سکتا خواہ وہ کیسا ہی عالی نژاد یا طاقت ور وزیر کیوں نہ ہو۔

اس لیے دراگوت سلیمان کی خدمت میں عفو کی درخواست لے کے حاضر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انصاف طلب کرنے۔

ایک اور امیر البحر تین سات غائب رہا پھر اپنا انعام مانگنے آن پہنچا سیدی علی نسلاً ترک تھا ارحسین نامی ایک شخص کا بیٹا تھا جو ایک زمانے میں اسلحہ خانہ کے حاکم تھا۔ سیدی علی لوگوں نے سیدی علی کاتب کا لقب دے رکھا تھا کیونکہ اس نے سمندر کے

نام سے ایک رسالہ قلمبند کیا تھا محفلوں مٰیں اس کی حاضر جوابی مشہور تھی اووہ خوب شعر کہتا تھا۔ سیدی علی نے باربروسا کے پرچم تلے جہاز رانی کی تھی۔ وہ اس کا دعوئ کرتا تھا کہ بحیرہ روم کے گوشے گوشے سے واقف ہے۔ لیکن جب ایک بیڑا اس کے حوالے کیا گیا تو اسے حکم دیا گیا کہ ہندوستان کے دوردراز ساحل پر پرتگیزوں کا مقابلہ کرے تو اسے پتا چلا کہ بیرونی سمندروں پر کتاب لکھنا آسان ہے لیکن ان میں اپنے بیڑے کے ساتھ رکھنا دشواار ہے۔

(سلیمان اب بھی اس کوشش میں مصروف تھا کہ ایشیائے بعید کے متمول ساحل سے پرتگال کی تجارت کا سلسلہ درہم برہم کردے۔ پاپائے اعظم کے ایک فرمان کے مطابق پرتگال کو حبش، عرب، ایران اور ہندوستان کے ساحلوں تک جہاز رانی تجارت اوران مما لک کو فتح کرنے کا پروانہ ملا۔ پرتگالی بیڑا گوا میں جما ہوا تھا اور گوا مین ان کے قدم جم چکے تھے، اور وہ ترک بیڑے کے خطرے کو مقابلہ کر کے دور کر چکے تھے۔ اس زمانے مٰیں یورپ میں مذہبی سزا کا جو قانون تھا اس کی وجہ سے پرتگالی درباریوں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ ان پادریوں کی تبلیغ اور پرتگالی کپتانوں کے زیر کمان اعلی پرتگالی توپ خانے کی مدد سے انہوں نے مالا مال کے ساحل پر مضبوط قدم جما لیے تھے حالانکہ شمالی افریقہ سے ہسپانویوں کے قدم بہت جلد اکھڑ گئے تھے)۔

سیدی علی حفاظت سے اپنا بیڑہ بحیرہ قلزم سے باہر نکال کر لے گیا۔ بحیرہ قلزم لیس تو خیر وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہاں سے بحیرہ عرب کے پار وہ ہندوستان کے

اجنبی ساحل پر پہنچا اور اس نے بیان کیا کہ بحیرہ عرب کے طوفانی تموج کے مقابلے میں بحیرہ روم کی لہریں پانی کی بوندیں معلوم ہوتی ہیں۔

کسی نہ کسی طرح وہ اور اس کے ملاح اور مصری فوج کے سپاہی گو کے پرتگالی کپتان سے دو لڑائیں لڑنے کے باوجود زندہ بچ نکلے۔ سیدی علی کا بیان ہے کہ اس زور کا طوفان آیا کہ اس میں قرنا کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ جہاں تک نظر کام کرتی جھاگ کی وجہ سے سمندر سفید ہی سفید نظر آتا تھا۔ اور اس کے بیڑے کے ہندی راہنما نے کہا کہ اب بچنا بہت مشکل ہے۔ کشتیاں ٹکرانوں سے ٹکرا ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں لیکن وہ خود اپنے آدمیوں سمیت ساحل پر زندہ سلامت پہنچ گیا۔ کشتیوں کی مرمت ناممکن تھی۔

اس کے ساتھیوں اور ملاحوں نے عرض کی "آپ ہمارے امیر البحر ہیں جہاں آپ کا قدم پڑتا ہے وہاں بادشاہ کا فرمان نافذ سمجھنا چاہیے۔ ہمیں اپنے گھروں سے نکلے دو سال ہو گئے اور اس عرصہ میں تنخواہ نہیں ملی۔ ہمارا سارا مال اسباب ڈوب گیا اور اب ہماری واپسی ممکن نہیں معلوم ہوتی اب آپ کیا چاہتے ہیں"۔

سیدی علی نے ان سے وعدہ کیا کہ واپس پہنچ کر ان سب کی تنخواہ ادا کر دی جائے گی۔ مصیبت یہ پیش آئی کہ جس علاقے میں اس کا بیڑا غارت ہوا تھا وہ پرتگیزوں نے مقامی ہندوستانی سرداروں کو اکسایا کہ ترکوں کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دیا جائے۔ سیدی علی نے ان سرداروں کو سمجھایا کہ وہ اور اس کے ساتھی سلطان سلیمان کی رعایا ہیں اور اگر انہیں کوئی نقصان پہنچا تو سلطان اس کا بدلہ ضرور لے گا۔

ہار کے پرتگیزوں نے یہ حجت شروع کی کہ یہ ترک جو یہاں پھنس گئے ہیں کبھی سلطان سلیمان تک واپس نہ پہنچ سکیں گے۔انہوں نے کہا کہ ہماری اجازت کے بغیر پرندہ بھی سمندر کے راستے سے پار نہیں جا سکتا۔

اس کے جواب میں سیدی علی نے کہا کہ خشکی کے راستے سے بھی واپسی ممکن ہے۔

اس نے خشکی کے راستے کی تلاش شروع کی۔ یہ راستہ ایسے علاقوں سے ہو کر گزرتا تھا جن میں اس سے پہلے کسی عثمانی ترک نے قدم نہیں رکھا تھا۔ یہاں ان ترکوں کے لیے عجیب عجیب نوادر موجود تھے۔ باتیں کرتے ہوئے طوطے' منہ چڑاتے ہوئے بندر جو اپنی گردنوں پر اپنے بچوں کو اٹھائے پھرتے اور جنگلی بیل جو اپنی زبان سے انسان کی کھال اتار سکتے تھے۔

وہ عظیم الشان دریائے سندھ تک پہنچے جہاں ایک سردار نے اس ترک فوج کو تائید غیبی جانا اور یہ یقین کیا کہ یہ سچ مچ ایک ایسی بحری فوج کا ایک حصہ ہیں جن کا بیڑا غرق ہو چکا ہے۔ یہاں سیدی علی کے ساتھ سپاہیوں نے ہندی نوابوں کے ساتھ جنگ میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔اس مقامی لڑائی میں ان کے ہتھیار چھن گئے اور وہ چوری سے ایک کشتی دریا کے راستے بھاگ نکلے۔اور ایک دسردار نے ایک اچھا گھوڑا دو اونٹ ایک خیمہ اور زادراہ سے ان کی مدد کی۔

سلطنت مغلیہ میں سیدی علی کی فراست کی وجہ سے اس کا پر تکلف استقبال کیا گیا کیونکہ اس سلطنت کے لوگ آل عثمان کے پادشاہ کے نام سے واقف تھے۔اظہار

تشکر میں سیدی علی نے دو فی البدیہ قصیدے سنائے لیکن مغل شہنشاہ ہمایوں کے دربار میں اسے ایک شاہی جنتری کے لیے سورج گرہن اور چاند گرہن کا حساب لگانے کے لیے روک دیا گیا۔

اس نے روانگی کی بہت اجازت چاہی اور عرض کیا کہ میری واپسی ضروری ہے تا کہ میں اپنے بادشاہ کی خدمت میں اس مہم کا احوال وحساب پیش کروں۔ اس نے اور قصیدے لکھے لیکن اس کی درخواست منظور نہیں کی گئی۔

جب شہنشاہ ہمایوں کا انتقال ہوا تو اس کو موقع ملا کہ افراتفری کے عالم میں نکل کر اپنا راستہ لے۔ اس نے اہل دربار کو مشورہ دیا کہ ابھی چند روز شہنشاہ ہمایوں کی موت کی خبر پوشیدہ رکھیں بلکہ لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ کچھ ہی روز میں جہاں پناہ عزم سفر فرمانے والے ہیں۔ اس بہانے سیدی علی نے خوشحال کی طرف روانی کی اجازت چاہی تا ک وہاں شہنشاہ ہمایوں کے سفر کی افواہ پھیلائے ابھی وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ نئے شہنشاہ نے اسے واپس بلا بھیجا یہ نیا مغل شہنشاہ اکبر تھا دربار میں دوبارہ حاضر ہو کر سیدی علی نے شہنشاہ ہمایوں کا مرثیہ لکھ کر اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اکبر کو یہ مرثیہ پسند آیا اور ان کشتی شکستہ سپاہیوں اور ملاحوں کو رخصت کی اجازت مل گئی۔

اب وہ دریائے کابل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ یہاں جنگلی بیل بہت کثرت سے پھرتے تھے اور سیدی علی کا بیان ہے کہ گاؤں میں ناچنے والی طوائفیں بہت تھیں۔ یہاں سے وہ افغانستان پہنچے۔

یہاں سے سیدی علی نے اپنا راستہ دل دیا ہوگا کیوں کہ اس کے بعد وہ سمرقند پہنچا

جہاں ازبکوں کی حکومت تھی ۔ چونکہ وسط ایشیا کے پہاڑوں علاقوں میں کوئی نہ جانتا تھا کہ ملاح لوگ کون اور کیسے ہوتے ہیں۔ اس لیے سیدی علی اور اس کے ساتھیوں نے زائرین کا بھیس بدلا اور ایک درگاہ کی زیارت کی جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہاں حضرت دانیال کا مزار ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ اس ساری سیاحت میں اسے کونسا ملک پسند آیا تو اس نے جواب میں ایک شعر پڑھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ غریب الوطنی میں انسان جنت کا خیال نہیں کرتا۔ اپنا وطن یاد کرتا ہے۔ حب وطن از ملک سلیماں خوشتر۔

اس غریب الوطن کو سمرقند میں کچھ ارو عثمانی ترک ملے اور ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ سلطان سلیمان نے ازبکوں کی مدد کے لیے تفنگچیوں کا ایک دستہ بھیجا۔ ان سپاہیوں نے سیدی علی کو فوراً پہچان لیا۔ کہ وہ سلطان کے عالیشان بیڑے کا اعلیٰ افسر ہے۔ ازبک سرداروں نے اسے دعوت دی کہ وہاں ک ساتھ لڑائی میں شامل ہو جائے اور اسے بخارا کی سرداری کی پیش کی۔ سیدی علی نے کہا کہ میں عثمانی بادشاہ کا ملازم ہوں بہتر یہ ہے کہ میں ازبک سردارون کے خطوط اور عرضیاں سلطان کی خدمت میں پہنچا دوں۔

اسے بتایا گیا کہ دشت میں خونخوار شیر ہیں اور راستے میں ایک اور اجنبی قوم کے لوگ حائل ہو گئے ہیں جو روسی کہلاتے ہیں۔ یہ بحیرہ خزر تک پہنچ کر درمیان کے علاقے پر قابض ہو گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ اب بھی واپس لوٹ آؤ۔

اس کے لیے سیدی علی تیار نہ ہوا۔ اس نے ازبک سرداروں کے خطوط لیے اسے

وطن پہنچنے کی تڑپ تھی اس لیے اجنبی روسیوں کے علاقے سے گزرنے کا خیال ترک کر کے اس نے قزل قم کے اس پار خزر کے جنو کا رخ کیا۔ یہاں اسے ایران سے ہو کر گزرنا پڑا۔ اس زمین میں اس زمانے میں ترکوں سے بڑی عداوت تھی۔ پھر بھی چکر کاٹ کے وہ فردوسی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے حاضر ہوا۔ شاہ طماسپ نے اسے جرح کرنے کے لیے قفقاز کے پہاڑوں میں پکڑ بلایا۔ سیدی علی نے اپنے معزبان کی تعریف میں ایک قطعہ لکھا جو شاہ طماسپ کو بہت پسند آیا۔ شاہ نے اس سے پوچھا کہ سیاحت میں سب سے زیادہ کون سا شہر پسند آیا۔ اس نے جواب دیا ''استنبول''۔

شاہ طماسپ نے تعجب سے پوچھا ''استنبول کیوں؟''

اس نے جواب دیا ''اس لیے کہ دنیا میں اور کوئی شہر استنبول کا جواب نہیں کوء ملک ترکوں کے ملک جیسا نہیں کوئی فوج ترکوں کی فوج کے برابر نہیں کوئی بادشاہ ترکوں کے بادشاہ کا ہمسر نہیں''۔

لیکن اسے ایران سے باہر نکلنے کی اجازت آسانی سے مل گئی۔ جب وہ پہاڑوں کے اس پار اترا تو کچھ عرصے بعد بغداد کی مسجدوں کے نیلے گنبد نظر آنے لگے اب اس نے عرصے کے بعد ترک علاقے میں قالین پر بیٹھ کر ترکوں کے ساتھ پھلوں کا مربا کھایا اور ٹھنڈا قہوہ پیا اور ان لوگوں کی گپیں سننے لگا جنہیں شاہ زریں سے نکلے ایک سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں ہوا تھا۔

اب استنبول کی جانب سفر کرتے کرتے اس نے ایک سفرنامہ تصنیف کیا جس کا

نام آئینہ شش جہت رکھا۔ جب وی ینی چیریوں کی صفوں کے درمیان سے گزرتا ہوا چنار کے درختوں کے سایے میں سلطان سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے یہ سفرنامہ اس کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی کہ اس کا بیڑا ٹکرا کر غرق ہو گیا ہے۔ اس لیے حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی۔

سرائے باب علی میں سب سمجھنے لگے تھے کہ سیدی علی کب کا سمندر میں ڈوب کر مر چکا اس کی جگہ ایک اور سردار کو رہوڈس سے مقابلہ کر کے مصر کا امیر البحر مقرر کیا جا چکا تھا۔ لیکن سلیمان نے حکم دیا کہ تین سال کی بقایا تنخواہ اس امیر البحر اور اس کے ساتھیوں کو ادا کی جائے اور اس جہاں گشت خادم کو دیوان میں اپنے قریب سلطان نے ایک بڑی عزت کا مقام بخشا۔

اس شام کو سیدی علی نے شاک زریں میں غروب آفتاب کا منظر دیکھا۔ غروب آفتاب کی روشنی میں لنگر انداز کشتیوں کے مستول چمک رہے تھے۔ اسے بڑی راحت کا احساس ہوا اور اس نے لکھا کہ اصلی خیر سکون و قناعت میں مضمر ہے حب جاہ میں نہیں۔

سیدی علی کے سیاحت نامہ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ سلیمان کو اس کا کتنا سخت رنج تھا کہ اس کا بیڑا پرتگالیوں کو گوا سے نکال باہر نہ کر سکا۔ یہ آخری مرتبہ تھی کہ اس نے مشرق کی طرف یورپ والی کو بحری پیش قدمی روکنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن میڈی ٹرے نین میں اس کے نڈر امیر البحر یورپ کے پرچھموں کو کھلے سمندر سے ہٹاتے جا رہے تھے۔ سرائے میں اوگیر بوزبک نے ایک بحری پاشا کی

واپسی کا منظر دیکھا اور بیان کیا کہ یہ پاشا اس معرکہ کی خبر دینے آیا تھا جب کہ دراگوت اور پیالی پاسا نے عظیم ہسپانوی بیڑے کو خواب آلود یربا کی جھیل میں پھانس کر تباہ کر ڈالا تھا۔

بوزبک بیان کرتا ہے کہ پیالی پاسا نے ایک جنگی کشتی اس بحری فتح کی نوید دینے کے لیے روانہ کی ہے۔ اس کشتے کے پچھے پیچھے ایک صلیبی پرچم پانی میں ڈوبتا چلا آرہا ہے۔ (دراصل یہ ہسپانوی پرچم تھا) جب یہ جنگی کشتی بندرگاہ میں داخل ہوئی تو ترک آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے تھے۔ بہت سے لوگ میرے درواز ے پر جمع ہو گئے اور میرے ملازموں سے مذاق مذاق میں پوچھنے لگے۔ کہ ہسپانوی بیڑے میں ان کے کوئی رشتہ دار تو نہیں تھے اگر تھے تو وہ بہت جلد گرفتار ہو کر آ جائیں گے اور تم انہیں دیکھ سکو گے۔''

جب یہ ظفریاب بیڑا مرکز سرائے کے پاس پہنچا تو رات گزارنے کے لیے باہر ہی ٹھہر گیا تاکہ دن کو شان وشوکت سے بندرگاہ میں داخل ہو۔

سلیمان دالان کے نیچے اتر کے بندرگاہ کے قریب اپنے باغیچے میں جا پہنچا تاکہ قریب سیاپنے بیڑے کو آتا دیکھ سکے اور ان عیسائی افسروں کو دیکھے جو گرفتار ہو کے آئے تھے۔ امیر البحر کی کشتی کے عرشے پر قیدیوں میں ڈاں الوارو دے ساندے اور سسلی اور نیپز کے جنگی جہازوں کے کپتان تھے (ان میں تھو نیگا ای رے کے زیفس بھی تھا جو بعد میں ہالینڈ کا وائسرائے بن کے زیادہ نیک نام نہیں ہوا) گرفتار شدہ جنگی جہازوں کے مستول اور بادبان اکھاڑ دیے گئے تھے۔ اور انہیں محض ڈھانچوں

کی طرح کھینچا جا رہا تھا۔

جن لوگوں نے فتح وظفر کی اس ساعت میں سلیمان کا چہرہ دیکھا ہے انہیں اس کے انداز میں بے جا فخر وشادمانی کے ذرا بھی آثار نظر نہیں آئے میں خود یقینی طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ دو روز بعد جب میں نے اسے مسجد جاتے ہوئے راستے میں دیکھا تو اس کے چہرے کا انداز نہیں بدلا تھا۔ اس کے سخت بشرے پر ہمیشہ کی طرح افسردگی جھلکتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس فتح کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور اس کی بحری فوج کی اس حیرت ناک کامیابی پر اس کوئی تعجب یا خاص خوشی نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان پیر مرد کا دل اپنی خودی میں اس قدر جذب تھا کہ وہ تقدیر کی ہر بلندی اور پستے کو آزمانے اور سہنے کے لیے تیار تھا۔ اس دن کے جشن فیروزی ونصرت پر بھی اس نے کسی خاص مسرت کا اظہار نہیں کیا۔

نیپلز کے جنگی جہازوں کا شاہی پرچم جس پر شاہ ہسپانیہ کا نشان اور مقدس سلطنت روما کے شہنشاہی شاہین کا نشان تھا۔ ایک ایسے ترک افسر کے ہاتھ لگا تھا جس سے میں ذاتی طور پر واقف تھا جب میں نے یہ سنا کہ وہ اس پرچم کو سلطان سلیمان کی خدمت میں پیش کرنے والا ہے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اس پرچم کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کروں گا اس کا تصفیہ بڑی آسانی سے ہو گیا اور میں نے اس افسر کو دو ریشمی قبائیں تحفتاً بھیج دیں اس طرح مں نے چارلس پنجم کے عظیم الشان شاہی نشان کے پرچم کو دشمن کے ہاتھ نہ لگنے دیا ورنہ وہ اس شکست کی دائمی یادگار کے طور پر دشمن کے پاس رہ جاتا''۔

آخری فیصلے کے لیے پیش قدمی

لیکن وہ وقت ایسا تھا کہ سلیمان کے اپنے پرانے دشمن چارلس کے پرچم کے ملنے کی بھی کوئی خاص خوشی نہ ہوتی۔ اس کے بعد جو گرمیاں آئیں ان میں سلیمان نے تیسرے صحن کے قریب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آخری مرتبہ مشرق کی جانب روانہ ہوا۔

اس کے آگے آگے سوار فالتو گھوڑوں کو باندھے لیے جا رہے تھے اس کی رکاب کے ساتھ ساتھ ہرکارے دوڑتے چلے جاتے تھے۔ ان کے پیچھے اس کے محافظ دستے کے سواروں کی کلغیاں ہل رہی تھیں۔ وہ چام لی جا کے قبرستان کے قریب سے ہو کر گرا جہاں مردے قبروں میں قیامت کے منتظر تھے۔ بلندی پر پہنچ کر وہ مڑا تو اس کے آگے بحیرہ مارمورا کا نیلا پانی لہرا رہا تھا۔ پلٹنے میں اسے تکلیف ہوتی تھی اور وہ اس تکلیف کی وجہ سے وہ ایک آہستہ خرام کا باروا گھوڑے پر سوار تھا۔

وہ سوار چلا جا رہا تھا اور اس کے دل میں تلخی کا زہر تھا۔ سرائے میں اس کی بیٹی مہر ماہ نے منت کر کے بایزید کے لیے جان کی امان مانگی تھی۔ اس کی آواز بھی روکسے لانا کی آواز کی طرح سریلی تھی۔ وہ اسے بانسری پر راگ سنایا کرتی تھی۔ مگر اب اسے اپنی بیٹی مہر ماہ پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ عورت قمری کی طرح خوش کرنا جانتی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی نہ کوئی منفعت حاصل کرے۔

اس کا شوہر رستم جو بیمار تھا اور عموماً خاموش رہا کرتا تھا اس نے بھی یہی عرض کی تھی

کہ سلطنت کی امید محض بایزید کے لیے وابستہ ہے لیکن بایزید کو کیسے معاف کیا جا سکتا ہے؟

سلیمان نے یہ سوچنے کی کوشش کی کیا فیصلہ مناسب ہوگا۔ دنیا سے نیکی کا وجود مٹ چکا تھا۔ صرف یہ سڑک کے کنارے پن چکیاں چل رہی تھیں اور اناج سے لدی ہوئی غلے کی گاڑیاں چرچر کرتی چلی آ رہی تھیں۔ اس سے اتنا تو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک میں اناج افراط سے ہے یہی بہت غنیمت تھا۔

کاش اسے کہیں چین مل سکتا۔ اس عرب نے چارلس کے متعلق کیا اطلاع دی تھی؟ یہ کہ وہ ہسپانیہ کے ساحل پر ایک خانقاہ میں دنیا کے مخصوص سے اکتا کر عزلت گزریں ہوگیا ہے۔ یہ کہ چارلس اپنی مرضی سے تخت وتاج سے دست بردار ہوگیا ہے اور اپنے ساتھ وہ کچھ منتخب تصویریں کچھ قیمتی گھڑیاں لیتا گیا تھا اور اب یوستے کی خانقاحوں میں وہ راہوں کی دعائیں اور مناجاتیں سنا کرتا تھا۔

اس عرب نے یہ اطلاع دی تھی کہ چارلس کے نوکروں نے اسے یہ حکم دیا تھا کہ اگر ترکوں کا بیڑا ہسپانیہ کے ساحل پر حملہ کرے تو اسے جگا دیں۔ لیکن اسکے نوکروں نے اس خیال سے اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی کہ سکرات کے عالم میں اسے اس خبر سے اذیت پہنچے گی۔ سلیمان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ چارلس اپنا چٹو دین کیوں نہیں چھوڑتا اب بھی طرح طرح کا خنزیر کا گوشت اور مچھلیاں برابر کھاتا چلا جاتا ہے۔ شراب کی دھت بھی کسی طرح نہیں چھوڑتا۔ طبیبوں کا بیان تھا کہ اس طرح وہ موت کو دعوت دے رہا ہے...... سلیمان کو فخر وغرور کے عالم میں یاد آ گیا کہ مقدس سلطنت

روما کا نیا شہنشاہ فریڈی نینڈ اسے سالانہ خراج ادا کرتا ہے۔

یورپ کا دوسرا تاجدار فرانس جو اتنے جھوٹے وعدے کیا کرتا تھا' چارلس سے پہلے ہی راہی ملک عدم ہو چکا ہے۔ اپنے پیچھے مسلسل جنگ کے باعث وہ فرانس کو خراب و خستہ حال میں چھوڑ گیا تھا اور اس کا بیٹا ایک ٹورنمنٹ کے کھیل میں ایک نیزے سے زخمی ہو کے مر گیا...... اب بایزید کی وجہ سے شاہ طہماسپ سے جنگ چھیڑنا حماقت کی بات ہو گی۔

یہ بات عجیب تھی کہ یورپ کے اس کے سارے ہم عصر تاجدار مر چکے تھے اور وہ زندہ تھا۔ ازابیلا پولینڈ کی ڈری سہمی ہوئی لیکن شاہانی رعب داب رکھنے والی شہزادی تھی' مر چکی تھی۔ اس کا بیٹا جان اب بڑا ہو چکا تھا اور تخت نشینی کا منتظر تھا اسی طرح اگر مصطفےٰ زندہ ہوتا تو ایک دن تخت نشین ہوتا۔

کہا جاتا ہیکہ جان ایل ہنگری پر بہت مہربان ہے۔ وہ اپنے دربان میں ہر فرقہ کے لوگوں کو پناہ دیتا تھا' جن میں لوتھر اور رکاپوں کی پیرو بھی شامل تھے...... اور سلیمان ھراماسیہ کی طرف چلا جا رہا تھا' جہاں مصطفےٰ نے وفات پائی تھی۔

ہاں جان بچپن میں بہت کچھ بھگت چکا تھا۔ اب بڑا ہو کے وہ دوسروں سے رواداری کا سلوک کرنا سیکھ گیا تھا۔ اکے دربار میں دریائے ساوے پر لکڑی کے تختوں پر بہتے ہوئے پناہ گزین آتے اور ان جزیروں پر آباد ہو جاتے جن پر اب سلیمان کی حکومت تھی۔ کچھ ہی عرصہ پہلے سلیمان نے نئے پاپائے روم کو خط لکھا تھا۔ اس نے باب علی کے دیوان کے طرز تحریر کے مطابق اس کو یوں مخاطب کیا تھا ''عیسیٰ مسیح کے

امام اعظم و برتر سردار رومۃ الکبریٰ کی خدمت میں۔خلد اللہ ملکہ وسلطنیہ۔

سلیمان نہیں جانتا تھا کہ پاپائے اعظم کو مخاطب کرنے کے لیے یہ القاب مناسب ہیں یا نہیں۔سلیمان سوچتا رہا کیونکہ اس عرصہ تک اس کے خط کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اس نے اس خط میں معمولی سی درخواست کی تھی یہ کہ چند یہودیوں کو رہا کر دیا جائے جو پاپائے روم کی مقبوضہ بندرگاہ انکونا میں گرفتار کیے گئے تھے۔اور جن پر بڑی تکلیفیں عائد کی گئی تھیں۔ یہ یہودی سلیمان کے دارالخلافت کے رہنے والے تھے۔

بالآخر جب اس خط کا جواب آیا تو اس میں یہودیوں کا کوئی ذکر نہ تھا۔یہ جواب زبانی تھا۔یورپ کے ایک کارڈینل نے رستم کی گوش گزاری کے لیے کہلا بھیجا تھا کہ سلطان کی ساری فوج اور خصوصاً بحری طاقت نیپلز اور سسلی پر حملہ کرے جو ہسپانویوں کے قبضے میں ہیں اور ہسپانوی پاپائے روم کے دشمن ہیں۔

ایک زمانہ ایسا ہی تھا کہ یہ پیغام سن کر سلیمان کو ہنسی آتی تھی۔اب سسلی اور نیپلز اور المانیہ اوران سب ممالک کے تخت وتاج سلیمان کے لیے اتنے ہی بے معنی تھے جتنے بیرام کی عید کے جشن کے روز قلابازیاں کھاتے ہوئے بونے مسخرے اس کی آنتوں میں ہمیشہ تکلیف رہتی تھی۔اس کے دل میں کسک رہتی۔اب یہ سب دنیاوی کھیل بے اصل معلوم ہوتے۔

اسکے راستے میں فرڈی نینڈ کا سایہ حائل تھا۔حالانکہ فرڈی نینڈ کو اس نے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔مقدس رومۃ الکبریٰ کے اس نئے شہنشاہ نے صلح بہت

ضروری تھی۔ کم از کم مہنوں کے لیے تا کہ اس عرصہ میں وہ ایرانیوں کو بھی جنگ کی دھمکی دے کر صلح پر آمادہ کر سکے۔ صرف چھ مہینے کے لیے اس اور صورت یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح بایزید کو واپس بلا لیا جائے۔

خشک سڑک پر گرد اڑ رہی تھی۔ اور اس کے ہمرکاب ہرکارے گرد سے اپنے منہ پھیر لیتے۔ سلطان پر سخت غصے اور غضب کا عالم طاری ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرکاروں سے آگے نکل گیا اور ایک ہرکارے کو آواز دی کہ قاصدوں کے آغا کو حاضر ہونے کا حکم دے۔

یہ ہرکارہ فوراً سہم کے جانوروں کی سی تیزی سے دوڑتا ہوا روانہ ہوا۔ جب قاصدوں کا آغا سلطان کی رکاب کے قریب پہنچا تو اسے حکم ہو کہ قسطنطنیہ واپس جائے اور شہنشاہ فرڈی نینڈ کے سفیر کو اماسیہ حاضر ہونے کا حکم دے۔ اس قاصد کو جو پستہ قد تھا چڑیوں اور سانپوں کے پکڑنے کا بڑا شوق تھا۔ یہ سفیر اوگیر بوزبک تھا۔ حکم تھا کہ یہ ایران کے قاصدوں ی باریابی سے ذرا پہلے پہنچ جائے تا کہ ایرانی قاصدوں کے استقبال کا حال دیکھ کر اسے سبق ملے۔ سلیمان نے یہ نہیں بتایا کہ بوزبک فوراً سلسلہ جنبانی کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

اس طرح بوزبک کو عید بیرام کی نماز باجماعت کا منظر دیکھنے کا یا آزادی سے ترکی کے لشکر میں ادھر ادھر پھرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ ان ایام میں اماسیہ پہنچا۔ جب بایزید کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا تھا اوان واقعات کو اس نے اپنی زبان سے یوں بیان کیا ہے:

''سلطان ایک نچلی سی چوکی پر تخت نشین تھا اور چوکی پر بڑے قیمتی قالینوں کا فرش تھا۔ تیر و کمان اس کے قریب پڑے ہوئے تھے۔ اس کی صورت سے اب پیری کا اظہار ہونے لگا تھا۔ لیکن اس کے رعب و داب میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہمیشہ محتاط رہا' اس کے سوا اسپر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ اپنی بیوی کو بہت زیادہ چاہتا تھا اور اس کے اثر سے اس نے مصطفےٰ کو قتل کرنے میں بڑی جلد بازی سے کام لیا۔ جب سے اس عورت سے اس کا نکاح ہوا اس نے اور کسی عورت سے آشنائی نہیں کی۔

''اپنے مذہب کے فروغ میں وہ بہت راسخ العقیدہ ہے اور مذہب کی تبلیغ بھی اسے اتنی ہی فکر ہے جتنی اپنی سلطنت کی توسیع کی یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کی عمر ساٹھ سال ہے اس کی صحت اچھی خاصی ہ حالانکہ اس کے چہرے کی بدرنگی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اندر سے کوئی بیماری اسے کھائے جا رہی ہے۔ یہ افواہ بہت مشہور ہے کہ اس کی ران پر ایک ناسور ہے جو لاعلاج ہے۔ یا شاید سرطان کا پھوڑا ہے۔ جب وہ کسی ایسے سفیر کو متاثر کرنا چاہتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ بیرونی سلطنتیں اگر اسے صحت مند اور طاقت ور جانیں گی تو اور زیادہ خوف کھائیں گی۔ مجھے اس کا پتا اس وقت چلا جب اس نے مجھے آخری بار حکم دیا اور اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا......

سلطان کے دربار میں لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ لیکن اس پورے مجمع میں ایک بھی ایسا آدمی نہ تھا جس نے اپنی بہادری یا اپنی قابلیت کی بنا پر ترقی نہ کی ہو۔ ترک نسب

کے قائل نہیں۔ایک دوسرے کے مقابل دربار میں سبقت لے جانے کے لیے یہ آپس میں نہیں جھگڑتے۔ترکی میں ہر شخص کی تقدیر اس ک اپنے ہاتھ میں ہے اور اس کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ اسے بنائے یا بگاڑے۔

ترک اس کے قائل نہیں کہ قابلیت اور فضیلت کے جوہر باپ سے بیٹے میں منتقل ہوتے ہیں جیسے اگر کوئی موسیقی یا ریاضی کا استاد ہے تو یہ ضروری نہیں کہ اس کا بیٹا بھی ان فنون میں عالم نکلے۔یہ صفات اور فضیلتیں کچھ تو خدا کا دین سمجھی جاتی ہیں' اور کچھ اعلیٰ تعلیم و تربیت اور کچھ اپنی سعی کا نتیجہ...... یہی وجہ ہے کہ ترک ہر مہم میں کامیاب ہوتے ہیں......

کاش آپ میرے ساتھ کھڑے ہوئے اس ہجوم کو دیکھتے جن کے سروں پر سفید ریشمی عمامے بندھے ہوئے ہیں۔ان کے لباس کی خوش نمائی اور نفاست دیکھنے کے قابل ہے...... میں نے اس سے زیادہ خوش نما منظر بہت کم دیکھا ہے...... مجھے حیرت تھی کہ اس مجمع پر خاموشی کیسی طاری ہے اور ان لوگوں میں کتنا نظم و ضبط ہے...... کہیں شور و غل نہیں' مدھم آوازوں کا شور نہیں کہیں مجمع میں گڑبڑ نہیں اور درباروں سے دور ینی چیریوں کی ایک صف ایستادہ تھی۔ مجھے یہ اندازہ کرنے میں کچھ دیر لگی کہ یہ انسان ہیں یا مجسمے بالآخر مجھے اشارہ کیا گیا کہ میں سلطان کو آداب بجا لاؤں۔جب یں نے سلام کے لیے سر جھکایا تو میں نے سب کو اپنی طرمنہ پھیر کر سلام کا جواب دیتے ہوئے دیکھا۔دربار سے واپس ہوتے ہوئے میں نے سلطان کے محافظ دستے کے سواروں کو اپنے اپنے خیموں میں واپس ہوتے ہوئے دیکھا۔

اور یہ منظر بھی دیکھن سے تعلق رکھتا تھا ان سواروں کے گھوڑے بڑے شاندار صاف ستھرے اور آراستہ تھے۔

''ایرانی سفیر بڑے نفیس تحائف لیے ہوئے حاضر ہوا بڑے مشہور کاریگروں کے بنائے ہوئے قالین، خیمے جن کی دیواروں پر رنگین نمدے آویزاں تھے۔لیکن ان تمام تحائف میں ممتاز قرآن مجید کا ایک نسخہ تھا۔صلح کی شرائط فوراً اسے سنادی گئیں مقصد یہ تھا کہ ہم پر اور زیادہ دباؤ ڈالا جا سکے۔کیونکہ ہمارے متعلق یہ رائے تھی کہ ہماری سلطنت (آسٹریا) زیادہ شورش پسند ہے۔ہم پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ ایران سے درحقیقت صلح ہوگئی۔شاہ ایران کے سفیر کو طرح طرح کے انعام واکرام دیے گئے۔ترکستانیوں' کی توقیر کرنے اور دشمنوں کی تذلیل کرنے میں حد اعتدال سے تجاوز ہو جاتے ہیں۔وزیر ثانی علی پاشا نے ایرانی سفیر اور اس کے ساتھیوں کو اپنے باغات میں ایک بڑی پر تکلف دعوت پر مدعو کیا۔ہم اپنے خیمے سے اس دعوت کا منظر دیکھ رہے تھے۔ہاں میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ علی پاشا ڈالمیشی نسل کا ہے۔بڑا ہی شریف آدمی ہے اور آپ کو ایک ترک کے متعلق یہ سن کر شک ہوگا کہ دراصل وہ بڑا ہی حساس دل اور نرم دل ہے۔

چونکہ ترکوں نے ایرانیوں سے صلح کر لی تھی اس لیے ہمارے لیے اچھی شرائط پر صلح ناممکن تھی۔ہمیں صرف چھ مہینے کے لیے عارضی صلح کرنے میں کامیابی ہوئی۔سلطان کا خط ایک زریں لفافے میں ملفوف میرے حوالے کیا گیا۔اور میں نے رخصت کی اجازت چاہی مجھے بہت کم اس کی توقع تھی کہ میری سفارت کامیاب ہو

گی۔

"سفر میں مجھے طرح طرح کے برے شگون پیش آئے۔ مجھے ہنگری کی لڑکیوں اور لڑکوں سے بھروے ہوئے کئی چھکڑے ملے جنہیں قسطنطنیہ کے بازاروں میں فروخت کے لیے لے جایا جا رہا تھا"۔

اس موسم گرما میں بوزیک قسطنطنیہ واپس ہوا۔ اسے یہ احساس تھا کہ سلطان اور اس کی ترک قوم کسی نامعلوم مقصد کی طرف گامزن ہیں۔ فرڈی نینڈ کے سفیر نے جان لیا تھا کہ اماسیہ میں اسے مرعوب کرنے کے لیے یہ تماشا دکھایا گیا ہے۔ ہر خبر جو اس نے دیکھی تھی یہاں تک کہ سلیمان کے چہرے کی مصنوعی سرخی اس کو دکھانے کے لیے ہی تھی۔ لیکن وہ اس کا مطلب نہ سمجھ پایا تھا۔ وہ یہی سوچ کر خوش تھا کہ چھ ماہ کے لیے صلح حاصل ہوگئی۔

سلیمان کو اس قلیل عرصہ میں صلح قائم رکھنے کی شدید ضرورت اس لیے لاحق ہوئی کہ وہ بایزید کے متعلق اپنا آخری فیصلہ صادر فرمانا چاہتا تھا۔

☆☆☆

۵۔ مالٹا اور آخری کوچ

IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006

ناممکن کام

اگر روکسے لانا نے گل بہار کے بیٹے مصطفےٰ کو قتل کرانے کی سازش نہ کی ہوتی اور اگر اس کا اپنا بیٹا سلیم اتنا ہراساں نہ ہوتا تو یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ ینی چیری اسے سلیم احمق کہتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ وہ چھپ چھپ کر شراب پیتا ہے۔ اور خوشامدیوں اور چاپلوسیوں میں گھرا رہتا ہے۔ اس کی مصاحب یا تو عورتیں تھیں یا کچھ ایسے حریص اور مطلبی لوگ جو اس قابل تھے کہ سلطان انہیں کوئی رتبہ بخشتا یا نظم و نسق سلطنت میں کوئی عہدہ عطا کرتا۔

بوزبک نے یہ افواہیں سن کر لکھا تھا "سلیم بے حد بداخلاق ہے اس نے کبھی کوئی کارخیر نہیں کیا اور کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا"۔

سلیم تین چیزوں سے ڈرتا تھا اپنے پیرانہ سال باپ کے غصے سے طاقتور گونگوں کے ہاتھ میں جو کمان کی تانت ہوتی اس سے کیونکہ اس سے اس کا گلا گھونٹا جا سکتا تھا۔ اور اپنے بھائی کی قابل محبت ذات سے جسے لوگ سلطان سلیمان کی ہو بہو شبیہ کہا کرتے تھے۔ بزدل احابی میں جس طرح مکاری اور ہوشیاری ہوتی ہے اسی طرح کی مکاری سے اسنے اپنے باپ کو لکھا تھا میں ایسی ہر دل عزیزی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا جس کی وجہ سے مجھے عام بہت زیادہ چاہنے لگیں اور مجھے اپنے والد سلطان المشرکین کا رقیب بننا پڑے اس نے لکھا کہ جہاں پناہ کی محبت کے سوا میرا کہیں اور ٹھکانا نہیں اور ہر شخص مجھ سے نفرت کرتا ہے"۔

قریب قریب یہی الفاظ میں روکسے لانا نے اپنے فربہ اندام بیٹے سلیم کی تائید اور طرفداری کیا کرتی تھی۔ اس کے جواب میں سلیمان نے اپنے آپ پر ترس کھانے والے بیٹے کے یہ کہہ کر دلاسا دیا کہ زیادہ فکر نہ کرو اور احکام قرآنی کے بموجب زندگی بسر کرو۔ اس پر سلیم کی طرف سے خوشامدیوں اور سازشیوں نے جو خط لکھے ان میں ایک اور خطرے کا اظہار کیا گیا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی ذات کے لیے پریشان نہیں ہوں۔ مجھے اپنے والد ماجد کی زندگی کی فکر ہے۔ بایزید بھیس بدل کر قسطنطنیہ میں سرائے کے ینی چیریوں سے باتیں کرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب سلطان سواری کے لیے برآمد ہوں تو سازشی ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیں۔

سلیمان نے اپنے بیٹے کی اس اطلاع کی طرف کوئی توجہ نہ دی اس نے روکسے لانا کے دونوں بیٹوں کی یاددہانی کی کہ ان کا کام محض یہ ہے کہ جو فرائض ان کے سپرد کیے گئے ہیں ان کی سختی سے پابندی کریں۔ لیکن وہ یہ نہ بھول سکا کہ بایزید ینی چیریوں میں مقبول ہوتا جا رہا ہے اور ینی چیری سلیم کو اصطبل کا بیل کہنے لگے ہیں۔ سلیم کی یہ شکایت بھی صحیح تھی کہ سخت مزاج رستم اسے شرابی اور سلطنت کا نا اہل سمجھتا تھا۔ رستم جس کی صحت کام کی کثرت کی وجہ سے گرتی جا رہی تھی بے شک یہی سمجھتا تھا اور اس کا کھلم کھلا اظہار کرتا تھا۔

دونوں بیٹوں کے درمیان رقابت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اور دوسرے ملکوں کے سفیر اس قدر غور سے اس صورت حال کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ سلیمان کے دونوں بیٹوں کو

سلطنت کے دو صوبوں کا وزیر بنا کے ایک کو مشرق کی سرحد پر بھیجا اور ایک کو مغرب کی سرحد پر تا کہ دونوں شہروں کی افواہوں اور سازشوں سے دور رہیں۔ بوزبک نے لکھا ہے "وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ساری دنیا کی نگاہیں اس کے دونوں بیٹوں کی باہمی رقابت پر جمی ہوئی ہیں"۔

شاید وہ بایزید کا امتحان کرنا چاہتا تھا یا شاید اس نے زیادہ خطرناک صوبہ پر اسے اس لیے بھیجا تھا کہ وہ زیادہ طاقتور ہے۔ بایزید نے اس خدمت کو قبول کرنے سے فوراً عذر کیا۔ کیونکہ اماسیہ مشرقی سرحد پر واقع تھا اور دارالسلطنت سے بہت دور تھا یہ مصطفےٰ کا مستقر بھی رہ چکا تھا اور اس کی بغاوت کی یاد ابھی تک امسیہ کے پہاڑوں میں باقی تھی۔ غالباً بایزید کی شکایت کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ اس کا تقرر اماسیہ پر کیا گیا ہے بلکہ اصلی وجہ یہ تھی کہ سلیم کا تقرر میگنیشیا پر کیا گیا تھا جہاں کا گورنری خود سلیمان نے ولی عہدی کے زمانے میں کی تھی۔ اور یہاں سے چار دن کی مسافت پر قسطنطنیہ تھا۔ جہاں پہنچ کر وہ تخت نشین ہوا تھا اس کی یاد ابھی باقی تھی۔ اس حکم سے معلوم ہوتا تھا کہ بایزید کے مقابلے میں سلیم کی حمایت کر رہا ہے۔

سلطان دراصل یہ کر رہا تھا کہ اس کے بیٹوں کی عمر اب چالیس سال کے قریب تھی۔ اس کی اپنی عمر ستر سال کے قریب تھی' اور وہ تھک چکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کچھ عرصہ تک اس کے دونوں بیٹے زندہ رہیں اور خاموش رہیں تو اس اثناء میں ایک غیر شخصی طاقت اور زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد سلطنت عثمانیہ کو سنبھال لے گی۔ یہ غیر شخصی طاقت اس کا نظم ونسق تھا۔ جو اب پہلے کے مقابلے میں زیادہ

طاقتور اور باہنر بن چکا تھا۔ شاید وہ سمجھتا تھا کہ رستم اور کوسولی جیسے مصاحب دماغ عہدہ دار خود بخود بایزید کا دساتھ دیں گے اور بایزید کو سلطان بنائیں گے۔ سلیم کو تو اس بات کا یقین ہو چکا تھا۔

میں اب اپنے فرمان میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں میرے حکم کی تعمیل کرو۔ عدول حمی کرے گا غدار سمجھا جائے گا'' سلیمان نے بلا کیس جانبداری سے اپنے دونوں بیٹوں کو یہ حکم نامہ لکھ بھیجا۔ اس کے بعد خدا کو جو منظور ہو گا وہی تم دونوں کے درمیان پیش آئے گا۔

چارلس کی طرح سلیمان کسی خانقاہ میں زاویہ نشین نہ ہو سکتا تھا۔ نہ اس کے یے یہ ممکن تھا کہ سلطنت عثمانیہ کے دو حصے کر کے دونوں بیٹوں میں بانٹ دے۔ ایک ہی حکمران ہونا ضروری تھا اور سلطنتا کا مقصد ایک ہی تھا۔

سلیمان کا مقصد پورا ہو جاتا لیکن اس میں لالہ مصطفےٰ کی چالاکی حائل تھی۔

لالہ مصطفےٰ یکے بعد دیگرے دونوں بیٹوں کا اطالیق رہ چکا تھا اور ان کے طبائع سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ اگر چہ کہ وہ ہوشیار تھا نظم ونسق حکومت میں اسے ترقی نہیں ملی تھی۔ رستم نے اسے بے کار سمجھ کر برطرف کر دیا تھا اب اس کے پاس تھا کیا جو ہارتا اسنے سلیم کے خوف کو ہوا دینی شروع کی۔ اسے سمجھانا شروع کیا کہ بایزید سلطان کا چہیتا ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ اگر اسے اجازت ہو تو وہ بایزید اور سلطان کے درمیان ایسی آگ لگائے جو کسی طرح نہ بجھے اس کے معاوضہ میں لالہ مصطفےٰ نے سلیم سے یہ وعدہ چاہا کہ جب آپ تخت نشین ہوں تو مجھے وزیر بنائیں۔

سلیمان کی نظروں سے بہت دور تھا۔ بڑی احتیاط اور بڑی محنت سے اس نے بایزید کو ورغلانا شروع کیا کہ سلیم اسکی جان کے درپے ہے اسسے بچنے کی صورت یہ ہے کہ بایزید کو چاہیے کہ وہ اس احمق کو اس قدر مجبور کردے کہ وہ کھلم کھلا مقابلے میں اس کے سامنے آئے۔ اگر اسے غصہ دلایا جائے تو وہ فوراً لڑنے پر آمادہ ہوگا۔ چنانچہ بایزید نے اس کے کہنے پر اپنے بھائی سلیم کو زنانہ کپڑوں کا ایک جوڑ اتحفتاً بھیجا۔

اب لالہ موسیٰ نے سلیم کو یہ مشورہ دیا کہ وہ یہ کپڑے ایک شکایت کے رقعے کے ساتھ سلطان سلیمان کے ملاحظے میں پیش کرے۔ یہ جان کر کہ سلطان سلیمان فوراً بایزید کو فہمائش کا خط لکھے گا اس نے کچھ قاتلوں کو بھیج کر سلطان کے قاصد کو راستے میں چپکے سے قتل کرادیا اور خط ضائع کردیا گیا۔ اور یہ واردات بایزید کے صوبے میں کی گئی۔ اس مرحلے پر سلطان نے دو اعلیٰ ترین عہدہ داروں یعنی اپنے تیسرے اور چوتھے وزیر کو علی الترتیب میگنیشیا اور راماسیہ بھیجا جہاں اس کے بیٹوں کی فوجیں آپس میں لڑنے کے لیے تیار ہوتی جارہی تھیں۔

بوزبک لکھتا ہے کہ ''بایزید کی تیاریوں کے متعلق سلطان سلیمان کو اندیشہ تھا کہ یہ خود اس کے خلاف بغاوت کی تیاری ہے۔ پھر وہ بھی بہت عرصہ تک امعاملے کو خاموشی سے ٹالتا رہا۔ یہ ہوشیار پیر مرد یہ نہیں چاہتا تھا کہ تنگ ہوکر بایزید کھلم کھلم بغاوت پر آمادہ ہوجائے''۔

بھائیوں کے درمیان خانہ جنگی روکنے کے لیے اسنے ایک بڑے ہی سخت گیر ثالث سوکولی کو روانہ کیا (اسی نے فرضی مصطفےٰ کو گرفتار کیا تھا) اس کے ساتھ اس نے نئی

چیریوں اور سپاہیوں کی ایک چھوٹی سی جمیعت سلیم کے صوبے میں روانہ کی لیکن سوکولی اپنے ساتھ چالیس توپیں لیتا گیا۔ اس نے بایزید کے سائے باب عالی کو کھلم کھلا یہ پیغام بھیجا ''میں ہر معاملہ میں اپنے والد ماجد سلطان المعظم کے فرمان کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں بجز اس قضیے کے جو میرے اور میرے بھائی سلیم کے درمیان ہے''۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ لالہ موسیٰ کی سازشی امیدوں سے بڑھ کر تھا قونیہ کے جنوب میں بایزید کے ساتھیوں اور سلیم کی فوج میں جھڑپ ہو گئی۔ سلیم کے ساتھ سلیمان کا بھیجا ہوا دستہ بھی تھا جنہوں نے دیکھا ان کا یہ بیان ہے کہ مولانائے روم کی خانقاہ کے پاس سے گرم آندھی کا طوفان اٹھا اور اس سے بایزید کے ساتھیوں کا چہرہ جھلس گیا معلوم ہوتی تھا کہ خدا کی مشیت یہی تھی کہ چھوٹے بھائی کو جیت نصیب نہ ہو۔ سوکولی کی چالیس توپوں نے حملہ آوروں کو پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن بایزید ذاتی طور پر شجاعت کے بڑے جوہر دکھائے اور دونوں فوجیں اس کی بہادری پر عش عش کرا ٹھیں۔ بڑی فراخدلی سے اس نے اپنے باپ کو خط لکھا جس میں اپنے قصور کا پورا پورا اعتراف کر کے اپنے آپ کو سلطان کی مرضی و منشاء پر چھوڑ دیا۔

اس خط سے سلیمان کے تذبذب اور شک کا خاتمہ ہو جاتا لیکن لالہ موسیٰ نے یہ خط راستے میں پکڑ لیا اور ضائع کر دیا لیکن کسی نہ کسی طرح رستم کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی اور رستم نے اس خطرناک صورت حال میں لالہ موسیٰ کے قول و فعل کی نگرانی شروع کر دی۔ لیکن اس اثنای میں ہراساں و پریشان بایزید نے پھر ایسی ہی جذباتی حرکت کی جیسی پہلے کی تھی۔ اس نے جو خط سلیمان کے نام لکھا تھا اس کا جواب نہ

آیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کے عثمانی پرچم کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ اب اگر سلیم کی عیاری سے اسے اس گستاخی کی سزا ملنے والی تھی تو اب اچھی طرح جم کر لڑنا ضروری تھا۔ اس کی طبیعت میں تذبذب قطعاً نہ تھا۔ اس نے تیزی سے پہلے تو جتنا روپیہ ہو سکتا تھا امیر تاجروں سے قرض لے کر فراہم کیا اور یہ اعلان کیا کہ وہ اپنے پرچم تلے فوج اکٹھی کر رہا ہے۔

اب وقت بایزید کی اصلی کمزوری یہ تھی کہ اس نے وہ جرات اور شجاعت دکھائی جو سلیمان سے اسے ورثہ میں ملی تھی۔ وہ بڑا نڈر اور فیاض سردار تھا۔ بہت جلد اس کے اطراف میں بہت سے شورش پسند سردار اکٹھا ہو گئے۔ جیسے بھونچال میں خس و خاشاک۔ ترکمان اپنے ریوڑوں کو چھوڑ چھوڑ کر اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آن کر جمع ہو گئے۔ پہاڑوں کے چھاپہ مارنے والے کرد اور مصطفےٰ مرحوم کے پرانے ساتھی۔ اس کے ساتھ بہت سے صاحب دماغ افسر بھی تھے جن کا یقین تھا کہ وہی عثمانی تخت و تاج کا سچا وارث ہے۔

اس کی بغاوت سے مشرقی سرحد پر آگ لگ گئی۔

☆☆☆

بایزید کی موت

سرائے کے باغیچے میں مصطفےٰ کی روح پھر سلیمان کے آگے آئی۔ بیدر درستم نے جو کثرت کار کی وجہ سے بیمار اور لب مرگ تھا لالہ مصطفےٰ کی سازش کا حال بیان کیا اور سلیم کے احتجاج کے باوجود اسے جلاوطن کیا گیا۔

لالہ مصطفےٰ کی کسی کو پرواہ نہیں تھی اصل خوف فوج کا تھا۔ کئی ال کی کوشش کے بعد سلیمان نے اسے امراء کے مسلح دستوں کی بجائے ایک بڑی منظم جارحانہ قوت میں بدل دیا تھا۔ تا کہ جب ضرورت پڑے اسے استعمال کر سکے۔ اب ابراہیم کی طرح کوئی سرعسکر اس عثمانی عسکر کا سپہ سالار نہ تھا۔ کئی سال سے فتح وظفر کا نقارہ نہیں بجا تھا۔ سوار دستوں ترکی بیمارداروں کی تعداد گھٹ چلی تھی۔ اور وہ طاقتور جو پہلے جنگجو ہوا کرتے تھے اب اپنی جاگیروں اور مویشیوں کو پالنے میں وقت صرف کرنے لگے تھے۔

صرف ینی چیریوں اور سپاہیوں کی بنیادی قوت باقی تھی جو ساری سلطنت میں اپنی اپنی جگہ خدمت پر مامور تھی۔ اور جیسا کہ سوکولی نے بجا طور پر اندازہ لگایا تھا بھاری توپ خانے کی طاقت بڑی مضبوط تھی۔

سرائے کے دروازے سے لے کر اماسیہ کی سرک تک پر ہر منزل پر یہ پرانے جنگجو ینی چیری اپنی شوربے کی کڑائیں سنبھالے بہت آزردہ اور پریشان تھے۔ وہ بلا خوف وخطر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے تھے "ہمیں تیغ کشی کا حکم ملا ہے لیکن کس

کے خلاف اس کے خلاف جس سے اس ملک کی ساری امیدیں وابستہ ہیں۔اس کے خلاف جو ہمارے سلطان کی جیتی جاگتی شبیہ ہے۔سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ سلیمان سلیم کو کیوں ترجیح دیتا ہے جسے عیاشی اور عورتوں سے فرصت نہیں اور جو اس قابل ہے کہ اسے لاتیں مار مار کر کام کاج کے کپڑے پہننا سکھایا جائے...... کیا قونیہ کا معرکہ اس نے سر کیا ہے؟ نہیں اللہ پاک کے ننانوے اسماء کی قسم یہ تو اس آندھی کی وجہ سے ہوا جو درویشوں کی درگاہ سے چلی۔اور ساتھ ہی بیلر بے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوکولی کے توپ خانے کی وجہ سے......

آخر بایزید نے قصور کیا کیا ہے جو ہم اس کے خلاف تلوار اٹھائیں؟ زیادہ سے زیادہ اس نے بھی وہی کیا ہے جو یاوز سلطان سلیم نے کیا تھا۔وہ گھوڑے پر سوار اپنا حق کے لیے لڑ رہا ہے۔نہیں اس کا تو اتنا بھی قصور نہیں۔بایزید نے اپنے باپ کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔وہ تو اپنے باپ کو دل و جان سے چاہتا ہے۔نہیں بایزید کے خلاف تلوار اٹھانے کے حکم میں تعمیل کرنا گناہ کبری ہے۔

میدان سے خبریں آنے لگیں۔کہ کئی دستوں نے کوچ کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔سواروں نے یہ ظاہر کرنے کے لیے یہ خانہ جنگی پسند نہیں سست گامی شروع کر دی۔سلیمان ان علاقوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔

بیمار رستم نے بوزبک کو بتایا کہ سلطان بھی ینی چیریوں کی بغاوت سے خوف کھاتا ہے۔اس وقت اگر وہ انہیں سنبھال نہ سکا تو پھر اور کوئی نہ سنبھال سکے گا۔‘‘

اب سلیمان اس کا خمیازہ بھگت رہا تھا کہ اسنے یاوز سلطان سلیم کی عظیم الشان

جنگی فوج کو منتشر ہو جانے دیا وہ سلطنت مس اس طرح کا نظم ونسق قائم کرنا چاہتا تھا کہ امن و امان قائم کرنے کے لیے فوج کو استعمال نہ کرنا پڑے۔اب اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ ناممکن بات تھی ۔صوبوں میں پہاڑی علاقوں کی رعایا ابھی تک عزم سے دست بردار نہیں ہوئی تھی ۔ڈلمیشیا کے سرب عیسائیوں کی حیثیت سے اس کی اطاعت کرتے تھے ۔اوران کے اوراس کے درمیان والاچیا کے عیسائی تھے ۔ کریمیا میں اپنے اپنے قلعوں میں ایشیائی تاتار تھے ۔قفقاز میں گرجستانی تھے جو بہادر عیسائی تھے ۔اورمشرقی پہاڑوں میں کرداورترکمان تھے ۔

اس پہاڑی رعایا کے اوراس کے درمیان صرف ایک باریک سا رشتہ تھا۔ان میں سے بعض کے ساتھ مذہبی تعلق بھی تھا۔نئ آواز بلند ہوتو ممکن ہے کہ وفاداری بلد جائے یہ وفاداری کبھی بھی گہری نہیں ہوئی تھی ۔

قونیہ سے اطلاع آئی تھی کہ مولانائے روم کی خانقاہ کے قریب جولڑائی ہوئی تھی اس میں جنگجو سپاہیوں کے جسموں ہی نے سوکولی کے حکم کی تعمیل کی تھی ان کے دل بایزید کے ساتھ تھے ۔اندرونی تخت گاہ کے ٹھنڈے سائے میں بایزید کے قاصد کھڑے تھے۔ بایزید نے اپنے والد سے استدعا کی تھی کہ سمندر پار کر کے ایشیا نہ تشریف لائیں بایزید کی لڑائی صرف سلیم سے تھی ۔لیکن اگر سلطان خودتشریف لائے تو سارا ملک تباہ وبرباد ہو جائے گا۔

سلیمان نے اس خط کو خاموشی سے الگ رکھ دیا۔ بڑی تلخی سے اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے ساتھیوں اورہم رکابوں نے جان لیا کہ اب سلطان خود بنفس نفیس اپنی

اس فوج کی سپہ سالاری کرے گا جسے کسی جنگ میں شکست نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے کاندھے پر بڑا شدید کرب آمیز درد تھا۔ لیکن وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ بہت کچھ سوچ بچار کے بعد اس نے بڑی احتیاط سے تین سوال ای میر منشی کو رنگین کاغذ پر لکھوائے اور روستم نے انہیں غور سے پڑھا اور اتفاق رائے سے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

پہلا سوال سلطان ایک ایسے شخص سے کس طرح کا سلوک کرے جس نے اس کی زندگی میں روپیہ جمع کر کے فوج جمع کی قصبوں پر حملے کیے اور ملک کے امن میں خلل ڈالا۔

دوسرا سوال اس کے مددگاروں کے متعلق سلطان کیا رائے قائم کرے۔

تیسرا سوال ایلیوں کے متعلق سلطان کیا رائے قائم کرے جو اس کی تائید کرتے ہیں اور اس کے خلاف تلوار اٹھانے سے انکار کرتے ہیں؟

یہ تینوں سوال اس نے لکھوا کر قاضی القضاۃ ابن سعود کے پاس بھیجے مفتی اعظم نے یہی فتویٰ دیا کہ ایسا شخص بدترین سزا کا مستوجب ہے۔ اس کے مددگار اس لے گناہ گار ہیں کہ انہوں نے شرع کی خلاف ورزی کی۔

اس کے بعد سلیمان نے باسفورس پار کر کے ایشیا کی سرزمین پر قدم رکھا اور اماسیہ روانہ ہوا جہاں بوزبک اس کی خدمت میں کچھ عرصہ بعد حاضر ہوا تھا۔ اس نے سوکولی کو سلیم کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ بایزید کی نئی فوج کا تعاقب کرے۔ یورپ سے عارضی صلح اور ایرانیوں سے باقاعدہ صلح کے بعد سلیمان نے سرحد کے شورش پسند

قبائل اور خصوصاً بڑے بڑے کرد اور گرجستھانی قبائلیوں کے خلاف اپنے ساتھ آملنے اور جنگ کے لیے بھرتی ہونے کا پیغام بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ فوج کی کمان میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ گرمیوں کے مختصر سے موسم میں سرحد پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا بہادر اور نڈر سوکولی بایزید کی فوج کے تعاقب میں جا پہنچا۔ اور بایزید تعاقب سے بچنے کے لیے سرحد پار کر کے اپنے چاروں بیٹوں اپنے حرم اور راونٹوں سے لدے ہوئے ساز و سامان سمیت ایران پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ کچھ بہادر سوار تھے۔ پہاڑی دروں میں انہوں نے سلطان کے سواروں کو پیچھے ہٹا دیا اور کسی نہ کسی طرح شاہ طماسپ کے دربار میں پہنچ گئے۔ شاہ طماسپ نے شاہانہ شان و شوکت سے بایزید کا استقبال کیا۔ اور سوگند کھائی کہ ایران کی سرزمین پر اسے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔

لیکن سرحد پار کر کے بایزید نے دراصل موت کے منہ میں قدم رکھا تھا۔

شروع میں تو وہ جوش کے عالم میں ں اپنی اس کامیابی پر خوش تھا کہ اپنے نڈر سواروں کے ساتھ وہ سرحد پار کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اب وہ شائستہ مزاج طماسپ کا شاہی مہمان تھا وہ بنگلوں اور کئی دعوتوں میں شریک ہوا جہاں بدقسمتی سے اس کے سواروں نے کئی ایرانی پہلوانوں کو پچھاڑ دیا۔ اس نے سلیمان کو خط لکھا کہ شاہ طماسپ مجھ سے پدرانہ شفقت سے پیش آیا ہے۔

چند مہینے تک مغرب قریب کے دربار تبریز پر آنکھیں جمائے رہے جہاں سلطان المعظم کے فرزند نے طماسپ صفوی کے دربار میں پناہ لی تھی۔ اہل وینس کے دلوں میں ایک مبہم کی امید جاگ اٹھی کہ ایرانی پھر سے ترکوں کو ایشیا کی جنگ میں

گھسیٹ لیں گے

طماسپ نے فوراً ہی اپنے پناہ گزین کی موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ سلیمان کو سلام کہلا بھیجنے کے بہانے اس نے یہ پیغام دے کر قاصد روانہ کیے کہ سرحد کے صوبے مثلاً ارض روم اور اس کے پاس کا پہاڑی علاقہ اور دجلہ اور فرات کے درمیان بغداد کا علاقہ بایزید کو عطا کر دیا جائے (اس طرح پھر سے ان صوبوں کے ایران کے زیر اثر آ جانے کی توقع تھی)۔

سلیمان نے اس قسم کی تحریکوں پر دھیان تک نہ دیا۔ جب بایزید نے ترک سرزمین کو چھوڑا تو سلطان کا ارادہ مصمم ہو گیا۔ اس ثانیہ سے بایزید اس کا بیٹا نہیں رہا تھا محض باغی رہ گیا تھا۔ یہ معمر تاجدار اپنے قریبی عزیزوں کی غداری برداشت نہ کر سکتا تھا۔ مزید برآں سوکولی سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک سارے لشکر میں اب یہی احساس رہا تھا کہ تبریز میں پناہ لے کر بایزید نے اپنے ترکہ اور تخت و تاج پر اپنا حق ترک کر دیا۔ اب آل عثمان سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب قونیہ میں ان کا محبوب شہزادہ ان کی گولہ باری کے مقابلہ میں ڈٹا ہوا تھا تب ان کے دلوں میں یہ احساس نہیں تھا۔ ترکوں میں وفاداری کا جو سخت میعار تھا اس کے لحاظ سے مصطفےٰ کو شہید اور بایزید کو غدار سمجھا جانے لگا۔ اب خانہ جنگی کا اندیشہ نہیں رہا تھا اور سلیمان نے سرحد پر اس قدر شورش کا انتظام کر دیا تھا کہ شاہ ایران کو اپنی سرحد غیر محفوظ نظر آنے لگی۔ ساتھ ہی سلطان نے سمرقند کے ازبکوں سے صلح کر لی۔

سلطان نے شاہ طماسپ پر دو باتیں واضح کر دیں۔ جب تک بایزید کو اس کے

حوالے نہ کر دیا جائے گا ایران کو امن نصیب نہ ہوگا۔اور بایزید کا تاوان محض زرنقد کی صورت میں ادا کیا جائے گا۔

طہماسپ کے قاصد جو پہلے لمبے چوڑے وعدے لے کے آئے تھے اب سودا چکانے لگے اور اس کے بعد انہیں صرف یہ فکر رہ گئی کہ ان کی اور شاہ کی سبکی نہ ہونے پائے۔سلیمان کا فرزند شاہ کا مہمان تھا۔اور یہ ناممکن تھا کہ اسے قید کر کے سلطان کے حوالے کر دیا جائے......

سلیمان جوش غضب میں ایرانیوں سے سودا کرنے یا ان کی سبکی وغیرہ کا لحاظ کرنے کو قطعاً تیار نہ تھا۔ایک جلاد کے ہاتھ چار لاکھ اشرفیاں طہماسپ کو بھجوا دی گئیں۔ایرانیوں نے بہانہ کر کے بایزید کے ساتھیوں کو دور دراز دیہاتوں میں منتشر کر دیا اور ان سے ہتھیار رکھوا کے سازش کے الزام میں انہیں قتل کرا دیا۔بایزید اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ شاہ کے ساتھ ضیافت کے دستر خوان پر بیٹھا تھا اور اس بہانے اسے ترکوں کے حوالے کر دیا گیا کہ اسے سلیمان کے پاس نہیں بلکہ اپنے بھائی کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔تھوڑی دور تک سفر کرنے کے بعد راستے ہی میں ترک جلاد نے اس کا اور اس کے تمام بیٹوں کا کام تمام کر دیا۔روایت کی جاتی ہے کہ اس کی ڈاڑھی مونچھ مونڈی گئی تاکہ اچھی طرح پہچان لیا جائے کہ یہی وہ بایزید ہے جس نے اماسیہ میں اپنا دربار لگایا تھا۔ایرانیوں نے اسے میلا سمور پہنایا تھا۔اور اس کی کمر میں رسی باندھ دی تھی۔اتمام حجت کے لیے اب بایزید وہ ترک شہزادہ نہیں رہا تھا جس کی شاہ طہماسپ نے قسم کھائی تھی۔

جب سلیمان نے سرائے کو واپس مراجعت فرمائی اور تیسرے صحن کے حوض کے قریب اپنے راہوار سے اترا تو بہت کم پہچانے ہوئے چہرے اس کے استقبال کے لیے نظر آئے اب اس کا صرف ایک بیٹا سلیم زندہ رہ گیا تھا۔ جو اناطولیہ میں قطاہیہ کا گورنر تھا جیتے جی سلیمان نے پھر اسے اپنے حضور طلب نہ کیا۔ جس سال بایزید کو قتل کیا گیا اسی سال رستم نے بھی وفات پائی ۔ اپنے مرنے سے پہلے اس سفاک وزیر نے وہی کیا جو سلطان نے کیا اپنی بے حد انتہا جائیداد وقف کر دی۔ اس وقف سے مساجد اور کار ہائے خیر کے اداروں کو سالانہ دو لاکھ اشرفیوں کی آمدنی ہوئی تھی۔

محمد سوکولی جو "شہباز" کے لقب سے مشہور تھا وہ سرائے سے دور میدان جنگ میں ڈٹا ہوا تھا کیونکہ سلیمان اب خود بنفس نفیس فوجوں کی سپہ سالاری نہ کر سکتا تھا۔ جب سلطان سرائے میں اپنے راہوار سے اترا تو اس کی رکاب کے پاس مفتی کی سفید دستار فضیلت باندھے صرف ابن سعود کھڑا تھا۔ اس کے اپنے خدام' اور مدرسے کے طالب علم اس قدر کم سن بچے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے نام بھی سلطان کو مشکل سے یاد رہتے تھے۔ اور اب اسے پرواہ بھی نہیں تھی کہ نام یاد رہیں یا نہ رہیں۔

اسے اس کی توقع تھی کہ اس کی بیٹی مہر ماہ اس کی خدمت گزاری کرے گی۔ لیکن وہ حرم سرائے سے اس الگ حصے میں ہو گئی تھی اسے اپنے بھائی بایزید سے بہت محبت تھی اور وہ اپنے باپ کو کبھی معاف نہ کر سکی جس نے اسے قتل کرایا تھا۔ جب سلیمان نے دریافت کیا تو اسے معلوم ہوا کہ مہر ماہ پرانے قصر کے کھنڈر میں منتقل ہو گئی ہے۔

وہ لڑکیوں کی داروغہ کی زبان اسے کے لیے ایک پیغام چھوڑ گئی تھی۔ یہ کہ وہ اپنے پورے خاندان کے ماتم میں سیاہ پوش ہے۔ اب وہ روکسے لانا کے شاہی حجروں میں رہنے کے لیے تیار نہ تھی۔

اس پیغام سے اس غصے کا اظہار ہوتا تھا جو ایک عورت ہی کو آ سکتا تھا۔ سلیمان کو برسوں پہلے پرانے قصر میں اپنی بہن کے الفاظ یاد آ گئے تھے۔ اس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ خدا کرے مجھے ایک دن اپنے بھائی کے سوگ میں بھی سیاہ پوش ہونا پڑے۔ اب اسکے گھر بھر میں صرف مہر ماہ ہی ایک ایسی ہستی رہ گئی تھی جس سے اس کو محبت تھی اور سلیمان سوچا کرتا تھا کہ شاید اس لڑکی کو اپنی ذہین ماں خرم سے اور خود اس سے نفرت ہے......

بایزید کا بشاش چہرہ جہانگیر کی مسکراہٹ سب اسے یاد آتے تھے۔ اس کے شانے جھک چکے تھے۔ اس کے خاندان بھر کی زندگی سمٹ کے سلیم کے بھوکے جسم میں آ گئی تھی جسے شراب خوری اور عیاشی سے فرصت نہ تھی۔ وہ اپنے گھر بار کو پھر سے زندہ نہ کر سکتا تھا۔ اب وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور کسی اجنبی لڑکی کے جسم سے نئی اولاد پیدا نہ کر سکتا تھا......

اس نے حکم دیا کہ روکسے لانا کے کمروں کے دروازے چن دیے جائیں۔ اپنے دو کمروں میں وہ اکیلا رہتا اور اکیلا سوتا۔ اکثر وہ لنگڑاتا ہوا زریں بارہ دری میں سے گزرتا جہاں اپنے اپنے مقام پر خواجہ سرا اور غلام اسے جھک جھک کر سلام کرتے اور آداب بجالاتے اور وہ جھروکے میں بیٹھ کر ان اجنبی نوجوانوں کے فیصلے سنتا جواب

اس کے دیوان میں مدار المہام تھے۔ اسے اکیلے محمد سوکولی پر اعتماد نہ تھا۔

جب وہ فجر کے وقت اٹھ کر اپنے جسم کا درد کم کرنے کے لیے کروٹ بدلتا یا انگڑائی لیتا تو صحن کے پاس کسی نوجوان کو مضبوط اور تازہ آواز میں کلام پاک کی تلاوت کرتے سنتا۔ کبھی کبھی وہ ایک ہونہار نوجوان شاعر باقی کو بلا بھیجتا جو ایک ترکی موذن کا بیٹا تھا۔ اور جس کے کلام میں بڑا جذب و اثر تھا۔ سلیمان نے اسے ملک الشعراء کا لقب دیا تھا۔ باقی طبعاً خاموش اور کم سخن تھا۔ اور بہت سے لوگ کہتے کہ اس کا کلام اپنا کہا ہوا نہیں۔ لوگ کہتے کہ اس عمر میں کوئی ایسا پختہ کلام نہیں لکھ سکتا۔

سلیمان نے کبھی باقی سے فرمائش کر کے وہ قصیدہ سنا جو اس نے اس کی مدح میں لکھا تھا۔ اس قصیدے کی زبان سادہ تھی لیکن اس نوجوان شاعر کے زور بیان سے اس میں ساحرانہ فصاحت و بلاغت کے جوہر تھے۔ خود بھی ایک ایسی ہی شے کا جویا تھا جو اس کے قصیدے کے الفاظ میں جھلکتی تھی کبھی اسے خود بھی شاعر بننے کی تمنا تھی۔

مدتیں گزر گئیں۔ کبھی وہ باقی کی طرح نوجوان اور زندہ دل تھا۔ ایک حسین لڑکی گل بہار نے اس کے دیوان کے لیے جزو دان سی کر اسے دیا تھا......

اس نے دربان خاص کو حکم دیا کہ پرانے قصر سے کچھ نئی خوبصورت لڑکیوں کو حاضر کیا جائے۔ اس میں سے ایک کنیز اس نے تحفہ کے طور پر باقی کو بخش دی اور کہا ''یہ تیری رفیقہ بنے گی''۔

جب وہ نماز جمعہ کے لیے مسجد سلیمانیہ کے بیرونی دروازے کی جانب سوار ہو کر نکلتا تو باقی کی طرح کے نوجوان اسے اور اس کے زرق برق سواروں کو دیکھتے ہوں

گے ان کے طرے ہوا میں اڑتے ہوئے' وہ اتر کے خانہ خدا کے دروازے سے گزرتے اوپر چار عظیم الشان مینار تھے' ساتھ جھروکے تھے ان میں رمضان کی قندیلیں روشن ہوتیں۔

جب سلیمان زین سے اترتا' اور اس کی رکاب اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے ہرکارے اسے اترنے میں مدد دیتے تو وہ درد جو اس کے پروں میں تھا اس کے جوڑ جوڑ میں سرایت کر جاتا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا۔

اس زمانے میں جو اس سال مارک انتونیو دونی وینس کے سفیر کا معتمد تھا۔ وہ سلطان کی ایک ای جنبش پر نگاہ رکھتا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس ایک سال میں سلطان بہت بوڑھا ہوگیا۔ اس کا جسم کمزور ہو گیا ہے۔ وہ استسقاء میں مبتلا ہے۔ اس کی ٹانگیں سوج گئی ہیں اسے بھوک نہیں لگتی۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ چکی ہے۔ گزشتہ مارچ کے مہینے میں اسے چار پانچ بار غشی کے دورے پڑے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب وہ کچھ ہی روز بعد مر جائے گا..... خدا کرے ایسا ہو کیونکہ اس سے عیسائی دنیا کو بڑا فائدہ پہنچے گا''۔

عیسائی دنیا کو بڑا فائدہ اصل میں بایزید کے قتل سے پہنچ چکا تھا۔ سلیمان کو اس نقصان کا احساس تھا۔ بزدل سلیم کی حکومت میں سلطنت عثمانیہ کی وسعت یا استحکام کا امکان نہ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہر دلعزیز بیٹے مصطفے اور بایزید اگر زندہ رہ جاتے تو یہ ممکن تھا۔ لیکن اس وقت وہ یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس نے اپنی سلطنت کو کتنا شدید صدمہ پہنچایا ہے۔

سیاہ پہاڑ کی پناہ گاہ

سلیمان کو صرف ایک امید باقی تھی جو بہت بڑی امید تھی۔ وہ مذہبوں کی خاموش لیکن مسلسل جنگ جیت رہا تھا۔ ان علاقوں میں جہاں اس کی فوجیں نہیں پہنچ رہی تھیں اس کے داعی پہنچ رہے تھے۔

سیار درویش قاری' اسلام کے سپاہی اس کی طرف سے یورپ کے دیہاتیوں کو قبول اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ کاشتکار اپنی گاڑیوں میں غلہ بھر بھر کے سرحد کے اس پار ترک علاقے میں منتقل ہو جاتے کیونکہ قوت بازو سے پیدا کیے ہوئے غلہ پر کاشتکار کو بہت ہی معمولی سا محصول ادا کرنا پڑا۔ اتنا کم محصول کہ کاشت کار کو حیرت ہوتی یونانی جزیروں کے ماہی گیروں کو اجازت تھی کہ بندرگاہوں کے بازاروں میں اپنی پکڑی ہوئی ساری کی ساری مچھلیاں بیچ دیں اور اپنی آمدنی سے سرکار کو کوئی محصول ادا نہ کریں۔ ٹرانسلوے نیا کے جنگلوں کے رہنے والے کارپتھیا کے پہاڑوں کے سلاف کسی ذاتی منفعت کے لیے نہیں بلکہ اس وجہ سے اسلام قبول کرنے لگے تھے کہ اسلم مختلف عمل اور اقوام کے درمیان اخوت اور برادری کا علمبردار تھا۔

اس برادری میں اجنبی کے لیے دروازہ بند نہیں تھا نہ اس کو شکار کرنے کے لیے شکاری کتے چھوڑے جاتے تھے ہر دروازے پر نادار کو روٹی مل جاتی تھی۔ جو لوگ کیتھولک عقیدے سے منحرف ہو چکے تھے' انہیں ترک سلطنت کے حدود میں

پروٹسٹنٹ اور جیکو بائٹ کلیساؤں کے گرجا آباد ملتے۔ باب عالی کے باہر ایک پتھر کی سلفچی بڑے احترام کے ساتھ رکھی گئی تھی جسے لوگ حضرت مریم سے منسوب کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کی دعاؤں میں اکثر حضرت عیسیٰ کا نام سننے میں آتا۔

رستم نے بوزبک تک کو مسلمان بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن بوزبک نے یہی کہہ کر عذر کیا کہ میں عیسائی پیدا ہوا ہوں اور عیسائی ہی مروں گا۔

رستم نے کہا ''یہ ٹھیک ہے لیکن تمہاری روح کا کیا حشر ہوگا''۔

بوزبک نے جواب دیا 'مجھے امید ہے ک میری روح کو بھی نجات مل جائے گی''۔

کچھ لمحے سوچ کر وزیر نے کہا ''ٹھیک کہتے ہو میں یہ مانتا ہوں کہ جس نے تقدس سے زندگی گزاری اس کا حشر برا نہ ہوگا۔ خواہ اس کا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو''۔

بوزبک یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے اطراب میں ایک اور مذہب (اسلام) کا اثر اور نفوذ پھیلتا جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود دھارے کے خلاف ہاتھ پیر مار رہا ہو۔ لیکن اور سب دھارے کے ساتھ بہتے جا رہے تھے۔ بہت سے یونانی جزیرے اس دھارے کی لپیٹ میں آچکے تھے۔ مغربی چراگاہوں سے ہوتا ہوا۔ یہ دھارا ماسکو کے قریب قریب تک پہنچ چکا تھا۔

سلیمان کی اپنی سلطنت میں مسلح عیسائیت صرف ایک جگہ مونٹ نیگرو (سیاہ پہاڑ) میں اسلام کا مقابلہ کر رہی تھی۔ یہ سیاہی مائل پہاڑ مین اڈریاٹک کے ساحل پر واقع

تھے۔ یہاں پہاڑی سرب ابھی تک اپنی تلواریں اور اپنا مذہب سنبھالے ہوئے تھے ان کی خانقاہیں قلعہ گاہیں بن چکی تھیں۔ ان کے پادری سپاہی بن چکے تھے ان کے داعی اور اسقف سفیر بننے لگے تھے۔ ان کے یہاں ایک چھاپہ خانہ تھا' اور یہ روایت عام تھی کہ ان کے قوم کے پرانے جنگجو سکندر بیگ کی روح ابھی ان کے درمیان زندہ ہے۔ اور چلتی پھرتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ مونٹی نیگرو کی آزادی خیالی نہیں اصلی ہے۔ کسی اور مذہب کا خدا اس آزادی کو چھین نہیں سکے گا''۔

ترکوں نے اس علاقے کو مسخر کرنے کی بڑی کوشش کی تھی پہلے تو انہوں نے نشیب کی زرخیز وادیوں پر قبضہ کرلیا۔ پھر وادیوں کے رہنے والے سرب باشندوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا پہاڑ کے نشیبی حصوں پر سلاف نسل کے مسلمانوں کو آباد کیا۔ وادیوں میں بے دخل ہونے کے بعد اس کالے پہاڑ کے سرب ان بلندیوں پر قلعہ بند ہو گئے جن کی سطح اڑتے ہوئے بادلوں سے بھی زیادہ اونچی تھی اور یہاں انہوں نے مقابلہ کے لیے ایک مرکز بنالیا تھا۔

تاریخ میں یہ مقدمہ تھا کہ وی آنا' نیپلز اور میڈرڈ کے درباروں میں بہت پہلے اسپہاڑی علاقے کی مٹھی بھر ترکوں کی مذہبی تبلیغ کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔

مقاومت کرنے والا ایک اور جزیرہ بھی تھا۔ ی جزیرہ مالٹا تھا جہاں بحیرہ روم تنگ ہوجاتا ہے۔ یہ نائٹ اپنی پہاڑی پتھریلی بندرگاہ کی قلعہ بندی کر رہے تھے۔ اور مونٹی نیگرو کے قدامت پسند اور گنوار سرب باشندوں کی طرح یہ بھی غیر متمدن لیکن اتنے ہی آزادی پسند اور جنگجو تھ۔ اپنے قلعے سے نکل کران کی سات لال جنگی

کشتیاں بحیرہ روم کے نئے ترک مالکوں کے بیڑوں پر چھاپے مارتیں۔اب چھاپے مارنے کے لیے بحیرہ روم کے یورپ کے ساحل پر وہی اکیلے رہ گئے تھے۔

ترک بحری کپتانوں اور ہسپانیہ سے نکالے ہوئے عربوں نے خوفناک ہسپانویوں کو افریقہ سے باہر نکال کیا تھا۔اور جبل الطارق سے اس طرف وہ کم نظر آتے تھے۔افریقہ کا براعظم ہسپانیہ جدید بننے کی بجائے دارالسلام بنتا جا رہا تھا۔ میکسیکو اور غرب الہند سے واپس آتے ہی ہسپانوی فاتحوں کے بحری بیڑے اس کی کوشش کرتے کہ ترک بیڑوں سے بچ کر نکل جائیں اور کسی نہ کسی طرح جبل الطارق کی بندرگاہ میں پناہ لیں جس کے اطراف چٹانیں حفاظت کے لیے کھڑی تھیں۔

جس طرح چارلس کے زمانے میں باربروسا کی دھاک جمی ہوئی تھی اسی طرح اب فلپ ثانی دراگوت کے ہاتھوں عاجز تھا۔اناطولیہ کا دراگوت جو سرور کے عالم میں دلچسپ شرارتیں کرتا اور جب جنگ میں مصروف نہ ہوتا تو بڑی فراخدلی سے پیش آتا بحری جنگ کی سمجھ بوجھ میں باربروسا سے بھی بڑھا ہوا تھا۔اس سے اور فلپ سے ہر طرح کے ہتھیاروں سے لڑائی ہوئی اور بڑے بڑے غیر متوقع مقامات پر۔

ہر سال گرمیوں کے موسم میں دراگوت نیپلز میں لنگر انداز ہوتا۔اس کے ملاح اور سپاہی سسلی پر چھاپہ مارتے اور وہ جھانک کے مہورکا کے جزیرے کو دیکھ لیا کرتا۔ وہ چپکے سے جبرالٹر کے اس پار بحر اوقیانوس میں جا پہنچا اور وہاں ایک ہسپانوی بیڑے کو لوٹ لیا جو امریکہ سے خزانہ لے کر آ رہا تھا۔کچھ عرصہ بعد انگریز بھی یہی کچھ کرنے

والے تھے۔انگریز سفیر نے اپنی ملکہ الزبتھ کو لکھ بھیجا عربوں نے بہت سے تجارتی جہازوں کو اشبیلیا اور رقادسیہ کے قریب لوٹ لیا ہے۔جن میں تین انگریزی جہاز بھی تھے جن میں ایک لاکھ اشرفیوں کی مالیت کا سامان تھا"۔

یہ دراگوت کے جہازوں کے عرب ملاح تھے۔فلپ ثانی جو اب اسپین کا بادشاہ تھا چاہتا تھا کہ اب باپ چارلس کی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کرے۔لیکن اس پتا چلا کہ جہاز رانی اور بحری لڑائیوں میں ہم امیر البحر ترک کپتانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔افریقہ کو اس نے سب سے پہلے جو بحری مہم بھیجی تو دراگوت نے یربا کی جیل میں پھانس لیا۔پچیس جہازوں کا ایک اور بیڑا اپنے امیر البحر خوان دے مندوزا سمیت طوفان کی نذر ہو گیا۔وقتی طور پر فلپ نے دراگوت کے مقابلے میں ہار مان لی۔

1564ء میں صرف مالٹا کا جزیرہ باقی رہ گیا جو ترکوں کے مقابلے میں جسارت کر جاتا تھا۔

دراگوت اس مذہبی قلع گاہ کو حصن حصین سمجھتا تھا اور یہ جانتا تھا کہ اس پر حملہ کرنا خطرناک ہے۔اب سیبارہ سال پہلے ب شاخ زریں کے بحری کپتانوں نے اس جزیرے پر حملہ کیا تو دراگوت نے اس بندرگاہ کی قلعہ بندی کا بغور مطالعہ کیا تھا اور قریب کے جزیرے گوزو پر قبضہ کر کے قناعت کر لی تھی۔

لیکن اس سفید پتھر کے جزیرے کی سلیمان کے لیے ایک خاص اہمیت تھی۔اس نے اپنی جوانی میں ان نائٹوں کو رہوڈس سے نکال باہر کیا تھا۔وہ صرف اس کے

اپنے نہیں بلکہ اسلام کے حریف تھے۔ اگر ایک مرتبہ انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے تو میدی ٹرے نین کی بحری شاہراہیں صاف ہو جائیں گی۔ لیکن درا گوت نے اسے مشورہ دیا کہ یہ مہم خطرناک ہے۔

ابھی تک سلیمان نے مالٹا پر حملے کا حکم نہیں دیا تھا لیکن بایزید کے قتل کی تلخی اور اس کی اپنی علالت اس پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ اب اس نے یہ ارادہ کیا کہ مالٹا کی فتح کافروں کے مقابلے میں بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ اور یہ اس کی زندگی کی آخری شاندار مہم ہوگی اب وہ یورپ کے خلاف اپنی ساری بحری اور بری طاقت استعمال کرنا چاہتا تھا۔

پھر ایک معمولی سا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے اس کی توجہ مالٹا پر مرکوز ہوگئی۔ مالٹا کے نائٹوں کے ساتھ لال جہازوں کے بیڑے نے قسطنطنیہ کے قریب بحیرہ ایجین میں بعض ترکی جہازوں کو پکڑ لیا تھا۔ حالانکہ حسب معمول درا گوت اور پیالی پاشا اپنی پوری طاقت کے ساتھ بحیرہ روم میں موجود تھے۔

موقع پا کر مہر ماہ نے اسے طعنے دینے شروع کر دیے۔ وہ خود پرانے قصر میں بیمار پڑی تھی اس نے اپنے باپ کو طعنہ دیا کہ بایزید کو مارنے کے لیے آپ نے فوک کی کمان خود سنبھال لی تھی لیکن کیا اب خلیفۃ المسلمین کا یہ فرض نہیں تھا کہ ان کافروں کو سزا دے جنہوں نے درہ دانیال کے اس قدر قریب آ کر لوٹ مار کرنے کی جرات کی۔ کیا سلطان کو مالٹا پر حملہ کرنے سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

یہ تو نہیں معلوم کہ اس طعن و تشنیع کا اس پر کیا اثر ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ

ہر طرف مالٹا کی تسخیر کا ولولہ اور بڑا جوش تھا۔ سلیمان نے یہی حکم دیا۔ نئے سر عسکر کو جانباز سپاہیوں اور فوج اور توپ خانہ کی فراہمی کا حکم دیا ملا یا بار برداری کی کشتیاں بنائی گئیں اور بحری کپتانوں کو حکم ملا کہ آوارہ گردی کرنے کے بجائے نائٹوں کے قلعہ کو تسخیر کریں۔

ایک شرط البتہ اس نے عائد کر دی۔ سر عسکر اور کپتان پاشا اس وقت تک حملہ کا آغاز نہ کریں جب تک کہ درا گوت خود وہاں پہنچ کر قلعہ کی تسخیر کی حامی نہ بھرے۔

☆☆☆

سینٹ ایلمو کے مردے

راستہ بھر غالباً جذباتی دراگوت غصے سے تلملاتا رہا۔ ممکن ہے کہ مالٹا پر دوسرے سہ سالاروں سے ملاقات کی تاریخ اسے ٹھیک طرح نہیں بتائی گئی تھی۔ یا افریقہ کے بحری دستوں کو جمع کرنے میں اسے دیر لگ گئی۔ بہر حال وہ دیر سے پہنچا۔ جب اس نے افق کے مقابلے میں مالٹا کی سفید بلندی دیکھی اور اس کا پرچم بردار جہاز بندرگاہ کی طرف بڑھا تو اس علاقے میں توپوں کی گرج کی آواز سنی جہاں سینٹ ایلمو کا قلعہ تھا۔

جب اس نے بندرگاہ کے داخلے کا چکر لگایا تو دیکھا کہ ایسا کچھ پیش آ چکا ہے ترک سپہ سالاروں نے اس کا انتظار کیے بغیر حملہ کر دیا تھا۔ دھوئیں کے بادلوں کے درمیان سے ان کے مورچے اور خندقیں ٹیڑھی لکیروں کی طرح اوپر کی بلندیوں کی طرف سینٹ ایلمو کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ توپ خانہ سنگین حصار پر گولے برسا رہا تھا۔ غلط مقام پر انہوں نے اچھا خاصا کام انجام دیا تھا۔ بندرگاہ کے اس پار نائٹوں کا ایک شہر ایک بڑے سے سیاہی مائل کچھوے کی طرح آباد تھا۔ اس کے دونوں بازو قلعوں سے محفوظ تھے۔ شہر کو کوئی گزند نہ پہنچا تھا۔

جب دراگوت لنگر انداز ہوا اور اس چھوٹے سے جزیرے کا مشاہدہ کیا جس کے بڑے حصے پر ترکوں نے بڑی ساعت سے قبضہ کر لیا تھا تو اسے مالٹا کی قوت اور مالٹا کی کمزوری کا اندازہ ہوا۔ اس کی پتھریلی زمین میں خندقیں کھودنا مشکل تھا۔ رات کو

کدالوں سے خندقیں کھودی جا سکتی تھیں۔ اس بنجر زمین پر جو عیسائیوں کے شہنشاہ نے قریب قریب حقارت کے انداز سے ان کے حوالے کی تھی مالٹا کے نائٹ سنگین پتھر کے برج و بار کے مضبوط قلعے میں پتھروں اور چٹانوں کے سائے میں محفوظ تھے اور جمے ہوئے تھے۔ جہاں جہاں پیش قدمی کا امکان تھا وہاں گولہ باری کا جواب گولہ باری سے دینے کے لیے بھاری توپ خانے نصب تھے۔

بھاری اور مضبوط پتھروں سے بنے ہوئے برج ایسے تھے کہ جب تک انہیں توپوں سے منہدم نہ کیا جائے۔ انسان کا کمزور جسم آگے بڑھ ہی نہ سکتا تھا۔ اس کے جامد اور بے جان طاقت کے مقابلے میں حملہ آوروں کی تعداد سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ قلعہ کی حفاظت کے لیے زیادہ مدافعین کی بھی ضرورت نہ تھی نائٹ جن کو محاصروں کا بڑا تجربہ تھا۔ اس کا انتظام کر ہی چکے تھے۔ ان کی جنگی کشتیاں شہر کے مورچوں کے اندر پانی کے اس حصے میں محفوظ تھیں جو بورگو کہلاتا تھا۔ اس بورگو کے دھانے پر ایک بھاری زنجیر باندھ دی گئی تھی۔

(دراصل ان سب قلعوں میں کل پانچ سو نائٹ تیرہ سو بھرتی کے سپاہی چار ہزار بحری سپاہی اور مالٹا والے تھے۔ ان کے مقابلے میں ترک فوج میں سارے چار ہزر ینی چیری ساڑھے سات ہزار پیدل سپاہی تھے انجینئر ملاح ہلکے توپچی اور دوسرے دستوں کی مجموعی تعداد اٹھارہ ہزار تھی)

لیکن مالٹا کی ایک کمزوری بھی تھی۔ اور دراگوت نے اپنے سپہ سالاروں کو اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ بڑی بندرگاہ میں بہت سے دندانے سے تھے۔ چونکہ نائٹوں کی

تعداد کم تھی اس ان کے پاس سرمایہ بھی کم تھا اسلیے انہوں نے صرف بورگو کی قلعہ بندی کی تھی ۔ان بلندیوں پر توپ خانہ نصب کیا جائے تو کچھ عرصے کے بعد قلعے کی فصیلوں میں شگاف پڑنے کی امید ہو سکتی تھی"

دراگوت نے ان بلندیوں کو دکھا کے کہا "تمہیں اپنے توپ خانے یہاں نصب کرنے چاہئیں۔"

لیکن ترک سپہ سالار مصطفےٰ پاشا نے اس کے بجائے سینٹ ایلمو کے قلعے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا جو بندرگاہ کے اس پار اکیلا کھڑا تھا۔سینٹ ایلمو بندرگاہ کے داخلے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔سینٹ ایلمو پر قبضہ ہو جائے تو وہ پھر اپنا بیڑا بندرگاہ میں لا سکتے ہیں ۔اور قریب پہنچ کر نائٹوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن کا بیڑا بورگو میں ہے کپتان پیالی پاشا اور تجربہ کار دراگوت نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ دراگوت نے کہا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ قلعہ شہر کے راستے میں حائل ہے۔لیکن اگر ہم دوسرے رخ سے پہلے شہر ہی پر قبضہ کر لیں تو یہ قلعہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔سینٹ ایلمو پر آپ کو کس قدر گولہ بارود خرچ کرنا پڑے گا۔اور کتنی جانیں ضائع کرنی پڑیں گی تب کہیں ہم اس منزل تک پہنچیں گے جس تک ہم یوں بھی آسانی سے پہنچ سکتے ہیں"۔

لیکن سینٹ ایلمو کے محاصرے میں اتنی دور تک پیش قدمی ہو چکی تھی کہ اب پیچھے ہٹنا ممکن نہ تھا۔اس محاصرے کی تکمیل کے وقت اتنی ہی ضروری تھی جتنی مالٹا کی فتح۔ سلطان کا حکم تھا کہ اس مہم سے ہرگز ناکام ہو کے واپس نہ آنا۔سر عسکر کو معلوم تھا کہ دراگوت اور پیالی پاشا کو معلوم ہے کہ تینوں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ واپس شاخ

زریں کو لوٹیں اور سلطان سے عرض کریں کہ پہلی بار عثمانی بری اور بحری فوج کو شکست نصیب ہوئی ہے۔

وقت ان کا مخالف تھا۔ مالٹا سے سسلی کا ساحل قریب قریب نظر آتا تھا۔ اور اس کے قریب اٹلی کی سر زمین تھی۔ ایک دو مہینے میں یقینی طور پر یورپ سے ایک جنگی بیڑا مالٹا کی مدد کے لیے آجائے گا......

ترکی توپ خانے کی گولہ باری سے سینٹ ایلمو کی سنگین فصیل کے ٹکڑے ٹوٹنے اور گرنے لگے۔ دراگوت کی بے پناہ قوت عمل اس بدنصیب قلعے کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی؛ اسکا توپ کانہ سامنے کی بلندی پر گرج رہا تھا۔ اور سامان رسد کو قلعہ تک پہنچنے سے روک رہا تھا۔

محض ہمت یا دست بدست لڑائی سے زمین کے ایسے ٹکڑووں کی حفاظت نہیں کی جاسکتی بے پناہ حملے اور رزر کے مقابل انسان کی قوت برداشت ختم ہو جاتی ہ۔ تھکے ہارے آدمی یا تو ہتھیار ڈال دیتے ہیں یا موقع ملتا ہے تو بچ نکلتے ہیں۔ یا اس ان تھک محنت میں ناکام ہو جاتے ہیں جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے۔ فصیل کے رخنوں پر ترکوں کے سخت حلے کے بعد سینٹ ایلمو کے محافظوں نے نائٹوں کے آرڈر کے گرینڈ ماسٹر کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم دوسرے حملے کی تاب نہ لاسکیں گے۔

گرینڈ ماسٹر ژان دے لاویلت بھی سلطان سلیمان ہی کی طرح کہن سال تھا۔ رہوڈس کی تسخیر کے بعد سلطان نے اس کی جان بخشی کردی تھی اور اسے خیریت سے رخصت ہو جانے دیا تھا۔ وہ بڑا راسخ العقیدہ عیسائی تھا۔ اور اس کی روحانی زندگی بھی

اسی طرح زرہ پوش تھی جیسے اس کا جسم دراگوت کی طرح اسنے بھی گرفتار ہو کے دشمنوں کے کشتیاں کھینے کی غلامی کی تھی۔ یہ اس کے لیے ناممکن تھا کہ غیر عیسائی ترکوں کو پیٹھ دکھاتا یا ان کے آگے ہتھیار ڈال دیتا۔ اس نے قلعے کے بچے کھچے محافظین کو کہلا بھیجا ''کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں خود آ کے قلعے کی کمان سنبھالوں؟''

گرینڈ ماسٹر کے طعنے سے متاثر ہو کر قلعہ والوں نے دوسرے حملے کا بھی مقابلہ کیا۔ دراگوت نے لکڑی اور کپڑے کا ایک پل بنا کر خندق کو پار کیا تا کہ ترک فصیل کے شگاف میں گھس جائیں۔ اس پل کو پار کر کے پانچ گھنٹے تک ترک لڑتے رہے قلعہ کے اندر بہ کم نائٹ اور تنخواہ دار سپاہی ایسے تھے جن کے زخم نہ آئے ہوں۔ لیکن اب وہ اس مرحلہ سے گزر چکے تھے کہ ان کے اعصاب پر کسی بادشاہ کا اثر ہو۔ وہ نئی روک کے لیے پتھروں کا انبار لگاتے رہے۔

دراگوت جون کی دوسری تاریخ کو مالٹا پہنچا تھا۔ سولہ جون کو جب وہ سینٹ ایلمو کی فصیل کے شگافوں پر حملہ کر کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا ایک بڑے سے پتھر کی ضرب سے اس کے سر کی ہڈی پاش پاش ہو گئی۔ مصطفےٰ پاس جلدی سے طبیبوں کے پاس پہنچا جہاں دراگوت زخمی پڑا تھا۔ طبیبوں کی رائے تھی کہ دراگوت کا زندہ بچنا ناممکن ہے۔ لوہے کے ٹکڑوں سے پیالی پاشا بھی زخمی ہو گیا تھا لیکن اس کی جان کا خطرہ نہیں تھا۔

دراگوت ابھی زندہ ہی تھا کہ مسلسل حملوں کی وجہ سے سینٹ ایلمو کے محافظین کی تعداد گھٹ کر اس قدر کم ہو گئی کہ نائٹ اتنی تلواریں بھی فراہم نہ کر سکے کہ تمام

شگافوں ترکوں کا مقابلہ کیا جا سک۔ یہ دیکھ کر بہت تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ دے لا دیت نے رات کے اندھیرے میں تین نائٹوں کو قاصد بنا کر بھیجا کہ ان میں سے ایک انگریز تھا۔ ایک فرانسیسی اور ایک اطالوی یہ تینوں زندہ لوٹ آئے اور صورت حال بیان کی۔ دو کی رائے ہ تھی کہ قلعہ بچ نہیں سکے گا۔ تیسرا قطعی طور پر کوئی رائے قائم نہ کرنے پایا اور اس نے کہا کہ مدافعین میں سے جو زندہ بچے ہیں وہ آخری دم تک مقابلہ کریں گے اور ہتھیار نہ ڈالیں گے۔

گرینڈ ماسٹر نے فیصلہ کیا کہ وہ آخر دم تک اپنی اپنی جگہ پر جمے رہیں۔

چوبیس تاریخ کو ترک سینٹ ایلمو کے اندر گھس آئے۔ یاں انہوں نے دیکھو کہ زخمی سپاہی بھی اپنی اپنی کرسیوں رپ تلوار سونتے لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ محصورین مں سے ایک بھی زندہ نہ بچا اپنے شدید نقصانات سے غضب ناک ہو کے حملہ آوروں نے مقتولین کے کپڑے صندوقوں میں بھر بھر کے شہر کی طرف بہا دیے تا کہ شہریوں کو عبرت ہو۔

دراگوت نے اس وقت تک دم نہیں توڑا تھا۔ اسنے قلعہ کے سر ہونے کی خوشخبری سنی وہ بحیرہ روم کا قابل ترین امیر البحر تھا۔ وہی ایک ایسا امیر البحر تھا جس نے کبھی شکست نہ کھائی تھی۔ اسکی موت کا ترکوں کی بحری تگ تازپر برا اثر پڑا۔

مالٹا کے افق سے کوئی کمک کے لیے آتا ہوا بیڑا نظر نہ آیا۔ اہل یورپ نے وسط جون تک مدد بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ مہینے کے اختتام پر ایک واحد جنگی جہاز جزیرے کے دوسرے سرے پر پہنچا جا س میں سو سے کم نائٹ اور ان کے سپاہی تھے اور وہ

سسلی کے وائسرائے کی تاخیر سے تنگ آ گئے تھے جو حسینا میں ایک بیڑا اکٹھا کر رہا تھا اور اپنے ہی جہاز پر روانہ ہو گئے تھے۔

رات کی دھند اور ایک طرح کے معجزے کی مدد سے یہ چھوٹی سی فوج ترکوں کی صفوں کو پار کر کے رات کے وقت بورگو میں دے والا دیت کے پاس پہنچ گئی۔ انہوں نے یہ قصہ سنایا کہ کمک کے لیے پاپائے روم نے چالیس چہارم نے مدد دی ہے۔ ہسپانوی نے مدد کا وعدہ کیا ہے تاجروں نے اپنے جہاز نذر کر دیے ہیں حسینا میں ہر طرف سے رضا کار آ رہے ہیں۔ لیکن سسلی کے ہسپانوی نائب السلطنت گارسیا وے تولیدو کی بزدلی کی وجہ سے کوئی جہازوں پر سوار نہیں ہو پایا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ جب تک میرے پاس ترکی بیڑے سے زیادہ طاقتور بیڑا جمع نہ ہو جائے گا۔ میں باہر سمندر میں نکلوں گا اصل بات یہ ہے کہ لوگ ترکوں سے بہت ڈرنے لگے تھے۔ سسلی کا وائسرائے اب یہ کہتا تھا کہ میں جولائی کے مہینے میں کسی روز مالٹا پہنچ جاؤں گا۔

دراصل اس کا بیڑا ۵ ستمبر کو نظر آیا۔

تہتر روز تک دے لا دیت کے قلعے پر وہ قیامت گزرتی رہی جس نے سینٹ ایلمو کو پاش پاش کر دیا تھا۔ شہر کے پیچھے کی بلندیوں پر ترک آتش بازی کرتے رہے جن کی وجہ سے شہر کی سڑکوں پر آگ لگ جاتی ترکی انجینئر شہر بھر کی فصیلوں کے نیچے سرنگیں بچھا رہے تھے نولس نے بیان کیا ہے کہ "چودہ مقامات پر ترکوں نے آتش بازی کی کل ستر بڑی توپیں تھیں جن میں سے تین بہت ہی بڑی آتش دہان توپیں تھیں۔ ترکوں نے اس پورے احاطے کو خندقوں] مورچوں اور قلعہ بندیوں سے گھیر

لیا تھا جہاں سے وہ دن رات وینٹ مائیکل اور سینٹ آنجلو کے قلعوں اور قصبوں پر آگ برساتے رہے۔اور فصیلوں میں شگاف ڈالتے رہے مورچوں کو گراتے رہے مکان اس دہشت ناک طریقے سے پرزے پرزے ہو کر اڑتے کہ ان میں پناہ لینا خطرے سے خالی نہ تھا۔

مصطفے پاشا کے انجینئروں نے ایک قلعے کے نیچے سرنگ بچھائی۔باربروسا کے بیٹے حسان نے جو اس کی طرح اب الجزائر کا بیلر بے تھا زمین پر سے کشتیاں کھچوائیں تا کہ انہیں قلعوں کے پیچھے بندرگاہ پہنچایا جا سکے اور ادھر سے پانی کی راہ سے بھی حملہ کیا جائے لیکن اس کی کوشش میں اس کے سارے سپاہی اور ملاح تلف ہو گئے کیونکہ یہ کشتیاں یا تو غرق کر دی گئیں یا منتشر ہو گئیں اور حملہ آوروں کی واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔نائٹوں نے کسی کو زندہ نہ چھوڑا۔

صالح رئیس نے جو اس بحری کپتان کا فرزند تھا جو کبھی باربروسا کا دست راست تھا' ایک چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ چپکے سے حملے کرنے کی کوشش کی۔اس کے ساتھ دن کی خاموش گھڑیوں میں دور تک آ گئے لیکن پانچ اادمی جو ایک منہدم شدہ برج میں سو رہے تھے جاگ اٹھے اور اس وقت تک مقابلہ کرتے رہے جب تک کہ مسلح نائٹ مقابلہ کرنے کے لیے وہاں نہ پہنچ گئے۔

ترک تیراک اندھیرے میں اپنے ہاتھوں میں کلہاڑیاں لے کر تیرتے ہوئے آگے بڑھے کہ مالٹا کی جنگی کشتیوں کی پناہ گاہ کے باہر جو آہنی زنجیر ہے اسے توڑ ڈالیں۔ان کے مقابلے میں مالٹا کے تیراک اپنے دانتوں میں خنجر دبائے ہوئے

آگے بڑھے۔

فصیلوں کے نیچے چٹان ہی چٹان تھی۔ جس میں سرنگ کھودنا قریب قریب ناممکن تھا۔ پھر بھی سرعسکر نے ایک سرنگ بنوا کے اس علاقے کو بارود سے اڑا دی جس میں سے ایک برج اڑ گیا تھا۔ لیکن اس خندق کے پار جس اس نے فوری حملہ شروع کر دیا تو اس کے مقابلے میں ایک جال اور تیار تھا۔ چٹان میں سرنگ بنانے سے جو شور ہو رہا تھا اس سے مدافعین چوکنے ہو گئے اور انہوں نے سرنگ کا راستہ دریافت کر لیا۔ اور اس کے اختتام پر ایک نیا مورچہ تیار کر لیا۔

پھر بھی مصطفےٰ پاشا کو اپنے نقصانات کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ہر لڑائی کے بعد نائٹوں کی کمزوری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اگست کے اختتام پر اور کئی سرنگیں چھٹیں اور اس نے اپنی مرصع زرہ پہن کے بنفس نفیس حملہ آوروں کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اس حملے کی موج بھی فصیلوں کے شگافوں کو پار نہ کر سکی۔ سرعسکر اور اس کے ساتھ ایک غار میں پھنس گئے اور رات ہونے تک عیسائیوں کے حملوں سے اپنی مدافعت کرتے رہے اور رات کے اندھیرے میں واپس اپنی فوج سے آ ملے۔

اس حملے کے بعد وہ دے لا دیت کے ماتحت افسروں نے اپنے مردوں اور زخمیوں کا حساب لگایا اور کہا کہ اب ان کے پاس اتنی فوج نہیں بچی ہے کہ وہ قلعوں کی حفاظت کر سکے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ تمام تبرکات اور نائٹوں کی اپنی ذاتی قیمتی املاک اور سارے سامان رسد کو اس قلعے میں پہنچا دیا جائے جو اب تک محفوظ ہے۔ یہ سینٹ آنجلو کا قلعہ تھا۔ اس قلع پر سب نائٹ آخری مقابلے کے لیے جمع ہو

جائیں۔

گرینڈ ماسٹر نے بہت سوچ کر جواب دیا کہ وہ ان کی دلیلوں کو سمجھتا ہے لیکن اس ان کی رائے سے اتفاق نہیں کرسکتا۔ اب تک اہل مالٹا اور تنخواہ دار سپاہیوں نے بڑی جرات سے مقابلہ کیا ہے۔ اگر انہیں یہ معلوم ہو کہ ان کے پیشوا نائٹ پسپا ہو رہے ہیں تو انہیں بڑا صدمہ ہوگا۔ اگر سردار ہٹ جائے تو سپاہی نہیں لڑسکتا۔ دے لا ویت نے حکم دیا کہ ہر شخص جو قلعہ سینٹ آنجلو میں پناہ لے رہا ہے باہر نکل آئے اور دوسرے قلعوں کے شگافوں پر ڈٹ کر مقابلہ کرے صرف بھاری توپ خانے کے توپچی سینٹ آنجلو میں باقی رہ جائیں؛۔

اگست کے اختتام تک ترک فصیلوں کے شگافوں پر حملہ کرتے اسی اپنی فوج کا نصف حصہ یا تو ضائع ہو چکا تھا یا اپنے خیموں میں بیمار پڑا تھا۔ اس لیے مصطفے پاشا جانتا تھا کہ قلعوں کے مدافعین کا حال اور بھی نا قابل برداشت ہوگا رچرڈ نولس لکھتا ہے ''ترکوں کے جنرل مصطفے نے یہ جان کر کہ مسلسل محنت جاگ اور تھکاوٹ سے مضبوط سے مضبوط کمزور پڑ جاتے ہیں ی حکم دیا کہ محصورین کو آرام کرنے کا قطعا موقع نہ دیا جائے۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو پھر حکم دیا کہ سینٹ مائیکل کی فصیلوں کے شگافوں پر ہلہ بول دیں''۔

ان چند دنوں میں حملہ آوروں کے غیض وغضب کا محصورین پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جیسے سینٹ ایلمو کے مدافعین نے اس سے پہلے ان سے لڑنے میں ہمت نہیں ہاری تھی۔ کئی پشتوں کے بعد ترک عسکر کو اب تک ایسی برتر اور بہادر گفوج سے سابقہ پڑا

تھا جو ایک انچ زمین اپنے قبضے سے نکلنے کے مقابلے میں موت کو ترجیح دے رہی تھی۔

مصطفےٰ پاشا نے سینٹ ایلمو کے محاصرے کو یاد کر کے محض ایک شگاف پر جانیں گنوانے کی بجائے ایک عام حملے کا ارادہ کا ی جو سب طرف سے کیا جائے اگر ہر طرف سے حملہ کیا جائے تو ایک آدھ شگاف ایسا مل جائے گا جہاں مدافعت کرنے والے نائٹ موجود نہ ہوں گے اس حملے کے لیے اس نے ستمبر کی سات تاریخ مقرر کی۔

۵ ستمبر کو اسے اطلاع ملی کہ سسلی سے آیا ہوا عیسائی بیڑا شمالی ساحل پر پہنچ گیا ہے کمک کی فوج اس کے عقب میں اتر رہی ہے۔

سرعسکر نے اپنے محاصرے کی منجنیقوں اور مورچوں کو آگ لگا دی۔ جو بیس بھاری محاصری شکن توپوں کے علاوہ اس نے اپنا توپ خانہ بچا لیا۔ نائٹوں نے سینٹ آنجلو کے قلعے پر اپنا پرچم اونچا کای ترکوں نے اپنے ان چالیس جہازوں کو آغ لگا دی جن کے لیے ملاح اور سپاہی باقی نہ بچے تھے اور سمندر میں نکل آئے۔

لیکن مالٹا کے چھوڑنے سے پہلے ترکوں نے فتح کی ایک اور کوشش کی شہر کی حد نظر سے اوجھل ہو کے ترکی بیڑا مشرقی ساحل پر پھر آ پہنچا۔ اور یہاں سرعسکر نے سات ہزار سپاہی اتارے جو لڑنے بھرنے کے قابل تھے۔ تا کہ کمک کے لیے آئی ہوئی تازہ دم عیسائی فوج کا مقابلہ کریں۔ یہ عیسائی فوج شہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

لیکن سسلی کی تازی دم فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔ اس کثیر فوج کے مقابلے میں

یہ حملہ ناکام رہا۔ ترک پھر واپس اپنے جہازوں کی طرف پسپا ہوئے۔ اور اپنی کشتیوں میں سوار ہونے میں انہیں سخت نقصانات برداشت کرنا پڑے۔ اس مرتبہ انہوں نے مشرق میں گوزو کا رخ کیا۔

اسپین کے نائب السلطنت گارسیا وے تولیدو اپنے بیڑے کے ستر جنگی جہازوں کو مالٹا کے زخموں سے چور بندرگاہ کے سامنے لایا۔ مالٹا کی تمام باقی ماندہ توپوں نے اس بیڑے کو سلامی دی جس نے اس محاصرے کو ختم کر دیا تھا ڈان گارسیا نے دہری سلامی دی۔ اور اس جنگ آزمودہ بندرگاہ سے رخصت ہو گیا اور جاتے جاتے یہ پیغام دے گیا کہ وہ اور کمک لانے جا رہا ہے۔

سسلی کے بیڑے نے ترکوں کے زخمی بیڑے کا تعاقب نہیں کیا۔ ویسے لا دیلت نے مالٹا کے کی جنگ کے متعلق اپنی رپورٹ تیار کرنی شروع کی کہ عالم عیسائیت کے لیے منا لٹا نے کیسی شاندار خدمت سر انجام دی۔

سر عسکر مصطفےٰ پاشا کا بیڑا جب مرکز سرائے پہنچا تو ٹھہر گیا۔ وہ دن کے وقت گودی میں نہیں داخل ہونا چاہتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ جنگ مالٹا کے باقی ماندہ سپاہیوں کو شاخ زریں کی بندرگاہ پر لے آیا تاکہ لوگ رات کو انہیں سڑکوں پر نہ دیکھ پائیں بلا صف بندی کے یہ سپاہی اپنے بارکوں یا اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

دراگوت کی شہادت اور فوج کی شکست کا باب عالی اور اہل قسطنطنیہ کو سخت صدمہ ہوا مالٹا میں بڑا اخلاف توقع واقع پیش آیا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ بیمار سلطان نے اس کی تسخیر کا حکم دیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی اتنا طاقتور بیڑا لڑنے کے لیے نہیں

بھیجا تھا۔لیکن ایک چھوٹے سے عیسائی دستے نے بہادر اور نڈر ترکوں پر فتح حاصل کی تھی۔کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس مہم میں کوئی نقص تھا یا اس شکست میں کسی کی نا اہلی کا کوئی دخل تھا۔

نہیں مالٹا کی شکست نوشتہ تقدیر تھی۔ دراگوت وہاں مر گیا۔ اسکا وقت آ گیا تھا اور اس کی مٹی وہاں کی تھی۔ اللہ تعالی کی یہی مرضی تھی کہ ترکوں کو مالٹا میں کامیابی نہ ہو۔

ترکوں پر اس نوشتہ تقدیر کا بہت گہرا اثر تھا۔اور اس کا انہیں بڑا صدمہ تھا۔ابن سعود سے لے کر باغبان لڑکوں تک سب پر یہی کیفیت طاری تھی۔گودی میں نئے جہازوں کے عرشے بن رہے تھے۔لیکن اب کسی کو اپنے بیڑے پر اتنا اعتماد نہ رہا تھا۔مالٹا کے اس پار مغربی سمندروں میں کسی نئی مہم کا حکم نہیں سنایا گیا تھا اب ایسی کوئی مہم کبھی نہ بھیجی جائے گی۔

اس صدمہ کا بڑا سبب کم سے کم سرائے کے دائرے میں سلطان کا اپنا ردعمل تھا۔ وہ اپنا غصہ ضبط کیے ہوئے تھا۔بیڑے کی واپسی کی خبر سننے کے بعد مغموم سلطان نے کبھی مالٹا کا ذکر نہیں کیا۔

دیوان کے وزراء دیکھتے تھے کہ اس معاملے میں سلطان کس قدر احتیاط برت رہے ہیں۔مصطفی پاشا جو اس شکست کے الزام کا مورد تھا اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے دیوان میں وزراء کی صف میں بیٹھتا تھا۔لیکن جب سلطان ان کے ساتھ بیٹھا تو صرف وزیر اول سوکولی یا وزیر ثانی پرتو پاشا سے بات کرتا۔وہ مصطفی پاشا سے

بات نہ کرتا۔ کہ مالٹا کا ذکر نہ آ جائے۔اس لیے سرعسکر کو شرمندگی نہ ہو۔سلیمان اس کے قریب دوسرے وزرائے سے بھی بات نہ کرتا۔

دیوان کے وزراء سے لے کر دروازے کے سنتری ینی چیریوں تک سب اسی سوچ میں تھے کہ دیکھیے اس صدمے اور غصے کے عالم میں سلطان کیا کرتا ہے۔

لیکن اس نے جو حکم دیا اس کی کسی کو توقع نہ تھی جب برف پگھلی اور جشن نوروز کا وقت آیا سلطان عثمانی کو نذریں ہوئیں اور امرا آداب بجالائے تو سلیمان نے نقارہ ظفر بجانے کا حکم دیا۔ اسنے کہا کہ گزشتہ مہم (اس نے مالٹا کا نام نہ لیا) میں میں بنفس نفیس عسکر کی قیادت نہ کرسکا۔ اب میں خود عسکر کی قیادت کروں گا اور اس کا انجام نیک ہوگا۔

سب سمجھ گئے کہ وہ مالٹا کی شکست کا داغ دور کرنا چاہتا ہے لیکن کسی کی سمجھ مین نہ آتا تھا کہ اس ضعیفی میں وہ کیونکر فوج کشی کرپائے گا۔

فٹ نوٹ

ا۔ یہاں مصنف نے خواہ مخواہ مالٹا کے واقعہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ دراگوت کی موت واقعی ترکی بیڑے کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ لیکن اس مہم کو بجائے خود کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی اور جو ترک فوج بھیجی گئی تھی اس کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔

نئے سردار

یلغار کے لیے طرح طرح کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سلیمان اب اکثر چپ چاپ رہا تھا' اور بہت کم کسی کو یہ بتاتا کہ اس کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے پپوٹے لٹک آئے تھے۔ پپوٹوں کے پیچھے اس کی آنکھیں اس طرح چمکتیں گویا وہ اپنے قریبی رفیقوں کو جانچ رہا ہے اور ان کے لیے سزا تجویز کر رہا ہے۔

دیوان خاص کے چھوٹے سے حجرے میں وزرا سر بگریبان تھے کہ سلطان کے اس آخری فرمان کا مقصد کیا ہے اس نے فلارنس کے آزاد شہر سے معاہدہ کیا تھا کہ اسے ہی حقوق عطا کر دیے گئے تھے جو وینس کو حاصل تھے۔ رگوسا اور فرانس کو بروصہ میں ریشم سازی کے کاروبار کی اجازت ملی تھی۔ اب بھی سلطان اپنے ملک کی تارت یورپ کے بعض ملکوں کے سپرد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بڑی سہولت سے نئے شہنشاہ میمیلین کے علاوہ یورپ کی دوسری طاقتوں سے صلح کر لی تھی۔

اسنے اپنے بیٹے سلیم کو اپنے حضور میں طلب نہیں کیا۔ اپنے خطوں میں وہ سلیم کو بادہ خواری ترک کرنے کا حکم دیتا۔ بادہ گلگوں سے خلل دماغ واقع ہوتا ہے سلیم اب تخت و تاج کی طرف سے مطمئن تھا۔ اس نے اس فہمائش کیباوجود عیاشی نہیں چھوڑی۔ سلیمان کے ایک رفیق کو جو بری صحبتوں میں اس کے ساتھ رہتا تھا قتل کروا دیا۔ اس کے بعد بھی سلیم نے خفیہ طور پر شراب کا سلسلہ جاری رکھا۔

سلیمان خاموشی کے عالم میں اپنے بیٹے کو جانچتا جواب اکیلا زندہ بچ گیا تھا اس

میں یا اس کی عورتوں میں اسے کوئی خوبی یا صفت نظر نہ آتی۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ سلیم زندہ رہ جائے۔ آل عثمان کا وہی واحد وارث باقی بچا تھا لیکن وہ اگلے عثمانیوں کی سی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ جب سلیم نے اپنے بیٹے نے گستاخی سے ایک جنگی جہاز طلب کیا کہ وہ اس میں سوار ہو کر اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے تو سلطان نے اس کی بجائے اسے ایک چھوٹی سی کشتی دے دی۔

پھر اس نے سلیم کی دونوں بیٹیوں کو طلب کر کے ان کی شادیاں اپنے دو معتمد ترین افسروں سے کر دیں۔ ان میں سے ایک سوکولی تھا اور دوسرا کپتان پاشا پیالی۔ دراز قد اور سوکولی جو کروآٹ نسل سے تھا۔ اس نے وہ سب اختیارات سونپ دیے جو اس نے ابراہیم کے مرنے کے بعد اب تک کسی اور کے سپرد نہیں کیے تھے۔ سوکولی کو اسکے وزیر اعظم کے منصب کے ساتھ سر عسکر کا عہد بھی تفویض کیا سوکولی اب آل عثمان کا داماد تھا۔ اور اسے وہ پوری طاقت حاصل تھی جو اسے سلطان نے سونپ دی تھی۔ وہ سلطان نہیں تھا لیکن سارے سلطانی اختیارات اسے تفویض کر دیے گئے تھے اگر سوکولی سلطان کے خلاف سازش کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔ اس پہاڑی کرد آٹ کو خطاب و القاب کی کوئی خاص فکر نہ تھی۔ اسکے مزاج میں پہاڑوں کی چوٹیوں کی سی سختی تھی۔ وہ عمل سے خوش ہوتا تھا' اعزاز سے نہیں' اس کا اظہار اس نے کئی سال پہلے مدرسے کی طالب علمی کے زمانے میں کرایات ھا۔ اور سلطان کو وہ واقعہ یاد تھا۔ سلیمان اور اس کے درمیان کبھی وفاداری کے موضوع پر گفتگو نہ ہوئی تھی۔

سلیمان اپنی خوابگاہ میں تکیوں کے سہارے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے سوکولی کے

چہرے کو غور سے دیکھا اس میں غرور یا ہچکچاہٹ کی ذرا سی بھی جھلک ہے یا نہیں یا ی کہ اپنے آقا کی گری ہوئی صحت کے متعلق اسے کوئی کھوج ہے یا نہیں۔

اپنے زانووں پر ہاتھ باندھے سوکولی یلغار کی تفصیلیں سوچ رہا تھا اور عرض کرتا جا رہا تھا کہ یورپ والی فوج کو کس طرح بھرتی کیا جائے۔

''اور ایشائی فوج' سلیمان نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

وزیر کی خاکستری آنکھیں اسے تکنے لگیں۔ کئی سال سے اس قدر فوج کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ اس نے جواب میں صرف جی حضور کہا اور خاموش ہو گیا۔

سلیمان نے بڑی احتیاط سے ایک آنجورے سے پانی پیا پھر سرگوشی کے لہجے میں اس سے کہا کریمیا کے تاتاریوں کے خان غیرئی بھی ساتھ چلے گا''۔

سوکولی کے چہرے پر ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ زندہ دلی سے جگمگا اٹھا اور اس نے کہا حضور فوج کا جشن چاہتے ہیں۔

اپنی آنکھیں بند کر کے سلیمان نے سوچا ساری راہ فوج کے کوچ کا جشن کا سا عالم رہے گا ہاں تا کہ دل بہلے مشاعرے کے لیے شاعروں کو بھی ساتھ لیتے چلنا چاہیے۔

شاعر تو ہمیشہ چشم براہ رہتے ہیں ان کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

''باقی''

''ملک الشعراء باقی ضرور قصیدے لکھے گا۔ راستے پر ہم ریت بچھاتے جائیں گے تا کہ سلطان کی سواری آرام سے گزرے''۔

کچھ سوچ کے سلیمان نے سر ہلایا ''میرے گھوڑے''۔

''ایک گاڑی بنائی جائے گی جسے آپ ہی کے گھوڑے کھینچیں گے''۔

سلیمان نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ اگر اس شخص نے یہ مشورہ دیا ہوتا کہ سفر کی زحمت مناسب نہیں اور اس عمر میں سلطان کو یہ ذمہ داری خود نہ برداشت کرنی چاہیے تو سلیمان کو کچھ شک ہوتا۔ اب وہ اطمینان سے اپنی گاڑی میں سفر کرے گا۔ سلیمان نے طلائی آبخورے کو رکھنا چاہا تو سوکولی نے اس کے ہاتھ سے آبخورے لے کر رکھنا چاہا' اس کا ہاتھ سلطان کے ہاتھ سے مس ہوا۔ لیکن سلطان نے خود آبخورہ رکھ دیا۔ پھر اس نے سوکولی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر جوش کے عالم میں کہا ''میں تاتاریوں کی چراگاہوں میں دارالحرب تک سارا راستہ تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ابھی میری لاش کی حفاظت تمہارے ذمہ نہیں ہے۔

سلیمان اپنی گاڑی کے پردوں کو ہٹا کر منظر دیکھ سکتا تھا۔ سطح زمین پر گھوڑے تیز تیز دوڑ رہے تھے۔ اس کے ہمرکاب ہرکاروں کی کلغیاں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ سوکولی کے محافظ دستوں کے سپاہیوں کے خودوں پر روباہ کی دموں کی کلغیاں تھیں جو ہوا میں ہل رہی تھیں ان کے لبادوں پر چیتوں کی کھالیں پڑی تھیں۔ تیرھویں مرتبہ سلطان کا لشکر دارالسلطنت سے باہر جا رہا تھا۔

اس کی سواری رومی قیصروں کے محلوں کے جلے ہوئے تونوں کے پاس سے ہو کر گزری گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سے اسے تکلیف پہنچی تھی۔ لیکن چونکہ ہزارہا تماشائی کوچ کا منظر دیکھنے کے لیے آئے تھے اس لیے فوج مردوں کی سی ست

رفتاری سے نہیں چل سکتی تھی۔پھر وہ پرانے قصر کی بھوری دیواروں کے قریب سے ہوکر گزر گیا۔اب یہاں مہر ماہ کے ایک حجرے میں اکیلی نہیں رہتی تھی۔وہ اب جالی جاکے گورستان میں ایشیا کے آب شیریں کے کنارے اپنے مزار میں آسودہ ابدی نیند سورہی تھی......

اسے گاڑی کے پردوں سے جامع سلیمانیہ کے مینار نظر نہیں آئے اور نہ سرو کے درختوں کے پیچھے روکسے لانا کے چھوڑے سے مقبرے کا گنبد اس طرح گزرتے ہوئے اس نے عجب احساسات محسوس کیے۔اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ گردو پیش کو پلٹ پلٹ کر دیکھا تھا اور ہر بار بخیر وخوبی سفر سے واپس آ گیا تھا۔

اس کی سواری سات برجوں کے قریب سے ہوکر گزری ان میں سے ایک برج میں یہ کتبہ کندہ تھا۔

رستم کی محنت کے یہ خزانے جمع ہوئے لیکن کس کے لیے؟ پھر جو اسنے سر اٹھایا تو سامنے نیلے رنگ کی ایک چادر چمک رہی تھی۔ یہ برجوں کے اس پار مارمورا کا خوبصورت سمندر تھا۔

اس کوچہ میں ایک خاص کیفیت تھی کیونکہ اس سے سفر سے واپس آنا اس کی قسمت میں نہ تھا۔اس وقت سلیمان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اور سب ابن سعود پیالی پاشا واور سوکولی کے بغیر واپس آئیں گے۔

وہ کچھ دور تک ان سب کو ساتھ لیے جارہا تھا۔چراگاہوں میں باقی اس کے خیمے میں حاضر ہوکے سلاطین عثمانیہ کی شان میں قصیدے سنائے تا۔اور سہ پہر کی خنکی

میں گھوڑوں کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے گا۔ اور سلطان خود آہستہ آہستہ شربت پیے گا اور باقی کا کلام سنے گا۔ درباری خیمے کے تمام وزراء فوج کے تمام آغا اکٹھے ہوں گے۔ صرف معمولی افسر پیچھے رہ گئے تھے۔ باقی ہر کوئی سلطان کے ساتھ تھا۔ سلیم کا دربار بھی پیچھے رہ گیا تھا لیکن سلطان کو اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ سلیمان نے ان میں سے ہر ایک سے مستقبل میں اس کے فرائض کے متعلق بات چیت کی تھی۔

اور نہ پہنچ کر مفتی اعظم اور کپتان پاشا رخصت ہوئے تاکہ دار الخلافت واپس پہنچ کر وہاں امن و انتظام برقرار رکھ سکیں۔ انہیں حکم ملا کہ سلیم کے فرزند مراد پر بھی نظر رکھیں جو ابھی سلیم کے حرم کی عورتوں کے اثر میں ہے اس حد تک کہ نجی سفر کے لیے جنگی جہاز طلب کرتا ہے۔

پہاڑیوں کے ٹھنڈے دروں میں داخل ہونے کے بعد سلیمان گاؤ تکیہ کا سہارا لیے مسلسل موسلا دھار بارش کی صدا سنتا رہا۔ وہ اس کا منتظر تھا کہ جس ڈینیوب کے کنارے بلندی پر بلگراڈ کا قلعہ نظر آئے۔

دریا طغیانی کے عالم میں تھا۔ کشتیوں پر اسے پار پہنچا دیا گیا۔ اور عرض کی گئی کہ دریاب میں وہ باربردار اونٹ بہ گئے جو شاہی خیمہ لادے لا رہے تھے سلان نے کاغذ کو ٹٹول کر اپنا روزنامچہ لکھنا چاہا "بارش سلطان کا خیمہ طغیانی میں بہ گیا۔ یہ الفاظ اس کے ذہن میں ابھرے لیکن اس نے انہیں درج نہیں کیا۔

اس کے لیے دوسرا خیمہ ایستادہ کیا گیا ایک صاف اور روشن شام کو اس نے

موہاکس کا میدان جنگ دیکھا۔ جہاں دلدل کے پانی کی وجہ سے سرسبز و شاداب اونچی اونچی گھاس لہلہا رہی تھی۔ جب اس کی خدمت میں ہنگری کے بادشاہ جان سکسمند کو پیش کیا گیا جو جان شاپولیا کا بیٹا تھا تو وہ کوشش کر کے گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ گیا۔ بہت ادب سے کھڑے کھڑے جان سگمنڈ نے اس سے آسٹریوں کی شکایت کی جو اس کے ملک پر دشمنی سے پے در پے حملے کر رہے تھے۔

سلیمان کو یہ نوجوان پسند آیا۔ اسنے اثبات میں سر ہلا کر کہا ''میری فوج اس وقت تک ہتھیار نہ کھولے گی جب تک ہنگوری مُں تمہارے پایہ تخت نہ استوار ہو جائے''۔

ہنگری کے نوجوان کی پیشانی پر خوف اور دہشت کی کشمکش سے پسینہ آ گیا۔ اس عظیم طاقتور سلطان کا چہرہ ایک آہنی نقاب کی طرح سرد اور سوجا ہوا تھا اور ا اس چہرے میں صرف اس کی آنکھیں زندہ معلوم ہوتی تھیں۔ یاس کے عالم میں اس نے جرمن زبان میں کچھ کہا۔ سلیمان کے قریب سوکولی نے جس کی آواز بڑی گہری تھی ترجمہ کرنے کی کوشش کی وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن کہہ نہیں پاتا''

پولینڈ کی شہزادی کا یہ فرزند سلطان کے ڈر سے کانپ رہا تھا۔ لیکن لمحہ بھر کے اندر اس نوجوان کا چہرہ ملائم پڑ گیا۔ اس کیلبوں پر وہی بے خوف ارو فرزندانہ مسکراہٹ آ گئی جو شہزادہ مصطفٰے کے چہرے پر ہوا کرتی تھی۔ جب وہ اپنی کالی کالی آنکھیں اٹھا کے اپنے باپ کی طرف دیکھتا تھا۔ سلیمان کا سر درد و کرب سے چکرانے لگا۔ اور اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال کے حکم دیا ''یہ جو کچھ طلب

کرے جو مانگے ہم اسے عطا کرنے کے لیے تیار ہیں"۔

جان سگسمنڈ کو رخصت کی اجازت ملی اور ایک گستاخی صورت سانولے افسر کو حاضر کیا گیا۔ سوکولی نے اس کا نام دہرایا ارسلان خان سلیمان نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ارسلان خان بہادر سپہ سالار تھا افیم اور شراب کی حالت تھی لیکن اس نے عدول حکمی کی تھی اور شکست کھائی تھی۔ مالٹا کے بعد سلطان کسی اور شکست کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اگر چہ اس چھوٹی سی شکست میں محض چند سو آدمی مارے گئے تھے اور چند گاؤں قبضے سے نکل گئے تھے۔ ارسلان خان نے مسکرا کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ میرے نصیب میں کیا لکھا ہے"۔

سلطان قہر وغضب سے کانپ اٹھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک خاص اشارہ کیا اور سوکولی نے تخت کے پیچھے مسلح حاشیہ برداروں سے کچھ کہا۔ ان میں سے دو آگے بڑھے اور ارسلان خان کی موٹی سی گردن کو کمان کی تانت میں پھانس لیا۔

ارسلان خان نے اس وقت تک حرکت نہیں کی جب تک کہ تکلیف میں اس کا جسم پھڑ کنے نہیں لگا۔ جلادوں نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور اس کا منکا (گردن) ڈھلک گیا اور تب سلیمان کے اشارے سے اس کی لاش ہٹادی گئی۔

☆☆☆

سکیت میں سالگرہ

شام ہوئی تو مکتب کا جو طالب علم اس کی ذاتی خدمت پر مامور تھا۔ اس نے خیمے میں فانوس روشن کیے شاہی طبیب ایک مفرح شربت لے کر آیا تا کہ سلطان کے درد میں کمی ہو اور اسے نیند آ جائے۔ ایک قاری ہاتھی دانت سے مرصع رحل پر قرآن پاک کھولے تلاوت کیے جا رہا تھا۔ اور سلطان قرات کے لحن میں محو تھا۔ ابھی سلطان کی بینائی اور سماعت میں کوئی فرق نہ آنے پایا تھا۔

ایک شام سوکولی باریاب ہوا اور اپنے سرخ لبادے کو سمیٹ کر قدم بوس ہوا۔ جو خبر وہ لے کر آیا تھا وہ زیادہ اہم تو نہ تھی لیکن اس کا سلیمان سے تعلق تھا۔ میسرے میں ایک واردات واقع ہوئی تھی۔ کچھ لڑائی ہوئی تھی جس سے سلطان کے ایک ملازم کی جان ضائع ہو گئی تھی۔

یہ واقعہ سکیت میں پیش آیا تھا۔ یہ قصبہ دریا کی وادی میں واقع تھا اور اس پر ایک بڑے جری ہاپس برگ سردار نکولاس کی حکومت تھی۔ یہ لڑائی جس کا سوکولی نے ذکر کیا تھا محض ایک معمولی سا واقع تھا۔

سلیمان سر ہلا کر سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے قاری کو اور اپنے خادم کو رخصت ہونے کی اجازت دی۔ اور اپنے سر عسکر کو حکم دیا ”سگیت کی طرف یلغار کریں“۔

سوکولی نے اس حکم پر غور کیا فوج شمال کی طرف یلغار کر رہی تھی جہاں صلح توڑ کر

ہاپس برگوں کی ایک فوج نوجوان جوان سگمند کے علاقے میں گھس آئی تھی۔ یہ آسٹروی فوج کا ہتھیار کے پہاڑوں میں ایراؤ کے مقام پر تھی سوکولی کی سمجھ میں نہ آیا کہ فوج کے یلغار کا رخ بدلنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ بلکہ اس میں دشواری ہوگی کیونکہ میمنے اور میسرے میں ترک اور تاتار سوار بہت دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ سوکولی نے عرض کی "سگیت ایک چھوٹا سا مقام ہے وہاں کا قلعہ سنگین ہے اور چاروں طرف دریا کے پانی سے گھرا ہوا ہے۔ سلطان کو اس کا علم ہے اس وقت ایک بڑی مہم کو چھوڑ کر چھوٹی سی مہم کی طرف رجوع کرنے سے منشائے سلطان خادم کی سمجھ میں نہیں آیا۔

لیکن سگیت قریب تھا اور سلطان اس مقام کو دیکھنا چاہتا تھا۔

سرعسکر نے زیر لب عرض کی اس شخص زرنی کی شجاعت بہت مشہور ہے۔

مالٹا والے بھی بہادر تھے۔ ان کا سنگین قلعہ بھی چاروں طرف سے پانی میں گھرا ہوتھا نہ اس وقت نہ اس سے پہلے کبھی سلیمان نے جنگ کے نقشے کی مصلحتوں کی کوئی خاص پرواہ کی تھی۔ اس وقت اس کی توجہ اس امر پر مرکوز تھی کہ مالٹا اور سگیت کے قلعوں میں بڑی مشابہت تھی۔ سگیت میں اسے ناکامی نہ ہوگی۔ اس نے حک دیا "کل میں اپنی گاڑی میں مغرب کی سمت سگیت کی جانب روانہ ہوں گا۔ تم دوسرے ضروری امور کا انتظام کرو"۔

سوکولی نے اپنا سر اٹھایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اسے تلوار سے ضرب پہنچائی ہے۔ بے شمار دلائل تھے کہ یہ لاکھ یلغار کرتی ہوئی فوج پتھر کے ایک حصار کی طرف نہ جھونک دی جائے جو چاروں طرف سے پانی میں گھرا ہوا ہے۔ اس نے جواباً

لب کشائی کی لیکن سلطان نے سوچ کر جواب دیا:

''محمد سوکولی میں سگیت جانا چاہتا ہوں''۔

ان الفاظ سے زیادہ اس لہجے میں ایسا تاثر تھا کہ سوکولی خاموش ہو گیا۔ گویا اس کے آقا نے یہ کہا تھا ''ہاں میرے بھائی میں جانتا ہوں کہ سگیت کی مہم سے کوئی فائدہ نہیں میں جانتا ہوں کہ اس کے خلاف تمہارے پاس بہترین دلائل موجود ہیں۔ لیکن میں یہ دلائل سننا نہیں چاہتا'' سوکولی کو تعجب ہوا کہ بعض لوگوں کو سلطان کی فراست پر جو شک ہے وہ صحیح تو نہیں۔ اس وقت جو تاخیر کر رہا تھا وہ اس کے لیے مضر تھی۔

اس نے سر جھکا کر عرض کی ''جیسا حکم ہو میں تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ لیکن سگیت روانگی کے لیے کشتیوں کا سفر مناسب رہے گا۔ سگیت کا سارا راستہ کشتیوں کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے۔

سوکولی کو یہ مشورہ یقین کے ساتھ دے سکتا تھا کیونکہ اس کا اپنا وطن دریا کے قریب مغریب پہاڑوں میں تھا۔

سوکولی احکام جاری کرنے کے لیے رخصت ہوا۔

اس قدر بات چیت کرنے کے بعد سلیمان تھک گیا تھا۔ اس نے تکیوں کا سہارا لیا تو اب حال کی ناکامیوں کا بوجھ اس کے دماغ پر حاوی معلوم ہو رہا تھا۔ چھیالیس سال تک اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لیے ہر فیصلہ اس نے خود کیا تھا۔ یہ مناسب نہیں یہ مناسب نہیں...... شاید یہ غلطی تھی کہ اسنے آلات موسیقی کو تباہ کرنے کا حکم

دے دیا تھا۔ حالانکہ اسے خود موسیقی سے بڑا حظ حاصل ہوتا تھا...... ممکن ہے کہ یہ فتویٰ دینے میں ابن سعود نے غلطی کی ہو۔

دریائے دراوے پر جس کشتی میں وہ سوار تھا وہ ایک ہلکی پھلکی سی کشتی تھی۔ آراستہ و پیراستہ زربفت کے پردے اور کلس پر ایک طلائی ہلال جگمگا رہا تھا۔ عرشے پر ایک چھتری کے سائے میں لیٹے لیٹے سلطان اس سڑک کو دیکھتا جو ندی کے کنارے کنارے چلی جا رہی تھی۔ کہیں کہیں پہاڑی دروں میں سڑک ندی کے اس قدر قریب ہو جاتی کہ سلطان لیٹے لیٹے دیکھ سکتا تھا کہ سڑک پر کیا ہو رہا ہے۔

بیل ایک بھاری محاصرے کی توپ کو آہستہ آہستہ گھسیٹ رہے تھے۔ کشتی سے بھی زیادہ آہستہ۔ کسی نے عرض کی یہ توپ کاٹ تسانز ہے اس کا نام اس آسٹریوی جنرل کے نام پر ہے جس نے بھاگ کر عثمانی عسکر میں پناہ لی تھی۔ لوگ سلطان کا دل بہلانا چاہتے تھے۔ یہ سوچ کر وہ مسکرایا۔ ایک لمحہ کے لیے اس نے سوچا کہ اگر توپیں اور بارود اور جنگی جہاز نہ ہوتے تو معلوم نہیں اس کی زندگی کیسی گزرتی۔

سڑک کے کنارے ایک پتھر پر ایک ینی چیری کھڑا ٹھنڈے پانی میں اپنی ٹانگ ہلا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ٹانگ زخمی تھی۔ اور وہ لمحہ بھر کے لیے آرام لینے کو ٹھہر گیا تھا۔ اس کی ڈھیلی ڈھالی کلاہ اکے کندھے پر لڑھک آئی تھی۔ اور وہ بڑی توجہ ے بانسری بجا رہا تھا بانسری کی دلدوز سریلی لے بہتے پانی کے مدھم شور کے باوجود صاف سنائی دے رہی تھی۔

کشتی کے زربفت کے پردے دیکھ کے اس ینی چیری سپاہی نے آنکھوں پر اپنا

ہاتھ کا سایہ کر لیا تا کہ کشتی کو ٹکٹکی باندھے دیکھ سکے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کشتی کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا کیونکہ پھر وہ پوری کوشش سے ہونٹ بھینچ کے اپنی بانسری بجانے لگا۔ اور پانی میں اپنی ٹانگ ہلاتا رہا۔

سلیمان یہ سارا منظر دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی چھوٹی سی کشتی ایک پہاڑی کے سایے میں پہنچی اور سورج کی روشنی سے جگمگاتا ہوا منظر دھندلا گیا گویا آسمان نے قناتیں تان دیں۔

جب اس کی گاڑی بلندی پر اس خیمہ پر پہنچی جو سگیت سے بھی زیادہ بلند پہاڑی پر نصب کیا گیا تھا اور جہاں سے سگیت صاف نظر آتا تھا تو ینی چیریوں کے داروغہ نے دہلیز پر قدم بوسی کے بعد عرض کی کہ سلطان کے نیچے وادی کا منظر ملاحظہ فرمائیں۔

پردے کی اوٹ سے سلیمان نے اس دلکش وادی کا منظر دیکھا' جس کے درمیان ایک سڑک بل کھاتی چلی آ رہی تھی۔ یہ سڑک ندی کے پار گاؤں کی بھوری عمارتوں تک پہنچتی تھیں جن کی چھتیں سرخ تھیں اور چھتوں سے بھی زیادہ بلند ایک عجیب و غریب ہیئت کا قلعہ تھا۔

سگیت کے قلعے کے برجوں پر سرخ کپڑے کے پرچم لہرا رہے تھے۔ سلیمان یہ منظر دیکھتا رہا اس کے اطراف میں شاہسوار جمع ہو رہے تھے۔ اس کے جھنڈوں نے ایال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ قلعہ روشنی سے جگمگانے لگا۔ سورج کی کرنیں چکاچوند ہو کر قلعہ پر منتشر ہو رہی تھیں۔ اس کے ہم نشینوں نے عرض کی عیسائیوں نے اپنی زرہیں بلندی پر آویزاں کی ہیں تا کہ وہ دھوپ میں چمک سکیں پورا منظر جشن اور میلے

کا سا معلوم ہوتا تھا۔

قلعہ سے ایک توپ کے چلنے کی آواز سنائی دی اور جگمگاتی ہوئی کرنوں کے درمیان دھواں پھیل گیا۔

ینی چیریوں نے آغا نے جو سلطان کے قریب تھا عرض کی "اللہ کی قسم یہ حضور کے لیے توپ کی سلامی ہے"

اس طرح نکولاس زرن ئی نے سلطان کا استقبال کیا۔ سلیمان نے اس کے اور اس کے قلعے کے لیے تباہی کی سزا تجویز کی تھی۔ سلیمان سوچنے لگا کہ شاید مالٹا کے کالے پہاڑ پر اسی پرچم اور زرہیں آویزوں کی گئی ہوں گی کبھی کبھی یہ عیسائی تقدیر پر اس بے باکی سے ہنستے تھے کہ سلطان کو حیرت ہوتی تھی۔

چوبیس روز بعد سر عسکر سوکولی سلطان کے شامیانے کی خواب گاہ میں حاضر ہوا۔ اب سلطان خواب گاہ سے باہر نہ نکلتا تھا۔ فوج انتھیکہ آج کی تاریخ سلطان کے اقبال کی سالگرہ ہے۔ آج کی تاریخ کو بلگراڈ کے قلعے نے اطاعت قبول کی تھی۔ اسی تاریخ کو موہاکس کی جنگ میں فتح وظفر نے اس کی رکاب چومی تھی۔ اسی تاریخ کو سلطان بودا میں داخل ہوا تھا۔ آج کے دن قصبے سے گزر کر قلعے کی سنگین دیواروں پر بڑا سخت حملہ کیا گیا تھا۔ مغرب کے وقت تک یہ حملہ جاری رہا کیونکہ فوج کے سپہ سالار چاہتے تھے کہ سلطان کو اس عیسائی قلعے کی تسخیر کی خوشخبری سنائیں۔ سلطان کی عمر اب بہتر (72) سال کی تھی' اور وہ آج کی تاریخ سلطان کو اس قلعہ کی تسخیر کی تہنیت ہدیتاً پیش کریں۔

بستر پر لیٹے لیٹے سلطان نے استفہاماً نظریں اٹھائیں۔

سوکولی نے مختصر طور پر کہا ''ابھی تک نہیں'' اس نے خالی ہاتھ دکھا دیے اس کے دل پر آج کی مہم کی ہولناک تفصیلوں کا بار تھا۔ اس نے کوئی عذر نہ کیا اور نہ کوئی وعدہ کیا۔ ہمیں دیواروں کے نیچے سرنگ بچھانی پڑے گی۔ اس میں ممکن ہے چار پانچ ممکن ہے سات دن لگ جائیں''۔

وہ سلطان کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس انتظار کے عالم میں اس کے اعصاب میں کھنچاؤ پیدا ہونے لگا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ سلطان کی خفگی کے ڈر سے یا اس ڈر سے کہ سلطان کوئی اور حکم دے کر اس کی تجویز میں تبدیلی نہ کر دے۔

سلیمان نے جواب دیا ''محمد سوکولی زیادہ دن لگ جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں خیمہ سے باہر نکلتے ہوئے سوکولی کو یاد آیا کہ آج عمر میں پہلی مرتبہ سلطان نے دوران گفتگو اسے کوئی حکم نہیں دیا''۔

پانچویں رات کو بھی سرنگ نہ پھٹ سکی۔ اس رات بڑی خاموشی چھائی تھی۔ اطبا بھی تھک ہار کے سو گئے تھے۔ چراغ کی روشنی میں سوکولی بیٹھا ہوا تھا اس کی مضبوط انگلیوں میں ایک کاغذ تھا جس پر ایک پیغام درج تھا۔

اس چراغ کی روشنی سلطان سلیمان کے مردہ جسم پر پڑ رہی تھی۔ اب اپنے آقا کی لاش سوکولی کے شانوں پر بار امانت تھی۔

وہ سوچنے لگا کہ اس راز کو چھپانے میں زیادہ دقت نہ ہو گی۔ سلطان سلیمان کی مرضی یہ تھی کہ فوج کا یہ یلغار جلوس کی شکل اختیار کرے۔ اس لیے اور اطبا کے سوا

اور کسی کو سلطان کے لب مرگ ہونے کا معلوم نہ تھا۔ یہاں ہنگری کی پہاڑیوں میں اس کے خیمے میں اس کی لاش کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ کسی کو سلطان کی موت کا علم نہ ہونے پائے گا۔

پھر جب سرنگ پھٹے گی اور نکولاس زرن ئی اور سگیت کا خاتمہ کر دیا جائے گا تو سلطان سلیمان کے نام انعامات تقسیم کیے جائیں گے۔

اس کے بعد بند گاڑی میں سلطان کا تابوت بلگراڈ پہنچا دیا جائے گا۔ وہاں تک پہنچنے میں تین ہفتے لگیں گے۔ اور تین ہی ہفتے میں تیز رو قاصد ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر قطابیہ پہنچ سکتا ہے تاکہ وہاں سے سلیم احمق کو بلگراڈ لا سکے۔ اس کے بعد سلطان کی موت کا راز ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

دنوں کو اچھی طرح گن کے سوکولی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے خواب گاہ کے چراغ بجھا دیے۔

ایک لمحہ کے لیے اس تاریکی میں محمد سوکولی نے خوف محسوس کیا۔ سلطان کے بستر مرگ سے ہٹ کر جو قدم اٹھانا تھا وہ اسی کو تن تنہا اٹھانا تھا۔ تاریکی اور خاموشی میں اس نے محسوس کیا کہ اس کا زندگی بھر کا آقا اب کسی ذمہ داری میں اس کا ہاتھ نہیں بٹا سکتا۔

خیمہ کے بیرونی دروازے سے گزرتے ہوئے اس نے معمولی لہجے میں محافظ سپاہیوں سے کہا کہ سلطان آرام فرما رہے ہیں۔ اور پھر اس نے ایک قاصد کو طلب کر کے سلیمان کے بیٹے سلیم کے نام پیغام بھجوا دیا۔

٦۔ ترکوں کا زوال

www.IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006

سلیمان قانونی

سلیم پہلی ہی آزمائش میں ناکام رہا۔ وہ محمد سوکولی کی توقع سے بھی زیادہ کمزور نکلا۔ جب وہ کشتی پر سوار ہو کے ایشیا کے ساحل سے قسطنطنیہ پہنچا تو شہر میں سلطان کی موت کی خبر پھیل چکی تھی جس کو سوکولی چھپانا چاہتا تھا۔ سرائے کے اطراف میں ینی چیریوں نے سلیم کو گھیر کے انعام مانگا اور اس نے ڈر کر ایک خطیر رقم انعام میں دینے کا وعدہ کیا اور ان سے جان چھڑا کر بلگراڈ کی جانب روانہ ہوا۔

یہاں ساری فوج سلیمان کے ماتم میں سیاہ پوش تھی۔ سلیم نے ایک خیمہ میں پناہ لی اور سوکولی کو حکم دیا کہ وہ انعام و اکرام کی تقسیم اور متعلقہ فرائض انجام دے۔ وزیر اعظم نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور یا تو اس وجہ سے کہ سلیم بے حد خوفزدہ تھا۔ یا یہ کہ اس میں تھوڑی بہت عقل موجود تھی۔ اس نے اپنے سارے دور حکومت میں اسی سخت گیر کوات سوکولی کو اپنا وزیر بنائے رکھا۔ سلیم ابن سعود کی طرح صرف آٹھ سال اور زندہ رہا۔ اور اس کے بعد اس کے بیٹے مراد ثالث کے دور حکومت میں بھی پانچ سال تک وزارت عظمیٰ کے فرائض انجام دیے۔

لیکن آل عثمان کا آخری شہنشاہ مر چکا تھا۔ سلیم کو اتنی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے باپ کی تدفین میں شریک ہو سکے جسے جامع سلیمانیہ میں روکسے لانا کے مزار کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ اس نے بعد میں کبھی کبھی سرائے میں بڑے فریس اور ہوشیار بادشاہ تخت نشین ہوئے اور بعض نے بڑی بڑی لڑائیوں میں حصہ لیا لیکن

جن اولوالعزم سلطانوں کا سلسلہ سلطان عثمان اول اور ارطغرل سے شروع ہوا تھا۔وہ سلطان محمد فاتح سے ہوتا ہوا سلطان سلیمان پر ختم ہوگیا۔

سلطان عثمانیہ کی عظمت کا یہ زوال ایسا تھا جیسے کسی تماشے پر دفعتاً ر پردے گرے۔یہ ہسپانوی سلطنت کے زوال سے بھی زیادہ فوری اور دفعتاً تھا۔لیکن اسپین کے برعکس سلطنت عثمانیہ میں صدیوں تک ایک عجیب سلسلہ باقی رہی ترکوں کی قوم میں بڑی ہی غیر معمولی اندرونی طاقت وصلاحیت تھی جو اکثر سلطانوں کی نااہلی کے باوجود اس کے باوجود کہ بعض بعض سلطان محض شاہ شطرنج رہ گئے باقی رہی اور ترک قوم میں جاری ساری رہی' ترک قوم باقی رہی اور وینس کی عالی شان جمہوریت مٹ گئی۔وسیع ہسپانوی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔آسٹریا کی شہنشاہی خاک میں مل گئی۔ ترک قوم غیر معمولی مضبوطی اور ثابت قدمی سے جمی رہی۔لیکن پولینڈ کے حصے بخرے ہوگئے اور پرتگال سمٹ کے جزیرہ نمائے ہسپانیہ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بن کے رہ گیا۔

سلیمان کے بعد سلاطین عثمانیہ کا یہ فوری زوال اور بحیثیت قوم ترکوں کی سخت جانی اور ثابت قدمی تاریخ کا معجزہ رہا ہے۔اس معمے کو حل کرنے میں بہت سے مورخین سلاطین کی کمزوری کی ذمہ داری سلیمان کی کمزوریوں پر ڈالتے ہیں۔لیکن بہت کم مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ ترکوں میں اس طرح کی اندرونی طاقت بہم پہنچانے میں سلیمان نے بڑی خدمت انجام دی۔

سلیمان نے خود اپنی مدافعت میں بہت کم لکھا ہے۔وہ سفیروں سے ساری گفت

وشنید اپنے وزیروں کے توسط سے کرتا۔ یورپ والوں کو وہ اپنے چھیالیس سالہ دور حکومت میں محض اپنی دہشت ناک اور تیز طرار فوج کا سپہ سالار نظر آتا ہے۔ اس کے اپنے کردار پر ایک مکمل پردہ سا پڑا ہوا ہے۔ صدیوں تک اس پردے کے ساتھ تعصب کا بھی بڑا دخل رہا ہے۔

راجر میری من لکھتا ہے "جتنا اس کے کردار کا مطالعہ کیا جائے اتنا ہی اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے"۔

سلیمان کی شخصیت کا راز حل کرنے میں اس کے عمل اور فیصلوں کا امتحان ضروری ہے کیونکہ ان کا اس کی موت کے بعد گہرا اثر پڑا وہ ایک سیدھا سادہ ترک تھا۔ اس کی کہانی جتنی کچھ لکھی گئی ہے وہ مختصر ہے۔ لیکن دراصل یہ ترک قوم کی کہانی ہے۔ اور اس زمانے میں ترکوں کی کہانی جب کہ انہوں نے تین براعظموں کی تقدیر کا فیصلہ کیا تھا۔

اس کے مرنے کے بعد بھی اس معاملے میں اختلاف رہا کہ اصلی سلیمان کیسا تھا۔ اہل یورپ اسے سلیمان عالی شان کہتے تھے کیونکہ انہیں وہ عالی شان نظر آتا تھا۔ اس کے ہم وطن اسے سلیمان قانونی کہتے تھے۔ مختصر وقائع عالم میں جب اس کے سنہ وفات 1566ء کا ذکر آتا ہے تو اسے ایک ظالم تعبیر کیا گیا ہے جو عالم عیسائیت کے لیے مصیبت تھا۔ شاہ طماسپ نے کہا کہ اس کے عہد حکومت پر دو بڑے بدنما داغ ہیں ابراہیم کا قتل اور مصطفے کا قتل۔

سلیمان کی موت سے نصف صدی بعد پروٹسٹنٹ انگلستان کے مورخ رچرڈ

نولس نے اس کی وفات کا یوں ذکر کیا ہے۔ ''محمد پاشا کوسولی نے سگیت میں ایک صوبہ دار متعین کیا۔ منتشر افواج کو جمع کیا اور بلگراڈ کی جانب واپس روانہ ہو گیا اس طرح کہ وہ سلطان کی لاش نشست کے عالم میں گھوڑا گاڑی میں ساتھ ساتھ تھی۔ اس نے یہ خبر مشہور کر دی کہ سلطان گٹھیا کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ ینی چیریوں نے یقین کر لیا کیونکہ کئی سال سے سلطان اسی طرح بیمار تھا۔ اور اسی طرح بند گاڑی میں سفر کیا کرتا تھا۔ پھر بھی وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے کہ سلطان ان کے درمیان تھا۔ حالانکہ وہ اب بہت ضعیف ہو گیا تھا اور کوئی مہم نہ سر کر سکتا تھا'' (سلیمان کے اس آخر سفر میں قضاو قدر کی ستم ظریفی نظر آتی ہے کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں اس فوج کی تنظیم و تربیت کی تھی)......اس کا قد لمبا تھا چہرہ لمبا تھا' گردن دراز تھی' اس کا رنگ زرد تھا اس کی ناک لمبی اور خم دار تھی (فطرتاً وہ اولوالعزم اور فیاض تھا اپنے پیشرو ترک سلطانوں کے مقابل اپنے وعدے کا بڑا پابند تھا اگر اس میں کوئی ''کمی'' تھی تو محض یہ کہ وہ عیسائی نہیں تھا)۔

اس انگریز نے سلیمان کی سیرت کی ایک بری اہم بات بیان کی ہے۔ سلیمان سلطنت کا اہل تھا (اپنی ضخیم ''تاریخ ترکاں'' میں اسنے ترکوں کی شاندار سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے ترکوں کو دنیا کے لیے خطرہ قرار دیا ہے) ترک خطرناک سہی مگر بڑی اعلیٰ درجے کی قوم تھے اور سلطان سلیمان کوئی ہستی منفرد نہیں وہ ترک روایات کی پیداوار تھا۔

باقی نے بڑے سوز و گداز سے سلطان کا مرثیہ لکھا وہ سلطان کو شہید اور غازی

لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے مرنے سے قوم یتیم ہوگئی۔

''کیا سلطان اب صبح دم اس خواب گراں سے بیدار نہ ہوگا؟ اپنے روکش فلک خیمے سے برآمد نہ ہوگا؟ ہماری آنکھیں راستہ تکتی رہ گئیں اس کی خبر نہ ملی''۔

مرثیہ کے ساتھ غیر متوقع طور پر رزمیہ انداز بھی ملتا ہے۔

''ساری دنیا میں تو نے حق کو پھیلایا تیرے زرہ پوش جانبازوں نے تیغ بکف ہو کر حق کا علم بلند کیا''۔

ان الفاظ پر مرثیہ ختم ہوتا ہے غور کرنے کی بات ہے کہ باقی نے ''مذہبی اعتقاد'' یا ''فتح'' کا ذکر نہیں کیا اس نے حق کا لفظ استعمال کیا ہے۔

سلیمان نے حق کی نگہبانی کس طرح کی اس کی صراحت مشکل ہے کیا اس کا اظہار نسلی رواداری کی سی صفت سے ہوتا ہے۔ (ایسے زمانے میں جب کہ اسپین سے اقلیتوں کو ملک بدر کیا جا رہا تھا) کیا یہ افراد اس حق کی نگہداری کر رہے تھے کہ ان کا کوئی مذہب ہی قانون ان کا یکساں تحفظ کرے گا۔ (ایسے زمانے میں جب کہ یورپ میں بدعقیدہ اور بدعتی لوگوں کو منظر عام پر جلایا جاتا تھا) یا یہ کہ انسانوں کے لے اس نے ایک مثالی سلطنت قائم کی (جس کا تصور ٹامس مور کی کتاب میں ملتا ہے جو اس زمانے میں لکھی گئی جب کہ انگلستان میں فقیروں کے پاوں توڑ دیے جاتے تھے یا انہیں پھانسی دے دی جاتی تھی)۔

سلیمان خواب نہیں دیکھا کرتا تھا۔ اس کی ہر تعمیر ترک روایات کی بنیاد پر تھی۔ اس نے خود کوئی چیز اختراع نہیں کی۔ اس نے پرانے دستور کو محض اپنے زمانے پر

منطبق نہیں کیا بلکہ اس کو ترقی دے کر اپنے زمانے سے آگے بڑھا دیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے تصورات جدید زمانے کے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے ترکوں کی طرح سوچتا تھا مثلاً اس کے مکتب کا دستور سلطان محمد فاتح کے زمانے سے چلا آتا تھا۔ سلیمان نے صرف اتنا کیا کہ ظلم و نسق حکومت کو شاہی خاندان کے لوگوں سے نکال کر مکتب کے فارغ التحصیل نوجوان کے سپرد کر دیا۔

اس کے زمانے میں ترک سلطنت میں زمانہ جدید کی جمہوریت کی سی ایک صفت تھی۔ سلیمان خود عوام سے ملنے سے کتراتا تھا...... حالانکہ محمد فاتح ہر ایک سائل سے خندہ پیشانی سے ملا کرتا تھا۔ بجائے براہ راست ہر سائل سے ملنے کے اس نے عوام کی بہبود کا یہ عام راستہ تجویز کیا تھا کہ معاشی حالات اور قانون کی اصلاح کی جائے۔ اسی لیے اس کی رعایا نے اسے مرنے کے بعد سلیمان قانونی کا سچا خطاب دیا۔

اس کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو ترکوں کا علاقہ خیمہ گاہوں پر مشتمل تھا۔ اس نے بہت سی خانقاہیں' مسجدیں اور مکتب تعمیر کیے۔ (حالانکہ اس زمانے میں یورپ میں نشاۃ الثانیہ کے زیر اثر صرف امرا کے قصر بن رہے تھے جیسے ہسپانیہ میں اسکوریال' اٹلی میں میدی چی اور رایستے خاندان کے محل' فرانس میں والوآ خاندان کے قصر' انگلستان میں ٹیوڈر خانوادے کے مکانات) اپنے خاندان کے لیے سلیمان نے جو مسجدیں بنوائیں وہ آج بھی قسطنطنیہ کے آثار الصنادید میں قابل دید ہیں۔ ساتھ ہی اس کے ساتھیوں کے آثار ہیں جیسے باربروسا

کا چھوٹا سا مزار جس کے قریب ہی بچوں کے کھیل کا میدان ہے۔ پیالی پاشا کا مزار پانی کی نہر کے کنارے ہے۔ یہی اس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد بھی سمندر کی لہریں مجھ سے دور نہ رہیں۔ مسجد سلیمانیہ کے علاقے کی مرمت ہو رہی تھی۔ یہ علاقہ جامعہ استنبول کے قریب ایک بلندی پر واقع ہے۔ اناطولیہ کے جس شہر میں جائیے وہاں آپ کو یا تو ایک بڑی سادہ و حسین سی مسجد ملے گی یا ایک دلکش فوارہ اور وہاں کے لوگ آپ کو بتائیں گے کہ یہ صنعان کا بنایا ہوا ہے۔ ترکوں پر یہ مثل صادق ہے کہ ''جو ہوتا رہا ہے وہی ہوگا''۔

☆☆☆

مدعی

سلیمان کے بعد اس حیرت ناک طور پر ترک مسلمانوں کو زوال آیا کہ ترک مورخوں نے اس کی وجوہات سلیمان قانونی کے عہد کی حکومت میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تین پشت بعد ایک دیانت دار ترک مورخ کوجہ بیگ نے عثمانیوں کے زوال کے سبب کو سلطان سلیمان سے یوں منسوب کیا ہے۔

۱۔ اس نے دیوان میں نشست ترک کر دی۔ اس طرح وہ ایشیائی رواج ترک کر کے اپنے مشیروں اور مدار المہاموں سے دور ہو گیا۔

۲۔ اس نے ابرایم اور رستم کو کسی ذاتی قابلیت کی بنا پر نہیں بلکہ محض اس بنا پر ترقی دی کہ وہ اس کے منظور نظر تھے۔ رستم کو اس نے وزارت پر خلاف قانون متعین کیا کیونکہ وہ اس کا داماد تھا۔

۳۔ رستم اور روکسے لانا کی وجہ سے حرم سرا کی عورتوں نے وزراء کے ساتھ مل کر سازشیں شروع کیں اس طرح خواجہ سراؤں کا اثر بہت بڑھ گیا۔

۴۔ ابراہیم اور رستم نے جو دولت جمع کر لی اور پھر اسے وقف کر دیا اس سے سرکاری مالیہ کو نقصان پہنچا۔

ان الزامات کی بنیاد پر خوجہ بیگ نے سلطان سلیمان کو ملزم قرار دیا ہے۔ ان چار صورتوں میں اس نے آئین کی خلاف ورزی کی اور سلطنت کو نقصان پہنچایا اس نے اپنی مطلق العنانی سے ان معاملات میں آئین کی خلاف ورزی ضرور کی دیوان کے

اوپر وہ کھڑکی ابھی تک موجود ہے جہاں سلیمان کی نشست ہوا کرتی تھی۔ اور آج بھی سیاحوں سے کہا جاتا ہے کہ سلطان نے غلطی کی جو دیوان کو چھوڑ کر اس کھڑکی میں بیٹھنا شروع کیا۔ لیکن یہ الزام غلط ہے سلیمان دیوان عام میں شریک نہیں ہوتا تھا لیکن اور طریقوں سے غیر معمولی طور پر وہ امور سلطنت کی بہ نفس نفیس گرانی کرتا تھا۔ مثلاً ایک مرتبہ استنبول میں طاعون کی وبا پھیلی اس زمانے میں رستم زندہ تھا۔ اوگیر بوزبک نے شہر سے باہر ایک جزیرے میں جا رہنے کی اجازت مانگی تاکہ وہاں کی چڑیوں اور مچھلیوں کا بھی لگے ہاتھوں مطالعہ کرتا رہے اسے جانوروں سے بڑا شغف تھا۔ رستم نے کہا کہ یہ ہو تو جائے گا لیکن سلطان کی اجازت لینی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اسے شہر میں اوگیز بوزبک کے خدام نظر نہ آئے تو پوچھے گا ضرور کہ بوزبک میری اجازت کے بغیر شہر سے کیسے منتقل کیا گیا بوزبک کو بالآخر جزیرہ جانے کی اجازت مل گئی۔

سلیمان اصل مں یہ تجربہ کر رہا تھا کہ وہ منظر عام پر نہ آئے تب بھی خوش اسلوبی سے حکومت چلتی رہی۔ ایسا ہی تجربہ اس نے فوج کے ساتھ بھی کرنا چاہا تا کہ اس کی غیر موجودگی میں بھی فوج کی کارگزاری میں فرق نہ آنے پائے۔

اب رہا وزیروں کا معاملہ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح اپنی مرضی سے وزیروں کو منتخب کرنے مں اس نے رواج شکنی کی۔ لیکن وہ خود بڑا مردم شناس تھا۔ اس کے تین وزیر ابراہیم رستم اور سوکولی بڑی چوٹی کے آدمی تھے۔ تینتالیس سال ان تینوں نے عنان وزارت سنبھالی اور سلطنت کو بہت ترقی دی۔ اور استحکام بخشا۔

اس معاملہ میں سلیمان نے بری ہمت کسے یہ نیا تجربہ کیا کہ قلمدان وزارت کو خانوادہ عثمانیہ کے ہاتھوں سے نکال کر بر ے ہی فرلیس اور مدبر وزیروں کے سپرد کیا۔ اپنی آخری بیماری میں اس نے اس تجربے کی تکمیل کی کوشش کی لیکن اس تجربے کی ابتدا اس نے اپنی سلطنت کے آغاز کے زمانے مُس ابراہیم کے تقرر کے ساتھ کی تھی۔

اس زمانے میں نشاۃ ثانیہ کی وجہ سے دنیا بدل رہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان کو اپنی اور اپنے جانشینوں کی زات پر اتنا اعتماد نہیں تھا کہ وہ اس کی عظیم الشان سلطنت کا بار تن تنہا اٹھا سکیں گے۔ اس سے پہلے کی سلطنت فوجی سلطنت تھی۔ جس میں اس کے پیرو یہ بار اٹھاتے آئے تھے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہیکہ مصطفے اور بایزید کے قتل کے باعث سلطنت سلیم احمق کے ہاتھ مس آئی اور اس طرح آل عثمان کے زوال کا آغاز ہوا۔ اس کا امکان ہے کہ سلیمان اپنے لڑکوں میں غداری کی کمزوری محسوس کی، اور غداری کے ابتدائی آثار دیکھتے ہی بے دردی سے انہیں کچل ڈالا۔ باقی نے اسے تقدیر کی طرح اٹل لکھا ہے۔ سلیمان نے بے دردی سے جتنے قتل کیے اپنے ہی گھر میں کیے (فرہاد پاشا اور ابراہیم بھی اس کے بہنوئی تھے)۔

اس ابتدا کا انجام اچھا ہونے والا نہیں تھا۔ کیونکہ کچھ عرصہ بھی سلیمان اور سوکولی باقی نہیں رہے۔ سلطانوں کے منظور نظر وزیر بننے لگے اور وزیروں کے منظور نظر دوسری خدمتوں پر ممتاز ہونے لگے۔ لیکن محل کے مکتب میں وہی سخت تربیت اور تعلیم جاری تھی۔ اور اسی مدرسے سے کچھ عرصے کے بعد کوپرولو خاندان کے تیز اور ذہین وزیر پڑھ لکھ کر نکلے جنہوں نے دم توڑتی ہوئے سرائے باب علی کو نئی زندگی بخشی۔

عرصہ بعد جب تاریخ نے امتحان لیا تو وزری سلطانوں سے زیادہ قابل اور مدبر نکلے۔

1578ء میں محمد سوکولی کے مرنے کے بعد وزارت اور حرم سرا کے مابین طاقت کے حصول کے لیے کشمکش شروع ہوگئی۔ لیکن محل کے مکتب میں وقار اور سکون کی طاقت باقی رہی، کچھ عرصہ بعد خراج میں لڑکوں کے وصول کرنے کا طریقہ مسدود ہوگیا اور ترک مکتب میں بھرتی ہونے لگے۔ اٹھارہویں صدی تک اس مدرسہ کا نصاب دنیا کے اور کسی مدرسے کے نصاب سے پیچھے نہ تھا۔ اس مدرسے کی روایات اس صدی کے آغاز تک برقرار رہیں۔

جس تعلیم کا مقصد یہ ہو کہ فرد واحد کی قدرتی صلاحیتوں کی پوری نشوونما کی جائے اس کا تصور ہر لحاظ سے جدید ترین کہلانے کا مستحق ہے" ان الفاظ میں پروفیسر البراٹ لائی بائر نے نظم ونسق کے اس مکتب کا ذکر کیا ہے انہوں نے نظم ونسق پر بڑی وقت نظر سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں آگے چل کر انہوں نے لکھا ہے "سلیمان اعظم کے دور حکومت میں کوئی انسانی ادارہ اس مکتب کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا...... خاص طور پر طاقت، سادگی، اور تیزی عمل کی صفات میں کسی اور ادارہ کی ملک میں اور ملک سے باہر اتنی عزت نہ کی جاتی تھی"۔

☆☆☆

حرم سرا کی حکومت

سلیمان کے ساتھ وہ قوت ختم ہو گئی جو تقدیر کی طرح اٹل تھی۔ یہ وہ قوت تھی جس کے ذریعہ آل عثمان کے سلاطین اب تک ترک قوم پر حکومت کرتے آئے تھے۔ سلیم ثانی نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی ڈیڑھ سو خوبصورت بیویوں اور خواصوں ک ساتھ حرم سرا میں سکونت اختیار کر لی۔ شروع میں تو آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر عثمانی سلاطین کو کنیزوں کو حرم میں داخل کرنے کی سزا بھگتنی پڑی۔ جیسے جیسے ان عورتوں پر نگرانی کی کمی ہوتی گئی انہوں نے وحشیانہ طور پر پہلے تو اپنے حقوق وا ثر پھر دولت اور پھر باالآخر طاقت کے لیے لڑنا شروع کیا۔

کہا جاتا ہیکہ اس کا آغاز روکسے لانا سے ہوا۔ ابتدا ہی سے اس نے نظر قائم کی' محفوظ سرائے باب عالی میں روکسے لانا کی آمد خطرناک ثابت ہوئیل۔ سرائے کی بارہ دریوں اروجھروکوں سے یہ عورتیں آسانی سے دیوان کے وزراء کی کانا پھوسی کر سکتی تھیں۔ ان عورتوں کے نگہبان حبشی خواجہ سرا تھے اور محل کے باہر سفید فام ینی چیریوں کا پہرہ رہا کرتا تھا زنانخانے کی تخت گاہ سے شاہی خزانہ دور نہ تھا۔

ان تمام نقشوں اور اس سارے محل وقوع سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ سلطان کے حکم میں زیست و مرگ کی طاقت تھی۔ اگر عورتیں سلطان پر قابو پا لیتیں تو پھر یہ ان کی اپنی طاقت بن جاتی۔ سلیمان خود ایک عورت کے زیر اثر آ چکا تھا' حالانکہ وہ پوری طرح اسکی گرفت میں نہیں آیا تھا۔ سلیم پر مدہوشی کا عالم ہو یا ہوش کا

آسانی سے عورتوں کی گرفت میں آ سکتا تھا۔ لیکن اس نے سلطنت کے اعلیٰ امور کو محمد سوکولی کو تفویض کر دیے تھے جو حرم سرا کے حلقہ اثر سے باہر تھا۔ لیکن جوں جوں سلیم کی مدہوشی بڑھتی گئی اس کی پہلی قدن نور بانو کا اقتدار حرم سرا میں بڑھتا گیا۔ وہ مراد کی ماں تھی اس لیے سلیم کے مرنے کے بعد اس نے خود سلطان والدہ کا لقب طلب اور اختیار کیا۔ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ سلطان والدہ نے خاص سرائے باب حایل میں اپنا جداگانہ دربار لگایا۔ نور بانو نے اس کی اجازت نہ دی کہ اس کے بیٹے کی پہلی قدن اس کی ہمسری کرے۔ اندرونی تخت گاہ کو اس نے سچ مچ تخت گاہ بنایا۔

پھر جب کہن سال سوکولی کو قتل کر دیا گیا تو عورتوں کے اقتدار کے راستے میں آخری رکاوٹ جو حائل تھی رفع ہو گئی۔ اسکے بعد جو صدی شروع ہوئی، اسے ترک ''قدن لر سلطنت'' (حرام سرائے کی مس بوباؤں کی سلطنت) کا زمانہ کہتے ہیں۔ مراد کی منظورِ نظر ایک بڑی خاص لڑکی تھی۔ جو وینس کے معزز بافو گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ حرم سرا میں اس کا نام صفیہ تھا۔ اس کے بال یا سنہرے تھے یا سرخ یا تو اسے کسی ترک کپتان نے کسی جہاز میں گرفتار کیا تھا یا ہوشیار اہل وینس نے اپنے کسی جاسوس کے ذریعے اسے حرم میں پہنچوا دیا۔ یہاں وہ وینس کے مفاد کے لیے کوششیں کرتی اور روکسے لانا کی طرح کوشاں رہتی کہ مراد کے اس کے اپنے بطن کی اولاد تخت نشین ہو۔

چونکہ مراد کو عورتوں سے بڑی رغبت تھی اسی لیے اس کی والدہ نور بانو اس کے لیے کوشش کر کے بڑی اچھی اچھی لڑکیاں تلاش کرتی تا کہ وہ خطرناک صفیہ کے زیر

اثر نہ آنے پائے اس طرح کی رقابت کو رفع کرنے کی مراد نے کوئی کوشش نہ کی۔ اس کے باکی نظیر اس کے سامنے تھی جو صرف حرم سرا سے سروکار رکھتا تھا۔ اور جس نے سلطنت کے تمام امور دیوان کے سپرد کر دیے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے لیے اس کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہی ہوا۔ سلطنت کا وقار بڑھ گیا اور فرانس کی طرح وینس کے باشندوں کو بھی خصوصی مراعات عطا کیے گئے باروں سے بے شمار لڑکیوں کی خرید کی وجہ سے خواجہ سرائے حرم کے اثرات و رسوخ میں بڑا اضافہ ہو گیا۔ صفیہ کا فوجوں اور بیڑوں کی نقل و حرکت میں بڑا دخل تھا۔ اور اس معاملے میں غالباً وہ وینس والوں کے اشاروں پر ناچتی تھی۔ ایک یہودن جوہری جس کا نام کیارتسا تھا اس کے اور وینس کی میگنی فی کا کاموتی تا کے درمیان نامہ بری اور مخبری کا کام انجام دیتی تھی۔

اس کے عروج کے زمانے میں مراد کے انیس بیٹے قتل کیے گئے جو دوسری عورتوں کے بطن سے تھے۔ وہ آگے چل کے سلطان والدہ ہونے والی تھی۔ کچھ عرصہ کے لیے اس نے بڑی قوت حاصل کر لی۔

جب اس کا بیٹا محمد ثالث کے نام سے تخت نشین ہوا تو صفیہ نے دیکھا کہ اس کے مخالفین کا زور بڑھتا جا رہا ہے۔ حرم کے اندر تو وینس کے رہنے والی یہ سلطان والدہ محفوظ تھی لیکن حرم سرا کے باہر ساری دنیا اسے خونی سمجھتی تھی۔ وہ کھڑکی کی جالی سے دیوان کے مباحث سنتی لیکن اس کی کبھی ہمت نہ پڑتی کہ جالی کے باہر قدم رکھ سکے۔

جب صفیہ اور وزراء سلطنت کے مابین مخالفت بہت شدید ہو گئی تو اسے اپنے لڑکے کے لیے دلالی شروع کی اور طرح طرح کی نئی لڑکیاں محمد ثالث کے لیے

فراہم کرنی شروع کیں تاکہ وہ انہیں میں الجھا رہے اورکسی امر کی توجہ نہ کر سکے۔لیکن جب شمالی سرحد پر بغاوت ہوئی تو سپہ سالاروں کو اس کا موقع مل گیا کہ وہ محمد ثالث کو حرم سرائے سے باہر نکال کے ہنگری لے چلیں۔سلیمان نے کئی مرتبہ ہنگری کی جانب یلغار کیا تھا۔اب تیس سال بعد پھر ایک ترک سلطان نے ہنگری کا رخ کیا۔

جب حرم سرا سے دور ہونے کے باوجود سلطان محمد ثالث حرم کی عورتوں کے عشق کو فراموش نہ کر سکا تا صفیہ کو ختم کرنے کی ایک ہی صورت جو باقی رہی گئی تھی اختیار کی گئی۔دوسری عورتوں کے خواجہ سراؤں نے سوتے میں صفیہ کا گلا گھونٹ کے اس کا کام تمام کر دیا۔یہ اس قسم کا پہلا قتل تھا۔کچھ عرصہ بعد اس طرح کے قتل عام ہو گئے۔

ان سارے ہنگاموں کا مرکز حرم سرا تھی جس کی آبادی میں بہت اضافہ وہ گیا تھا۔اب سلطان کی اولاد آئندہ طاقت حاصل کرنے کا پروانہ سمجھی جانے لگی ہر لڑکے کو بڑی احتیاط سے حرم ہی کی چاردیواری میں رکھا جاتا اور سن بلوغ کو پہنچنے تک ہر لڑکا عورتوں کی سازشوں میں گھرا رہتا۔حرم کی قید کا اثر اگلے سلطان میں نمودار ہوا جو حرم سرا ہی میں بند رہا اور قدنوں اور ان کی کنیزوں کے زیر اثر اس نے ساری عمر گزار دی۔اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ینی چیریوں کے آغا کی طاقت بڑھ گئی (جس طرح رومتہ الکبریٰ میں پرے ٹورین محافظ دستہ قیصروں کے محلات کی حفاظت کرتا تھا' وہی صورت اب اس کے ینی چیری دستے کی سرائے باب عالی میں تھی) جب تک ینی چیریوں کے قصلر یا آغا کی مدد حاصل نہ ہوتی کوئی عورت اپنی قوت کو مکمل نہ سمجھتی۔

طاقت کے اس مثلث میں ایک اور پہلو بھی شامل ہو رہا تھا یہ تیسرے صحن کے فوجی مکتب کے لڑکے تھے۔

حرم سرا کے دروازوں سے افواہیں نکل نکل کر پھیلنے لگیں۔ایک دروازے کے نام باب دوشالہ پڑ گیا۔دوسرا باب الیت مستورات کہلانے لگا۔شاخ زریں کے اس پار کی غلطہ میں طرح طرح کی رنگین کہانیاں مشہور ہونے لگیں اور یہ افسانے سیاحوں کی زبانی یورپ بھر میں پھیلنے لگے جب یہ سیاح قسطنطنیہ سے واپس جاتے تو اپنے ساتھ سرائے باب عالی کے متعلق طرح طرح کی گندی کہانیوں کے تحفے دوسروں کو سناتے جاتے۔ان سب باتوں کے باوجود کبھی کبھی ایسا ہی ہوتا کہ کوئی قدن اتنی طاقت حاصل کر لیتی کہ سلطنت کے معاملات میں دخل اندازی کر سکے۔ اور اتنی طاقت اس کو اس وقت ہی حاصل ہوتی جب وہ خود معمر ہو چکی ہوتی۔اور حرم سرا کی جوان عورتوں پر اقتدار قائم رکھنے کے لیے اسے بڑی کوشش کرنا پڑتی۔

حرم سرا کی عیاشی اور یہیں بے شمار اولاد کے پیدا ہونے اور بڑھنے سے آل عثمان کی اندرونی طاقت سلب ہوگئی۔محمد ثالث کا ایک پوتا یقینی طور پر پاگل ہو گیا تھا۔ ایک اور پوتے عثمان کو ینی چیریوں نے قتل کر دیا۔

اس وقت حرم کی ایک اور اولین خاتون جس کا نام کلثوم تھا' وہ مقام حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو ایک زمانے میں صفیہ کو حاصل تھا۔لیکن اُ کے بیٹے مراد رابع نے حرم سرا کے اثر سے نکل کر فوجوں کے ساتھ میدان جنگ کا رخ کیا۔وہ نوجوان تھا شراب نوشی اور بیماری سے وہ کمزور ہو گیا تھا۔اور سلیم ثانی کی طرح وہ بھی طرح

طرح کے اعصابی خوف کا شکار رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سورج گرہن میں محض وہم اور دہشت سے اکی موت واقع ہوئی

ممکن ہے کہ مراد اور اس کے بھائی ابراہیم کے دماغ میں بھی خلل ہو۔ بہر حال ان کی ماں کی بے رحم سازشی چالوں کی وجہ سے حرم کی ان ساری دبی ہوئی قوتوں کو بھی ہیملٹ کے ڈراما کا سا انجام ہوا۔

جواں سال مراد جب اپنے خیمے میں لب مرگ تھا تو اپنے اطمینان کے لیے اس نے حکم دیا کہ اس کے بھائی ابراہیم کو اس کے مرنے سے پہلے ہی قتل کر دیا جائے۔ یہ دونوں بھائی آل عثمان کے تاجدار خانوادے کے آخری چشم و چراغ تھے۔ ان کے بعد اس خاندان کا نشان مٹ جاتا۔ مراد نے اپنے ایک منظور نظر تیغچی کو پانے بعد سلطان بنانے کے لیے نامزد کیا تھا۔ اس نے ابراہیم کے قتل کا حکم دے دیا۔ جو اسی کے قصر کے ایک حجرہ یں پاس ہی قید تھا (کچھ عرصہ بعد نیچر کا طریقہ رائج ہو گیا) جس میں سلطان وقت اپنے بھائیوں کو مقید کر دیتا کہ وہ باہر کسی اور سے راہ و رسم نہ پیدا کر سکیں) اگر مراد کے حکم کی تعمیل کر دی جاتی تو خاندان عثمانیہ کا خاتمہ ہو جاتا اور ترک قوم کی تقدیر میں بڑی گہری تبدیلی ہوتی۔

لیکن اس نازک موقع پر مراد کے ذاتی خدام نے خوفزدہ ہو کر سلطان کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ کلثوم نے بھی انہیں سختی سے اس کی ممانعت کر دی تھی۔ انہوں نے لب مرگ مراد کو یہ جھوٹی اطلاع دی کہ ابراہیم کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مراد کے بعد اپنے قید خانے میں ابراہیم اس قدر خوفزدہ ہو گیا کہ

جب قاصدوں نے اسے باہر نکالنے کے لیے دروازہ کھٹکھٹایا تو اسنے اپنی حفاظت کے لیے اپنے اطراف بہت سی چیزیں جمع کرلیں۔ جب اس کی تاج پوشی ہوئی اور اس کی کمر سے خانوادہ عثمانی کی موروثی تلوار باندھی گئی تو بھی وہ خوف سے کانپ رہا تھا۔وہ ہروقت اپنی ماں اوراپنے اطراف کی سازشوں سے اس قدر خائف رہتا کہ بڑی مجنونانہ حرکتیں کرتا۔ اوان خونخوار (جس کا انتقال ہوئے اب دو پشتیں گزرچکی تھیں) سے بی زیادہ اس نے اطراف تصورات اورمفروضات کی ایک دنیا بنالی تھی۔وہ من مانی کرتا اورجواسکی راہ میں حائل ہوتا اکا کام تمام کردیتا ابراہیم کے آٹھ سالہ دورحکومت میں حرم سرانے وزراءنظم ونسق پر قطعی طورپراقتدار حاصل کرلیا تھا۔ لیکن یہ اقتدار بے سود تھا۔

ابراہیم نے اپنے قابل اورزبردست وزری قرامصطفے کوقتل کرادیا۔اس کی جگہ جووزیر مقرر ہواوہ سلطان کی عجیب وغریب حرکات اوربیہودہ خواہشات کے معاملے میں قطعاً دخل نہ دیتا تھا۔کلثوم کابھی اسی میں فائدہ تھا کہ اس کے معاملات میں دخل نہ دے۔ یہ نیم مجنوں نوجوان جس نے قید میں آٹھ سال ہرلمحہ جلاد کا انتظار کرتے کرتے گزارے تھے اب رومی قیصر کیلیل گولا کی طرح حرم سرا کے دوسرے ساکنوں سے بدلہ لیتا رہا۔

اسکی ساری عجیب وغریب خواہشیں پوری کردی جاتیں۔اسے عصر میں اورخاص طورپر اہلیم کی تیز خوشبو میں لپٹے رہنے کا شوق تھا۔اسے سموربہت پسند تھے (ساری سلطنت میں اہلیم اورسموراسکے لیے تلاش کیے جاتے)۔

خوشبوؤں کے بعد اسے جواہرات کا خبط ہوا۔ وہ ایسے نادر نادر جواہرات خریدتا کہ ان کی وجہ سے خزانہ خالی ہوگیا۔ جو عورتیں اس کی ذلیل حرکتوں کا نشانہ تھیں وہ بدلہ لینے کے لیے ان بازاروں کے جواہرات اور ملبوسات پر قبضہ کر لیتیں جہاں خرید و فروخت کا کام شریف عورتیں کیا کرتی تھیں۔ ابراہیم کو ایک دھن یہ سمائی تھی کہ بازار کی دکانیں دن بھر اور رات بھر کھلی رہا کریں۔

سرائے کے باہر اس کے جنون کا ایک مدھم سا اندازہ ہوتا تھا۔ خزانے کے دفتر دار کہتے تھے کہ حرم سرا کے اخراجات کبھی اس قدر نہیں بڑھنے پائے تھے۔ جس قدر کہ اس زمانے میں جب کہ خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ سڑکوں پر کسان دیکھتے ہیں کہ ابراہم کی ڈاڑھی میں جواہرات جگمگا رہے ہیں۔ اور وہ اسے فال بد سمجھتے۔ ان چند سالوں میں حرم سرا کے اس دروازے سے جسے عورتوں کے جنازوں کا دروازہ کہتے تھے بیشمار میتیں نکالی جاتیں۔

ایک شخص نے ایک بار سرائے کے اس دروازے کے قریب جو سمندر کے کنارے ہے گہرے پانی میں غوطہ لگایا اور چیختا ہوا باہر نکل آیا۔ اس نے سمندر کی تہہ میں مردہ عورتوں کی قطاریں کی قطاریں دیکھیں جو تھیلوں میں لپٹی ہوئی ادھر سے ادھر تیز دھارے میں جنبش کر رہی تھیں۔ (حرم سرا کی ان عورتوں کا چپکے سے گلا گھونٹ دیا جاتا تھا پھر انہیں تھیلوں میں سی کے ان کے پیروں سے وزنی پتھر باندھ دیے جاتے اور رات کو کشتی میں لے جا کے انہیں سمندر میں ڈال دیا جاتا۔ وزنی پتھروں کی وجہ سے ان کے پیر تہ میں نصب سے ہو جاتے اور ان کے جسم پانی میں

کھڑے ہو جاتے۔)

حرم سرا پر سلطان کے مجنونانہ افعال کی حکومت تھی اور ساری قوم پر حرم سرا کی حکومت تھی۔ ان بدعنوانیوں کے خلاف عوام کی ناراضی بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک فوج اور مدارس کے سربرآوردہ کے ایک وفد نے سلطان کلثوم سے مطالبہ کیا کہ ابراہیم کو تخت سے اتار کر پھر سے قید کر دیا جائے۔ اور اس کے نوعمر لڑکے محمد کو تخت نشین کیا جائے۔

جب ابراہیم نے یہ ماننے سے انکار کر دیا تو شورش میں سپاہی بھی شریک ہو گئے اور مفتی اعظم کے فتوے کے مطابق ابراہیم کے قتل کا مطالبہ کیا۔ اس طرح اس عثمانی سلطان کو مفتی اعظم کے فتوے کی بنا پر قتل کر دیا گیا۔

معمر کلثوم اس کے لیے تیار نہ تھی کہ اپنی طاقت نئ سلطان والدہ تر خان سلطان کے حوالے کر دے۔ ینی چیریوں کے آغا کو اس نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ابھی اس کے پاس ایک اور چور پتا تھا۔ اس نے یہ سازش کی تھی کہ ینی چیری نوعمر محمد کو تخت سے اتار کے اس کے چھوٹے بھائی کو سلطان مقرر کر دیں۔

اس درمیان میں محمد اور دیوان کے خلاف قوتیں مجتمع ہو گئی تھیں۔ احاطہ کے مکتب سے جن طلباء کو نکال دیا گیا تھا وہ برطرف شدہ سپاہیوں کے ایک دستے سے جا ملے اور ہپوڈروم میں انہوں نے یہ تحریک شروع کی کہ ابراہم کی قاتلوں کو سزا دی جائے۔

تخت کے اطراف جو لوگ حاوی تھے ان کے خلاف یک عام تحریک زور پکڑنے لگی تھی کہ پھر سے انصاف اور قانون کا دور دورہ ہو اور سلطان اپنی ذمہ داری محسوس

کرے۔

کلثوم نے آخری پتہ کھیلا اور ہار گئی۔ سازش میں اس کے ساتھیوں میں ایک تیغچی تھا اور حبشی خواجہ سرا اور ینی چیری اپنے آغا سمیت شامل تھے۔ سلطان والدہ ترخان سلطان کے حامیوں میں وزیر اعظم کسلر آغا اور مکتب کے طالب علم شامل تھے۔

ایک رات حرم سرا کا یہ مناقشہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچا۔ کلثوم نے بڑے مالی سیکھہ کر حرم سرا کے اندرونی دروازے کھلوا دیے تا کہ ینی چیری سپاہی اندر آ جائیں۔ ان ینی چیریوں نے یہ چالاکی کہ سوتے میں وزیر کو گرفتار کر لیا۔ اور بطور ضمانت اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ اب سرائے پر ان کا قبضہ یقینی ہو چکا تھا۔ لیکن وزیر ان سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اس نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ابھی دیوان کا اجلاس طلب کرتا ہوں جس میں تمہارے سارے مطالبات منظور کر لیے جائیں گے۔ ینی چیریوں کے چنگل سے نکل کر اس نے تیسرے احاطے کے دروازوں کو اندر سے مقفل کر دیا۔

تیسرے احاطے کی حفاظت محض مکتب کے طلباء اور چند خدام کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن جتنی دیر تک وہ اس کی حفاظت کرتے رہے اتنی ہی دیر میں کلثوم کا کام تمام کر دیا گیا۔ سلطان کی بوڑھی دادی کلثوم اپنے حجرے میں ملی۔ وہ کپڑوں کے صندوق میں جا چھپی تھی وہاں سے اسے دشمنوں نے پکڑ کر نکالا اور اس کے لباس اور زیورات جسم سے نوچ نوچ کر چھین لیے۔ پھر اس کا گلا گھونٹ کر اس کی لاش باہر باغ میں پھینک دی۔

اس کے بعد سخت سزائیں دی گئیں۔ باغیوں کے سرغنوں کو قتل کر دیا گیا۔ اور

مکتب کو اندرونی احاطہ سے باہر منتقل کر دیا گیا۔ ترخان سلطان عقلمند عورت تھی اس نے دیکھا کہ طاقت کے مقابلے میں جان کی سلامتی ہی غنیمت ہے اسنے رعایا کے غم وغصہ کے آگے سر جھکا دیا۔ اب ہوشیار اور فرلیس کپر ولو خاندان کے پہلے وزیر نے قلمدان وزارت سنبھالا حرم سرا کا راج ختم ہو گیا۔ ایک صدی تک عورتوں کی حکومت رہی تھی۔ سو سال پہلے روکسے لانا نے اماسیہ میں سلیمان کے فرزند مصطفےٰ کا خط راستہ میں غائب کر دیا۔

(حرم سرا کی بدعنوانیوں کی یہ داستان زیادہ تر ان غیر ملکیوں کے بیانات پر مبنی ہے جو قسطنطنیہ میں رہتے تھے۔ اور ان کے بیانوں کی بنیاد ان مسلسل افواہوں پر قائم تھی جو مرکز سرائے سے شاخ زریں کے اس پار غلطہ تک پہنچتی رہی تھیں۔ ممکن ہے کہ یہ بیانات زیادہ تر صحیح ہوں لیکن ابھی تک جدید تاریخی تحقیقات کی روشنی میں ان کا جائزہ نہیں لیا گیا۔ ابھی تک محض اجنبیوں کے بیان کو سند مانا جاتا رہا ہے۔ لیکن ان بیانات میں کہیں واقعہ داستان بنا کے بیان کیا جاتا ہے۔ کہیں داستان کو واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر سلیمان کے دور حکومت کا جائزہ لیا جائے تو مغربی مصنفوں کی لکھی ہوئی تاریخ کے بہت سے صفحات کو رد کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مغربی مورخوں نے لکھا ہے کہ سلیمان کا وزیر اعظم ابراہیم خواجہ سرا تھا یا یہ کہ شاہی خاندان کی عورتوں کی شادی خواجہ سراؤں سے کر دی جاتی تھی تاکہ ان کی اولاد نہ ہو۔ اور سلطنت کی دعوے دار نہ بنے۔ یا یہ کہ مہر ماہ نے مالٹا کی تسخیر کا اس لیے مطالبہ کیا تھا کہ بہت سی کشتیاں جن میں اس کے لیے ملبوسات اور نوادر آ رہے تھے مالٹا کی جنگی کشتیوں نے گرفتار کر کے

لوٹ لی تھیں۔ یا یہ کہ سلیم نے قبرص کی فتح کا اس لیے حکم دیا کہ اس کی مرغوب شرابیں وہاں سے آیا کرتی تھیں وغیرہ وغیرہ یہ مغربی اجنبی ترک سلطان کو جہاں ترک اعظم اور ترک خونخوار کہتے ہیں وہاں وہ بڑے جوش وخروش سے اسے ترک ملعون کے روپ میں بھی پیش کرتے ہیں تاریخ میں شاید اور کوئی قوم ایسی نہیں جس سے باہر والوں نے اتنا تعصب اتنے عرصے تک برتا ہو۔ جدید تحقیقات اور علوم نے ترک قوم کے صحیح ماضی کا جائزہ لینا اب کہیں شروع کیا ہے)۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

آگے بڑھانے والی قوتیں

سلیمان کی شخصیت کا تاریک پہلو تو آسانی سے نظر آجاتا ہے کہ وہ ایک بڑا ہی زبردست آدمی تھا جو کبھی کبھی سخت ظلم کر جایا کرتا تھا۔ لیکن اس اجنبی سلطان کی شخصیت کا روشن پرتو آسانی سے نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے زمانے کے تصورات سے ماورا نصب العین کی طرف گامزن تھا۔ اور اس کے آثار اس کی زندگی کے بعد کچھ کچھ نمایاں ہوتے نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس قسطنطنیہ کے مغرب میں جو بادشاہ رہتے تھے ہنری ہشتم سے لے کر فرانس کی ملکہ کیتھرائن دے میدی چی تک ان سب تصاویر کے خطوط و رنگ بہت واضح نظر آتے ہیں۔

سلیمان کے متعلق چارلس اومان نے لکھا ہے ''اس نے ترک سلطنت کی ہیئت کا تعین کیا۔ اس کی موت کے بعد اس کی سلطنت کا استحکام بہت عرصہ تک باقی رہا یہ اس کی کارگزاری کا نتیجہ تھا۔ کہ سلطنت اس قدر مضبوط ہو گئی تھی۔ کہ اس کے بعد انحطاط پذیر سلاطین کی کئی پشتیں اس کی سلطنت کی بنیاد کو کمزور نہ کر سکیں''۔

کارڈی نل مازارن کے زمانے میں ایک فرانسیسی مورخ میسو وے تے وے نو نے سلیمان کے دور سے ایک صدی بعد شہادت دی ہے کہ ترک سلطنت کی بنیاد زراعت کے مستحکم ارادے پر قائم تھی۔ کسان مرفع الحال تھ **ملک** میں غذاؤں کی افراط تھی اور دہدہ داران نظم و نسق حکومت پر کامیابی سے حاوی تھے۔ امور سلطنت کی ساری ذمہ داری وزیر کے شانوں پر ہے وہ سلطان المعظم کے سارے فرائض خود

سرانجام دیتا ہے۔ (ابراہیم کے قتل کے سات سال بعد بھی محمد رابع ک سن ہی تھا) صرف یہ کہ اسے سلطان کا لقب حاصل نہیں یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

امور خارجہ میں سلیمان کی حکمت عملی یہ تھی کہ فرانس سے گہرے دوستانہ مراسم قائم رہیں اور پولینڈ کی سلطنت سے جو فرانس کی طرح روشن خیال تھی امن وصلح کے خوشگوار تعلقات قائم رہیں۔ سوکولی اور اس کے بعد وزراء نے اسی پالیسی پر عمل کیا۔

کچھ عرصہ بعد ترکی خارجی حکمت عملی کے لیے پالیسی بن گئی۔ لیکن اس عرصے میں ان مراعات خصوصی کے نقصانات بھی نمایاں طور پر نظر آنے لگے۔ لیکن سلیمان نے عیسائی اور دیگر عمل کے ساتھ رواداری میں جو داخلی حکمت عملی رائج کی تھی وہ اس کے بعد عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ رواداری کی جگہ لالچ عام ہوگیا۔ عیسائی کلیساؤں کے اسقفون سے ترک عہدہ دار روپیہ گھسیٹتے اور یہ اسقف اپنے حلقے کی رعایا سے۔ اس اسقفوں کا مقام غیر متعین سا ہوگیا۔ اور بالآخر زندگی ان کے لیے وبال ہوگئی۔ بظاہرت ان کو بہت آزادی دی گئی تھی لیکن ترک اس محاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے۔ سلیمان کے پوتے مراد کے زمانے میں پہلی مرتبہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے کیتھولک کلیساؤں کو مسجدوں میں تبدیل کردیا گیا۔

ساتھ ہی ساتھ ترکوں میں اسلام پھیلانے کو جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ ممکن ہے کہ یہ محض اتفاق ہو یا اس کی وجہ یہ ہو کہ قوم بہت امیر ہوتی جارہی تھی۔ اوقاف کی دولت بڑھتی جارہی تھی۔ فرلیس بوزبک نے اپنے اماسیہ کے روزنامچے میں لکھا ہے کہ ''سلیمان کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا ایسا ہی شوق تھا جیسے اپنی سلطنت کی توسیع کا

موجودہ محققوں میں ٹمپز اور لائی باڑ کی یہ رائے ہے کہ ترکوں نے جس پیمانے پر اسلام کی تبلیغ شروع کی تھی وہ یورپ کے لیے ان کی فتوحات سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔

جدید تحقیقات اب تک اس پر متفق نہیں ہوئی ہیں کہ قانون شریعت اس کے زمانے میں کس حد تک مستحکم تھا۔ ترک مذہبی جوش کے عالم میں بہت عرصہ تک آگے بڑھتے رہے لیکن ایک ایسا نقطہ بھی آیا جس میں اس جوش کی وجہ سے انہیں نقصان پہنچنے لگا۔ وہ بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ نہیں بدلے تقدیر پر بہت زیادہ یقین کرنے لگے۔ نئی تعلیم سے متنفر رہنے لگے۔ اور ان کی قوت عمل سلب ہونے لگی۔ یہ سلیمان کے زمانے کی مذہبی جوش کے بالکل برعکس صورت حال تھی۔ اس غلو ہی کا رد عمل یہ تھا کہ مصطفےٰ کمال اتاترک نے جب سلیمان کے مرنے کے چار سو سال بعد ترکی میں اصلاحات نافذ کیں تو شیخ الاسلام کا عہدہ باقی نہ رہا' اور بہت سے توہمات سے قوم کو نجات دلائی۔ لیکن مذہب کا اثر کم کرنے میں دور جدید کے اس مصلح اعظم کو پوری کامیابی نہیں ہوئی۔

☆☆☆

تباہ کن قوتیں

جب سلیمان اور سوکولی کا آہنی نظم ونسق ختم ہو گیا تو سرائے کی دولت غیر متند مین عہدہ داروں کے ہاتھوں میں پہنچنے لگی۔ محاصل بڑھ گئے۔ ہر قانونی معاملے پر کوئی نہ کوئی محصول عائد کر دیا گیا (اوراس کی ابتدا ابراہیم اور رستم نے کی تھی) نولس کے زمانے میں شاہی خزانے کی آمدنی بڑھ کر اسی لاکھ اشرفیاں ہو گئی۔ ری کو کے زمانے میں یہ آمدنی ایک کروڑ دس لاکھ اشرفیاں تک پہنچ گئی۔ اس صدی میں جبکہ حرم سرا کی منظور نظر عورتوں کا عروج رہا جاگیریں رشوت میں نیلام ہوتی رہیں سکہ میں یورپی سکے کی طرح ملاوٹ کر دی گئی۔

جنگی جہازوں کے کارخانے میں آرام طلبی اور رشوت بہت بڑھ گئی۔ چونکہ کپتان پاشا کو جہازوں کی تعمیر اور بیڑوں کے تیاری کے لیے خزانے سے بہت بری رقم ملا کرتی تھی اس لیے وہ اس رقم سے بہت کچھ خرد برد کر سکتا تھا۔ شاذو نادر ہی یہ بیڑے جن کے نام پر اتنا روپیہ خرچ ہوتا تھا سمندر کا رخ کرتے (اس کے برعکس پرانے بحری فاتحوں باربروسا' دراگوت اور پیالی پاشا کے زمانے میں بحری بیڑے خود اپنے سارے اخراجات کے کفیل ہوتے تھے) 1640ء کے ہنگامے کے بعد جنگی جہازوں کے کپتانوں کی تعداد کاغذ پر چار سو ساٹھ تھی لیکن ان میں سے ڈیڑھ سو سے زیادہ نے کبھی مرکز سرائے سے اتر کر بھی سمندر کا رخ نہیں کیا۔

آخر میں جنگی جہازوں کے دستے یئی چیریوں سے بھرتی کیے جاتے تھے اور یئی

چیریوں کو سمندر سے نفرت تھی۔ تے وے نو نے لکھا ہے کہ ''وہ اپنے جنگی جہازوں پر بڑی اچھی طرح پاہیوں اور ینی چیریوں کو تعینات کرتے ہیں لیکن یہ تیغ زن جو زمین پر ایک قدم پیچھے ہٹنا نہیں جانتے اپنی مرضی کے خلاف سمندر کا رخ کرتے ہیں۔ جو سپاہی کسی مدت کے لیے سمندر کا چکر لگاتے ہیں۔ وہ سفرلی یا سیاح کہلاتے ہیں۔ بیڑے کی روانگی سے تین روز پہلے یہ ینی چیری ملاح ہاتھوں میں کلہاڑیاں لیے ہوئے شہر کی گلیوں کا چکر لگاتے ہیں۔ اور عیسائیوں اور یہودیوں' اور یہاں تک کہ ترکوں سے پیسے وصول کرتے ہیں۔

مصیبت کے زمانے میں جنگی جہازوں کے کارخانے کی بد حالی ری کو نے بھی فوراً بھانپ لی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ جنگی بیڑوں کے اخراجات اور جنگی جہازوں وغیرہ کی تیاری کے بہانے (اور ایسی ہی دوسری خرچ کی مدوں کے نام پر جن کے لیے گوشوارہ حکومت میں پہلے گنجائش نہیں رکھی جاتی تھی) سلطنت کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ عہدہ دار راشی تھے۔ تین سال کے محاصل پیشگی وصول کیے جا چکے تھے یہاں تک کہ مشہور وزیر کوپرولو نے اپنی دانشمندی سے اس صورت حال کا انسداد کیا''۔

اس قابل انگریز قنصل نے نادانستہ طور پر ترکوں کی دولت کے انحطاط کیلیے ایک اور سبب پر روشنی ڈالی ہے جب کہ وہ انگریزوں کے متعلق یہ لکھتا ہیکہ ''ہمیں اپنی خوش قسمتی سمجھنی چاہیے کہ ہم ترکوں کے ساتھ آزادی سے کھلی تجارت کرتے ہیں ہمارے تعلقات ان سے دوستانہ ہیں...... یہ سلسلہ ملکہ الزبتھ کے زمانے سے شروع ہوا...... اور مشرق قریب کے تاجروں کی کمپنی نے ان سے رابطہ استوار کیا۔ اس

انگریز سلطنت کو اس تجارت سے بڑا نفع ہوا ہے۔ اور کئی ہزار انگریزوں کی معیشت کا انتظام ہوا ہے۔ اسکی وجہ ہز مجیسٹی کے خزانے کی بھی چنگی کے محاصل کی وجہ سے بڑی آمدنی ہوتی ہے۔

یہاں ری کو نے خاص مراعات کا ذکر کیا ہے جو ترکوں کی سلطنت میں غیر ملکیوں کو عطا کیے جانے لگے تھے۔ پہلے صرف تاجروں کو اور پھر حکومتوں کو۔

یورپ میں ایک اور عام اور اٹل عقیدہ یہ چلا آتا ہے کہ عثمانی ترکوں کے عروج کے زمانے میں مشرق قریب کے تمام ملکوں کی عوروں کو اپنے تصرف میں لے لیا تھا۔ یہ کہ ہر ترک کے پاس بہت بڑے بڑے حرم ہیں۔ ارو ہر حرم میں رقاصہ لڑکیاں اور نیم برہنہ عورتیں جمع رہتی۔ اور یہی ترکوں کے زوال کا باعث بنا۔ یہ داستانیں مقابلتاً جدید زمانے کی تصنیف ہیں۔ سلیمان کے زمانے میں بھی یہ مشہور تھیں' اور مغرب کے تصورات پر ان کا بڑا رنگین اثر ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطانوں نے حرم رکھے اور ان کا اثر جو کچھ ان کے اخلاق اور قوت عمل سے ہوا وہ ظاہر ہے۔ سلیمان ان خرابیوں سے مستثنیٰ تھا۔ لیکن یہ یادرکھنے کی بات ہے کہ اس معاملے میں ترک قوم نے اپنے سلطانوں کی پیروی نہیں کی۔ آغاہوں ی اتماری یا کسان ان طبقوں میں سے کوئی دوسری قوموں کی لڑکیوں سے شادی نہیں کرتا تھا۔ اور دوسری قوتیں جو ترکوں کے زیر حفاظت تھیں اپنی زندگی اطمینان سے الگ بسر کرتی تھیں۔

بردہ فروشی تجارت کا معاملہ تھا اور اسیران جنگ سے نفع حاصل کیا جاتا تھا بعض

عیاش سلاطین کے محلوں میں کنیزیں اور غلام ضرور تھیں لیکن مسلمانوں کے قانون کے مطابق ان کنیزوں اور غلاموں سے عزیزوں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ ویسا وحشیانہ سلوک نہیں جیسا ازمانے میں اہل یورپ اپنے غلاموں سے کیا کرتے تھے۔

سلیمان کے عہد میں زندہ دل ایاز پاشا کے پاس ایک بہت بڑا حرم تھا اور باربروسا کے متعلق یہ مشہور تھا کہ ہر بندرگاہ میں وہ ایک نئی دلہن سے بیاہ کرتا۔ لیکن ادارہ نظم ونسق کے وزرائے اعظم مثلا ابراہیم، رستم کوسولی اور پیالی پاشا کی شادیاں حرم سرائے باب عالی کی شہزادیوں سے ہوتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک نے ایک ہی بیوی کے ساتھ عمر گزار دی۔

اگر موازنہ کیا جائے تو سلیمان اور اس کے وزرائے نظم ونسق کثرت ازواج کے معاملے میں اس زمانے کے درباریوں کے مقابلے میں بہت معتدل تھے (ہاپس برگ بادشاہ تو اس معاملے میں بہت مشہور تھے کہ یہ روز نت نئی شادیاں کرتے رہتے تھے اور پرانی بیویوں کو طلاق دیتے رہتے تھے۔ فلپ کی شادی یکے بعد دیگرے پرتگال، انگلستان، فرانس اور آسٹریا کی بیویوں سے ہوئی۔ اور اگر کثرت ازواج کا سہرا واقعتاً کسی کے سر پر باندھا جا سکتا ہے تو وہ انگلستان کے صاحب تن و توش بادشاہ ہنری ہشتم تھا۔

☆☆☆

جنگجوئی کی داستانیں

فوجی سردار کی حیثیت سے سلیمان کی ذات ایک عجیب مجموعہ اضداد ہے رواج کا تقاضا یہ تھا کہ ایک ایسے لشکر کے سرعسکر کی حیثیت سے جس نے کبھی جنگ میں منہ کی نہیں کھائی تھی۔ سلیمان دار الحرب میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتا۔ اگر اس کی زندگی کو قریب سے دیکھا جائے تو اس کی زندگی کا حقیقی پہلو نظر آ سکتا ہے۔

اس کی زندگی میں اور اس کے بعد ترکوں کی عظیم الشان فوج میں بحیثیت فوج کے کسی قدر انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سلیمان کی وجہ سے ہوا یا اس کے بعد۔

اس کے برعکس اس نے مستقل شاہی فوج اور ینی چیریوں اور سپاہیوں کی تعداد میں بڑا اضافہ کیا۔ جب وہ مرا تو اڑتالیس ہزار تین سو سولہ سپاہی خزانے سے مستقل طور پر تنخواہ لے رہے تھے۔ جب وہ تخت نشین ہوا ہے تو مستقل سپاہیوں کی تعداد اس کے نصف کے برابر تھی۔

ممکن ہے کہ سلیمان ہی نے ینی چیریوں کی ہیئت بدل دی ہو جو پہلے مفلوک الحال فقیروں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس نے فوج کے بہت سے قوانین بدل کر سپاہیوں کو سہولتیں بہم پہنچائیں۔ بعض سپاہیوں کو شادیاں کرنے کی اجازت دی۔ ترکوں کی فوجوں میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ ممکن ہے کہ یہ منتخب فوج بہر حال کبھی نہ کبھی تو ضرور انحطاط کرتی۔

اس کی ذاتی سپہ سالاری کا نقطہ تضاد یہ ہے کہ اس کے درگزر سے اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ رہوڈس سے لے کر مالٹا ک معرکوں تک چوالیس سال کے عرصے میں اس نے اپنے عسکر کو کبھی محض انتقامی کاروائی کے لیے کہیں نہیں بھیجا۔ اس نے اپنی فوج کو اپنے ملک کے مزارعین پر بار ہیں بننے دیا۔

اس کے مرنے کے فوراً بعد سلیم ثانی نے جنوبی روس کے علاقے میں دولگا اور ڈان کے درمیان نہر کھودنے کا حکم دیا۔ اس نہر کی تجویز سلیمان نے سوچ بچار کے بعد رد کر دی تھی۔ ایک ترک بیڑا ڈان سے ہوتا ہوا اوپر پہنا۔ اور اس کی مدد کیلیے رسد کے جہاز بھیجے گئے لیکن کریمیا کے تاتاریوں کی غداری اور دھوکہ کی وجہ سے اس خشک میدان میں اس کا حشر اچھا نہیں ہوا۔

اس کے پوتے مراد نے ایران سے وہ جنگ عظیم چھیڑی جسے سلطان ٹالتا رہا تھا۔ بارہ سال تک یہ جنگ جاری رہی تھی۔ اسے جنگ طویل کہتے ہیں اس کا بجز اس کے کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ روس کی اٹھتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں یہ دونوں اسلامی سلطنتیں آپس میں لڑ کر کمزور ہو گئیں۔

یہاں تک کہ 1883ء میں ایک اولوالعزم قرا مصطفےٰ نے آخری مرتبہ وی آنا کا محاصرہ کیا جس کی دیواروں کے سامنے سے سلیمان واپس لوٹ آیا تھا۔ اس کے بعد ایسی شکست ہوئی کہ عثمانیوں کی عسکری طاقت کے خاتمے کا آغاز شروع ہوا۔ اب ترکوں کے مقابلے میں اہل یورپ کے ہتھیار زیادہ بہتر تھے۔ ان میں لڑنے کی امنگ بڑھ گء تھی اور انہوں نے قلعہ بندی اور مورچہ بندی کے نئے ہنر سیکھتے تھے

اس مرتبہ وی آنا کو بچانے کے لیے جس شخص نے یورپ کے عساکر کی قیادت کی تھی وہ پولینڈ کا جان سوبسکی تھا۔ سلیمان کی پالیسی یہ رہی تھی کہ پولینڈ والوں سے صلح قائم رکھی جائے۔

جہاں تک سلطنت کے وقار کا تعلق ہے سلیمان کسی رعایت کے لیے تیار نہ تھا۔ عثمانی عسکر کا وقار وی آنا کے دوسرے اور حقیقی محاصرے کے وقت تک بہت بلند رہا۔

خود سپہ سالاری کر کے سلمان نے دو بڑے اہم کارنامے سرانجام دیے۔ دو مرتبہ وہ موسم سرما کے آغاز میں اپنی فوج کو دشمنوں کے پہاڑی علاقوں سے سلامت نکال لایا۔ ایک مرتبہ وی آنا سے قسطنطنیہ تک دوسری مرتبہ تبریز سے بغداد تک۔ ماسکو میں نپولین کو اس مشکل کام میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ خود پسپا ہوا تو اپنی فوج کو دشمن کے رحم وکرم پر چھوڑ آیا۔

ترک عسکر سے خود ایک طرح کا تضاد نمایاں ہوتا ہے۔ اس کا سپہ سالار تو مطلق العنان بادشاہ ہوتا تھا لیکن اس کا طریقہ جدید زمانے کے لحاظ سے جمہوریت پسندی کا تھا۔ فوج کے اکثر افسر نظم ونسق کے مدرسے کے فارغ التحصیل تھے فوج میں کوئی درجہ بندی نہ تھی وقت پڑتا تو معمولی سا افسر سپہ سالار کی جگہ سنبھال لیتا۔

سلطان اور اس کے افسر فوج ہی کے ساتھ گزر بسر کرتے' اور میدان جنگ میں سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتے۔ خود سلیمان نے رہوڈس' موہاکس اور وی آنا کے معرکوں میں گولیوں کی بوچھاڑ کا مقابلہ کیا۔ افسر بڑی تعداد میں مارے جاتے رواج یہ تھا کہ افسر بھی سپاہیوں کے برابر ہی برابر خطروں کا مقابلہ کرتے اور انعام واکرام

حاصل کرتے۔ نتیجہ کے طور پر افسروں اور سپاہیوں کے درمیان ایک باہمی رابطہ ایسا تھا جس کی نظیر اس زمانے میں کسی اور فوج کے نہیں ملتی۔ اس زمانے میں یورپ میں صرف اعلیٰ خاندانوں کے افراد کا ذاتی پسندیدگی کی بنا پر فوجی عہدوں پر تقرر کیا جاتا تھا یورپ کے بعض فوجی سردار ایسے بھی ہوتے تھے جنہوں نے اپنی فوج کو دیکھا تک نہ ہوتا تھا یا اگر وہ لڑائی کے شروع میں فوج میں موجود ہوتے تو اختتام سے پہلے غائب ہو جاتے۔ اس لحاظ سے الجزائر کی جنگ میں چارلس کی موجودگی استثنا کا درجہ رکھتی ہے۔ ناٹوں کے سردار ہمیشہ بنفس نفیس جنگ میں شامل ہوتے۔

سلیمان کے متعلق ایک اور روایت بڑی مقبول تھی جو حال حال تک یقین کا درجہ رکھتی تھی یہ کہ انے وسط یورپ کو فتح کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔

راجر میدی من جیسے صاحب ضمیر مورخ نے بھی 1944ء میں صاف صاف لکھا ہے کہ وی آنا میں جدید یورپ کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا وی آنا کے محاصرے کا تخیل پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اسے ٹھیک آٹھ سو سال پہلے تورکی لڑائی سیلیے کر اس وقت تک مسیحی یورپ اشیا اور افریقہ کے مسلمانوں کے براہ راست حملے کے زغے میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ توریا وی آنا میں سے کسی ایک جنگ کا فیصلہ اگر مسلمانوں کے حق میں ہوتا تو دنیا کی ساری تاریخ بدل جاتی''۔

تخیل پر تو بے شک اس کا اثر پڑتا ہے لیکن 1529ء میں سلیمان کا مقصد بودا کی تسخیر تھا جو دریائے ڈینیوب رپ ہنگری کے بڑے میدان پر آباد ہے۔ ترکی تاریخوں میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ سلیمان نے وی آنا کی تسخیر کا ارادہ کیا ہو۔

اگر سلیمان کی اپنی تحریروں کا لحاظ کیا جائے......سلیمان کی حد تک انہیں واقعی اہمیت دینا بہت ضروری ہے......تو ان میں صراحت کے ساتھ یہ بیان ملتا ہے کہ اس کا ارادہ ہرگز وی آنا پر قبضے کا نہیں تھا۔

سر چارلس اومان 1937ء میں یہی رائے دہراتا ہے ''عثمانیوں اور خاندان ہاپس برگ کی طویل کشمکش میں یورپ کے لیے سب سے زیادہ خطرے کا وقت تھا اگر وی آنا فتح ہو جاتا تو سلطان اسے سرما کا مستقر بنا لیتا اور پھر اس مرکز سے جرمنی پر یورش جاری رکھتا''۔

لیکن 1529ء میں سلطان نے ینی چیریوں کا ایک دستہ بودا کی حفاظت کے لیے اس شہر میں نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی فوجوں نے کبھی ہنگری کے میدان عظیم پر پوری طرح قبضہ نہیں جمایا تھا۔ جو اس جو منی کا آنگن تھا۔ ترک شہسوار صرف موسم سرما یلغار کرتے تھے۔ سردیوں میں وہ کیونکر جرمنی کے برف سے گھرے ہوئے پہاڑوں میں یورش کرتے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ روایت بہت وقت گزر جانے کے بعد بنی اور پھیلی ہے۔ یہ کہ مشرق کے فاتح سلطان نے اپنے شہسوار یورپ میں اس لیے بھیجے کہ وہ مغرب کے طاقتور شہنشاہ سے یورپ کا براعظم چھین لیں کیونکہ کوئی ایسا شاندار معرکہ نہیں ہوا جس کا ذکر کیا جا سکے۔ اس لیے روایت نے بجائے کسی جنگ کے اپنا سارا زور وی آنا کے واقعے پر صرف کر دیا۔ نتیجہ کے طور پر اسی روایت میں چارلس پنجم وی آنا کے کامران محافظ کے روپ میں نمودار ہوتا ہے۔ حالانکہ اس نے وی آنا کی حفاظت کے لیے صرف سات سو

ہسپانوی سواروں کا دستہ بھیجا تھا اور سلیمان کو ایک ایسے ایشیائی فاتح کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے جسے وی آنا میں پیچھے ہٹا دیا گیا ہے۔

کہانی مزیدار ہے اسے بیان کرنا مشکل نہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ کہانی سچی نہیں۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

بحری قزاقوں اور لپانٹو کی داستانیں

عرصہ ہوا کسی نے ترک بحری کپتانوں کو بحری قزاق اور ساحل بربر کے لٹیرے کہنا شروع کیا اور یہ بات چل نکلی۔ لیکن یہ سلیمان نے زمانے کی بات نہیں۔ اس زمانے میں یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے تھے اور رچرڈ نولس کی ضخیم تاریخ میں بھی آپ کو سلیمان کے امیر البحروں کا ذکر ان الفاظ میں نہیں ملے گا۔

ترکوں کے بحری سردار بحری قزاق نہیں تھے۔ ساحل بربر کے لٹیرے نہیں تھے نہ وہ الجزائر کے سمندری سردار تھے' اور نہ وہ قزاقوں کے بحری اڈوں سے نکل نکل کے چھاپے مارتے تھے۔ لیکن جدید مغربی تاریخوں میں بھی آپ کو یہ ساری اصطلاحات ملیں گی۔ اس کے علاوہ ان تاریخوں میں آپ یہ بھی مطالعہ فرمائیں گے کہ ترکوں کی بحری طاقت یا تو باربروسا کے ساتھ ختم ہوگئی یا لپانتو کی بحری جنگ کے بعد یہ دونوں مفروضات غلط ہیں۔

خیر الدین باربروسا کی اخلاقیات کا کوئی معیار نہ تھا...... اور اگر وہ چاہتا تو شاید سچ مچ بڑا ذی شکوہ بحری قزاق بن سکتا تھا۔'' ...... لیکن جب وہ سمندر میں نکلتا تو اس کے جہاز پر ایک ہی پرچم ہوتا۔ ترکوں کا قومی پرچم جو اس کے اپنے جھنڈے کے ساتھ لہراتا ہوا۔ وہ امیر البحر کے عہدے پر مامور تھا اور اسے ترک خزانے سے تنخواہ ملتی تھی۔ وہ اپنے جہاز ترک حکومت کی جنگی گودی میں تعمیر کرتا تھا اور ایک قوم ترک قوم کا علمبردار ہو کے وہ یورپ کی نصف درجن سلطنتوں یا ریاستوں کے مقابلے

میں بحری جنگ کے نقشے بناتا تھا۔

اس کے حریف اندریا دوریا کو عام طور پر تاریخوں میں مقدس سلطنت روما کا امیر البحر بتایا جاتا ہے۔لیکن دوریا بار بار اپنے پرچم بدلتا رہا۔کبھی اس سلطنت کی طرف سے لڑتا کبھ اسس سلطنت کی طرف سے۔اس کے اپنے تیرہ جہاز تھے جو کبھی جنیوا کے بیڑے میں شامل ہو جاتے کبھی فرانس کے بیڑے میں، کبھی شہنشاہی بیڑے میں اور (باربروسا کی طرح وہ بھی) مال غنیمت سے اپنا حصہ وصول کر لیتا۔

اب بتائیے بحری قزاق کون تھا خیر الدین یا باربروسا یا اندریا دوریا؟

ترکی کپتان بڑے جنگی بیڑوں کی سرداری کرتے جنہوں نے سلطنتوں کی قسمتیں بدل دیں۔ 1588ء میں مشہور ہسپانوی آرمادا کی تاریخوں میں ذکر ملتا ہے جس کو ایک قوم نے ایک اور قوم انگلستان پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا تھا لیکن اس آرماوا کی مجموعی طاقت 132 جنگی جہازوں 21621 سپاہیوں اور 8066 ملاحوں پر مشتمل تھی۔اس آرمادا کی طاقت اتنی ہی تھی جتنی شہنشاہ چارلس کے اس دوسرے آرمادا کی جو الجزائر میں نام نہاد ''بحری قزاقوں کے اڈے'' میں تباہ کر دیا گیا۔ہسپانوی آرمادا کی طاقت اس مجموعی بیڑے سے بہت کم تھی جس نے دوریا کے زیر کمان پری ویزا میں شکست کھائی۔لپانتو میں طرفین کے بیڑوں کی قوت بھی اس سے زیادہ تھی

رہ گیا لپانتو کا مشہور و معروف بحری معرکہ تو اس کی حقیقت یہ ہے۔

سلیمان اور چارلس میں جو بحری لڑائیاں شروع ہوئی تھیں وہ ان کے مرنے کے بعد بہت عرصے تک جاری رہیں۔ 1568ء میں فلپ ثانی نے یہ کوشش کی کہ اسپین

کو ایک مغربی شہنشاہی کی صورت میں وسیع کیا جائے اور اس کے لیے اس نے غرناطہ کے علاقے میں باغی مسلمانوں اور عربوں کا قتل عام شروع کیا۔

سلیم ثانی نے یا انتقامی یا محض توسیع سلطنت کے لیے ترک بیڑوں کو جزیرہ قبرص کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ سلیم احمق خود تو کسی حالت میں اپنی فوج کی قیادت کے لیے تیار نہ تھا۔ لیکن وہ بڑے اطمینان سے فوج کو کسی اور کی سرکردگی میں بحری معرکے کے لیے روانہ کر سکتا تھا۔ پیالی پاشا کا اصرار تھا کہ اناطولیہ کے جنوب میں وینس کے اس آخری مقبوضہ جزیرہ کو فتح کر لیا جائے۔ حالانکہ محمد کوسولی اس مہم کی تائید نہیں کرتا تھا۔

سلیم نے ہوشیاری سے اپنے باپ کی پیروی میں مفتی اعظم سے یہ مسئلہ پوچھا ''اگر کسی مسلمان سرزمین پر کفار کا قبضہ ہو جائے تو کیا یہ خلیفہ کا فرض نہیں کہ اسے دوبارہ تسخیر کر کے دارالسلام میں شامل کر لیا جائے؟''

اس کا جواب جو ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ ترک بیڑے نے 1570ء کے موسم گرما کے آغاز میں بڑی طاقت سے سمندر کا رخ کیا۔ لالہ مصطفےٰ کا پرانا استاد تھا' اور جس کا ہاتھ بایزید کی موت میں بھی تھا عسکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا۔

(یہ وہی زمانہ تھا کہ نوجوان فرانس ڈریک' جو سفینہ رانی میں جان ہاکنس کا شاگرد تھا' ملکہ الزبتھ کے ایک جہاز میں ایک معمولی سی خدمت پر مامور ہوا۔ اور وہ ہسپانوی ساحلوں کی جانب ایک انگریز جہاز میں روانہ ہوا تھا جس کا نام ''پاشا'' تھا تھوڑے ہی دنوں میں وہ دراگوت کے نقش قدم پر قادسیہ پر حملہ کر کے فلپ ثانی کی

پریشانیوں میں اضافہ کرنے والا تھا۔عرصہ بعد وہ وقت بھی آ گیا کہ ایک انگریز سفیر نے ''کافر'' ہسپانویوں کے مقابلے میں ترکوں میں مدد کی درخواست کی)۔

قبرص کے قلعہ فاما گوستا کی مدافعت صلیبی محاربین کے نام لیوا اطالوی تنخواہ دار سپاہی اور یونانی کرر ہے تھے۔گیارہ مہینے تک وہ لالہ مصطفےٰ کے توپخانے اور سرنگوں کے مقابلے میں اڑے رہے یہاں تک کہ اگست 1571ء میں قلعہ والے انہیں شرطوں پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہو گئے جو سلیمان کے اہل رہوڈس کو پیش کی تھیں...... کریٹ تک حفاظت سے پہنچ جانے کی اجازت اور قبرص کے باشندوں کی زندگی اور حقوق کی ضمانت ۔لیکن لالہ مصطفےٰ اور سلیمان میں بڑا فرق تھا۔جیسے ہی قلعہ کا محافظ دستہ جہازوں پر سوار ہوا اس کو پکڑ کر قید کر دیا گیا اور افسروں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

قبرص پر ترکوں کے قبضے کے ایک سال بعد ایک نوجوان مصور ال گریکو نے اس جزیرے سے بھاگ کر اسپین کا رخ کیا جہاں اس نے ان شاہکار تصویروں کی نقاشی شروع کی جن کی وجہ سے وہ آج تک زندہ جاوید ہے۔

اس درمیان میں وینس کی جمہوریت نے جو پری ویزا کی جنگ کے بعد سے ترکوں کے ساتھ امن اور فراغت سے بسر کر رہی تھی یورپ کے درباروں سے درخواست کی کہ ترکوں کے خلا ایک نئ صلیبی جنگ کا آغاز کیا جائے ۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وینس کا بیش بہا جزیرہ قبرص خطرے میں تھا۔بہت کم درباروں نے اس کی طرف توجہ دی۔اور وینس کے بحری بیڑے بڑی احتیاط سے ترک بیڑے سے دور

ہی دور رہے جس کی کمان اولوج علی کی ہاتھ میں تھی جو پہلے دراگوت کے ماتحت کام کر چکا تھا۔اور جس کو اہل یورپ اور چیالو کہتے تھے شہنشاہ میکسی میلن اہل وینس کے مذہبی جہاد کے جذبہ کو اعتبار کے قابل نہ سمجھ سکا۔

بہر حال اس وقت تک قبرص کی مدد کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔جب تک کہ اس کا آخری قلعہ فتح نہ کر لیا گیا۔اس اثناء میں اسپین میں عربوں کی نسل کا خاتمہ کر دیا گیا۔لیکن جب اسپین کی اندرونی طاقتیں ختم ہو گئیں تو اسپین کی فوجیں فلپ کے سوتیلے بھائی ڈان جان آف آسٹریا کی سرکردگی میں جو چارلس کا حرامی بیٹا تھا جمع ہوئی اوراس عظیم بحری بیڑے میں شامل ہو گئیں جو بحیرہ اڈریاٹک میں جمع ہو رہا تھا۔ اس میں 227 جہاز تھے مختلف اقسام کے۔بیس ہزار سپاہی ان پر سوار تھے۔بعض جہاز بالکل نئی ساخت کے تھے۔قبرص پر دشمن کا قبضہ ہو چکا تھا یہ جہاز کورفو کے پاس بلا کسی خاص مقصد کے لنگر انداز تھے۔

اس نئے مذہبی محاذ کے حلیفوں کے سپہ سالار آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔لیکن چھبیس سالہ ڈان جان جس کی طبیعت میں بڑا ولولہ تھا اور مہموں کو سر کرنے کا خاص سلیقہ تھا مصر ہو گیا کہ اس بیڑے کو چاہیے کہ کارنتھ کی خلیج کے قریب ترکی بیڑے کو تلاش کر کے اس کا مقابلہ کرے۔

اس طرح لے پانتو کی جنگی وقوع پذیر ہوئی جس کے مناظر وے ٹی کن اور وینس کے ڈیوک کے محلات کی دیواروں پر نقش ہیں۔

اس جنگ میں جو فتح ہوئی وہ حقیقی تھی اور ترکوں کو جو شکست نصیب ہوئی وہ فیصلہ

کن تھی۔ ترک بیڑے کے قریب قریب تمام جہاز غارت ہو گئے۔ ماہرین کا بیان ہے کہ ترک بیڑے کے جہاز جو بڑی تعداد میں تھے۔ لے پانٹو کے قصبے کے قریب آبنائے میں پھنس گئے۔ نقل و حرکت نہ کر سکے' اور یورپی بیڑے کے مقابلتاً بڑے جہازوں بھاری اسلحہ اور توپ خانے کو ان پر برتری حاصل ہوگئی۔ ترک نظم و نسق کے بہت سے اعلیٰ عہدہ دار اس جنگ میں کام آئے۔ لیکن ترک بیڑے کا میسرہ جس کی قیادت خود اولوج علی کر رہا تھا۔ نہ صرف بچ کر نکل گیا بلکہ مال غنیمت کے طور پر وینس کے ایک جہاز اور مالٹا کے گرینڈ ماسٹر کے بحری پرچم کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔

لے پانٹو ہی کی جنگ میں میخویل دے تھر وانڈسکو وہ زخم لگا۔ جس کی وجہ سے اس کا ایک بازو شل ہو گیا۔ پانچ سال تک وہ افریقہ میں ترکوں کے پاس قید رہا اور ان واقعات کا اس کی بے مثل کتاب ڈان کیخوئے کے بہت سے واقعات پر اثر پڑا ہو گا۔

لے پانٹو کی جنگ جیتی جا چکی تھی' مگر قبرص قبضے سے نکل چکا تھا۔ ڈان جان کے بیڑے کے موسم سرما میں مرمت ہوئی اور اب یہ سوال تھا کہ ترکوں کا خوفناک بحری بیڑا تو مقابلہ کرنے کے لیے باقی نہیں رہا تھا اب کیا کیا جائے؟

اہل وینس کو فلپ کی رائے سے اتفاق نہیں تھا اور فلپ دور بیٹھے بیٹھے خط و کتاب کے ذریعے تمام معاملات حل کرنا چاہتا تھا۔ ایک تجویز یہ تھی کہ شمالی افریقہ کے ساحل یا کم سے کم اس کے کچھ حصے کو دوبارہ فتح کر لینا چاہیے۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ ان جزیروں کو فتح کرنا چاہیے جو وینس کے قبضے میں تھے اور اب اس کے قبضے سے نکل چکے تھے۔

یہ بحث ہو رہی تھی کہ موسم بہار میں ایک نا قابل یقین خبر آئی کہ ترک بیڑا جو لے پانٹو میں یا تو غرق ہو چکا تھا یا پاش پاش ہو چکا تھا یا ہتھیار ڈال چکا تھا۔ اب پھر درہ دانیال سے باہر بر آمد ہو رہا ہے وہ یورپی بیڑے کی طرف آ رہا ہے تا کہ نئے سرے سے ایک اور بحری جنگ لڑے۔

بہت کم ایسا اتفاق ہوا ہوگا کہ کسی جنگی مجلس مشاورات کو ایسی انوکھی خبر ملی ہو۔

واقعہ جو پیش آیا یہ تھا۔ اولوج علی سینتالیس جہاز بچا لایا تھا۔ پیالی پاشا نے جو خود تو اتنا ضعیف ہو گیا تھا کہ سمندر کا رخ نہیں کر سکتا تھا' اندرونی سمندروں سے سارے کار آمد جہاز ڈھونڈ نکالے سب سے بڑھ کر یہ کہ محمد کولسولی نے حکم دیا کہ ایک سو اسی نئے جنگی جہاز اپریل اور اکتوبر کے درمیان تیار اور مسلح کیے جائیں اور اس قابل ہو جائیں کہ سمندر میں نکل سکیں۔

دن رات محنت کر کے شاخ زریں میں اس حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ ینی چیریوں سپاہیوں اور تیماریوں کو اس بیڑے کی ملاحی کے لیے بھرتی کیا گیا۔ اور اولوج علی کو کپتان پاشا مقرر کر کے اس بیڑے کو روانہ کیا گیا' اس کے ساتھ ایک سو ساٹھ جہاز تھے۔

یہ بیڑا معمولی درجہ کا تھا' اس کے سپاہی ملاحی کا ہنر نہیں جانتے تھے۔ یہ اسی قسم کا بیڑا تھا جس کو جمع کرنے کے بارے میں باربروسا ہمیشہ ڈرتا اور کتراتا تھا۔ لیکن دیکھنے میں یہ بیڑا شاندار معلوم ہوتا تھا اور بہر حال اسنے اپنا سفر جاری رکھا۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کی تصویریں آپ کو اطالوی محلوں کی دیواروں پر

نقش نہیں ملیں گی۔

گرمیاں آئیں اور یہ ترکی بیڑا جو از سر نو زندہ ہو گیا تھا سمندر میں اڑ رہا وینس کا نیا امیر البحر...... جو اس امیر البحر کا جانشین تھا جس کے اور ڈان جان کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے تھے...... ہسپانوی بیڑے کا انتظار کرتا رہا جو بہر حال نہ آیا اس کے اپنے مقابلے میں ترک بہت طاقتور تھے۔ اور وہ اکیلا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

بالآخر بہت تعویق کے بعد فلپ نے احکامات جاری کیے اور ڈان جان میدان میں آیا۔ اس وقت یورپ کے بیڑے پر دو سو جہاز تھے۔ مگر اب اولوج علی کا کہیں پتا نہ تھا۔ وہ اہل یورپ کی تفتیش کی کشتیوں کے پاس چپکے سے نکل آیا تھا۔ اور لے پانٹو کے جنوب میں مودون کی قلعہ بند بندرگاہ میں حفاظت سے پناہ گزین تھا۔ اس کے خستہ جہاز بندرگاہ میں محفوظ تھے اور یہاں ایک ترک فوج کو اس نے مدافعت کے لیے طلب کیا تھا۔

اب ڈان جان شش و پنج کے عالم میں تھا۔ وہ سمندر کے راستے کسی علاقے پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ ترک بیڑا اسکے عقب میں محفوظ تھا۔ نہ وہ اس کی ہمت کر سکتا تھا اس قلعہ بند بندرگاہ پر دھاوا کرے پھر سے پری ویزا کا نقشہ بن گیا تھا ہسپانوی سپاہی پارما کے ایسند روفارنیزے (جو مغرب میں جنرل کی حیثیت سے بہت مشہور تھا) کی سرکردگی میں اترے تاکہ اولوج علی کا مقابلہ کر سکیں لیکن ترک فوج نے پارما کو روکے رکھا' ارو جب جاڑے آ گئے تو آکے ڈان جان واپس سسلی چلا گیا

اور اہل وینس پسپا ہو کر اڈریا ٹک آ گئے۔

تب اولوج علی اپجنا پر یتوں جیسا بیڑا درہ دانیال واپس لے گیا۔ اس کے ملاح بیمار تھے۔ یہاں اس نے چاہا کہ اگلے موسم کے لیے بیڑے کی مرمت کرے اس وقت سارے بحیرہ روم میں اس سے زیادہ کوئی شخص اپنی تقدیر پر خوش اور نازاں نہ تھا۔

☆☆☆

ساحل بربر

شاید ہی تاریخ میں کوئی اور دھمکی ایسی نتیجہ خیز ثابت ہوئی ہو جیسے اولوج علی کی یہ پیش قدمی تھی ۔وہ دوبارہ لے پانٹو کی جنگ تو نہیں جیت سکتا تھا دول سال تک بحیرہ روم میں اہل یورپ کو برتری حاصل رہی ۔لیکن وہ کوئی علاقہ فتح نہ کر سکے ۔ باربروسا کی یاد اور ترک بیڑے کا خوف جو شاید پھر باربروسا کے بیڑیوں کی طرح ہیبت ناک ثابت ہوا۔اہل یورپ کے جنگی مشوروں پر کابوس کی طرح حاوی تھا۔ایک ہوشیار مورخ نے اس امر کو اس طرح بیان کیا ''لے پانٹو کے بعد سے ہسپانویوں اور ترکوں دونوں کے زوال کا آغاز ہوتا ہے''۔

ہسپانوی افریقہ کے ساحل پر ترکوں کے مقبوضات کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اہل وینس ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے کیونکہ ہسپانوی اس پر رضامند نہیں تھے کہ قبرص کو ترکوں سے چھین کر پھر اہل وینس کے حوالے کر دیا جائے ۔ جب اولوج علی دوسری بار ایسے بیڑے کے ساتھ نمودار ہوا جو آسانی سے نقل و حرکت کر سکتا تھا تو ترکوں نے اس اتحاد عظیم کو توڑ کے سرائے باب عالی سے صلح کی درخواست کی ۔ سوکولی نے ان کی ہمت افزائی نہ کی اس کے سفیر اس موقع کو مضحکہ خیز جان کر ہنس پڑے اور انہوں نے وینس کی سینوری سفیر سے کہا ''قبرص کا کھلونا ایسا ہے جیسے کسی کا بازو ہاتھ ٹوٹ جائے ۔اور ٹوٹا ہوا ہاتھ پھر سے جڑ نہیں سکتا۔ ہمارے لیے لے پانٹو کی شکست ایسی ہے جیسے کسی کی ڈاڑھی مونڈ دی جائے ڈاڑھی پھر سے باقی رہ جاتی

ہے''۔

اہل وینس کو ڈر تھا کہ کہیں کریٹ بھی ان کے قبضے سے نہ نکل جائے۔انہوں نے صلح کی ویسی ہی شرائط منظور کر لیں جیسے پری ویزا کی جنگ کے بعد انہوں نے منظور کی تھیں انہوں نے تاوان جنگ ادا کیا اور کچھ اور علاقہ ترکوں کے حوالے کر دیا۔

اس اتحاد عظیم کے دوسرے ساتھی اسپین کو بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ڈان جان نے ایک بہت بڑے بیڑے کے ساتھ تونس کی بندرگاہ اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔تونس افریقہ اور مالٹا اور سسلی کے پل کا آخری گوشہ ہے۔لیکن فلپ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اس کا سوتیلا بھائی بڑا طاقتور ہوتا جا رہا ہے اور اس کے حوصلے بلند ہو رہے ہیں اس نے تونس کی کوئی کمک یا امداد نہ بھیجی۔اگلے سال 1574ء میں اولوج علی اور صنعانپاشا نے پھر سے تونس پر قبضہ کر لیا اور گرفتار ہسپانوی افسروں کی ایک کھیپ حسب معمول سرائے باب علی کو روانہ کر دی۔

فلپ اب ہالینڈ کے بحری بھک منگوں اور انگلستان کے پروٹسٹنٹ قزاقوں سے جنگ میں گرفتار ہوا تھا اس نے شمالی افریقہ کا ساحل ترکوں کے حوالے کر دیا یہ بھی تو ایک ٹوٹا ہوا ہاتھ تھا جس کا پھر سے جڑ جانا ممکن نہ تھا۔

لیکن بدرجہ مجبوری وہ جبل الطارق میں ڈٹا رہا اس طرح ہسپانوی اثر اور ہسپانوی جنگی ساز و سامان کا مقابلہ مراکش اور ریف کے مسلمانوں سے شروع ہوا لیکن راس ماٹا پان کے مشرق میں ترک بیڑوں کی سرگرمی جاری رہی اگلی صدی کے وسط میں سوکولی کی دھمکی پوری ہوئی اور ترکوں نے کریٹ (اقریطش) پر قبضہ کر لیا۔اس

جزیرے کے باشندوں کو ترکوں کی حکومت اہل وینس کے مقابلے میں زیادہ خوش آئند معلوم ہوئی۔ ترک وزیروں میں سے ایک عظیم شخصیت نے جو کوپرولو خاندان سے تھا کریٹ پر قبضے کی تکمیل کی اور سودا کی خلیج میں اہل وینس کو کچھ مراعات دیں۔ اب اہل وینس کی قوت بہت ڈھل گئی تھی۔

سلیمان اور باربروسا کے درمیان بحری محاربات کی جو تجویزیں منظور ہوئی تھیں۔ ان کی تکمیل ایک سو بیس سال تک ہوتی رہی اور ترک بیڑے سمدروں میں اس کو عملی جامہ پہناتے رہے۔ ان کے خلاف اہل یورپ نے بڑے بھاری بیڑے بھیجے جو کبھی کامیاب ہوئے کبھی ناکام مگر کسی مسلم علاقے کو زیادہ عرصہ تک اپنے قبضے میں نہ رکھ سکے۔

اس درمیان میں مغرب کی ترک بندرگاہوں پر ایک اور طرح کی افتاد بڑھنے لگی۔ اب درہ دانیال سے نئے نئے بیڑے وہاں مسلح ہو کر نہیں پہنچ رہے تھے 1659ء میں انہیں دور افتادہ صوبوں کے مراکز تصور کر کے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ اور ترک بیلر بے واپس بلا لیے گئے۔ ساحلی تجارت اور کشتی رانی کی نگرانی مقامی رئیس کی ذمہ داری بن گئی تھی۔ بندرگاہوں میں یہ روٴسا آرام دہ محلوں میں رہتے انہیں خودمختاری حاصل تھی اور ان بحری سرداروں کا ایک گروہ بڑا عجیب و غریب تھا۔ الجزائر بوخے یا اور تونس کے رئیس جس طرح چاہتے رہتے بڑے خدام و حشم کے ساتھ اور کوئی ان سے پوچھ گچھ کرنے والا نہ تھا۔

ان رئیسوں اور سرائے باب عالی کا رشتہ دن بدن کمزور ہوتا گیا خاص طور پر

الجزائر میں جہاں تجارت فروغ پر تھی اور بحری قزاقی کا اب ایک نیا شعلہ بن گئی تھی۔ جہاں وہ بڑا مضبوط قلعہ تھا جس کے پاس چارلس نے مورچہ بندی کی تھی۔ وہاں الجزائروں کی برادری میں بہت سے لوگ بحیرہ روم کے شمالی ساحلوں سے بھاگ بھاگ کر پناہ گزین ہوئے پہلے تو ان میں اہل سسلی اہل جنیوا اور اہل نیپلز شامل تھے۔ پھر ان میں بعض ہسپانوی بھی آن ملے دو ایک انگریز تھے۔ یہ وہ گروہ تھا جو ساحل بربر کے بحری قزاقوں کے نام سے مشہور ہوا۔

اس درمیان میں یورپ میں جنگی جہاز بننے لگے تھے جن پر بھاری توپ خانہ نصب ہوتا اور ان کے ساتھ دوہرے عرشے والی کشتیاں بننے لگی تھیں جب انگریزوں فرانسیسیوں اور ولندیزیوں کے بھاری جنگی جہاز بحیرہ روم سے ہو کر گزرتے تو شمالی افریقہ کے بحری رئیسوں کی ہمت نہ ہوتی کہ ان کے مقابلے میں نکل سکیں اس کے مقابلے میں الجزائریوں نے بحری قزاقی کے لیے ہلکی پھلکی تیز رفتار کشتیاں تیار کرنی شروع کر دیں جو تیزی سے ان جنگی جہازوں سے بچ کر نکل جاتیں او تجارتی جہازوں اور چھوٹی موٹی کشتیوں پر غالب آ جاتیں۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کے جنگی بیڑے الجزائر' طرابلس اور تونس سے محو ہو چکے تھے۔ اور ان کی جگہ قزاقی کی بے شمار کشتیوں کا فروغ رہا۔ لیکن ان کشتیوں کے مالکوں کا ترکان عثمانیہ سے بجز اس کے کوئی سروکار نہ تھا کہ وہ زوال پذیر سلاطین کو برائے نام اپنا آقا مانتے تھے۔

جب افریقہ کے مغربی ساحل پر یہ انقلاب آیا اسی زمانے میں بحیرہ روم کے

مشرقی نصف حصہ سے ترک فوج غائب ہوگئی۔ اب نئے جہاز نہیں بنتے تھے اور اہل یورپ کی نئی توپوں اور جنگی جہازوں کا مقابلہ کرسکیں۔ خود ترکوں میں یہ مثل عام ہوگئی تھی کہ کپتان یا شاعورتوں کی طرح کشیدہ کاری کرنے لگے ہیں۔

پال ری کو نے اس کی شہادت دی ہے کہ ترکوں کو جب اس کی امید نہیں رہی کہ وہ سمندر میں عیسائی بیڑوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور بحری لڑائی میں مقاومت کر سکتے ہیں تو انہوں نے ہلکی پھلکی کشتیاں بنانی شروع کر دیں۔ تا کہ عیسائی ساحلوں پر قتل و غارت کر کے آسانی سے نکل بھاگیں۔ ان ہلکی کشتیوں کے ذریعے وہ کریٹ اور دوسرے نئے مقبوضات سپاہیوں سامان رسد اور سامان جنگ کی کمک پہنچاتے ہیں۔ ترک سمندری معاملات کا بڑی بے دلی سے ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے سمندر عیسائیوں کے سپرد کر دیا ہے اور زمین ہمارے حوالے کر دی ہے''۔

یہ مایوسی تقدیر پرستی اور لوٹ مال کی لالچ شاخ زریں پر بھی حاوی ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

سلیمان اور اوان خونخوار

مرکز سرائے کے مشرق میں جو کچھ پیش آ رہا تھا وہ اس سے بہت مختلف تھا سلیمان نے اپنے آپ کو سلطان البحرین کے لقب کا مستحق بنا لیا تھا۔مشرق میں قرا دنیز یا بحیرہ اسود تھا جو عرصہ سے ایک ترکی جھیل بن چکا تھا۔سلطان کی حکومت دریائے ڈینیوب تک اور پھر اس کی اوپر سے چراگاہوں میں سمندر کے شمال میں ایک قوس کی شکل میں کوہ قفقاز کی فلک پیما بلندیوں تک پھیلی ہوئی تھی اس قوم کا حسن حسین قدرتی طور پر کریمیا کا علاقہ تھا۔

بعد میں جو کچھ واقعات پیش آ ان کا مرکز ڈینیوب جزیرہ نمائے کریمیا اور قفقاز کے پہاڑ تھے۔اہل ماسکو کی یہ کوشش تھی کہ وہ بحیرہ اسود کو ترکوں کے قبضے سے چھین لیں۔

سلیمان نے اپنی زندگی میں بڑے اطمینان سے ڈینیوب کی چراگاہوں کا سفر کیا جو علاقہ اس زمانے میں یدلسان کہلاتا تھا۔یہ زرخیز چراگاہیں جن پر دراصل کسی کا راج نہ تھا جن کو لعل ماسکو وحشی زمین کہتے تھے ان کی طرف سے اس زمانے میں جب سلیمان زندہ تھا ماسکو کا زار اوان خونخوار بھی اپنے کریملن کے قلعے سے نکل کر آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

سلطان نے اپنی سلطنت کی حد بندی کر دی تھی۔ان سرحدوں کے اندر اس نے اپنی رعایا کے لیے قوانین وضع کیے تھے۔ترکوں کی تعلیم و تربیت اہل ماسکو کے

مقابلے میں بہت بلند و برتر تھی ۔لیکن زار ماسکو رکی قرون وسطیٰ کی شہری سلطنت کی حدود سے باہر نکل کے دوسری قوم کو مطیع کر رہا تھا اور روس کی سلطنت عظیم کی تعمیر کا آغاز کر رہا تھا۔

سلیمان اور اوان خونخوار کی حیثیتوں میں بعض مشابہتیں ہیں اور بعض اختلافات دونوں مطلق العنان مشرقی حکمران تھے ۔ دونوں کی اصلی قومیں دراصل مختصر مرکزی قومیں تھیں عثمانی ترک اور اصلی رسی اور ان قوموں نے اور بہت سی قوموں پر تسلط جما رکھا تھا قیصر روم (سلطان) اور روما ئے ثالث کے زار' دونوں کو بازنطینی شہنشاہوں کی جانشینی کا دعویٰ تھا دونوں کی رگوں میں بازنطینی شہزادیوں کا خون تھا۔ دونوں مشرق اور مغرب کے سنگم پر تھے ۔اور اپنی رعایا کو مغرب کی طرف مائل کرنا چاہتے تھے دونوں کی رعایا پرانی روایات کی پابند تھی

اب رہے اختلافات سلیمان کی خاندانی روایات فوج کی سرداری تھی ۔اور وہ اس سے ہٹنے کی کوشش کرتا رہا۔اوان کے سلاف فوجی روایات کے پابند نہ تھے لیکن اس کو فوجی سردار بننا پڑا اور اس کی اپنی قوم کو جنگجو بنایا۔ مقابلتاً اوان میں ایشیائیت زیادہ تھی ۔اس کے آباؤ اجداد ڈھائی صدی سے تاتاریوں اور مشرقی اثرات کے غلام رہے تھے ۔

اگر سلیمان کی حکومت بحیرہ روم کے شمال کی چراگاہوں کے تاتاریوں پر جو عہد قدیم سے طاقتور تاتاران زریں خلیل کے نام لیوا تھے ایک حد تک برائے نام تھی ۔تو مشرقی چراگاہوں پر رہنے والے قوموں سے اوان خونخوار کا تعلق بھی ہلکا تھا۔ ان

قوموں میں طاقتور نوگائی ازبک کرغیز اور دولگا کے تاتار شامل تھے جوترکی بولتے تھےاور مذہباً مسلما ن تھے۔

سلیمان سیر کرتے کرتے یے وی سان کی خشک چراگاہوں میں ترکوں کے مشرقی وطن کے قریب قریب آ نکلا تھا۔یہیں سے اس کی قوم آئی تھی ۔اوراب بھی جذبات اور مذہب کے تعلق سے اسے اس علاقے سے وابستگی تھی۔

سلیمان کے اس تعلق کی وجہ سے اوراس وجہ سے کہ بحیرہ اسود کے ساحل رپ اس کی حکومت اور طاقت کابڑا اثر تھااوان اوراس کی ماسکو کی فوجوں نے بالٹک کے شمالی سمندر کارخ کیا۔ اس کے بعد سے بالٹک اور بحیرہ اسود دونوں روسی زادوں کے لیے جواب محض ماسکو کا حکمران نہ رہے تھے بڑی اصلی منزلیں بن گئے تھےاور اکثر زار ٹھٹکتے رہے کہ انہیں کس سمندر پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

سلیمان کے جانشینوں کواس کا صدمہ اور بڑی مایوسی تھی کہ وہ پھر سے استراخان (ات ترخان ۹ کوروسیوں سے واپس نہیں چھین سکتے یہ ایک پرانا ترکی کا شہر تھا۔جو بحیرہ خزر پر عظیم الشان دریائے دولگا کے دہانے پر آباد تھی۔روسیوں نے اس پر آسانی سے قبضہ کرلیا تھااوراس کے بعد مشرق سے ان کی تجارت کے لیے دریائے دولگا کی حیثیت شہ رگ کی سی ہوگئی۔

لیکن بحیرہ اسود میں یہ صورت حال پیش نہیں آئی۔ یہاں ترکان عثمان جمے رہے۔یہ ان کی میراث کاایک حصہ تھا۔اس کاپانی مرکزسرائے کوچھوکر گزرتا تھا۔وہ اس بحیرہ اسود پر جمے رہے لیکن اس کے شمال کی چراگاہوں پر انہون نے اپنا تسلط

آہستہ آہستہ ڈھیلا کر دیا اس معاملے میں ان کی حکمت عملی بحیرہ روم کے برعکس رہی۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ محض قومی خودداری نہیں تھی اس کی تہہ میں ترکوں کی کوئی قومی حیثیت ہے جو مورخوں کی سمجھ میں آسانی سے نہیں آتی۔

☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ترک بحیرہ اسود پر جمے رہے

سلطان سلیمان کے عہد حکومت کے سو سال بعد یہ وی سان کی یہ چرا گاہیں سرحد بن گئیں۔ جس کی ایک طرف یوکرین تھا۔ جہاں بھانت بھانت کی قومیں کالی زمین کی زرخیز چراگاہوں پر آباد ہونے کے لیے جمع ہو رہی تھیں۔ ان میں وہ بھاگے ہوئے نوکر اور غلام تھے جو زار کی حکومت کے جبر اور غلامی سے پناہ لینے بھاگ کھڑے ہوئے تھے آوارہ مزاج پول تھے کچھ جرمن بھی تھے مگر یہاں کے رہنے والے اصل میں کریمیا کے بچے کھچے تاتاری اور نوگیا تھے اور ان میں جوق در جوق کوساک قبیلے کے آ آ کے ملتے جا رہے تھے۔ یہ کوساک تین دریاؤں کے کنارے کنارے بڑھ رہے تھے ایک تو دریائے کوبان جو قفقاز کی بلندیوں کے پیچھے ہے دوسرے ڈان اور تیسرے نیپر۔

یہ روسی کسان تھے جو شمال کی نیم بنجر زمینوں میں جبر و استبداد سے بچنے کے لیے ان وحشی لیکن زرخیز سرزمینوں کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ یہاں انہوں نے کاشتکاری اور مویشیوں کی دیکھ بھال شروع کی اور زمین کا نقشہ بدل دیا۔

یوکرین کے باشندے بھی کریمیا اور قفقاز کی پرانی پناہ گاہوں کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

ڈان کے لڑنے بھڑنے والے کوساکوں کا دعویٰ تھا کہ دریا کے ساحلی علاقے کو انہوں نے بدل کے پناہ گاہ بنا لیا ہے۔ ان میں یہ ضرب المثل عام تھی ''زار کی

حکومت ماسکو میں اور کوساک کی ڈان پر ''یوکرین کے اس معجون مرکب میں سرحد کے کوساک کے نیم تارتاری بن گئے تھے۔لیکن وہ ماسکو کے قدیم عیسائی مذہب پر راسخ رہے۔ بالآ کر اسی مذہبی تعلق کی وجہ سے انہوں نے فی کو کی اطاعت قبول کر لی۔

اپنے عروج کے زمانے میں کوساک لشکر کشتیوں پر سوار ہو کے سمندر کا رخ کرتے ترک بندرگاہوں میں لوٹ مار کرنے اور قسطنطنیہ کی جنگی کشتیوں کا مقابلہ کرتے ۔تاتاریوں اور یوکری نوآبادیوں کے ساتھ مل کر انہوں نے روسیوں کے فوجی راج کے خلاف بغاوت کی ان سرحدی بغاوتوں کا ڈھب ایک ہی ہوتا کوئی بہادر کوساک سردار اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی روسی سرحدی قصبے پر حملہ کرتا۔ خمیل نسکی نے پولی سرداروں ک مقابلے میں دریائے نیپر کے کنارے اوپر کی طرف چڑھ کر یورش کی۔ایک عرصہ تک اور کوساک اسٹیکا رازن کی دولگا پر حکومت رہی اور اس کی کشتیوں بحیرہ خزر تک سفر کرتی تھیں۔ان بغاوتوں کا انجام بھی ایک سا ہوتا۔طاقتور روسی فوج غیر منظم یوکرینیوں پر حملہ کر کے انہیں تتر بتر کر دیتی اور سختی سے بغاوت فرو کرتی۔

اکثر یہ پناہ گزی روسی فوج کے آگے بھاگ کر نیپر کے کنارے کنارے ترکی ی وی سان میں پناہ لیتے۔ایک مرتبہ تو نیپر کے کوساکوں نے ایک اہت بڑے گروہ نے ترک علاقے کی طرف ہجرت کی:

ماسکو کی اس مدام بڑھتی ہوئی فوجی طاقت نے بہت آہستہ آہستہ خالی چراگاہوں

ک اس پار ترک سمندر کی طرف قدم اٹھایا۔ ماسکو نے پہلے تو مسلح مہاجرین ہی پر بھروسا کیا کہ یہ پہلے ان چراگاہوں کے باشندوں کے درمیان اپنے قدم جما لیں پہلے ایک گاؤں آباد ہوتا پھر ایک فوجی دستہ ان کی حفاظت کے لیے تعینات کیا جاتا ان زراعت پیشہ مہاجرین کے پاس جدید ساخت کے اسلحہ تھے اور اس وجہ سے انہیں ان چراگاہوں کے باشندوں خواہ وہ تاتاری ہوں یا کساک یا ترک سب پر فوقیت حاصل تھی۔

سلاطین عثمانیہ ان چراگاہوں میں اپنی فوجیں بھیجتے بھیجتے عاجز آ چکے تھے۔ لیکن وہ دریاؤں کے دہانوں پر اپنے قدم جمائے رہے کیونکہ یہیں پر بردہ فروش تاجر اب بھی روسی آبادیوں اور قفقاز سے قیدیوں کو لا لا کے فروخت کیا کرتے تھے۔ ابھی تک ماسکو کی اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ قسطنطنیہ کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کر کے قوت آزمائی کرتے۔ جب 1637ء میں ڈان کے کوساکوں نے ترکوں سے اوزوف کا قلعہ چھین لیا تو ماسکو نے اسے پھر سے ترکوں کے سپرد کر دیا اور کوساک اس پر بہت ناخوش ہوئے۔

اس وقت تک اصلی مقابلہ حکومت کے دو مختلف طریقوں میں تھا۔ ترکوں کی حکومت کی بنیاد رواداری اور انفرادی زندگی میں نظم و ضبط پر تھی۔ ماسکو کی حکومت میں جارحانہ جبر و استحصال پر قائم تھی۔ ترکوں کی جیت یہ تھی کہ قبیلے آ آ کے ان کی عملداری میں آباد ہوتے تھے ماسکو کی حکومت تلوار کے زور پر پھیل رہی تھی۔ لیکن سرحدوں پر طاقت کا توازن بدل رہا تھا۔ ترکوں کی تبلیغ اسلام کی تحریک میں پہلے جیسا جوش و

خروش نہ رہا تھا۔ سرائے باب عالی میں جب افراتفری مچی تو سلطانوں کی راہ نمائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عیسائی ملتوں خاص کر سربیوں میں مقاومت بڑھنے لگی اور انہوں نے روسیوں سے مدد طلب کرنی شروع کی۔

1670ء میں روسیوں کی عسکری طاقت پہلی بار ترکوں کے برابر ہو گئی۔ یوکرین میں غلے کی پیداوار اور دریاؤں کے راستے تجارت کی وجہ سے روسیوں نے بجائے بالٹک کے بحیرہ اسود کی طرف زیادہ توجہ دینی شروع کی۔ روسی فوجوں نے چراگاہوں میں پیش قدمی کی اور بری طرح پسپا ہو کے واپس لوٹیں ان کا بیان تھا کہ بڑے پراسرار دشمنوں نے ان پر حملہ کیا چراگاہوں کی خشک گھاس جلا دی کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا تھا اور دشمنوں کے شہسوار چھپ چھپ کر انہیں پریشان کرتے تھے۔

واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک زار پیٹر الیکسوبچ (پیٹر اعظم نے یہ جنگی تجربہ کیا کہ ڈان میں جہاز تعمیر کیے اور ترک بندرگاہ اوزوف پر حملہ کیا۔ اس پہلے حملے کے بعد وہ ناکام ہو کر واپس لوٹا۔ دوسرے سال ضدی پیٹر نے پھر ڈان کا سفر کیا اور کوساکوں کی مدد سے اوزوف کا قلعہ سر کیا لیکن اس پر وہ اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکا۔

ترکوں نے اوزوف پر دوبارہ کیونکر قبضہ کیا؟ تاریخ خاموش ہے ہوا یہ کہ پیٹر کے دور آخر کا سب سے بڑا حریف سویڈن کا چارلس دوازدہم پولٹاوا میں شکست کھانے کے بعد ترک علاقے میں پناہ گزیں ہوا۔ ترکوں نے مال اور فوج سے اس کی مدد کی۔

کچھ ہی عرصہ بعد زار پیٹر نے اپنی اس فوج کے ساتھ جس نے پولٹاوا کی جنگ جیتی تھی دریائے نیپر کے کنارے کنارے ترکی کا رخ کیا۔ پیٹر نے دریائے سنٹر کو

بھی عبور کر لیا لیکن دیکھا کہ خلاف توقع عیسائیوں کے مسلح دستے اس کی کمک کے لیے نہیں پہنچ رہے ہیں رسد کا سامان ختم ہو گیا تاتاری اور ترک سواروں نے اس کی واپسی کا راستہ کاٹ دیا اور دریاؤں سے اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ جب عثمانیوں کی بندوق بند فوج کے آکے روسی فوج کو گھیر لیا تو دریائے برتھ کے قریب ان کے چاروں طرف مورچے بنا لیے تو پیٹر نے اپنی ساری فوج سمیت اور انے ساتھ کی عورتوں سمیت ہتھیار ڈال دیے۔

وزیر بالتاجی محمد کو زر کثیر بطور تاوان جنگ دکر اس نے اپنے آپ کو اور اپنی فوج کو آزاد کرا لیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اوزوف اور ترکوں کے حوالے کر دے دریا کے دہانے پر تمام روسی قلعوں کو مسمار کر دے۔ اور چارلس کو حفاظت کے ساتھ سویڈن پہنچنے کی ضمانت دے۔

وزیر پر اس تاوان جنگ کو قبول کرنے کے باعث رشوت ستانی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اور اس پر بڑی لعن طعن کی جاتی ہے لیکن اس طرح ترکوں نے ایک پناہ گزین تاجدار اور ایک قیدی شہنشاہ سے چھٹکارا پایا۔ اور اپنی محبوب بندرگاہ دوبارہ حاصل کی۔ پیٹر نے بہت عرصے سے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا لیکن بالآخر اسے پورا کرنا ہی پڑا۔

اس عظیم الشان ار نے بحیرہ اسود پر قبضے کی چوتھی بار کوشش کی اور کوہستان قفقاز کی خاکنائے کے سرے تک اپنی فوجیں لے گیا اسے توقع تھی کہ وہ ترک آزر بائیجان سے درانہ گزرتا ہوا ایران کے امیر ملک پر قبضہ کر لے۔ لیکن اس مرتبہ پھر

بدنصیب پیٹر کو بدقسمتی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کا رسد کا بیڑہ بحیرہ خزر میں ٹکرا کے ڈوب گیا۔ قحط سالی کا سامنا تھا اور پہاڑی مسلمان خاص طور پر چرکس اس کا ناک میں دم کرنے لگے وہ اس پار نہ پہنچ سکا اور اپنی فوج واپس لے گیا۔ اس طرح کوہستان قفقاز کے محاصرے کا آغاز ہوا جس کا سلسلہ ایک صدی تک جاری رہا۔

☆☆☆

''بے سر'' روسی

بحیرہ اسود کے ساحل کی شمالی قوس پر اس شدید مزاحمت کے بعد روسیوں نے پھر بالٹک کا رخ کیا جسے پیٹر مغرب کی کھڑکی کہا کرتا تھا۔ یہاں اس نے پیٹرس برگ کا نیا شہر آباد کیا جس کی وجہ سے روسی دربار باٹ کے کنارے پر مرکوز ہو گیا اور اس پر وشیا کا اثر حاوی ہو گیا۔

لیکن اب بھی روسیوں کا ایک بہت بڑا مقصد یہ تھا کہ ان دریاؤں پر جو بحیرہ اسود میں گرتے ہیں ترکی تسلط کا خاتمہ کریں اور ان کی فوجیں جارحانہ پیش قدمی کر کے چراگاہوں کی اس قوس پر لڑتی رہیں۔ کاؤنٹ میونچ قومی ہیرو اور سواروف اور کوٹوزوف (جس نے نپولین کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی) کی سرکردگی میں کوبان سے لیے کرنیسٹر تک انہوں نے دریاؤں کے دہانوں سے ترکوں کو ہٹا دیا لیکن ان سرکاری فتوحات کے باوجود کسی نہ کسی طرح ترک ان ساحلوں پر جمے رہے روسی سپاہ کہتے ہیں کہ ''ترک خودرو درختوں کی طرح اگتے ہیں مگر ہمارے سپاہی بھی ایسے ہیں کہ اگر انکے سر کاٹ دیے جائیں تو تب بھی وہ بے سر میدان میں جمے رہیں''

اگرچہ شمالی ساحلوں پر روسیون کا قبضہ ہو گیا لیکن 1739ء میں معاہدہ بلگراڈ میں انہوں نے یہ شرط مان لی لکہ ان کا کوئی جہاز بحیرہ اوزوف یا بحیرہ اسود میں داخل نہ ہو گا۔

اگر چہ کہ ملکہ معظمہ کیتھرین کی طاقتور فوجوں نے بندرگاہ سباسٹوپول سمیت سارے کریمیا پر 1783ء میں قبضہ کرلیا اور پوٹیمکن کا جلوس بڑی شان وشوکت سے تاتاریوں کے وطن میں نکالیکن 1789ء تک سواروف کوقریب ہی دریائے نیپر کے دہانے پرترکوں سے لڑنا پڑ رہا تھا۔ یہاں ایک روسی بحری بیڑے کی قیادت میں جان پال جونسکر رہا تھا۔ جس نے کچھ عرصہ کے لیے کیتھرین کی نوکری کر لی تھی۔ اوراس کا اسے ساری عمر افسوس رہا۔ پال جونس کوترک کپتان پاشا اور ساحل بربر کے قزاقوں کے مقابلے میں فتح حاصل ہوئی لیکن بہت سخت مقابلے کے بعد۔ اس فتح کے بعد پرشیااوروس کے افسروں کوتو بہت انعامات ملے لیکن جونس کوساحل پرنوکری کرنے کے لیے بالٹک کے علاقے میں بلالیا گیا۔

لیکن ترک ابھی تک سمندر پر جمے ہوئے تھے۔

پوٹیمکن نے خاص طور پر ایک شہر خرسون دریائے نیپر کے کنارے آباد کیا۔ 1793ء میں بحیرہ اسود کے ساحل پر پہلا خالص روسی شہر اوڈیسہ تعمیر نہ ہو سکا۔ جو دریائے مینسٹر کے کنارے پرتھا۔ شروع شروع میں اوڈیسہ کی آبادی باہر کے ملکوں کے باشندوں پرمشتمل تھی۔ جب نپولین نے مشرقی یورپ کوتہ وبالا کر دیا تب کہیں جا کر روسی دریائے مینسٹر کی سرحد کوتوڑ کے بلقان کے علاقے میں دریائے ڈینیوب کے کنارے تک پہلی بار پہنچ سکے۔

اس پار قفقاز کی سرحد اور بھی زیادہ ناقابل عبور ثابت ہوئی۔ یہاں پہاڑی مسلمان جہاد کے جوش میں بہت ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ ایک زمانے

میں شامل ان کا نامور سردار تھا جس کو ترکوں سے برابر امداد ملتی پہنچتی تھی۔ یہاں تو راستہ توپوں کے زور سے صاف کرنا پڑا تب کہیں روسی فوجیں آزربائیجان اور باکو سے ہوتی ہوئی ایران کی سرحد تک پہنچ سکیں۔ اور دونوں سمندروں کے درمیان کی اس پہاڑی خاکنائے کو عبور کر پائیں۔ 1864ء میں وہ چرکس قبیلے جو قفقاز کی بلندیوں پر روسیوں کا راستہ روک رہے تھے ہجرت کر کے ترک علاقے میں آ گئے۔

اب یورپ کی دوری قوموں کی طرح روسی بھی ترکی کو یورپ کا مرد بیمار کہنے لگے تھے۔ لیکن یہ مرد بیمار بحیرہ اسود کے کنارے اڑا رہا۔ جنگ کریمیا میں ترکوں نے فرانسیسی اور انگریز حلیفوں کے ساتھ سباسٹوپول پر حملہ کیا۔ دوسرے سرے پر 1878ء تک وہ باطوم کی بندرگاہ پر جمے رہے۔

سلیمان کے چارسو سال بعد آج بھی بحیرہ اسود ترکوں اور اشتمالی روس کے درمیان آدھا آدھا بٹا ہوا ہے۔ آذربائیجان کا وہ علاقہ جس پر ترکوں کی حکومت تھی آج بھی اچھی طرح سوویت یونین حکومت کے زیر اثر ہیں اور 1943-44ء جرمن فوجی حملے کے زمانے میں قفقاز کی بلندیوں اور یوکرین کے ساحل پر بغاوت کا جذبہ نمایاں تھا۔ اس چارسو سال کے عرصے میں اہل ماسکو ترکوں سے بحیرہ اسود نہیں چھین سکے۔

پوٹیمکن نے ملکہ کیتھرین کی بحیرہ اسود کی فتوحات کے زمانے میں ایک سنگ میل تیار کرایا تھا جس کا کتبہ تھا قسطنطنیہ کی طرف۔

روسیوں کے ذہن میں قسطنطنیہ کی فتح اور بحیرہ روم تک پہنچنے کی خواہش بلقان کے ہم نسل سلاف باشندوں کو آزاد کرانے کی خواہش کے ساتھ ساتھ موجزن تھی۔

سمز نے ان کے متعلق لکھا ہے ''یہ خواہشیں اور خواب خواب ہی رہے لیکن مستقل کے لیے باقی رہ گئے''

انیسویں صدی میں اپنے عجیب وغریب عروج کے زمانے میں زار کے روس نے قفقاز کے کا کی پل کے اس پار تک اپنا قبضہ کرلیا۔ بلقان میں قدم جمائے اور یہ حجت کرنا شروع کی کہ درہ دانیال سمندروں تک پہنچنے کا راستہ ہے یہ ہمارے گھر کا دروازہ ہے۔

روسی دلچسپی پھر بالٹک کی گزرگاہ کی بجائے بحیرہ اسود پر مرکوز ہوگئی۔ لیکن روسی خارجی حکمت عملی اپر اقانع تھی کہ درہ دانیال ترکوں کے ہاتھوں میں قلعہ بند اور غیر جانبدار رہے اور جنگ کے زمانے میں کوئی حریف اس سے ہوکر نہ گزرے۔

ترکوں نے جواب دیا درہ دانیال ہمارا گھر ہے بحیرہ مارمورا اور درہ دانیال ان کے ملک کے لیے قلب کی شہ رگ کی طرح ہیں اب بھی اسی طرح ہیں جیسے سلیمان کے زمانے میں تھے۔

انقلاب کے بعد دریائے ڈان کی وادی میں صنعتوں کی ترقی اور قفقاز کے علاقون کے تیل کے چشموں کے باعث سوویٹ روس کے معاشی منصوبے بنانے والوں کی توجہ پھر بالٹک سے ہٹ کر بحیرہ اسود پر مرکوز ہوگئی۔

1939-40ء کی جنگ عظیم کے بعد سوویٹ حکومت کے پھیلاؤ نے مولوٹوف اور ربن تراپ پر قبضہ کرلیا۔ بالٹ پر توجہ جمانے کے بعد انہوں نے پھر بحیرہ اسود کی طرف توجہ کی۔

جب روسیوں نے یہ درخواست کی کہ طرابزون اور اس کے قریب کی پہاڑی سرحد ان کے حوال کر دی جائے اور باسفورس کی شمالی چوکیوں کی حفاظت ان کے سپرد کر دی جائے تو ترکوں نے جو جواب دیا کہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ ''ہمت ہے تو آؤ اور یہ علاقے ہم سے چھین لو''۔

جب جمہوریہ ترکی اس پر ثابت قدم رہی کہ بحیرہ اسود اور باسفورس کے یہ دو اہم مرکز کسی طرح روسیوں کے حوالے نہ کیے جائیں تو روسیوں نے پہلے تو عارضی طور پر قفقاز سے ہو کر آزربائیجان کے راستے ایران کا رخ کیا۔ اور جب وہاں سے انہیں ہٹنا پڑا تو انہوں نے مغرب میں یونان کی پہاڑی کی سرحد اور درہ دانیال کے اس پار کے یونانی جزیروں کا رخ کیا۔

جب انہیں یونانی سے بھی ہٹنا پڑا تو روسی پھیلاؤ کا دھارا اور کسی سمت منتقل ہو گیا اب ترک اس کے منتظر ہیں کہ دیکھیے پھر کب روسی سیلاب کا دھارا بحیرہ اسود اور اس کی آبی گزرگاہوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ لیکن ترکوں کا ایمان ہے کہ ان کی آبنائے باسفورس اور درہ دانیال انکے قبضے میں رہے گا۔ جو ہوتا آیا ہے پھر وہی ہو گا۔

آج کل کے زمانے میں یہ خیال بڑا ہی تسکین بخش ہے۔

گزشتہ جنگ عظیم کے زمانے میں 1944ء کے کرسمس کے بعد (اس سال بڑی سردی تھی) میں نے استنبول کا سفر کیا جس کا نام ایک زمانے میں قسطنطنیہ تھا۔ میں جنگ کے محاذ کے قریب رہنے کے بعد کچھ عرصے کے لیے سکون چاہتا تھا۔ اس

لیے پہلے کی طرح اب بھی سکون کی تلاش مین ترکی پہنچا۔

آسمان پر برستے ہوئے بادل چھائے تھے۔ بعض چھوٹے چھوٹے خاکستری رنگ کے جہاز جومرکز سرائے سے لے کر باسفورس تک لنگر انداز تھے ان پر سواستکا نقش تھا کیونکہ قریب کے یونانی جزیروں پر جرمنوں کا قبضہ تھا۔ بند بازار میں جہاں میں تھا بہت کم خریدار اور تھے۔

باربروسا کے مقبرے پر کہر کی نقاب بھی۔ جس دن میں چھوٹی سی ٹرام پر پہاڑی پر سے ہوتا ہوا یونیورسٹی اور پھر جامع سلطان سلیمان گیا تو اکہ اس کو آخری بار اور دیکھ لوں اس دن بہت تیز بارش ہورہی تھی۔

مسجد میں اور کوئی نہیں تھا لیکن مسجد کے صحن میں فوج میں بھرتی ہونے والے کیڈٹ لڑکوں کا ایک دستہ خاکی یونی فارم پہنے تھے۔ یہ لڑکے اوورکوٹ پہنے تھے اور کسی بات کا انتظار کررہے تھے۔

پھر ایک معمولی سا واقعہ پیش آیا۔ دو اسکول میں پڑھنے والی لڑکیاں بارش سے بچنے کے لیے اندر آئیں پرانے رواج کے مطابق انہوں نے دہلیز پر جوتیاں اتاریں۔ ایک محراب میں وہ جانماز پر بیٹھ گئیں۔ اور اپنی کتابیں کھول لیں گویا وہ درسوں کے درمیان میں اپنا سبق یاد کررہی تھیں۔ ان کا طور طریق بالکل امریکن لڑکیوں کا سا تھا۔ اور ان کی ہر ہر بات امریکن لڑکیوں جیسی۔ کیونکہ قالین پر بیٹھ کر بجائے پڑھنے کے انہوں نے آپس میں باتیں شروع کردیں لیکن اس تعظیم کی وجہ سے بہت آہستہ کہ وہ مسجد میں تھیں۔

مجھے باہر کے کیڈٹ دستے کا خیال نہ رہا اور میں ان لڑکیوں کو دیکھ دیکھ کر سوچنے لگا کہ ان کا مستقبل کیا ہوگا۔ اور ان کی زندگی کی کہانی کیا ہے۔ ہم امریکن ترکوں کے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔ بحیثیت قوم وہ بہت خاموش ہیں۔ اور امریکنوں کو ان کی تاریخیں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں۔

مجھے یقین ہو رہا تھا کہ یہ جدید وضع کی اسکول کی لڑکیاں جو مسجد کے نیم تاریک حجرے میں اس طرح بیٹھی ہوئی تھیں کسی اجنبی قوم کی مخلوق نہیں ہوسکتیں۔ اور تب میں سوچنے لگا کہ میں بار بار اس مقام پر کیوں آتا ہوں اور یہ مسجد کیوں تعمیر ہوئی اور سلیمان کون تھا جس نے اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔

The End------------------------------اختتام